مکمل

تاریخ ارض القرآن

مولانا سید سلیمان ندوی

فیصل
دیوبند دہلی

تاریخ ارض القرآن

(حصہ اول، دوم)

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

ناشر
فیصل پبلیکیشنز دیوبند

نام کتاب	تاریخ ارض القرآن
مؤلف	حضرت علامہ سید سلیمان ندوی
صفحات	۴۴۸
سن اشاعت	
باہتمام	محمد صہیب صدیقی
قیمت	
کمپیوٹر ورک و ٹائٹل ڈیزائن	فیصل کمپیوٹرس دیوبند
مطبع	فیصل پریس دیوبند
ناشر	**فیصل پبلیکیشنز**
	جامع مسجد دیوبند
فون	01336-224110,9359210398
فیکس	01336-224110

Distributed By
FAISAL INTERNATIONAL
468, Gali Bahar Wali Chhatta Lal Mian
Daryaganj New Delhi.110002, Ph.0091-11-23245665
e-mail : faisal india@rediffmail.com

فہرست مضامین

ارض القرآن - حصہ اوّل

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
پیش لفظ	۷	تاریخ قدیم کے بعض اصول	۴۷
تاریخ ارض القرآن	۹	اصول تطبیق اسماء	۴۷
سرمایۂ ارض القرآن	۱۳	اصول اتحاد اسماء و السنہ	۴۹
ادبیات اسلامیہ	۱۳	انتسابات	۵۰
کتب تفاسیر	۱۵	جغرافیۂ عرب	۵۲
تاریخ عرب	۱۶	جغرافیۂ عرب از تورات	۵۵
جغرافیۂ عرب	۱۹	عرب کے نام	۵۵
انساب	۲۳	اقطاع عرب	۵۶
طولمیت	۲۴	عرب کے شہر و مقامات	۵۷
ادبیات اسرائیلیہ	۲۶	قبائل عرب	۵۸
ادبیات یونانیہ و رومانیہ	۲۸	جغرافیۂ عرب از مصنفین یونان و رومان	۶۰
اکتشافات اثریہ	۳۲	ثمود ثانیہ سبا قوم تبع اور اصحاب الحجر کا عہد	۶۰
عسیر	۳۷	حدود عرب	۶۱
جوف اور مارب	۳۷	اقطاع عرب	۶۱
آثار شہر پناہ و قلعہ	۴۳	مقامات عرب	۶۳
آثار بند	۴۳	تدمر	۶۴
آثار حجریہ و نحاسیہ	۴۴	ربات مواب	۶۵
مہر سکہ قیمتی پتھر	۴۵	الرقیم	۶۵
عمارات منہدمہ	۴۵	ربات عمون	۶۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قبائل عرب	٦٦	حجاز	۸۳
عاد ارم	٦٦	مکہ یا بکہ	۸۳
ثمود	٦٦	مدینہ منورہ	۸۴
حضر موت	٦٦	طائف	۸۵
قیدار	٦٧	جوف، ثمود، تبوک، خیبر، مدین	۸۵
جغرافیۂ عہد قرآن	۷۲	عرب شام	۸٦
ملک عرب	۷۲	عرب عراق	۸۷
حدود عرب	۷۲	اقوام ارض القرآن	۸۸
مساحت عرب	۷۳	امم سامیہ	۸۸
طبعی حالات	۷۳	امم سامیہ کا مسکن اول	۹۱
حاصلات عرب	۷۴	مسکن اول سے ہجرت	۹۸
اقطاع عرب	۷۵	نقشہ	۱۰۲
عروض	۷٦	امم سامیہ کے انساب	۱۰۳
یمامہ	۷٦	طبقات انساب	۱۰۳
بحرین	۷٦	شجرہ اقوام ارض القرآن بمطابقت توراۃ	۱۰۵
عمان	۷۷	طبقہ اولیٰ	۱۰۷
نجد	۷۸	امم سامیہ اولیٰ	۱۰۷
یمن	۸۰	عاد	۱۱۰
حضر موت	۸۱	لفظ عاد	۱۱۰
بلاد الاحقاف	۸۱	عاد کا زمانہ	۱۱۰
صنعائے یمن	۸۱	عاد کا مقام	۱۱۱
نجران	۸۲	عاد کی سلطنتیں	۱۱۲
عسیر	۸۲	بیرون عرب	۱۱۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عرب سامیہ یا عاد بابل میں	۱۱۳	عاد ثانیہ یا عاد عرب	۱۴۸
اہل ایران کا بیان	۱۱۴	حضرت لقمان	۱۴۹
توراۃ کا بیان	۱۱۴	عاد ثانیہ کی تاریخ اثری	۱۵۱
اہل عراق کا بیان	۱۱۵	عدن	۱۵۳
تحقیقات جدیدہ	۱۱۵	ثمود	۱۵۵
چار ہزار قبل مسیح	۱۱۷	صالحؑ	۱۵۷
حکومت کش وغشبان وارخ	۱۱۸	حسب سنت الٰہی حضرت ہودؑ اور صالحین	
حکومت اناد	۱۱۸	ثمود کو اس عذاب سے نجات مرحمت ہوئی	۱۶۱
۲۴۰۰ قبل مسیح	۱۲۰	ثمود ثانیہ یعنی بقایائے ثمود	۱۶۲
عرب سامیہ یا عاد مصر میں	۱۲۲	جرہم	۱۶۴
روایت عرب	۱۲۲	طسم وجدیس	۱۶۶
اہل مصر کا بیان	۱۲۳	اہل معین	۱۶۸
قرائین تورات	۱۲۵	معین اور اکتشافات جدیدہ	۱۷۱
عرب سامیہ	۱۳۴	معین کا زمانہ	۱۷۱
اسیریا	۱۳۴	معین اور یونانی مورخین	۱۷۴
ایران	۱۳۴	معین کا دائرۂ حکومت	۱۷۵
فنیقیہ	۱۳۵	شاہان معین	۱۷۷
قرطاجنہ	۱۳۵	بنی لحیان	۱۷۹
یونان وکریٹ	۱۳۵	مجہول قبائل سامیہ	۱۸۱
عاد اور قرآن	۱۳۶	طبقۂ ثانیہ	۱۸۲
بعثت ہودؑ	۱۳۸	بنو قحطان	۱۸۲
تنبیہات	۱۴۵	الموداد	۱۸۳
اندرون عرب	۱۴۸	خلف	۱۸۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ہدورام	۱۸۳	ملوک سبا	۲۰۱
اوزال	۱۸۳	سبا کی تقسیم و تنظیم	۲۰۲
نقشہ	۱۸۴	سبا کے تمدنی وتجارتی حالات	۲۰۲
وقلاہ	۱۸۵	سبا کی عمارتیں	۲۰۶
عوبال	۱۸۵	سد مارب	۲۰۶
ابی مائل	۱۸۵	نقشہ	۲۰۷
اوفر	۱۸۵	جنتین عن یمین وشمال	۲۰۸
حویلہ	۱۸۵	جنت سبا اور قرآن مجید	۲۰۸
یوباب	۱۸۵	ملکہ سبا	۲۱۱
یارح یلعرب	۱۸۶	ملکہ سبا اور قرآن مجید	۲۱۲
حضارموت یا حضرموت	۱۸۸	بعض شکوک کا ازالہ	۲۱۸
حضرموت اور توراۃ	۱۸۹	سبا کا مذہب	۲۲۱
حضرموت اور یونان	۱۸۹	سبا کا تفرق وانتشار	۲۲۱
نقشہ	۱۹۰	بنو کہلان کیا قحطانی ہیں؟	۲۲۳
حضرموت اور آثار قدیمہ	۱۹۱	حمیر یا سبا کا طبقۂ ثالثہ ورابعہ	۲۲۶
حضرموت اور اسلام	۱۹۲	قوم تبع اور اصحاب الاخدود	۲۲۶
سبا	۱۹۳	لفظ حمیر	۲۲۶
نام	۱۹۳	مملکت حمیر	۲۲۸
زمانہ	۱۹۳	حمیر کا زمانہ	۲۲۸
دائرۂ حکومت	۱۹۴	حمیر کے طبقات	۲۲۹
سبا اور اس کی شاخوں میں امتیاز	۱۹۵	شاہان حمیر	۲۳۱
فرماں روایان سبا	۱۹۶	طبقۂ اول کے صحیح نام اور زمانے	۲۳۳
مکارب :	۱۹۹	طبقۂ اول کے حالات سیاسی	۲۳۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
طبقۂ ثانیہ یا تبابعہ	۲۳۶	اصحاب الفیل یا سبائے حبش	۲۴۶
اذوا تبع	۲۳۶	حبش کی اصلیت	۲۴۶
قرآن و تبع	۲۳۷	حبش اور حمیر	۲۴۹
تبابعہ کی تعداد	۲۳۸	اکسوم کے نجاشی	۲۵۰
تبابعہ کے نام اور زمانے	۲۳۸	یمن کا آخری سقوط	۲۵۱
افسانہ ہائے حمیر	۲۴۰	عیسائیت و یہودیت کا تصادم	۲۵۴
تبابعہ کے تمدنی و سیاسی اور مذہبی حالات	۲۴۲	ابرہۃ الاشرم	۲۵۵
اصحاب الاخدود	۲۴۳	واقعۂ فیل	۲۵۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمدك يا من "دحى الارض' وبث فيها رجالا كثيرا ونسآء" و"اسكن' بواد غير ذى زرع "من ذريتهم' شعوباً وقبائل "ذات العماد' والبطش الشديد"" والبسط فى الخلق' من قوم نوح واصحاب الرس وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط واصحاب الايكة وقوم تبع كل كذب الرسل فحق وعيد" فمزقهم كل ممزق وجعلهم احاديث' واصلى واسلم على النبى الابراهيمى الاسمٰعيلى القيدارى المضرى القريشى الهاشمى، وعلى صحبه العدنانين والقحطانيين اجمعين.

آج مسلمانوں کا وطن تمام دنیا ہے تاہم مولد اسلام، موطنِ رسالت، مہبط قرآن دنیا کا صرف ایک ہی گوشہ ہے یعنی عرب جس کو مادی زرخیزی کی محرومی نے گو' بن کھیتی کی زمین' (وادی غیر ذی زرع) کا خطاب دیا لیکن جسکی روحانی سیر حاصلی کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ آج دنیا میں جہاں بھی روحانی کھیتی کا کوئی سرسبز قطعہ موجود ہے اسی کشتِ زار الٰہی کے آخری کسان ﷺ کی تخم ریزی و آب سیری کا نتیجہ ہے۔

اس مہبط وحی قرآنی اور موطنِ اول اسلام کی تقدیس اس بوڑھے پیغمبر (ابراہیمؑ) کے نام سے ہے جس نے اپنے جوان بیٹے (اسمٰعیلؑ) کے خون سے اس 'بن کھیتی کی زمین' کو سیراب کرنا چاہا جس کی سیرابی گردن کے خون سے مقدر نہ تھی، بلکہ دل کے خون سے تھی، جب دل کا خون اس پر برسا تو یہ شورو بے حاصل قطعہ حسب پیشین گوئی سابق لہلہا اٹھا:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح ۴۸:۲۹)

پیروان محمدؐ کی مثال توراۃ و انجیل میں یہ ہے کہ وہ ایک کھیتی ہیں جس کا ڈنٹھل نکلا، مضبوط ہوا، تنہ پر کھڑا ہوا کاشتکار دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تاکہ کافر غم زدہ ہوں۔

اس زمین کے مادی حصہ کی مادی شوری وبے حاصلی، حکمت الٰہی کا مقتضا تھی کہ سلاطین عالم کے دست حرص وہوس سے اس ارض مقدس کی عصمت مصئون رہے اور ... ت انسانی سے تمدن وصنعت

کی سیاہی سے اس کی لوح سادہ، پاک اور فطری ہو، تا کہ خود فطرۃ اللہ کا قلم صرف اپنے حروف و خطوط سے اس کی گلکاری کر سکے اور خدا کی فطرت کا خزانہ جو اس کھنڈر میں دفن تھا، پیغمبر مذہب فطری کے وجود تک محفوظ رہے۔

تاریخ ارض القرآن

سرزمینِ قرآن (عرب) کی تاریخ جس قدر بعد القرآن یعنی اسلام کے بعد روشن ہے، اسی قدر قبل القرآن یعنی اسلام سے پہلے تاریک ہے، قرآن مجید نے بر سبیل عبرت واظہار واقعہ ملک عرب کے متعدد اقوام واشخاص وانبیاء کے حالات مجملاً بیان کئے ہیں، لیکن عرب کی قوم تصنیف وتالیف سے آشنا نہ تھی، اس لئے ان اقوام واشخاص اور اقطاع ملک کے تاریخی، سیاسی، قومی، مذہبی اور جغرافی حالات کے بیان وتفصیل کی بنیاد مسلمان مصنفین نے صرف بے احتیاطانہ زبانی روایات پر رکھی ہے، لیکن اہل یورپ ان کے مقابل یونانی ورومانی سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کے تحریری بیانات اور عرب کے آثار قدیمہ اور نقوش وکتبات پیش کرتے ہیں جو تنہا زبانی روایات سے ظاہر ہے کہ کہیں صحیح تر ماخذ ہیں، اس بنا پر انہوں نے عرب قبل قرآن کی تاریخ کے متعلق بالکل نیا عالم پیدا کر دیا ہے جو ان کی نظر سے قرآن مجید کے بیان اور عرب کے زبانی روایات نے عرب کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے مختلف ہے اور اس لئے ان کو اس میدان میں اعتراضات کا بڑا جولانگاہ نظر آتا ہے۔

اس تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ قدیم وجدید معلومات کی تطبیق کے ساتھ ارض القرآن (عرب) کے حالات مذکورہ کی اس طرح تطبیق کی جائے کہ قرآن مجید کی صداقت اور معترضین کی لغزش علی الاعلان آشکارا ہو جائے۔

اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت سے شاید کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا، قرآن مجید میں عرب کی بیسیوں قوموں، شہروں اور مقامات کے نام ہیں جن کی ہر قسم کی صحیح تاریخ سے نہ صرف عوام بلکہ علماء تک ناواقف ہیں اور نہایت عجیب بات ہے کہ تیرہ سو برس میں ایک کتاب بھی مخصوص اس فن پر نہیں لکھی گئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود مسلمانوں کو ان حالات سے ناواقفیت رہی اور دوسری طرف غیروں کو انہیں افسانہ (Legend) کہنے کی جرأت ہوئی، تورات میں ہزاروں اشخاص، اقوام، بلاد اور

مقامات کے نام ہیں، جو زمانہ کے تطاول اور زبانوں کے ادل بدل سے مجہول اور ناپید ہو گئے لیکن علمائے نصاریٰ کی ہمت سزاوار آفریں ہے کہ وہ ارض تورات (Land of Bible) اور انسائیکلو پیڈیا آف بائیبل کے ذریعہ سے تین ہزار برس کے مردہ نام اپنی مسیحائی سے زندہ کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں بیس تیس اقوام واشخاص سے زیادہ کا تذکرہ نہیں، تاہم ان کی تحقیق کے لئے مخصوص طور سے کوشش نہیں کی گئی عموماً یہ مباحث تفسیر کے ضمن میں لکھے گئے، یا تاریخ عمومی میں مقدمہ کے طور پر مذکور ہوئے حالانکہ اس کی اہمیت مستقل بحث وتصنیف کی محتاج تھی۔

مقام عبرت ہے کہ ہماری مذہبی کتاب کی تحقیق وکاوش میں بھی اغیار نہایت کوشش وجانفشانی سے مصروف ہیں۔ جرمن، فرنچ، اٹالین اور انگلش مستشرقین نے تاریخ عرب قبل اسلام پر محققانہ کتابیں لکھیں، یونانی ورومانی تصنیفات سے جو عرب قبل اسلام کے حالات سے پر ہیں، انتخاب وخلاصہ کیا، قرآن مجید نے جن اقوام وبلاد کا ذکر کیا ہے ان کے کھنڈروں کا مشاہدہ کیا، ان کے کتبات کو حل کیا اور ان سے عجیب وغریب نتائج مستنبط کئے۔

تاہم وہ مسلمان نہیں یہودی یا عیسائی ہیں، انہوں نے نہایت بیدردی سے قرآن کے فوائد کو پامال کیا ہے بعض متعصب مستشرقین نے ان معلومات کو غلط طور سے قرآن کی مخالفت میں استعمال کیا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے وسط میں ریونڈ فارسٹر (Forster) نے عرب کا تاریخی جغرافیہ (Historical Geography of Arab) لکھا ہے جس میں اس نے اپنی جہالت کے عجیب وغریب نمونے پیش کئے ہیں جن کو پڑھ کر کبھی ہنسی آتی ہے اور کبھی رونا آتا ہے لیکن کیا کیجئے کہ ہماری غفلت سے وہ قرآن کی صداقتِ تاریخی کا معیار ہے، بعض پادری قرآن کے تاریخی اغلاط کو پیش کرتے ہیں، لیکن ان کو پیش کرتے وقت افسوس ہے کہ تورات جس کو وہ معیارِ صحت سمجھتے ہیں، بھول جاتے ہیں۔

نولدیکی (Noldeke) نے عمالقہ اور عاد کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ غیر تاریخی قومیں ہیں، ولکن (A.Welken) اور روبرٹس اسمتھ (Roberts Smith) عرب کے ادعائے انساب کا انکار کرتے ہیں، عرب کے بعض اثری اکتشافات کی بناء پر یورپ کے بعض سبک مغز مصنفین جرأت کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”قرآن کے پہلے کا عرب قرآن کے بعد کے عرب سے ہزار درجہ بہتر تھا“۔ لیکن سینٹ ہیلیر ایک فرنچ مستشرق نے نہایت خوب جواب دیا ہے کہ ”اگر یہ صحیح ہوتا تو قرآن تہذیب وتمدن کے عام ابتدائی تعلیمات اور کم از کم محرماتِ نکاح کے بیان کی تکلیف گوارا نہ کرتا“۔

ان آثار قدیمہ کے اکتشاف نے ادیانِ عرب قبل اسلام کے معلومات میں نہایت سخت انقلاب پیدا کر دیا ہے جس سے اسلام کے مناقب و فضائل کا ایک نیا باب پیدا ہو گیا ہے۔

نقشوں کی بہر حال نہایت ضرورت تھی کہ ہمارے دشمن جن جدید معلومات کو ہماری مخالفت میں صرف کر رہے ہیں ان سے اپنی موافقت کے پہلو پیدا کئے جائیں۔

عہد قدیم میں مخالفین کے اعتراضات کا نشانہ اعتقادیات تھے لیکن اس عصر جدید میں جب ہمارے مخالفین عقائد اسلام کی مضبوطی کا اعلان کر چکے ہیں، انہوں نے یہاں سے ہٹ کر تاریخ و تمدن کے میدان میں مورچے قائم کئے ہیں، ضرورت ہے کہ جس طرح ایرانی و یہودی مؤرخین کے مقابلہ میں ابن حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اور ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے اسلام اور قرآن کی تاریخ کی تحقیق و تطبیق میں کوشش کی، اس زمانہ میں جدید یوروپین تاریخ کی اسلام و قرآن سے تطبیق دی جائے اور یوروپین تاریخی تحقیقات و اکتشافات کی غلطی کا پردہ چاک کیا جائے اور خود ان ہی کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے ان کے حملوں کا جواب دیا جائے۔

ان وجوہ سے کتب تفسیر و جغرافیہ و تاریخ اسلامی کے علاوہ جدید یوروپین تصنیفات کا بھی حوالہ دینا پڑا کیونکہ عرب کے آثار عتیقہ اور یونانی و رومانی تصنیفات کی دریافت کا جن سے قرآن کی ہر جگہ تصدیق ہوتی ہے، کوئی اور ماخذ نہ تھا، یہ تمام کتابیں انگریزی زبان کی ہیں، جو یا اصلاً انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں یا جرمن و فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔

کہیں کہیں کسی فرنچ کتاب کا حوالہ ہے، اس کے لئے میں اپنے صدیق صمیم شیخ عبد القادر ایم۔ اے فیلو اینڈ لکچرر آف بمبئی یونیورسٹی و ممبر آف بمبئی ایشیاٹک سوسائٹی کا ممنون ہوں، جنہوں نے میرے لئے از راہِ عنایت فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ کرنے کی تکلیف گوارا کی۔

ارض القرآن کے لئے تورات کی واقفیت نہایت ضروری تھی، تورات کے اردو، فارسی، عربی اور انگریزی تراجم میرے پیش نظر تھے لیکن ناموں کے تلفظ اور فقروں کے ترجمہ میں اس کثرت سے ان میں اختلاف بلکہ تضاد نظر آیا کہ خود اصل عبرانی کی طرف توجہ کرنی پڑی اور تین مہینے کی تعلیم میں اصل کی طرف مراجعت ایک حد تک آسان ہو گئی۔ سبا اور میر کے کتبات بھی عبرانی خط میں شائع کئے گئے ہیں اور زبان بھی تقریباً مابین عربی و عبرانی ہے، یہ قلیل حرف شناسی اس مہم میں بھی کام آئی۔

اقوام و بلاد کے صحیح مقامات کی تعیین کے لئے متعدد نقشوں کی ضرورت تھی، اس فن میں باوجود

بے بضاعتی کے اس خدمت کو نہایت محنت سے خود انجام دینا پڑا۔

ان اجزاء کی ترتیب میں پورے تین برس صرف ہوئے لکھنؤ میں دفتر سیرت نبویؐ کا جب میں اسسٹنٹ تھا تو اس موضوع کا خیال آیا، بلکہ اصل میں سیرت نبویؐ کے دیباچہ ہی کے طور پر اس کے لکھنے کی تحریک ہوئی، لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا میدان زیادہ وسیع اور کشادہ نظر آتا گیا، تا آنکہ یہ بالکل مستقل ایک شئے بن گئی۔

کتاب کا یہ پہلا حصہ ہے جس میں ارض قرآن کا جغرافیہ اور اقوام عرب کے سیاسی، تاریخی، نسبی اور قومی حالات سے بہ تطبیق قرآن بحث کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ عرب کی قوم نے اسلام سے پہلے بھی دنیا میں کیا کیا کار نمایاں انجام دیے ہیں اور انکے تمدن نے یمن و شام و عراق میں کس حد تک وسعت حاصل کی تھی، کتاب کے دوسرے حصہ میں اقوام عرب کے السنہ، ادیان، تجارت، طرق تمدن وغیرہ سے بحث ہوگی، خدا توفیق دے کہ وہ بھی جلد پیش کرسکوں، اپنی محنت و کاوش کے نتائج مسلمان پبلک کی نذر کرتا ہوں۔ واسئل الله تعالیٰ ان یرزقه القبول ویقیض له الرواج۔

سید سلیمان ندوی

۲؍اپریل ۱۹۱۵ء

سرمایۂ ارض القرآن

ارض القرآن کے علم و تحقیق کے جو ذرائع پہلے موجود تھے اور جن سے مصنفین اسلام نے کام لیا ہے اور اب عصر جدید نے ان معلومات کے جو ذرائع پیدا کر دیے ہیں، اس فصل میں ان پر نظر و تبصرہ مقصود ہے۔ ارض القرآن کے لئے اس وقت چار مآخذ سامنے ہیں:

۱۔ ادبیات اسلامیہ (محمڈن لٹریچر)

۲۔ ادبیات اسرائیلیہ (جوئش لٹریچر)

۳۔ ادبیات یونانیہ و رومانیہ (گریک اینڈ رومن لٹریچر)

۴۔ اکتشافات اثریہ (آرکیالوجیکل ڈسکوریز)

۱۔ ادبیات اسلامیہ

قرآن مجید نے اقوام عرب کا تذکرہ صرف عبرت و بصیرت کے لئے کیا ہے، اس بنا پر ان اقوام کے وہ جغرافی و تاریخی و سیاسی حالات جس سے قرآن کے موضوع کو کوئی تعلق نہیں ہے، قرآن مجید نے نظر انداز کر دیے ہیں، بلکہ بعض ایسی قومیں بھی ہیں جن کا قرآن مجید نے بلا تشریح خبر و حال صرف نام لے دیا ہے۔

عہد نبویؐ میں صحابہؓ چونکہ اپنے ملک و قوم کی تاریخ سے واقف تھے اور نیز اس لئے کہ اس تاریخ سے اسلام کو مذہبی حیثیت سے کوئی تعلق نہ تھا، اس سے کوئی بحث نہیں کی۔

لیکن اس عہد کے آخری حصہ میں جب قرآن نے عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز حصوں میں ظہور کیا، جہاں لوگ ان قوموں اور ملکوں کے حالات سے واقف نہ تھے، تو ضرورت ہوئی کہ ان

کے جغرافیائی وسیاسی وتاریخی حالات کی جستجو کی جائے۔ اس وقت جو سامان اس کام کے لئے ہاتھ آسکا وہ حسب ذیل ہے:

۱- قرآن مجید: خود قرآن مجید میں ان قوموں کے جو حالات بیان ہوئے تھے۔

۲- روایاتِ تفسیر: مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے جو حدیثیں نقل کی ہیں، لیکن صحیح طور سے ان کی تعداد بہت کم ہے۔

۱- اسرائیلیات: ان اقوام میں سے اکثر کا ذکر تورات میں مذکور تھا، اس بنا پر یہود ان سے واقف تھے، مسلمان یہودیوں نے اپنے معلومات وروایات کی بنا پر ان کی جو تشریح کی۔

مفسرین کی روایات کا تمامتر مبنیٰ اسرائیلیات ہیں، وہب بن منبہ، کعب الاحبار، ضحاک، سدّی، کلبی، واقدی، مدائنی، مجاہد، عکرمہ وغیرہ ان روایات کے مآخذ ہیں، وہب اور کعب خود اصلاً یہود تھے، اور دیگر حضرات یہودیوں کے خوشہ چیں، یہودیوں سے روایت کوئی بری چیز نہیں ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ ان یہودیوں کی معلومات کی بنا جس قدر تورات اور اسفار پر تھی اس سے زیادہ عام رطب ویابس زبانی کہانیوں پر، اس لئے اکثر یہ روایات صحیح الماخذ نہیں ہیں اور اسی لئے ان میں ہزاروں بے سروپا باتیں موجود ہیں، جو اصل روایت کی رو سے تمام تر ضعیف بلکہ جھوٹ ہیں۔

ابن مردویہ، دیلمی، مجاہد، مقاتل بن سلیمان اور ابن جریر طبری کی تفسیروں کی بنا ان ہی حکایات وروایات پر ہے جن کا اصولاً کوئی اعتبار نہیں۔ ضحاک، سدّی، کلبی، ہشیم ابن عدی، واقدی، مدائنی جو ان روایات کے ناقل یا مصنف ہیں، اسماء الرجال کی کتابوں میں ناقدین حدیث نے ان کی دروغ بیانی، کذب اور ضعف کو بتصریح لکھا ہے۔ عکرمہ، وہب بن منبہ اور کعب الاحبار بھی جرح مفصل سے بری نہیں۔

ان تمام بزرگوں کا سرمایۂ علم یہودی روایات ہیں جن کی بنا تورات، تفسیر، ترگوم اور تالمود پر ہے اور بعض عام گپیں بھی ہیں، یہ تمام کتابیں عام طور سے ملتی ہیں، اس لئے ان روایات منقولہ کے بجائے خود اصول ومتون کی طرف توجہ کرنی چاہئے، ان کتابوں کا ذکر ادبیات اسرائیلیہ میں آتا ہے۔

۴- سب سے عام ذریعہ زبانی خاندانی روایات ہیں جو نسلاً بعد نسل عربوں میں محفوظ چلے آئے تا آنکہ بعد اسلام وہ کتابوں میں مدوّن ہو گئے مسلمانوں کے اصول روایت کی رو سے گو یہ ذریعہ علم زیادہ محفوظ نہیں، لیکن جو خاندانی روایتیں متفقاً اور بلا انکار اور بے شک وشبہ عرب میں عام

طور سے مشہور تھیں اور جن کا ذکر فخراً ہر موقع پر کیا گیا ہے اور کسی نے ان کے انکار ونفی کی وجہ نہ پائی وہ گویا حقیقت تواتر کی حیثیت رکھتی ہیں، جنکی تردید اصولِ تاریخ کے رو سے محال ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس قسم کا تواتر چند موٹے موٹے واقعات وحالات (مثلاً حضرت اسمٰعیلؑ کا مکہ میں قیام، کعبہ کی بنا، قریش کا عدنان تک نسب نامہ، قریش کا اسمٰعیلی خاندان سے ہونا، چند قبائل بائدہ اور امرائے حیرہ و غسان، ملوکِ یمن اور شیوخ حجاز کے بعض ناتکمل اور اوپری حالات) کے سوا اور واقعات میں نہیں۔

۵- اطلاع کا اس سے زیادہ محفوظ ذریعہ عرب کے اشعار وامثال ہیں، جن میں فخر ومباہات مدح وستائش اور اظہار شجاعت وبہادری کے سیکڑوں تاریخی واقعات اور رسوم وعادات کا ذکر ہے، لیکن افسوس کہ یہ گراں قیمت سرمایہ ہمارے پاس اسلام سے چند صدی پیش تر سے زیادہ کا نہیں ہے، تاہم قبل اسلام کے بہت سے خاندان ان کے ذریعہ سے معلوم ہوسکتے ہیں، مؤرخ طبری نے عاد کے حالات میں لکھا ہے کہ "بعض ایرانیوں نے عاد کا انکار کیا ہے، حالانکہ اشعار جاہلیت میں ان کا تذکرہ نہایت کثرت سے ہے، اگر خوف تطویل نہ ہوتا تو میں ان کو نقل کرتا۔"

بہرحال مسلمانوں نے اپنے عہد میں اس سرمایہ کی تدوین وترتیب حسب ذیل صورتوں میں کی:

۱- کتب تفاسیر

تفسیر کی کتابوں میں آیات متعلقہ کے تحت میں ان کو لکھا، اس قسم کی تفسیریں یہ ہیں:

تفسیر مجاہد بن جبیر	المتوفی ۱۰۳ ہجری
تفسیر مقاتل بن سلیمان	المتوفی ۱۵۰ ہجری
تفسیر ابراہیم بن معقل النسفی	المتوفی ۲۹۵ ہجری
تفسیر دیلمی	المتوفی ہجری
تفسیر ابن جریر طبری	المتوفی ۳۱۰ ہجری
تفسیر ابن ابی حاتم	المتوفی ۳۲۷ ہجری

تفسیر ابن حیان — المتوفی ۳۶۹ھ ہجری

تفسیر ابن مردویہ — المتوفی ۴۱۰ھ ہجری

تفسیر بغوی — المتوفی ۵۱۶ھ ہجری

۲۔ تاریخِ عرب

ابتدائی مؤرخین جن کا سلسلہ حضرت معاویہؓ کے عہد سے شروع ہو گیا تھا، عبید بن شریہ، ابو عبیدہ، عوانہ بن حکم، ہشام کلبی، قاضی ابو البختری، ابن ہشام ہیں۔ یہ وہ مصنفین ہیں جنہوں نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں خالص عرب کی قدیم تاریخ لکھی، ان کی تصنیفات کے نام یہ ہیں[1]:

۱۔ عبید بن شریہ۔ کتاب الاخبار الملوک الماضیین، کتاب کے نام کا ترجمہ یہ ہے "گزشتہ بادشاہوں کے حالات"۔ یہ امیر معاویہؓ کا معاصر تھا، اس کتاب کے اقتباسات مسعودی میں جا بجا ہیں۔

۱۔ ابو عبیدہ: کتاب مغارات قیس والیمن، کتاب خبر عبد القیس، کتاب مناقب باہلہ، کتاب مکہ والحرام، کتاب بیوتات العرب، کتاب مآثر العرب، کتاب مآثر غطفان، کتاب قصۃ الکعبۃ، کتاب الحمس من قریش، کتاب الاوس والخزرج، کتاب ایام بنی یشکر

۳۔ مبرد: کتاب ایام بنی مازن، کتاب قحطان وعدنان

۴۔ ہشام کلبی: کتاب من نقل من عاد وثمود والعمالیق وجراہم وبنی اسرائیل من العرب، کتاب ملوک کندہ، کتاب طسم وجدیس، کتاب عاد الاولیٰ والثانیہ، کتاب تفرق عاد، کتاب اصحاب الکہف، کتاب الحیرۃ

۵۔ قاضی ابو البختری: کتاب طسم وجدیس

۶۔ ابن ہشام: سیرۃ نبوی کے مقدمہ میں عرب قدیم کی تاریخ لکھا اور کتاب التیجان[2] کے نام سے ایک الگ کتاب اس موضوع پر لکھی۔

---

[1] کتاب الفہرست ابن ندیم باب الاخبار من صفحہ ۵۴۔۸۹۔ طبع یورپ

[2] یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدر آباد نے چھاپ دی ہے۔

۷۔ چوتھی صدی کی بہترین تصنیفات، اس باب میں ابن الحائک ہمدانی ایک عرب جغرافیہ نویس کی دو کتابیں ''صفۃ جزیرۃ العرب'' اور ''اکلیل'' ہیں۔ پہلی کتاب عام جزیرۂ عرب کا جغرافیہ ہے۔ کتاب لیڈن میں چھپ گئی ہے، دوسری کتاب ''اکلیل' صرف یمن کی تاریخ ہے، اکلیل کا کامل نسخہ اب تک کہیں نہیں ملا ہے، اس کا ایک ٹکڑا پروفیسر مولر (D.H.Mullir) کی کوشش سے شائع ہوا ہے، کتاب دس ابواب[1] پر منقسم ہے۔

باب اول: ابتدائے خلقت اور عرب وعجم وحمیر قوموں کے سلسلہ ہائے نسب

باب دوم: الہمیسع بن حمیر کی اولاد کا سلسلۂ نسب

باب سوم: قحطان کے فضائل

باب چہارم: یعرب بن قحطان سے لے کر تبع ابوکرب کے زمانہ تک کی تاریخ

باب پنجم: تبع ابوکرب سے ذونواس تک کی تاریخ

باب ششم: ذونواس سے عہد اسلام کی تاریخ

باب ہفتم: جھوٹے قصے اور خلاف عقل واقعات

باب ہشتم: حمیر کے عمارات، سلاطین، لڑائیاں، مقبرے اور انکے اشعار، نقوش اور کتبات

باب نہم: حمیری زبان کی ضرب المثلیں اور حمیری خط

باب دہم: حمیر کے خاندانِ ہمدان کے حالات

یورپ میں اس کتاب کا اکثر حصہ برٹش میوزیم لندن اور رائل لائبریری برلن میں موجود ہے۔ مستشرقین یورپ اس کتاب کی بہت قدر کرتے ہیں اور عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق اس سے زیادہ مستند اور کوئی حوالہ نہیں سمجھتے، ہمدانی چونکہ حمیری زبان سے واقف تھا اس لئے آثار و کتبات کو وہ پڑھ سکتا تھا، اسی لئے اس باب میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

۸۔ علقمہ بن علکم ایک شاعر نے قصیدۂ نونیہ میں حمیر (قوم تبع) کے حالات اور عام عمارات کے ناموں کو نظم کیا ہے۔

۹۔ نشوان بن سعید الحمیری ۵۷۰ھ نے قصیدۂ حمیریہ کے نام سے حمیر کی تاریخ نظم کی ہے جس میں زیادہ تر سلاطین کے نام ہیں۔

---

[1] طبقات الامم لابن صاعد اندلسی صفحہ ۹۱۔۹۲ مطبع مصر

نشوان نے خود یا اسی عہد کے ایک دوسرے مسلمان عالم نے اس قصیدہ کی نثر میں شرح لکھی ہے۔ابن سعید حمیری کی سب سے عجیب وغریب تصنیف شمس العلوم ہے جو گو ایک لغت کی کتاب ہے لیکن الفاظ متعلق حمیر و یمن کے ضمن میں بہت سے حمیری الفاظ اور ناموں کی تصحیح کی ہے اوران کے معنی لکھے ہیں۔لفظ مسند کے تحت میں خط مسند حمیر کے حروف ہجاء لکھے ہیں، جن سے مستشرقین یورپ کو حمیر وسبا کی تاریخ کی ترتیب اور کتبات پڑھنے میں بہت مدد ملی ہے۔

کتاب التیجان، قصیدۂ حمیریہ، شرح قصیدۂ حمیریہ اور شمس العلوم، یہ تمام نادر سرمایہ بانکی پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔قصیدۂ حمیریہ کوالفریڈوان کریمر ایک مستشرق نے شائع بھی کر دیا ہے، شمس العلوم کا ایک عمدہ نسخہ اسکوریال لائبریری میں بھی موجود ہے[1]۔

اسلامی ذخائر علمی کا جو سرمایہ ہمارے پاس موجود اور مطبوع ہے اس کے رو سے عرب قدیم کا سب سے پہلا مؤرخ ابن اسحٰق المتوفی ۱۵۱ھ ہے، جو اس وقت ابن ہشام المتوفی ۲۱۸ھ کی روایت سے موجود اور اس کی تصنیف کتاب السیرۃ کا جز ہے۔اس کے بعد کے مؤرخین اسلام نے بھی عموماً اپنی تاریخ کی تمہید میں تاریخ عرب و بنی اسرائیل کے ضمن میں اشخاص واقوام قرآن سے بحث کی ہے۔بہر حال مؤرخین اسلام میں جن کی تصنیفات موجود اور مطبوع ہیں، اس موضوع کے متعلق خاص اہمیت حسب ذیل اشخاص کو حاصل ہے:

نام	سنہ وفات	نام تصنیف	مقام طبع
ابن ہشام	۲۱۸ھ	کتاب السیرۃ	مطبوعہ یورپ ومصر
ابوالولید ازرقی	۲۲۳ھ	اخبار مکہ	مطبوعہ یورپ ومصر
ابن قتیبہ	۲۷۶ھ	کتاب المعارف	مطبوعہ یورپ ومصر
ابن واضح یعقوبی	۲۷۷ھ	تاریخ یعقوبی	مطبوعہ یورپ ومصر
ابوجعفر طبری	۳۱۰ھ	تاریخ الرسل والملوک	مطبوعہ یورپ ومصر
حمزہ اصفہانی	۳۷۰ھ	تاریخ سنی ملوک الارض	مطبوعہ یورپ وکلکتہ
مسعودی	۳۴۶ھ	مروج الذہب	مطبوعہ یورپ ومصر

[1] اس کتاب کے طبع اول کے بعد ۱۹۱۶ء میں اس کتاب کا منتخب حصہ متعلق تاریخ یمن ڈاکٹر عظیم الدین کی جمع وترتیب سے گب میموریل سیریز لندن سے شائع ہوا ہے۔

یہ عرب کے قدیم مؤرخین ہیں۔ متاخرین میں صرف دو شخص قابل ذکر ہیں:

نام	سنہ وفات	نام تصنیف	مقام طبع
ابوالفداء	۷۳۲ھ	المختصر فی اخبار البشر	مطبوعہ یورپ و مصر
ابن خلدون	۸۰۸ھ	کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر	مطبوعہ یورپ و مصر

۳۔ جغرافیہ عرب

مسلمانوں میں جغرافیہ کی ابتدا خود عرب سے ہوئی ہے کہ وہ ان کا وطن تھا اور اس کی ابتدا انہوں نے اس وقت کی جب یونانیوں کے لفظ "جغرافیہ" سے بھی ان کو واقفیت نہ تھی۔ انہوں نے گو خاص طور سے مخصوص قرآن کا جغرافیہ نہیں لکھا لیکن جغرافیہ عرب کے ضمن میں قرآن کے بہت سے مقامات کا نشان دیا۔ عرب کا ایک ایک پہاڑ، تالاب، وادی، چراگاہ، شہر، گاؤں، پڑاؤ، عمارت غرض ملک عرب کے ایک ایک ذرہ کو گن ڈالا اور اس کے حالات جغرافی اور توبوغرافی طریقہ سے مدون کیے۔

اس فن پر دو قسم کی کتابیں ہیں، ایک وہ جن میں مخصوص طور پر صرف عرب کا جغرافیہ ہے۔ دوم وہ جن میں دیگر ممالک کے جغرافیہ کے ساتھ عرب کا بھی تذکرہ ہے۔

اول قسم کی کتابیں حسب ذیل ہیں:

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
ابوزیاد کلابی	اواخر سنہ ۲۰۰ھ	کتاب النوادر	کتاب کے چند ٹکڑے ہیں، ایک عرب کے جغرافی حالات پر ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں جغرافیہ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔
نضر بن شمیل	۲۰۳ھ	کتاب الصفات	کتاب کا دوسرا ٹکڑا عرب کے خیمہ گاہوں، گھروں، پہاڑوں اور گھاٹیوں کے بیان میں ہے۔

ہشام بن محمد کلبی	۲۰۶ھ	کتاب البلدان کتاب الاقالیم	....
ابوسعید الاصمعی	۲۱۳ھ	کتاب جزیرۃ العرب کتاب میاہ العرب	پہلی عام جغرافیہ عرب معلوم ہوتی ہے۔ دوسری صرف عرب کے تالابوں کے بیان میں ہے۔
سعدان بن مبارک	اوائل ۳۰۰ھ	کتاب الارضین والمیاہ والجبال	زمین، تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں۔
ابوسعید حسن السکری	اواخر ۳۰۰ھ	کتاب المناہل والقری والابیات	عرب کے گھاٹوں، آبادیوں اور گھروں کے بیان ہیں۔
عمر بن رستہ	اواخر ۳۰۰ھ	الاعلاق النفیسہ	فصل سات جغرافیہ میں ہے۔ ایک ٹکڑا متعلق صنعا سمیٹک اسٹڈی سیریز نمبر ۸ میں رچرڈ گوتھائیل نے چھاپا ہے۔
ابن حائک ہمدانی	۳۲۰ھ	صفۃ جزیرۃ العرب	جغرافیۂ عرب میں بڑی محققانہ کتاب ہے۔ عرب کے اقطاع، اقوام، قبائل، حیوانات، راستہ پہاڑ، تالاب، چراگاہ، وادی، معدنیات، آثار قدیمہ مقامات، قبائل، بعد مسافت وغیرہ کے بیان میں ہے، لیڈن میں بتمامہ ۱۸۱۹ء چھپ گئی ہے۔
ابوزید بلخی	۳۴۰ھ	کتاب البدء والاخبار	فصل ۱۳ عرب کے جغرافیہ اور اسکے مساجد، راہ اور اسکے عجائب و آثار کے بیان میں ہے۔ فرنچ مستشرق کلمان ہوانے اسکو شائع کیا ہے۔
ابوسعید حسن السیرانی	۳۶۸ھ	کتاب جزیرۃ العرب	....
حسن بن محمد المعروف بالمجالع	۴۸۰ھ	کتاب الاودیہ والجبال	عرب کے پہاڑوں اور وادیوں کے بیان میں ہے۔

محمود بن عمر زمخشری	۵۳۸ھ	کتاب الامکنہ والمیاہ والجبال	عرب کے مقامات، تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں ہے[۱]۔
البکری	۴۸۷ھ	معجم ما استعجم	مقامات عرب کے بیان میں کوبنجن میں چھپی ہے۔
سیوطی	۹۱۰ھ	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنہ والبقاع	چھ جلدوں میں طبع ہوئی ہے، عرب کے تمام مقامات کا استقصار ہے، ملخص از معجم یاقوت۔

دوسری قسم کی کتابیں یہ ہیں:

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
ابن خردازبہ	موجود ۲۵۰ھ	کتاب المسالک والممالک	یورپ میں چھپی، وسط کتاب میں یمن کے نام سے عرب کا ذکر کیا ہے۔
ابن فقیہ ہمدانی	۲۹۰ھ	کتاب البلدان	یورپ میں چھپی، باب ۲ در ذکر مکہ، طائف، مدینہ، یمامہ، یمن۔
ابن واضح یعقوبی	اواسط ۳۰۰ھ	کتاب البلدان	یورپ میں چھپی۔
اصطخری	۳۴۰ھ	کتاب المسالک و الممالک	یورپ میں چھپی، باب اول ذکر جغرافیۂ عرب۔
مسعودی	۳۴۶ھ	مروج الذہب	یورپ اور مصر میں چھپی۔
ابن مردویہ	۳۵۲ھ	معجم البلدان	قلمی نسخہ موجود کتبخانہ حیدرآباد، بانکی پور مرتب بہ ترتیب حروف ہجاء، عرب کے حسب ذیل شہروں کے حالات ہیں: ام القریٰ، بحرین، عام عرب، عمان، مدینہ۔

[۱] یہ کتاب اب چھپ گئی ہے۔

ابن حوقل	۳۶۲ھ	کتاب المسالک و الممالک	یورپ میں چھپی، باب اول عرب کے جغرافیہ پہاڑ، ریگستان اور راستوں کے بیان میں ہے۔
ابوالنباء بشاری مقدسی	۳۷۵ھ	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	یورپ میں چھپی، عرب کے صوبوں قصبوں، گاؤں، عمارات، معدنیات اور کھنڈروں کے بیان میں۔
ادریسی	۵۴۵ھ	نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق	اس کے جو ٹکڑے چھپے ہیں ان میں عرب کا ذکر نہیں۔
یاقوت	۶۲۳ھ	معجم البلدان	مصر میں چھپی، دس جلدوں میں بہ ترتیب حروف عرب کے تمام مقامات، پہاڑ، تالاب، اور وادیوں کا ذکر ہے اور طول بلد اور عرضِ بلد لکھا ہے۔
زکریا قزدینی	مولود ۶۷۴ھ	آثار البلاد	یورپ اور مصر میں چھپی، مختصر کتاب بہ ترتیب اقالیم ہے، ہر اقلیم میں عرب کا جو حصہ پڑتا ہے اس کا ذکر ہے۔
شمس الدین دمشقی	۷۲۷ھ	نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر	یورپ میں چھپی، باب ۷ فصل ۱۰ عرب کے عام جغرافیہ، حدود، صوبوں، شہروں اور قلعوں کے بیان میں۔
ابوالفداء	۷۳۲ھ	تقویم البلدان	یورپ میں چھپی، فصل اول میں عرب کی ۴۲ آبادیوں کا ذکر کیا اور ان کا طول بلد و عرض بلد لکھا ہے۔

ان تمام کتابوں میں ابن خرداذبہ کے سوا قرآن پاک کے مقامات کا جہاں ذکر آیا ہے، ان کی تفصیل مذکور ہے۔

۴۔ انساب

اگر تورات کو الگ کر دیا جائے تو دنیا میں عرب ہی ایک ایسی قوم ہوگی جس نے سلسلۂ نسل و انساب کو ایک فن بنا دیا، ایک عرب کے نزدیک میزان مفاخرت میں شرافت نسب سب سے گراں قدر ہے۔ اس بنا پر عرب میں بچہ بچہ اپنے نسب کا یاد رکھنا ضروری سمجھتا تھا کہ اظہار فخر کے موقع پر اپنے کرم نسب کا ثبوت پیش کر سکے۔ شعرائے عرب کو اکثر قبائل کے سلسلۂ انساب کو محفوظ رکھنا اس لئے ضروری تھا کہ مدح و ہجو کے موقع پر اس کا ذکر کر سکیں، زمانۂ جاہلیت میں اور بعد اسلام بھی عرب میں بہت بڑے بڑے علمائے انساب گزرے ہیں جو عرب کے تمام قبائل کے اور اکثر ہر قبیلہ کے مشاہیر کے نسب سے واقف تھے۔ تدوین علوم کے زمانے میں یہ علم بھی مدون ہوا اور علمائے انساب نے اس پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ابتدائے اسلام میں دغفل بکری، لسان الحمرة، عبید بن شریہ اور بعد کو ابتدائی صدیوں میں ابن کواء، قبرقی، عوانہ بن حکم، ابو الیقظان، ہشام کلبی، محمد بن سائب کلبی، مدائنی، فاکہانی، مصعب بن عبداللہ زبیری، زبیر بن بکار مصنف انساب قریش، اصمعی، ابوعبیدہ، ابن ہشام مصنف انساب حمیر و ملوکھا، مبرد، اور ازرقی اور متاخرین میں بلاذری، سمعانی، ابن حزم اور قلقشندی وغیرہ اس فن کے امام تھے[۱]، گو ہم کو یہ معلوم ہے کہ ان کی روایات میں یقینی صحت کا شائبہ بہت کم ہے لیکن اس سے زیادہ ہے جتنا روبرٹسن اسمتھ (Robertson Smith) اور نولدیکی (Noldeke) کو نظر آتا ہے۔ نولدیکی کہتا ہے:

> "اب علماء کے لئے موقع آگیا ہے کہ ان طفلانہ خیالات کو پس پشت ڈال دیں جو چاہتے ہیں کہ عربوں کی کتب انساب کو جن کو محمد کلبی اور اس کے بیٹے ہشام کلبی نے گڑھا ہے، مان لیں، تا کہ باہم قبائل عرب قدیمہ و جدیدہ کے تعلقات تحقیق و یقین کے ساتھ ظاہر ہوں۔ کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ تمام قبائل بنی قیس جو وسط ملک عرب میں آباد ہیں وہ صرف ایک شخص کی نسل سے ہوں، یعنی قیس کی، جو مسیح سے کچھ پہلے تھا، اسلئے ہماری یہ تحقیق ہے کہ کوئی قبیلہ درحقیقت اپنے اس پدر اوّل سے واقف نہیں جس کی طرف وہ منسوب ہے[۲]"۔

۱؎ دیکھو کشف الظنون ج ۱ ص ۱۱۲۳ اور فہرست ص ۵۱، ۵۴، ۵۵، ۸۹

۲؎ دیکھو الامومة عند العرب مترجم از جرمن مؤلف G.A.Wilkis مطبوعہ قازان (روس) ص ۵

روبرٹسن اسمتھ کہتا ہے:

"یہ محقق ہو چکا ہے کہ چند قبائل زمانہ ماضی غیر قدیم میں کسی تاریخی شخص کی طرف منسوب نہ تھے[1]"

ہم کو ان دونوں محققوں سے سوال کا حق ہے کہ اس عام بے اعتباری کے دلائل کیا ہیں؟ عرب کے ایک ایک قبیلہ کے لئے ضروری تھا کہ دوستوں کی مدح اور دشمنوں کی ہجو کے لئے انساب محفوظ رکھے ،عرب کا ہر وہ قبیلہ جو غیر پدر کی طرف انتساب کرتا ،وہ عرب میں حقیر و ذلیل سمجھا جاتا اور بطور نشان ملامت کے اس کا نام لیا جاتا ،شعرائے عرب مختلف مواقع کے لئے انساب کے زبانی یاد رکھنے پر مجبور تھے کیا ان واقعات کے بعد بھی اس عام بے اعتباری کی کوئی مناسب وجہ ہے، بنو قیس کی طرح ۶۰۰ سو برس کی مدت میں ایک شخص کی اولاد سے چند بطون وقبائل کا پیدا ہو جانا کوئی محال امر نہیں۔

طوطمیت: یورپ کے ان علمی توہم پرستوں کے انکار انساب کی بنیاد مسئلہ طوطمیت (ٹوٹزم) پر ہے۔ طوطمیت اس کا نام ہے کہ "اشخاص وقبائل کا اپنے کو دیویوں ،ستاروں ،حیوانوں اور درختوں کی طرف منسوب کرنا۔قدیم زمانہ میں جب انسان بچہ تھا ،جب کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا تھا تو وہ انسانوں کی ولدیت سے نکل کر دیویوں کی نسل قرار پاتا تھا ،وہ دیویاں خواہ ستارے ہوں یا حیوانات یا درخت ہوں۔ہندوؤں میں سورج بنسی اور چندر بنسی وغیرہ قبائل تھے جو اپنے کو انسانوں کے نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب کے بیٹے کہتے تھے ،اس لئے سورج اور چاند کے متعلق یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ قبیلہ کے مورث اوّل کا نام ہے بلکہ وہ اس قبیلہ کی دیوی کا نام ہے۔

قبائل عرب میں بھی بنو شمس وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں اور حیوانات کے نام تو بکثرت آتے ہیں ،جیسے بنو اسد ،بنو فہد ،بنو ثعلب ،بنو کلب ،بنو نمل ،بنو عجل وغیرہ ۔نظریہ طوطمیت کے مطابق شمس ،اسد ،فہد ،ثعلب ،کلب ،نمل ،عجل اشخاص تاریخی نہیں ہیں اور نہ ان قبائل کے مورث اول کے نام ہیں بلکہ یہ ان ستاروں اور حیوانوں کے نام ہیں جن کی پرستش وہ قبیلے کرتے تھے اور ان ہی کی طرف اپنے کو منسوب سمجھتے تھے۔

لیکن یہ محض علمی توہم پرستی ہے ،عرب میں کبھی اس قسم کا خیال نہیں پیدا ہوا ،اس خیال کی پیدائش عراق ،ہندوستان ،مصر اور یونان کی میتھالوجی (علم الاصنام) میں ممکن ہے۔اس قسم کے نام

[1] دیکھو الامومۃ عند العرب مترجم از جرمن مؤلف G A.Wilkis مطبوعہ قازان (روس) ص ۵

عرب میں صرف چند ہیں اور جو ہیں ان میں کلب (کتا)، نمل (چیونٹی)، ثعلب (لومڑی) کون سی گرامی قدر ہستیاں ہیں جن کے انتساب سے خاندان کی بنیاد قائم ا۔ور یہ اس قسم کے نام ہیں جن سے اس زمانہ روشن کا طبقہ ٔ متمدن بھی خالی نہیں، تم نے بعض انگریزوں کے نام فاکس Fox (لومڑی)، بل Bull (بیل) سنے ہوں گے، کیا یہ بھی طوطمیت ہے؟

ادبیات اسرائیلیہ

یہودیوں میں حضرت موسیٰ کے عہد سے ۶۰۰ء تک جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے، متعدد کتابیں وحی الٰہی یا قوت انسانی سے ترتیب پائیں، اور چونکہ قرآن مجید اور یہ کتب اسرائیلیہ ایک ہی مقصد سے انسانوں کو دی گئیں، اس لئے ان میں اکثر حالات وقصص کا باہم اشتراک ہے، اس سلسلہ میں ایک عجیب نکتہ وہ اضافہ واسقاط ہے، جو قرآن نے ان کتابوں کے مطالب میں کیا ہے، جہاں قرآن نے اسقاط کیا ہے، حقیقت میں وہ شے وحی الٰہی یا مقصود قرآنی سے خارج تھی، اور ہر شخص کو نظر آئے گا کہ وہ خارج کرنے کے لائق تھی، اور جہاں اضافہ ہے درحقیقت وہ اس واقعہ کا اصل نکتہ تھا جس کو ان کتابوں نے جن میں انسان کے ہاتھوں نے کام کیا ہے، گرادیا تھا، اور قرآن نے جو تکمیل کتب اور وحی اولین کی تصدیق وتصحیح کے لئے آیا تھا اس کو اپنے موقع پر جگہ دی۔

ادبیات اسرائیلیہ کا مجموعہ توراۃ، کتبیم، نبیم، ترگوم، مدراش اور تالمود سے عبارت

توراۃ: ایک عبری لفظ ہے جس کے معنی شریعت اور قانون کے ہیں، اس نام کا اطلاق حضرت موسیٰ کی پانچ کتابوں پر ہوتا ہے، یعنی سفر تکوین (درذکر بدء کائنات، آدم وحواؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، اسمٰعیلؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ) سفر خروج (درذکر موسیٰ، فرعون، بنی اسرائیل، وتفصیل قانون) سفر الاحبار (شریعت وقانون حلال وحرام) سفر العدد (درذکر تعداد بنی اسرائیل وقت خروج از مصر وغزوات موسیٰ وبعض احکام شریعت) سفر الاستثناء (درذکر قوانین واحکام شریعت)۔

نبیم نبی کی جمع بقاعدہ عبری ''ی'' اور ''م'' کے ساتھ ہے، عربی قاعدہ سے نبیین کہنا چاہئے نبیم انبیائے بنی اسرائیل کے کلام ومواعظ ومراثی کا مجموعہ ہے، جن میں بہت سی تاریخی باتیں بھی ضمناً مذکور ہیں، خصوصاً سفر یوشع وسفر القضاۃ وسفر سموال وسفر الایام وسفر الملوک کہ ان میں صرف تاریخی واقعات ہیں، اکثر توراۃ کا اطلاق توراۃ اور نبیم دونوں پر ہوتا ہے، اور ان میں سے بعض کو کتبیم بھی کہتے ہیں۔

ترگوم یا ترجوم یعنی ترجمہ وبیان، ترگوم آرامی زبان میں توراۃ ونبیم کی تفسیر وتوضیح کا نام ہے،

جوربیّوں (ائمہ یہود) نے انبیا کی زبانی یادداشت وروایات کی بنا پر کی، اس کی تصنیف کا زمانہ ۶۰۰ قبل مسیح سے ۱۰۰۰ء تک ہے۔

مدراش کا درجہ ہمارے ہاں کی احادیث کا ہے، لفظ مدراس اور عربی ''درس'' ایک چیز ہے۔

تالمود یا تلمود فقہ اسرائیلی ہے، جس کی بنیاد کتب سابقہ ہے اور جس کی ترتیب ابواب پر قائم کی گئی ہے، (لفظ تلمود عربی میں تلمیذ ہے، جس کے معنی تعلیم وعلم کے ہیں)

یہود کے ہاں یہ تمام کتابیں مستند ہیں، نصاریٰ صرف توراۃ نبیم وکتبیم کو تسلیم کرتے ہیں اور ان ہی کے مجموعہ کو وہ عہد عتیق کہتے ہیں، ان کتابوں پر تفصیلی بحث ونقد اور اسلام میں ان پر اعتبار اور ان کے مختلف نسخے، یہ بیانات کسی دوسری جلد میں مشرحا انشاء اللہ مذکور ہوں گے اس وقت یہاں ان کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ چونکہ ارض القرآن کو ان کتابوں سے نہایت شدید تعلق ہے اور ان کا ذکر بار بار آئے گا، اس لئے ان کا اجمالی علم ناظرین کے پیش نظر رہے۔

اسلام میں جو اسرائیلیات کا سرمایہ ہے وہ زیادہ تر ان ہی تراجم، مدراس اور تالمود سے ماخوذ ہے۔

ادبیات یونانیہ ورومانیہ

یونانی اور رومانی مورخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے جستہ جستہ اور متفرق طور پر ان ملکوں اور قبیلوں کا ذکر کیا ہے جن کا قرآن میں نام ہے، ان میں سے بعض مصنفین خود ان قبیلوں اور قوموں کے معاصر تھے اس لئے ان کی اطلاع قابل اطمینان ہے، ان کا سلسلہ ہیرو ڈوٹس المتوفی ۴۰۶ قبل مسیح سے چھٹی صدی عیسوی کے مورخوں تک ختم ہوتا ہے، ان مورخوں سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں میں ہیرو ڈوٹس (۴۰۶ق م) تھیوفراسٹس (۳۱۲ق م) ڈیڈورلس (۸۰ق م) اسٹرابو (۲۴ق م) پلینی (۷۹ء) بریبلوس (۸۰ء) بطلیوس (۱۴۰ء) قابل ذکر ہیں، ان میں سے ہیرو ڈوٹس، ڈیڈوریس، اسٹرابو، پلینی اس باب میں مشہور ہیں اور بطلیموس مشہور تر۔

ہیرو ڈوٹس مسیح سے ۴۰۰ برس قبل تھا اس نے یونان وایران کی تاریخ لکھی ہے، اور اسی ضمن میں مصر، افریقہ اور عرب کا بھی تذکرہ کیا ہے، یونان کا تعلق عربوں سے گو براہ راست نہ تھا، لیکن یونان وفارس کے باہمی محاربات میں عربوں نے اہل فارس کا ساتھ دیا تھا، اس لئے اس قوم کا ذکر ضروری ہوا، چنانچہ ہیرو ڈوٹس نے اسی حیثیت سے عربوں کا ذکر کیا ہے، ہیرو ڈوٹس کی تاریخ کا عربی میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے۔

ملک عرب میں نسبت ہیرو ڈوٹس کا علم نہایت نامکمل تھا، اس کا خیال تھا کہ عرب سب سے آخری جنوبی ملک ہے، جس کے بعد کوئی آبادی نہیں، دوسری طرف وہ خلیج فارس سے جو عرب کو فارس سے علیحدہ کرتی ہے، ناواقف تھا اس لئے اس کا بیان ہے کہ عرب کی زمین فارس کی زمین سے ملحق ہے۔

ہیرو ڈوٹس کے ایک صدی بعد اسکندر اعظم ایران ومصر پر حملہ آور ہوا، اور اس طرح اس کے ساتھیوں کو ۳۲۵ق م میں خلیج فارس اور سواحل عرب کا علم ہوا، اس نے چاہا کہ عرب کی غیر مفتوح زمین کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لائے لیکن دوسرے سال وہ خود موت کے قبضہ میں تھا، تاہم چونکہ اب یونانیوں کا مصر وفارس سے حاکمانہ تعلق پیدا ہو چکا تھا، اس لئے اسکندریہ اور خلیج فارس میں عرب تاجروں سے ان کو اکثر واقفیت کا موقع ملا، اس زمانہ میں عرب یمن میں ''معین'' ''سبا'' اور ''قتاب'' کی اور حجاز وبطرا میں ''حبط'' کی حکومتیں قائم تھیں، جن کے ساتھ انکے دوستانہ ودشمنانہ تعلقات مختلف اوقات میں قائم رہے، ان وجوہ سے عرب کے متعلق پہلے سے وہ کچھ زیادہ جان سکے۔

اراتستھینس (Eratasthenes) المتوفی ۱۹۶ ق م نے جو یونانیوں کے عہد میں کتب خانہ اسکندریہ کا مہتمم تھا، اسکندریہ کی مہمات سفر سے جو نتائج تازہ معلوم ہوئے تھے ان کے اضافہ کے ساتھ جغرافیہ عام کی ایک کتاب لکھی، اس کی اصل کتاب گو ضائع ہوگئی لیکن اس کے بعد ایک اور یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو نے اس کتاب کے چند ابواب اپنے جغرافیہ میں نقل کر لئے تھے، خوش قسمتی سے ان میں ایک عرب کا باب بھی محفوظ ہے۔ اراتستھینس نے یمن کے قبائل سبا و معین اور ان کے تمدن کا اور نیز قبائل حضرموت کا اور عرب کارواں کے ان راستوں کا جو براہ قریہ خلیج فارس کو اور براہ تہامہ راس خلیج عقبہ کو پہنچتے ہیں، ذکر کیا ہے، اراتستھینس کے تقریباً سو برس کے بعد سسلی کا مشہور مورخ ڈیوڈورس المتوفی ۸۰ ق م پیدا ہوا جس نے عرب کے بعض حالات کا نشان دیا، نبط کی حکومت کا ذکر کیا اور سب سے عجیب یہ کہ کعبہ مکرمہ کی طرف بھی اس نے اشارہ کیا[1]، افسوس ہے کہ اس کی کتاب کا زیادہ تر حصہ تلف ہوگیا ہے۔

عرب قدیم قوموں میں اپنے معدنیات اور موتیوں کے لئے مشہور تھا اور تقریباً اسی کے واسطے سے چین کے مصنوعات اور ہندوستان کے خوشبودار عطر اور مسالہ مصر و شام و یونان و روم پہنچتا تھا۔ اب یونان کے بجائے پالٹکس کی بساط پر روم آگئے تھے، اور انھوں نے رومی سردار آلیس گالوس (Aelius Gallus) کی ماتحتی میں جنوبی عرب پر حملہ کیا اور عرب کا ایک حصہ انھوں نے فتح بھی کیا، لیکن عرب کے بے آب و گیاہ صحرا سے شکست کھا کر خود ان کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

اسٹرابو (Strabo) المتوفی ۲۴ ق م نے اپنی جغرافی تصنیف میں رومیوں کی اس مہم کا حال لکھا ہے اس مہم میں نبطیوں کے علاوہ عرب کے دو شہروں کے نام آتے ہیں، نگرانا (Nagrana) اور ماریبا (Mariaba) جو صحیح طور سے "نجران" اور شہر مارب ہیں۔

اسٹرابو کے بعد پلینی (Pliany) المتوفی ۷۹ء کا نام لینا چاہئے جو کتاب تاریخی طبعی (Natural History) کا مصنف ہے، اس نے عرب کے مشرقی سواحل کا اور خصوصاً اس مہم کا ذکر کیا ہے جو رومیوں نے مشرقی سواحل کے اکتشاف کے لئے روانہ کی تھی۔

پلینی کے سو برس بعد دوسری صدی عیسوی میں اسکندریہ کا مشہور ہیئت دان و جغرافیہ نویس بطلیموس (Ptolemy) پیدا ہوا۔ اس وقت رومن طاقت اپنے عروج و کمال پر تھی بطلیموس نے تمام دنیائے معمور و معلوم کا ایک نقشہ تیار کیا اور پھر اس نقشہ کی تشریح و تفصیل کے لئے جغرافیہ میں ایک کتاب لکھی[1]۔

[1] گبن ج ۴ باب ۴۰

اصل نقشہ گو مفقود ہو گیا، لیکن اس کی شرح اب تک موجود ہے اور اب جو نقشے بطلیموس کے انتساب سے بنائے گئے ہیں وہ اسی شرح کے ہدایات و بیانات کے مطابق تیار کر لئے گئے ہیں۔
بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عموماً ہپارخورس (Hipparchus) اور ارا ٹستھینس (Eratosthenes) کی تقلید کی ہے، لیکن بعض امور کا اس نے بجٰی اضافہ کیا ہے، مثلاً سب سے پہلے اسی نے عالم کو طول بلد اور عرض بلد پر منقسم کیا اور پھر ان خطوط کے ذریعہ سے اس نے مقامات کی تعیین کی، اسی لئے بطلیموس کی یہ تصنیف باعتبار جغرافیہ طبعیہ (Natural Geog) یا جغرافیہ وصفیہ (Discription Geog) کے جغرافیہ فلکیہ (Astronomical Geog) سے زیادہ قریب ہے۔

بطلیموس نے خود عرب کی سیاحت نہیں کی تھی، اسکندریہ اس زمانہ میں عرب تاجروں کا مرکز تھا، اس نے ان ہی تاجروں اور کاروانوں سے دریافت کر کے عرب کا جغرافیہ ترتیب دیا، پہلے اس نے عرب کو تین طبعی ٹکڑوں پر تقسیم کیا ہے، عرب سعید یا عرب باداں (Arabion Falix) یعنی یمن و حضر موت یا جنوبی عرب، شمالی عرب کے دو ٹکڑے کئے ہیں، عرب سنگستان (Arbian Petra) اور عرب ریگستان (Arabian Desert)

بطلیموس نے عام طور سے عرب کے مشہور قبائل، شہر، گاؤں، پہاڑ، سواحل، تجارتی منازل اور تجارتی راستوں کو بیان کیا ہے، صرف عرب آباداں میں اس کے بیان کے مطابق ۱۱۴ آبادیاں تھیں، لیکن چند ناموں کے سوا اب ان قبائل و منازل کے نام خارج از فہم ہیں اور جو فہم میں آتے ہیں وہ موجودہ صحیح عربی ناموں کے بالکل غیر مطابق ہیں یہ واقعہ ہے لیکن اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔

ایک مشہور مصنف بن بری (Bunbury) نے بطلیموس کے اس ٹکڑے سے عام بداعتقادی ظاہر کی ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ صرف فرضی اور مصنوعی ناموں کا مجموعہ ہے، لیکن جرمن مستشرق اسپرنگر (Springer) نے قدیم جغرافیہ عرب (Geography of Ancient Arabia) میں جو ۱۸۷۵ء میں شائع ہوئی، نہایت قابلیت سے بطلیموس کے ناموں اور مقاموں کا عرب جغرافیہ نویسوں اور موجودہ سیاحوں کے بیانات سے مقابلہ کیا ہے، اور ان کی صحت ثابت کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چند ناموں کے سوا اور تمام

[1] عربی میں اس کتاب کا پہلا ترجمہ یعقوب کندی کی فرمائش سے ہوا لیکن یہ اچھا نہ تھا اس لئے پھر ثابت ابن قرہ نے تیسری صدی ہجری میں اس کا دوسرا ترجمہ کیا، کتاب الفہرست صفحہ ۲۶۸ طبع لیبزگ

ناموں کی تطبیق بے تکلف ہو سکتی ہے، اور اس کی مثالیں ہماری کتاب میں جا بجا ملیں گی، بطلیموس کے جغرافیہ کے متعلق آج سے ایک ہزار برس پہلے مسلمان جغرافیہ نویس مسعودی اور پھر اس کے ۳۰۰ برس بعد دوسرے عرب جغرافیہ نویس یاقوت حموی خود یہی شکایت کر چکے ہیں[۱] اور خاص عرب کے متعلق یہ شکایت اور زیادہ اس لئے نمایاں ہو جاتی ہے کہ قبائل عرب زیادہ تر بدویانہ زندگی کے عادی ہیں، اس لئے ان کے مقامات کی تعیین نہایت مشکل ہے، پھر بطلیموس کی قافلوں اور کاروانوں کی زبانوں سے اس کی تحقیق، اور یونانی حروف ولہجہ میں ان کی تعبیر اور پھر انقلابات وحوادث روزگار کا تواتر، کاتبوں کی جہالت اور ناآشنائی فن، ان وجوہ سے قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ایک لفظ اپنے اصلی صحیح مخرج سے کہاں کہاں جا پڑا ہوگا[۲]۔

ان یونانی الاصل اور رومانی المنصب مصنفین کے علاوہ اسی زمانہ کا ایک یہودی مصنف بھی قابل ذکر ہے یعنی یوسیفوس یہ رومیوں کے عہد میں تقریباً پہلی صدی مسیحی میں اسکندریہ میں مقیم تھا، یونانی اور لاطینی (رومانی) زبانوں میں اس کی متعدد تصانیف یہودیوں کی تاریخ اور مذہب کے متعلق ہیں اور انگریزی میں ان کے ترجمے ہو گئے ہیں، ان کتابوں سے بھی ارض القرآن کے لئے مواد ہاتھ آیا ہے، اس کی تین کتابیں میری نظر سے گذری ہیں، قدامت یہود، محاربات یہود اور فلسفۂ یہودیت، یہ تمام تصنیفات متعدد وجوہ سے نہایت اہم سمجھی جاتی ہیں جن کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ اس عہد قدیم کا وہ تنہا یہودی مورخ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ جو اس کے بعد تباہ و برباد ہو گیا ہے، اور جس کی تباہی و بربادی کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا ہے، اس وقت موجود تھا، بابل اور مصر کی قدیم تاریخیں وہاں موجود تھیں۔ یوسیفوس نے ان بابلی ومصری تاریخوں سے بابل ومصر کی قدیم تاریخ کے اقتباسات نقل کئے ہیں۔ بابل ومصر کی قدیم تاریخ کی تاریکی میں صرف یہی اقتباسات روشنی کی چند کرنیں ہیں، ان دونوں ملکوں کی نسبت تاریخی حیثیت سے جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف یہی چند اوراق ہیں۔

بابل کے جس مورخ کا ذکر یوسیفوس نے کیا ہے اس کا نام بروشوش ہے، اور دوسرے مصری مورخ کا نام مانیتون ہے، ان دونوں کے اقتباسات نہایت اہم ہیں اور ان سے ہم نے کام لیا ہے۔

---

[۱] اس فصل کے لئے دیکھو مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۰۲ جلد ۱۔ علی نفح الطیب مصر، معجم یاقوت

[۲] Penetration of Arabia by Hogarth Page 1 - 24

اکتشافات اثریہ

یمن، حضر موت، حوران، تدمر، بطرا، علاء، مداین، صالح، صفا، حجر، حجاز، عراق اور مصر میں قدیم عربوں کے بہت سے آثار، عمارات اور یادگاریں ہیں، جن میں ہزاروں کتبے اور نقوش کھدے ہیں، ان کتبات ونقوش سے علمائے آثار قدیمہ نے عجیب وغریب نتائج استنباط کئے ہیں، یہ کتبات اور نقوش زیادہ ترحمیری (مسند) سبائی، ارامی اور نبطی خط میں ہیں، دولت بنی امیہ اور عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ تاریخی مذاق مجتہدانہ حیثیت رکھتا تھا، ان آثار کی تحقیقات کی گئی اوران میں سے اکثر خطوط اور زبانوں سے اس عہد کے علماء واقف تھے، ذوالنون مصری جو دوسری صدی میں تھے، مصر کے خط برابی (ہیروگلفی) پڑھتے تھے۔

حمیری محقق علامہ ہمدانی نے ''صفہ جزیرۃ العرب'' اور اکلیل میں، تمام مشہور آثار کے نام گنائے ہیں اوران کے تفصیلی حالات کے لئے اپنی کتاب ''اکلیل'' کا حوالہ دیا ہے، قلعہ ناعط جو سلاطین یمن نے پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کیا تھا، اسلام سے تقریباً پندرہ سو برس قبل کی تعمیر ہے، وہب بن منبہ نے (جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا) اس کا ایک کتبہ پڑھا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''یہ ایوان اس وقت تعمیر کیا گیا جب کہ ہمارے لئے مصر سے غلہ آتا تھا۔''

واہب کا بیان ہے کہ میں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو سولہ سو برس سے زیادہ گذر چکے[1]، چنانچہ یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر ناعط) میں اس کا ذکر کیا ہے، امرء القیس کا یہ شعر:

ھو المنزل الألف من جو ناعط	بنی اسد حزنا من الارض اوعرا
یہ وہ ہے جو ناعط کی بلندی سے	ہزاروں آدمی زمین پر لا سکتا ہے

اسی قلعہ کی شان میں ہے۔

[1] معجم البلدان ذکر ناعط

امیر معاویہؓ کے زمانہ میں (سنہ ۴۰ ھ سے سنہ ۵۰ ھ تک) عبدالرحمن، مصر کے گورنر تھے، انہوں نے حضرموت کے منہدم شدہ قلعہ ''حصن غراب'' پر جو کتبہ پایا تھا اس کا ترجمہ عربی زبان میں حسب ذیل ہے:

ونصطاو صيد البر بالخيل والقنا وطور
نصيد النون من لجج البحر يلينا
ملوك يبعدون عن الخنا شديد على
اهل الخيانه والغدر تقيم لنا من دين
هود شرائعا و نومن بالآيات والبعث
والنشر اذا ما عدوّ حل ارضا بريدنا
برزنا جميعاً بالمثقفة السمر[1]

ہم گھوڑوں اور برچھوں سے خشکی کا شکار کرتے ہیں اور کسی دریا کی تہ سے مچھلیاں نکال لاتے ہیں ہمارے حکمراں وہ سلاطین ہیں جو بدکاری سے بہت دور ہیں، اور غداروں اور خیانت کاروں کے حق میں بہت سخت ہیں، وہ ہمارے لئے ہود کے مذہب کے مطابق شریعت قائم کرتے ہیں اور ہم احکام الٰہی اور بعث نشر پر ایمان لائے ہیں جب کوئی دشمن ہماری زمین کا قصد کرتا ہے تو ہم گندم گوں نیزے لے کر نکل پڑتے ہیں۔

یہ کتبہ علامہ نویری نے اپنی تاریخ مسالک الابصار میں نقل کیا ہے، لیکن تاریخ مذکور اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں ہے، فارسٹر نے نویری کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے، اور ہم نے فارسٹر کی کتاب سے۔

۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مشن یمن بھیجا تھا، اس کو یہی کتبہ اصل قدیم حمیری خط میں ملا، اصل کتبہ عاد کے ذکر میں آئے گا، یہ کتبہ فارسٹر صاحب کی تحقیق کے موافق قوم عاد کا ہے اور عرب کے قدیم ترین کتبات میں ہے، فارسٹر صاحب نے اپنے تاریخی جغرافیہ (صفحہ ۹۰، ۹۱) میں اس کا جو ترجمہ کیا ہے نویری کے ترجمہ سے بہت کم مختلف ہے۔

مورخ کلبی کے زمانہ میں قبیلہ ذوالکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک تخت پایا جس پر ایک مردہ لاش پڑی ہوئی تھی، اس کے سامنے ایک زرین سپر تھی، جس پر سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا، اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہوگی)

بسم اللہ رب حمیر[2] انا حسان بن عمرو القیل

اللہ کے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں عمرو قیل کا بیٹا حسان ہوں،

[1] دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیہ صفحہ ۹۰ تا صفحہ ۹۳۔ فارسٹر نے بعض اشعار غلط نقل کئے ہیں ہم نے انکو چھوڑ دیا ہے۔
[2] معجم البلدان لفظ شعبین ج ۵ ص ۲۷۳

حماد ردلیہ کے بھانجے نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر قوم عاد کا ایک تیر پایا تھا، جو پتھر میں پیوست تھا، اس پر یہ شعر لکھے تھے[1] (۲) یہ اصل شعر نہیں، بلکہ ترجمہ ہے

الاھل الیٰ ابیات شمخ بذی اللویٰ	لوی الرمل من قبل الممات معاد
مقام ذواللوی میں جو مکانات ہیں	کیا مرنے سے پہلے پھر (وہاں) جانا نصیب ہوگا
بلاد بھا کنا وکنا نحبھا	اذاالاھل اھلٌ والبلاد بلاد
یہ وہ شہر ہیں جہاں ہم رہا کرتے تھے اوران سے	محبت رکھتے تھے جب لوگ لوگ تھے اور شہر شہر تھے

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب سے ایک قبر کھل گئی تو ایک عورت کی لاش نکلی جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصع انگوٹھیاں تھیں، اس کے سرہانے ایک لوح تھی، جس پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا:

باسمك اللھم اله حمیر انا تاجة بنت	تیرے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں ذوشفر کی بیٹی
ذی شفر بعثت مایرنا الی یوسف	ہوں میں نے اپنے قاصد کو یوسفؑ کے پاس بھیجا
فابطاء علینا فبعث لاذتی بمد من	تھا، اس نے جب دیر لگائی تو میں نے چاندی، پھر
ورق لتاتینی بمد من طحین فلم	سونا بھیجا کہ آدھ سیر آٹا لے آئے لیکن کچھ حاصل
تجده فبعثت بمد من ذھب فلم	نہ ہوا، پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جواہرات پیس
تجده فبعثت بمد من بحری فلم	کر آٹا بنایا جائے لیکن وہ بیکار تھا، جو شخص میرا حال
تجده فامرت به فطحن فلم انتفع به	سنے اس کو میرے حال پر رحم کرنا چاہئے، جو عورت
فاقفلت فمن سمع بی فلیرحمنی	میرے زیور پہنے گی وہ میری ہی موت مرے گی۔
وایة امرءة بست حلیا من حلتی فلا	
ماتت الا میتتی[2]	

یہ کتبہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ کا ہے اور اس سے اس قحط کی تصدیق ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اس قدر زمانہ قدیم سے تحریر کا رواج تھا، اور یہ کہ حمیر اللہ کو اپنا معبود سمجھتے تھے۔

حمزہ اصفہانی المتوفی ۳۰۷ھ نے ایک تیسری کتبہ کا ذکر کیا ہے، جس کی عبارت یہ تھی[3]:

---

[1] معجم البلدان لفظ شمخ ج ۵ ص ۲۹۲ [2] اس کتبہ کو فارسٹر صاحب نے بھی اپنے جغرافیہ کے صفحہ ۱۰۳ میں مع انگریزی ترجمہ کے نقل کیا ہے۔ [3] تاریخ ملوک الارض صفحہ ۱۱ کلکتہ

"بنام خدا اشمر یرعش (شاہ حمیر) نے آفتاب دبی کے لئے یہ بنایا"۔

ابن حائک ہمدانی حمیری المتوفی ۳۳۴ھ آثار عرب کا سب سے بڑا ماہر تھا، اس نے اپنی تصنیف "اکلیل" کا آٹھواں باب مخصوص اسی موضوع پر لکھا ہے، ہمدانی کے علاوہ مقدسی نے اپنے سفرنامہ میں، یاقوت نے اپنی معجم میں، نویری نے اپنے جغرافیہ میں، اور قزوینی نے اپنے آثار البلاد میں اس قسم کے آثار و کتبات کا ذکر کیا ہے۔

بہر حال یہ ایک ادھوری کوشش تھی، اہل یورپ نے اس شاخ کو بے حد ترقی دی ہے، اور اس میں بے انتہا برگ و بار پیدا کر کے اس کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔

علمائے خطوط قدیمہ نے ان کتابات و نقوش کو اس طرح حل کیا ہے کہ ان سے عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق عجیب و غریب اکتشافات حاصل ہوتے ہیں، اہل یورپ کو پہلے پہل ان مقامات کے اکتشافات اور تحقیق کا خیال پیدا ہوا جو توراۃ میں مذکور ہیں، ان مقامات کا بڑا حصہ عرب میں واقع ہے، اس سلسلہ سے ان کو بابل، مصر، فلسطین، حوران اور عرب کے آثار کی طرف توجہ ہوئی ہم کو جن آثار سے تعلق ہے وہ صرف عرب کے آثار ہیں، اس لئے ہم ان ہی کی تشریح کرتے ہیں۔

"نیبہر (Niebuhr) عرب کا سب سے پہلا یورپین سیاح اور عرب کے اثریات کا سب سے پہلا مکتشف ہے۔ ۱۷۶۲ء میں یہ یمن کی طرف تنہا عازم ہوا، اس کے بعد جب محمد علی پاشا خدیو مصر اور وہابی امیر نجد کی جنگ شروع ہوئی اور یورپ نے مصر کا ساتھ دیا، اس وقت یورپ کو سیاحت عرب کا سب سے پہلا اور سب سے بہتر موقع نصیب ہوا، یورپین افسر مصری فوج کے ساتھ اس جنگ میں کثرت سے شریک تھے، ہم بدنیت نہیں، لیکن کہتے ہیں کہ باستثنائے چند علمی ذوق کے علاوہ سیاسی تحریکات بھی اس مشاہدہ و تحقیق کی محرک تھیں، خصوصاً جب کہ یہ نظر آتا ہے کہ ان سیاحوں کی صف میں ایسے اشخاص بھی شریک ہیں جن کے ہاتھ قلم سے زیادہ تلوار سے مانوس ہیں۔

ان سیاحوں کے حالات و اکتشافات و تحقیقات پر انگریزی میں ڈی، جی، ہوگارتھ (D. G. Hogarth) نے ایک مستقل کتاب ۳۵۰ صفحوں میں لکھی ہے، اور وہ ہمارے سامنے ہے، لیکن مصنفین انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے نہایت ایجاز کے ساتھ اس کا اختصار[1] کیا ہے، اس لئے ہم اسی کا اقتباس یہاں درج کرتے ہیں، گو یہ بحث بڑھ جائے گی، لیکن چونکہ ہماری زبان اب تک ان عبرت انگیز لیکن

---

[1] Art Arabia dell Vol II

مفید اطلاعات سے خالی ہے (چھ برس ہوئے میں نے الندوہ میں اس موضوع پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھا تھا) اس لئے طول بیان بے موقع نہ ہوگا۔

اس مضمون کے دو ٹکڑے ہیں، عرب کے کن اقطاع میں اہل یورپ کا گذر ہوا؟ اور وہاں کیا آثار قدیمہ ان کو نظر آئے؟

عرب کے کن اقطاع میں اہل یورپ کا گذر ہوا؟

یمن چونکہ یمن مشرق و مغرب کے درمیان کا رہ گذر ہے اور نیز دیگر اقطاع عرب سے اس کا مشاہدہ اور سیر و سیاحت زیادہ سہل ہے، اور یہاں آثار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اس لئے اہل یورپ نے پہلے یہیں قدم رکھا۔

عرب کا سب سے پہلا یورپین سیاح جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، نیوبھر نامی ہے یہ ڈنمارک گورنمنٹ کی طرف سے ایک جماعت کے ساتھ ۱۷۶۱ء میں عرب کو روانہ ہوا، ایک سال مصر اور جزیرہ نمائے سینا میں صرف کرنے کے بعد یہ جماعت ۱۷۶۲ء کے آخر میں جدہ پہنچی، پھر شالی یمن کو روانہ ہوئی، یہاں سے تہامہ (عرب زیرین) ہوتے ہوئے بیت الفقیہ، زبید اور مخا پہنچی جو یمن کے خاص آباد شہر ہیں، پھر مشرق کی جانب کوہستانی مقامات کو قطع کرتی ہوئی عدن آئی یہاں سے مشرق کی طرف آگے بڑھ کر جبلہ پہنچی جو چند پہاڑیوں کے وسط میں جن کی بلندی سطح آب سے دس ہزار فیٹ تک ہے، واقع ہے پھر اس نے جنوب کا رخ کیا اور تیز ہو کر براہ حیض و زبید مخا پہنچی، یہاں اس کے ایک ممبر کا انتقال ہو گیا، دوسری بار اس وفد کے بعض ممبر جون ۱۷۶۳ء میں تیز پہنچے، جہاں سے انہوں نے یمن کے دار الحکومت صنعاء کا رخ کیا، جس کے قریب اس وفد کا ایک اور ممبر مر گیا، لیکن اس سے اور ممبروں کی ہمت میں کوئی فرق نہ آیا، یہاں سے وہ ضمار آئے جہاں زیدی فرقہ کا جو یمن کا شاہی مذہب ہے ایک بہت بڑا دار العلوم ہے، اور جس میں زمانہ مذکور میں ۵۰۰ طالب علم تعلیم پاتے تھے، ضمار سے پھر وہ صنعاء پہنچے اور صنعاء میں دس روز کے قیام کے بعد پھر مخا پہنچے، اور یہاں سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے، اس اثنا میں تین اور ممبر شدائد سفر سے ہلاک ہو گئے۔

نیوبھر جو اس وفد کا سرعسکر تھا، ان متواتر حوادث سے ذرا بھی پژمردہ نہ ہوا وہ پھر عرب آیا، اور عمان، خلیج فارس اور بصرہ ہوتا ہوا شام و فلسطین سے ڈنمارک پہنچ گیا۔

اس وفد کے نتائج سفر نیوبھر نے ۱۷۷۴ء میں شائع کئے، جن سے سب سے پہلی بار علمی اور

تحقیقی طور پر یورپ کو نہ صرف یمن سے بلکہ تمام عرب سے اطلاع ہوئی۔

عسیر عسیر گو اب الگ ہے لیکن درحقیقت وہ یمن کا ٹکڑا ہے، ہرنبرگ (Hrenbuergh) اور ہمپرچ (Ur.Fhemprich) نے ۱۸۱۵ء میں تہامہ اور جزائر سواحل عرب کا سفر کیا، اور ۱۸۳۶ء میں بوٹا (P.H.Botta) نے نباتاتی تحقیقات کی غرض سے جنوبی عرب کی خاک چھانی، لیکن یورپ، جغرافیہ عرب کے لئے نیبوہر کے بعد فرانسیسی افسر ٹمیزر (M. O. T a m i s i e r) شیڈیفاؤ (Chedu Fau) اور ماری (Mary) کا ممنون ہے، جو مصری فوج کے ساتھ عسیر آئے تھے۔

جوف اور مارب ارناؤ (Arnaud) پہلا یورپین ہے، جس نے ''جنوبی جوف'' کا اور ''مارب'' کے حجری کتبوں کا مشاہدہ کیا، اور سد عرم کا نقشہ تیار کیا، اس اطلاع سے مشہور اثری (ارکیالوجسٹ) بالوے (Halvey) پہلے صنعاء پہنچا، پھر صنعاء سے شمالی مشرقی جانب المدید آیا جو پانچ ہزار عرب باشندوں کا مسکن اور ضلع نجم کا مرکز ہے۔

بالوے نے یہاں ایک سطح مرتفع کو قطع کیا جہاں اس کو متعدد شکستہ عمارات اور منہدم میناروں کا نشان معلوم ہوا، پھر وہ قریہ مجرز میں پہنچا، جو جبل یام و جوف کے حدود پر واقع ہے، اور یہی اس کی عظیم الشان اثری تحقیقات کا مرکز ہے، یعنی یہیں اس کو قوم سبا کے نقوش اور کتبے ہاتھ آئے، یہیں اس نے مقام معین کا پتہ لگایا، جو قبیلہ معین کا قدیم دارالحکومت تھا یہیں قدیم یونانی جغرافیہ نویس پلینی کا نشان دادہ مقام ''نشق'' ملا، جہاں سبا کی فوج نے رومی لشکر سے جو بسر کردگی آلیوس گالیوس آئی تھی، ۲۴ ق م میں شکست کھائی تھی۔

الجبل سے بالوے شمال کی طرف مڑا، اور نخلستان حب اور صحرائے اعظم کو قطع کرتا ہوا اس سر سبز و شاداب قطعہ میں پہنچا، جس کا نام ''نجران'' ہے، یہاں اس کو یہودیوں کی ایک آبادی ملی، جس کے ساتھ اس نے نخلستان مخلاف میں چند ہفتے گذارے، یہاں سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر مشرق کی جانب قریہ ''مدینۃ المعہود''، کے قریب بطلیموس کے بیان کردہ شہر نجرہ کا کھنڈر نظر آیا۔

جون ۱۸۷۵ء میں اس نے اس سرزمین میں قدم رکھا جو اس کے سفر کی منزل مقصود تھی یعنی شہر ''مارب'' جو قوم سبا کا دارالحکومت تھا، یہاں اس کو ''مدینۃ النحاس''، کے آثار ملے اس مقام کا نام مدینۃ النحاس اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کے اکثر کتبات (نحاس) برنجی پتروں پر منقوش پائے گئے ہیں، اس مقام سے بجانب مشرق دو گھنٹے کی راہ پر بالوے نے مارب کے اس مشہور بند آب (سد

مارب) کا پتہ لگایا، جس کو حمیریوں نے وادی شیوان کے عرض میں تعمیر کیا تھا، اور جو ملک میں آب رسانی کا تنہا ذریعہ تھا۔

ہالوے کے بعد مارب کا دوسرا یورپین زائر آسٹریا کا عالم اثریات گلازر (Glasor) (۱۸۵۵ تا ۱۹۰۸ء) ہے جس نے نیبھر کے بعد علم آثار عرب کی سب سے زیادہ خدمت کی، اس نے دولت عثمانیہ کے زیر حفاظت صنعاء کی شمالی و مشرقی جانب کا مطالعہ کیا، ابھی وہ صرف سب سے پہلے تاریخی مقام "خمر" تک پہنچا تھا کہ قبائل عرب کی باہمی جنگ سے واپسی پر مجبور ہوا، تاہم اس کو اتنا موقع مل گیا، کہ وہ اس سطح مرتفع تک پہنچ گیا جو وادی فرید اور وادی خمرال کے درمیان واقع ہے اور جہاں پہلے حمیری کی آبادیاں تھیں، اور پھر ان دونوں وادیوں کے مقام اتصال کی دریافت کے لئے آگے بڑھا، تا آنکہ جوف میں پہنچ گیا۔

۱۸۸۹ء میں دوبارہ گلازر ترکی حکومت کے زیر حفاظت ملک عرب کو روانہ ہوا، اور خوش قسمتی سے بخیریت مارب پہنچ گیا اور وہاں سے ۳۰ دن کے قیام کے بعد جدید حمیری نقوش و کتابات کی ایک کثیر تعداد اپنے ساتھ لے کر واپس آیا۔

حضر موت: جنوبی ساحل سے اندرون ملک میں جانے کی کوشش سب سے پہلے ۱۸۳۳ء میں کی گئی، جب دو انگریز افسر لفٹنٹ کروٹنڈن (C.Crutenden) اور ویلسلڈ (J.R. Wellsled) سواحل عرب کی پیمائش کے لئے متعین کئے گئے، ان دونوں نے وادی میقات میں "نقب الحجر" کے کھنڈروں کا معائنہ کیا، یہاں اور نیز مکلا کے پاس "حصن عراب" میں حمیری کتبات کا اکتشاف کیا، یہ سب سے پہلی دفعہ ہے جب حضر موت میں عربی تمدن کا سراغ ملا۔

ان کے بعد اوڈلف وان دریڈے (Adolph Von Wrada) ۱۸۴۳ء میں مکلا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا، اور پیغمبر ہودؑ کی قبر کا جو حضر موت میں واقع ہے، زائر بن کر شمال کی جانب وادی دوان کی سطح مرتفع تک پہنچا، اور یہاں سے جنوبی صحرائے اعظم کی طرف روانہ ہوا، وادی دوان سے واپسی میں وہ پہچان لیا گیا، اس لئے وہ جلد ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوا۔

۱۸۹۳ء میں ہرش (D.Hiroch) سلطان مکلا کے زیر حفاظت قصبہ سیون اور تریم سے جو سلطان کے مقبوضات ہیں، آگے بڑھا، پہلے یہ وادی دوان پہنچا، جہاں اس نے قریہ نجران کے پاس قدیم عمارات اور کتبات کا کھنڈر پایا، یہاں سے وہ واپسی میں وادی ابن علی اور وادی ادیم ہو کر مکلا

واپس آ گیا، اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد تھیوڈر بنٹ (J. Tyheodore Bent) اور لیڈی بنٹ اس جماعت کے ساتھ جو گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ملک کی پیمایش کو گئی تھی، اسی نشان سفر پر حضر موت پہنچی، دونوں نے یہاں حمیر کی بہت سی یادگاروں کا اور کتبات کا معائنہ کیا۔

عمان عمان میں جو ایک مدت سے انگریزی اقتدار کو قبول کر چکا ہے تعجب ہے کہ یورپین سیاح مسقط سے زیادہ آگے نہیں بڑھے، برٹش دستہ فوج جو ۱۸۱۰ء میں عمان گیا تھا سواحل سے آگے نہیں بڑھا (I.R.wellotur) جس نے جنوبی عرب میں حضر موت کی تفتیش کی تھی ۱۸۳۵ء میں اب وہ شمالی عرب کی تحقیق کو نکلا اور مسقط پہنچا، مسقط سے جہاز پر وہ راس الحد تک آیا، پھر جنوب کی طرف صحرا کے کناروں تک قبیلہ بنو علی کے مسکن تک پھرا، پھر شمالی مغربی جانب کو وادی بیشہ اور نجد ہو کر حضر موت کے قریب مقام ''شحر'' سے نکل کر ہندوستان چلا آیا۔

اسی طرح عمان سے ہو کر ۱۸۷۶ء میں کرنل مائلس (S.B.miles) نے بھی ظہیرہ، القطار وغیرہ مقامات کی سیر کی۔

حجاز حجاز میں غیر مسلم کا گذر مشکل ہے، اس لئے یہاں کے اکثر یورپین سیاحوں کو مسلمان بننا پڑا بعض ان میں بعد کو سچے مسلمان ہو گئے جیسے برکھارڈ جس کو مصری مسلمان شیخ برکات کہتے ہیں اور بعض محض مصنوعی تھے جیسے حاجی برٹن (Sir Richard Burton) ان سفر ناموں میں ایک مسلمان کے لئے کوئی دلچسپی نہیں، کیوں کہ ہر مسلمان بچہ اس کو جانتا ہے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات، اعمال حج کی کیفیت، قافلوں کی زندگی، عام بدویوں کے حالات، یہ ان سیاحوں کے سرمایۂ فخر ہیں، جن کی یورپ میں بڑی قدر ہے۔

حجاز کا پہلا یورپین سیاح ایک اسپینی ہے، جس کا نام بیڈے لیلیچ (Badiaydelich) ہے۔ یہ علی بے عباسی کے نام سے مسلمان بن کر ۱۸۰۷ء میں جدہ پہنچا اور حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ ہوا، یہ سب سے پہلا یورپین ہے جس کو شہر مقدس کی زیارت اور اعمال حج کے مشاہدہ کا شرف حاصل ہوا۔

حجاز کی سب سے عمدہ تصویر برکھارڈ نے کھینچی اور یورپ اس کے لئے اس کا ممنون ہے، یہ جولائی ۱۸۱۴ء میں جدہ آیا، جب محمد علی پاشا خدیو مصر، وہابیوں سے برسر پیکار تھا، برکھارڈ پہلے طائف پہنچا، پھر مکہ آیا، اور تین مہینے یہاں شہر کے جغرافی اور ریاستی حالات کا مشاہدہ کرتا رہا، جنوری ۱۸۱۵ء

ہو بر یہاں سے عنیز آیا اور وہاں سے براہ راست نجد، نجد سے مکہ اور مکہ سے جدہ پہنچ کر خوش قسمتی سے اس نے اپنی تحقیقات و اکتشافات کا تمام سرمایہ یہاں چھوڑ دیا اور خود جولائی ۱۸۸۴ء میں اندرون ملک میں پھر آیا، جہاں وہ عربوں کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کی تحقیقات و اکتشافات کا مجموعہ اس کے بعد شائع ہوا۔

حدود سفر یورپین سیاحوں کے مقامات سفر کا نقشہ اگر ہمارے سامنے ہو تو نظر آئے گا کہ نصف شمالی کو، قوف سے مکہ تک انھوں نے بالکل چھان ڈالا ہے، نصف جنوبی میں ایک ثلث حصہ تو صحرائے اعظم کا ہے جس میں سفر، موت کے مرادف ہے، بقیہ حصص میں باستثنائے جوف و نجران و یمن وہ سواحل سے ۷۰ میل سے آگے نہیں بڑھے۔

تدمر کا نشان یورپ کو بہت پہلے مل چکا تھا ڈاکٹر ولیم ہالیفکس (W.Halifax) (۱۶۹۱ء) تدمر کا پہلا یورپین سیاح ہے، وہاں کے عمارات کی تحقیقووڈ (Wood) اور ڈاکنس (Dawkins) نے ۱۷۵۱ء میں کی لیکن اپنی گریقی کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابل قدر خدمات پرنس ابا مالک (Abamelekla Zarew) نے ۱۸۸۲ء میں اور (Wadddengton D.vogu) نے (۱۹۸۲ء) میں انجام دی اور ان پر تصنیفات و رسائل ترتیب دیئے۔[۱]

کیا کیا آثار عرب ان سیاحوں کو نظر آئے: مسلمان سیاح اور جغرافیہ نویسوں نے جن آثار عرب کا مشاہدہ کیا اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں، جہاں ہم صرف یورپین سیاحوں کے دیکھے ہوئے آثار عرب کا ذکر کرتے ہیں:

یورپین سیاحوں نے آثار عرب کے پانچ اصناف قرار دیئے ہیں:[۲]

۱۔ آثار قبل تاریخ

۲۔ آثار شہر پناہ و قلعہ

۳۔ آثار بند (سد)

۴۔ آثار حجریہ و نحاسیہ (پتھر اور تانبے کے آثار)

۵۔ آثار و عمارات منہدمہ قبل تاریخ

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۰ صفحہ ۶۵۴

[۲] یہ باب تمام تر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۰ صفحہ ۲۶۲ تا ص ۲۶۳ سے مترجم ہے طبع یازدہم

سیاحان مغرب کی تحقیق کے مطابق اس قسم کی یادگاریں بھی عرب میں پائی جاتی ہیں جن کی عمر تاریخ سے زیادہ بڑی ہے، پالگریو نے اپنے سفر نامہ عرب میں جس کا نام (Central and Eastern Arabia) ہے، بڑے بڑے ناتراشیدہ اور انگھڑ پتھروں کی ایک قدیم وعتیق عمارت کا ذکر کیا ہے جو نجد کے دامن کوہ میں بطور دائرہ کے ہے، آٹھ نو پتھر اب تک باقی ہیں، جن میں سے بعض کی بلندی ۱۵ فیٹ تک ہے، دو پتھروں کی لمبائی ۱۰ سے ۱۲ فیٹ تک ہے جو اب تک چھت کو سنبھالے ہوئے ہیں[1]۔ ڈوٹے (Doughty) نے شمالی مغربی عرب میں سنگ خارا کی ایک قطار کھڑی اور پتھر کی بڑی بڑی سلوں کا فرش دیکھا (جس کو وہ کوئی مذہبی عمارت نہیں خیال کرتا) اور مدور تودہائے خاک جابجا اس کو نظر آئے جو شاید مقبروں کے ٹیلے ہوں، وہاں بعض گول کرے بھی اس نے دیکھے جو بغیر چونے کے بنائے گئے تھے، عجب نہیں جو یہ پرانی قبریں ہوں، اس قسم کے ایک مقبرہ کا فوٹو ڈوٹے نے اپنے سفر نامہ میں دیا ہے جو "ہجر" میں واقع ہے۔

بنٹ (J.Bent) نے بحرین میں متعدد قدیم وکہنہ آثار کا نشان پایا جو اب بالکل تودۂ خاک ہیں اور جو غالباً قبریں معلوم ہوتی ہیں، یہاں کی بعض یادگاروں کے متعلق خیال ہے کہ وہ فینشین ہیں۔

آثار شہر پناہ وقلعہ جنوب عرب میں جہاں عہد مسیح سے پیشتر ایک پر رونق تمدن موجود تھا، قلعوں اور شہر پناہوں کے منہدم آثار اب تک باقی ہیں، اور جن کا یورپین سیاحوں نے نامکمل طور سے ذکر کیا ہے، یمن اور خصوصاً حضرموت میں اس قسم کی عمارتیں جن میں کہیں کہیں کتبے بھی ہیں، اب تک موجود ہیں۔

شہر مارب جو حکومت سبا کا قدیم پایہ تخت تھا اس کے آثار باقیہ کا اب تک نشان ملتا ہے آثار البلاد قزوینی کے حوالہ سے جرمن ایشیاٹک سوسائٹی جرنل نے (ج ۷ ص ۴۷۲، ۴۷۶ جلد ۱۰ صفحہ ۲۰) اس قسم کی بعض عمارتوں کے حالات شائع کئے ہیں، ارناؤ، گلازر اور ہالوے نے بھی ان آثار کا مشاہدہ کیا، لیکن شوئ قسمت سے ان کا اکتشاف زمانہ مستقبل سے متعلق رہ گیا کیوں کہ ارناؤ اس بند آب (سد) کے اکتشاف میں مشغول رہا[2] جو عجائب میں سے ہے اور ہالوے اور گلازر نے کتبات سے زیادہ دلچسپی لی

آثار بند (سد) عرب کا ملک قدرتی دریا سے محروم ہے: اس لئے اس کی زرعی زندگی کا مدار زیادہ تر ان پہاڑی چشموں پر ہے جو بہہ بہہ کر وادیوں میں پھیل جاتے ہیں، اور پھر وہ یا ریگستان میں

---

[1] : انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱ باب ۱۲ [2] سبا کے عنوان میں اس کی کسی قدر تفصیل ہے۔

خشک ہو جاتے ہیں یا سمندر میں گر جاتے ہیں، یہ چشمے پہاڑوں سے اس طرح ناگہانی طور سے ابل پڑتے ہیں کہ دور تک آبادیوں کو بے نشان کر دیتے ہیں، ان وجوہ سے قدیم عرب، وادیوں میں بند آب تعمیر کیا کرتے تھے جس کو عربی میں سد کہتے ہیں، عرب کا مشہور ترین سد سد مارب ہے جس کو سد عرم بھی کہتے ہیں تقریباً ڈیڑھ ہزار برس سے منہدم ہے، اور جس کی شکستہ دیوار اب تک زائرین عدن کے لئے نشان[1] عبرت ہے۔

یورپین سیاحوں میں سد مارب کا مشاہدہ سب سے پہلے ارناؤ نے کیا، لیکن اس کی اصلی اہمیت گلازر نے اس سد کے متعلق جو کتبات تھے ان کی ۱۸۹۷ء میں اشاعت سے ظاہر کی، ان کتبات سے اس سد کے متعلق تاریخی حالات بہت روشن ہو گئے ہیں۔

یمن میں حران کے پاس ہارس (W. B.Harius) نے ایک اور بند دیکھا ہے جس کا طول ۱۲۰ گز ہے، اور جس کے اوپر تین بڑے بڑے حوض بنے ہیں[2]۔

آثار حجریہ ونحاسیہ آثار قدیمہ کی یہ صنف سب سے زیادہ کارآمد ہے کہ ان پر اکثر کتبات منقوش ہوتے ہیں، ان سے تاریخی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اور حل مطالب کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ انیسویں صدی میں یورپ کے عام عجائب خانوں میں اور خصوصاً لندن، پیرس، برلن اور وائنا کے عجائب خانوں میں اس قسم کی چیزیں کافی تعداد میں موجود ہیں، جن میں سے اکثر پر "معین" اور "سبا" کی زبان میں اور بعض پر حضرموت اور "قتبین" کی زبان میں کتبات منقوش ہیں۔ حیرہ کے بادشاہ امراء القیس کی قبر کا کتبہ ملا ہے، ایک کتبہ جو صفا کے پاس پایا گیا ہے، قبیلہ قریش کے مورث نزار کا نام مکتوب[3] ہے، یمن کے حصن غراب پر جو حمیری کتبے ملے ہیں ان میں سے ایک کے نیچے "اوس" کا نام منقوش ہے، جو انصار مدینہ کی ایک شاخ کا جد اعلیٰ تھا اور جس کا مسکن یمن تھا[4]۔

یہ کتبات عموماً عام پتھروں پر سنگ مرمر پر، اور نیز برنجی تختیوں پر منقوش ہیں طول و بلندی میں ان کی مقدار کئی انچ سے کئی فیٹ تک ہے، باستثنائے بعض حالات جن میں خود اصل کتبات یورپ میں منتقل کر لئے گئے ہیں، اکثر صرف ان کے چربہ اور نقل پر قناعت کرنی پڑی ہے۔

---

[1] اکتوبر ۱۹۲۱ء میں سفر یورپ سے ہوتے ہوئے الحمد للہ میں نے خود جا کر عدن میں اس نشان عبرت کو دیکھا ۱۹۲۴ء میں حجاز جاتے وقت پھر اس کی زیارت کی۔ "سید سلیمان"

[2] A Journey through Yemen Page 279-11 and 36

[3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ا ص ۲۷۴

[4] کتبات حصن غراب ضمیمہ فارسٹر

یہ کتبات جن حروف میں لکھے گئے ہیں وہ فنیشین (فنیقی) خط سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں اور جوزبانیں ان میں استعمال کی گئی ہیں وہ ابھی تک علمائے السنہ کے زیر غور ہیں، تاریخی اور آثاری حیثیت سے اب تک جو کتبات ملے ہیں ان سے کچھ زیادہ فوائد حاصل نہیں ہوتے، کیوں کہ یہ کتبات اکثر مذہبی ہیں جن پر زیادہ تر صرف عام اشخاص، اور بادشاہوں اور دیوتاؤں کے نام کندہ ہیں، بعض جو تاریخی کتبات ہیں ان میں تاریخ مذکور نہیں اس لئے ان کے اصل حقیقی زمانہ کے متعلق علمائے آثار مختلف الآرا ہیں، لیکن بہر حال قدیم تر تاریخ ان کتبات کی آٹھویں صدی ق م سے (اور گلازر کی تحقیق کے مطابق پندرہویں صدی ق م سے) چھٹی صدی عیسوی تک ہے۔

اس قسم کے بعض پتھر تو اب تک اپنے قدیم اصلی مقام پر گڑے ہیں، لیکن زیادہ تر پتھر ایسے ہیں جن کو قدیم مقامات سے اکھاڑ اکھاڑ کر لوگوں نے گھروں میں، مسجدوں میں اور نئے کنوؤں میں لگا لئے ہیں، ان آثار حجریہ میں سے بعض قربان گاہیں ہیں، بعض دیوتاؤں کی مورتوں یا ان جانوروں کی طلائی مورتوں کے چبوترے ہیں جو دیوتاؤں کو نذر دیئے گئے ہیں، جو پتھر قدیم ہیں وہ عموماً نقش و نگار سے عاری ہیں، لیکن جو متاخر زمانہ کے ہیں، ان میں پھول پتے بنے ہیں، یا بیل کے سر کا نقش ہے، یا مرد یا عورت کی تصویر بنی ہے، بعض آثار میں بابل کے طرز کے مقدس مذہبی درخت کی تصویر ہے، جس کے سامنے اس کے پوجاری کھڑے ہیں، ان آثار کے علاوہ قبروں کی لوحیں، چونے کے پتھروں کے ٹکڑے، عمارت کے نقشے، اونٹ، گھوڑے، چوہے، یا سانپ وغیرہ کی برنجی مورتیں بھی ملی ہیں۔

مہر، سکہ، قیمتی پتھر وائنا (آسٹریا) کے دارالآثار نے اس قسم کی مہروں کی ایک قلیل تعداد حاصل کی ہے، یہ مہریں عموماً پیتل، تانبے، چاندی اور پتھر کی ہیں جن پر سبائی خط میں الفاظ کندہ ہیں، عرب کے جو قدیم سکے دستیاب ہوئے ہیں وہ اب کچھ تو برٹش میوزیم لندن میں اور کچھ وائنا میں ہیں، یہ عموماً یونانی قطع کے ہیں، لیکن ان پر جو کتبات ہیں وہ سبائی خط میں ہیں، لندن برٹش میوزیم میں جو سکے ہیں وہ عدن، صنعا، مآرب میں ملے ہیں یا قسطنطنیہ سے خرید کر لائے گئے ہیں، وائنا کے سکے محقق ترین سیاح عرب گلازر کے نتائج عمل ہیں، بعض قیمتی پتھر بھی ملے ہیں، جو وائنا کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں۔

لیکن یہ تمام تر زمانہ مابعد کے ہیں۔ ان پر مختلف اشکال نقش ہیں۔ بعض پر عربی کتبے ہیں۔

عمارات منہدمہ جنوبی عرب (یمن و حضرموت) اور شمالی عرب (وادی القریٰ) جوران و بادیۂ شام) میں جو قدیم عربی حکومتوں کے مرکز تھے قصور شاہی، معابد دینی اور عام مقابر کی منہدمہ عمارتیں

اب تک باقی ہیں، جنوبی عرب میں حضر موت میں اس قسم کی عمارتیں ہیں جن میں سے عدن کے پاس ایک انگریز سیاح نے ''حصن غراب'' کا نشان دیا ہے، شمالی عرب میں تدمر کے کھنڈر ہیں جن میں نازک و بلند ستون اب تک ایستادہ ہیں، معبد شمس کا نشان باقی ہے، بعض رومی عمارات کے آثار بھی ہیں، بطرا جس کو عرب ''حجر'' اور یہود ''سلاع'' کہتے ہیں اور جو نبطیوں کا دارالحکومت تھا، آثار منہدمہ کا مدفن ہے، ایک اور عمارت کا نشان ہے جس کو ''خزانہ فرعون'' کہتے ہیں، ان ہی کھنڈروں میں ایک اور عمارت ہے جس کا نام ''قصر فرعون'' ہے بعض معابد کے بھی آثار ہیں، بعض قبریں ہیں جو میناروں کی شکل میں ہیں، بعض عمارتیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی ہیں۔

تاریخ قدیم کے بعض اصول

تاریخ قدیم کی تدوین میں سب سے بڑی دقت، زمانوں کی تعیین اور ناموں کے اتحاد و اختلاف کی پیش آتی ہے، ان کے متعلق چند اصول سمجھ لینا چاہئیں۔

اصول تعیین زمانہ: جدید طرز تاریخ کی رو سے یہ نہایت ضروری ہے کہ قبائل کے زمانہ کی بھی تعیین کی جائے، لیکن در حقیقت یہ نہایت مشکل کام ہے، کیوں کہ اس کی واقفیت کے صرف تین ذرائع ہیں تورات، جو تفصیلی بیان سے بالکل خاموش ہے، روایات عرب جن میں تاریخ و سنین مذکور نہیں، آثار قدیمہ اور الواح منقوشہ، جن سے صرف چند شاہان عرب کی تاریخ وفات یا تاریخ فتوحات معلوم ہوتی ہے۔

عموماً کسی مجہول العہد قوم کی تعیین زمانہ کی یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ اس کے معاصر معلوم العہد قوم یا شخص کے زمانہ سے اس کا قیاس کیا جاتا ہے، تعیین زمانہ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ عموماً چار پشتوں کی ایک صدی فرض کر کے پشتوں کے شمار سے زمانہ کی تعیین کی جاتی ہے لیکن یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ کسی قوم کے وجود کی تاریخ اور اس کی شہرت اور ناموری کی تاریخ دونوں دو چیزیں ہیں، یہ ضرور نہیں ہے کہ اگر ایک قوم کی شہرت کا ایک زمانہ ہو تو وہی زمانہ اس کے آغاز وجود کا بھی ہو، مثلاً بنو قحطان کی شہرت و ترقی کا زمانہ ہم عہد موسوی کے بعد پاتے ہیں، تو اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ عہد موسوی ہی ان کے آغاز وجود کا زمانہ بھی ہو، دنیا کی ہزاروں قومیں ہیں جو ہزاروں برس تک خاموش اور مجہول زندگی بسر کرتی ہیں، اور پھر دفعتاً بعض اسباب سے نامور ہو جاتی ہیں، بلکہ فلسفہ تکوین اقوام کے رو سے نہایت ضروری ہے کہ آغاز وجود کا زمانہ اس کے زمانہ ارتقاء و شہرت سے سیکڑوں ہزاروں برس پیشتر ہو کہ ایک فرد کنبہ بن سکے اور ایک کنبہ قوم۔

اصول تطبیق اسماء ایک اور چیز جس سے کسی قدیم قوم کی جائے سکونت اور قومیت کی نوعیت کی تحقیق میں بڑی مدد مل سکتی ہے، اشخاص تاریخی اور ان کے مقامات سکونت کے ناموں کا، یا دو قوموں کی

زبان، اشخاص اور دیوتاؤں کے ناموں کا باہمی تطابق ہے۔

اشخاص و مقامات کے ناموں کا باہمی تطابق ان اشخاص کے مقامات سکونت کا پتہ دیتا ہے، اور دو قوموں کی زبان اور ان کے باہمی اسماء کا تطابق ان کے اتحاد قومیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلا طریقہ تحقیق تمام ممالک عالم سے زیادہ بلاد سامیہ کے جغرافیہ قدیم میں کار آمد ہے، کیوں کہ سامی اقوام کا یہ خاص مذاق ہے کہ وہ مقامات سکونت کے نام بعینہٖ باشندوں کے نام رکھ دیتے ہیں جن سے نہایت آسانی سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ان اقوام کا کہاں مسکن تھا؟ اور ان کی اولادیں کہاں کہاں پھیلیں۔

مسٹر فارسٹر نے اٹھارہویں صدی کے اواسط میں عرب کا جو تاریخی جغرافیہ Historical Geography of Arabia لکھا ہے اس میں اس اصول سے انھوں نے نہایت کار آمد نتائج پیدا کئے ہیں، گو بعض مقامات پر ان کے استنباطات وہم وظن سے آگے کا علم نہیں بخشتے اور کہیں علم کے بجائے وہ جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

لیکن اس اصول کے اجراء میں دو بہت بڑی دقتیں پیش آتی ہیں، پہلی یہ کہ زمانہ کے امتداد، قوموں کے انقلابات، اور زبانوں کے تغیرات سے نام کچھ سے کچھ ہوگئے ہیں، اس لئے مقامات اور باشندوں کے ناموں میں تطابق کے بجائے کہیں صرف تشابہ پر قناعت کرنی پڑتی ہے، دوسری دقت جو پہلے سے سہل تر یہ ہے کہ سامی زبانوں میں باہم اور نیز یونانی زبان میں جن میں تورات کا قدیم ترجمہ ہے، اور اب زیادہ تر وہی پھیلا ہوا ہے جب ایک نام ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتا ہے تو بعض حروف کا خصوصیت زبان کی وجہ سے مبادلہ ہوجاتا ہے مثلاً حسب ذیل حروف پیش ہیں:

وہ حروف جو باہم بدل جاتے ہیں	مثال
ا اور ہ، ح، ع	آجر اور ھاجر، امورانی اور حمورانی
	اسمائیل اور اسماعیل
پ اور ب، ف	پاران اور باران، فاران
ت اور ث	شیت اور شیث
تھ اور ث	تھمود اور ثمود
ث اور س، ص	عیثا اور عیسیٰ، عیصاؤ

ج اور ع ،ا، گ،ی	هاجر .هاغر اور آگر ،جقطان،یقطان
س اور ش	سبا اور شبا
ص اور ض	حصار موت اور حضار موت
ض اور س ،د،ہ	اضحاك اوراسحٰق،حادر موت، حضر موت
ط اور ت	نابط اور نابت
ع اور ا	یارح اوریعرب
غ اور ج ،گ	هاغر اورهاجر
ق اور ك	اضحاك اوراسحاق،قیدار اور کیدار
م اور ن	عمرام اورعمران
ی اور ج ،ع	یرح اور جرح،یا جرہ،سنیار اور سنعار

یہ تغیرات تو صاف ہیں کہیں کہیں اول میں یا وسط میں یا آخر میں حروف کی زیادتی اور کمی بھی ہوتی ہے، خصوصاً الف کی زیادتی اور کمی تو بہت عام ہے مثلاً حصار موت-حضر موت ابی رھام-ابراھیم ہمل ہابئل وغیرہ۔

اصول اتحاد اسماء والسنہ ہر قوم کے ناموں کی ایک خاص نوعیت اور ترکیب ہوتی ہے، جس میں اس کی قومیت کا امتیاز مضمر ہوتا ہے، اقوام موجودہ ہندوؤں، مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے ناموں کی، اور پھران مذاہب مختلفہ میں سے مختلف ملکوں کے باشندوں کے ناموں کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے جس سے ان کی قومیت کا نشان ملتا ہے، اس بنا پر اگر دو قوموں کے ناموں میں باہمی تشابہ نظر آئے گا تو ہم نہایت آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں قومیں درحقیقت متحد الاصل ہیں، اسی طرح مذہبی اعتقادات کا تشابہ اور الفاظ زبان کی مماثلت ومشاکلت بھی باہمی اقوام کے اتحاد نسل کی ایک مبہم دلیل ہے۔

انتباہات

۱۔ عاد، ثمود، سبا، جرہم وغیرہ اکثر شخصی نام سمجھے گئے ہیں، لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ اصل میں قبیلوں اور قوموں کے نام ہیں، اس بنا پر اگر کہیں یہ مذکور ہے کہ "سب سے پہلی سلطنت سبا نے قائم کی تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ کسی شخص مسمّٰی بہ سبا نے قائم کی بلکہ حسب عادات عرب بحذف مضاف "بنوسبا" سمجھنا چاہئے، اس اصول کے تسلیم کر لینے سے اکثر درمیان میں خالی جگہوں کے پر کرنے کے لئے ناموں کے گڑھنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی، اور یہ کوئی نئی بات نہیں، عرب میں عموماً آبائے قبائل مثلاً کعب، اسد، کلب، مازن وغیرہ بول کر ابنائے قبائل یعنی بنوکعب، بنواسد، وغیرہ مراد لیتے ہیں، اسی طرح اگر یہ مذکور ہے کہ عاد کی ہزار برس کی عمر تھی تو اس سے شخص عاد کی بجائے خاندان عاد مراد لینا چاہئے۔

۲۔ دوسرا امر قابل ذکر یہ ہے کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اختلاف السنہ کی بنا پر نام بہت کچھ بدل جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک ہی شخص کا نام مختلف زبانوں کے تلفظ سے بگڑ کر ممکن ہے کہ وہ چند اشخاص کے مختلف نام سمجھے جائیں، یونانی، یورپین اور عربی زبانوں میں آج بھی ایک ہی نام کو دیکھو تو ان کے اختلاف تلفظ سے سخت حیرت ہوگی، قرآن کے اعلام پر تو کئی ہزار برس گذر گئے، مسلمان فلاسفہ اور حکما جن کو گذرے ابھی ایک ہزار برس بھی نہیں ہوئے، یورپین زبانوں میں ان کے عجیب عجیب نام ہو گئے ہیں جن کو اصل سے کوئی تعلق نہیں اور کبھی کوئی عرب ان کو عربی نام نہیں تسلیم کرے گا، ابوعلی بن سینا کو اویسینی (Avicenie) سے کوئی نسبت ہے؟ ابن رشد کو اویروس سے کیا تعلق؟ ابن ہثیم کو الہرین (Alharien) سے کیا مناسبت ہے؟ البقاسیس (Albucasis) کو ابوالقاسم زہراوی کون سمجھے گا۔

اسی طرح عبرانی نام عربی میں آکر اور یورپ میں یونانی میں جا کر کچھ کا کچھ ہو گیا ہے عبرانی میں یقطان ہے، یونانی میں جھطان ہے، اور عربی میں قحطان، عبرانی میں یارح ہے یونانی میں جرح اور عربی میں معرب ہے۔

اسلام سے پہلے عربوں کے قومی روایات میں بعض نام تھے، مثلاً یعرب، یہودیوں کے ذریعہ سے عبرانی تلفظ میں اس کو یارح سنا تو انھوں نے کہیں تو ان کو دو شخص فرض کر لئے، مثلاً یعرب اور ان کو قحطان کے دو بیٹے قرار دے دیئے حالانکہ وہ ایک ہی ہیں، اور کہیں ایک کو دوسرے کی اولاد سمجھ لیا، مثلاً ان کو عاد بن ارم سے واقفیت تھی، یہود نے عوض بن ارم کہا، انھوں نے فوراً دونوں ناموں کو جوڑ کر عاد بن عوض بن ارم کہہ دیا، حالانکہ عاد اور عوض ایک ہی چیز ہے، اسی طرح ان کو یہ معلوم تھا کہ سبا، قحطان کی نسل میں یمن کا بانی حکومت تھا، یہود سے یعرب کا نام سن کر جراہیم کو تو حجاز کا باشندہ بتایا اور یعرب کو یمن کا، اور سبا کو یعرب کا بیٹا قرار دے کر سبا بن یعرب بن قحطان کہہ دیا، حالانکہ تورات میں سبا بن قحطان بالواسطہ یعرب بتصریح لکھا ہے اور اس کو یعرب کا بھائی کہا ہے۔

جغرافیہ عرب

لفظ عرب: عرب کو "عرب" کیوں کہتے ہیں؟ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، "عرب" اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری اور اظہار مافی الضمیر کے ہیں، چونکہ عرب کی قوم نہایت زبان آور اور فصیح اللسان تھی اس لئے اس نے اپنا نام عرب رکھا، اپنے سوا تمام دنیا کو اس نے عجم یعنی "بے زبان" کے نام سے پکارا، لیکن حقیقت میں یہ صرف نکتہ آفرینی اور دقت رسی ہے دنیا میں ہر قوم اپنی زبان کی اسی طرح جوہری ہے جس طرح عرب۔

علمائے انساب کہتے ہیں کہ اس ملک کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا، جو یمنی عربوں کا پدر اعلیٰ ہے، اس لئے اس ملک کے باشندوں کو اور نیز اس ملک کو عرب کہنے لگے، لیکن یہ بالکل خلاف قیاس اور معلومات تاریخی کے مخالف ہے، نہ یعرب اس ملک کا پہلا باشندہ تھا اور نہ لفظ عرب کسی قاعدہ لسانی کے موافق یعرب کی طرف منسوب ہو سکتا ہے، اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یعرب کا مسکن یمن تھا، اس لئے سب سے پہلے خود یمن یعنی جنوبی عرب کو عرب کہنا چاہیے، لیکن اس کے بالکل برخلاف "عرب" کا لفظ پہلے شمالی عرب کے لئے مستعمل ہوا، تفصیل آگے آتی ہے۔

اہل جغرافیہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ "عرب" کا پہلا نام "عربہ" تھا جو تخفیفاً بعد کو عموماً "عرب" بولا جانے لگا، اور اس کے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار دیا گیا چنانچہ شعرائے عرب کے اشعار سے بھی جو عرب کی تنہا ڈکشنری ہے، اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اسد بن جاحل کہتا ہے:

وعربۃ ارض جد فی الشر اھلھا　　کما جد فی شرب النقاخ ظماء

ابن منقذ ثوری کا شعر ہے:

لنا ابل لم یطمث الذل بیھا　　بعربۃ ماواھا بقرن فابطحا

ولو ان قومی طاوعنی سراتھم　　امرتھم الامر الذی کان اربحا

اسلام کے بعد بھی یہ نام باقی رہا، ابوسفیان کلبی رسول اللہ ﷺ کی مدح میں کہتے ہیں:

ابونا رسول اللہ وابن خلیلہ بعربۃ بوانا فنعم المرکب

ابوطالب بن عبدالمطلب کی طرف جو قصیدہ منسوب ہے، (گو صحیح نہیں) اس کا ایک شعر ہے:

وعربۃ دار الایحل حرامہا من الناس الا اللو ذعی الحلاحل[1]

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اس ملک کا نام "عربۃ" کیوں قرار پایا؟ اصل یہ ہے کہ تمام سامی زبانوں میں "عربہ" صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے، عبرانی میں "عربا" (17777) بیابان اور میدان کو کہتے ہیں اور خود عربی زبان میں اس مفہوم قدیم کے بقایا موجود ہیں، عرابۃ کے معنی بدویت کے ہیں اور اعراب اہل بادیہ اور صحرانشینوں کے لئے اب تک مستعمل ہے۔

چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابان بے آب وگیاہ ہے اور خصوصاً وہ حصہ جو حجاز سے بادیہ عرب وشام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے، اس لئے اس کا نام "عربا" قرار پایا، اور پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو "عرب" کہنے لگے۔

قرآن مجید میں لفظ "عرب" ملک عرب کے لئے کہیں نہیں بولا گیا ہے، حضرت اسماعیلؑ کی سکونت کے ذکر میں واد غیرذی زرع یعنی وادی ناقابل کاشت اس کو کہا گیا ہے، اکثر لوگ اس نام کو عرب کی حالت طبعی کا بیان سمجھتے ہیں، لیکن اوپر جو تحقیقی بیان ہے اس سے واضح ہے کہ یہ لفظ عرب کا بعینہ لفظی ترجمہ ہے، چونکہ اس عہد میں اس غیرآباد ملک کا کوئی نام نہ تھا، اس لئے خود لفظ "غیر آباد ملک" اس کا نام پڑگیا، توراۃ میں بھی اسماعیلؑ کا مسکن "مدبار" بتایا گیا ہے[2] جس کے معنی بان اور غیر آباد قطعہ کے ہیں اور جو بالکل عرب کا ترجمہ اور "وادی غیرذی زرع" کے مترادف ہے۔

توراۃ میں لفظ "عربا" عرب کے ایک خاص قطعہ زمین کے معنی میں متعدد بار آیا ہے لیکن یقیناً اس وسعت کے ساتھ اطلاق نہیں ہوا ہے جس وسعت کے ساتھ اب یہ کیا جاتا ہے، لفظ "عربا" سے صرف وہ قطعہ زمین مراد لیا گیا ہے جو حجاز سے شام وسینا تک وسیع ہے[3]، عام ملک عرب کے لئے زیادہ تر مشرق اور مشرق کی زمین[4] کا استعمال ہوا ہے، اور کبھی جنوب[5] کا، کیوں کہ عرب فلسطین کے مشرق وجنوب دونوں گوشوں میں ہے۔

---

[1] ان اشعار کے لئے دیکھو معجم البلدان یاقوت لفظ عربہ ج ۶ ص ۱۳۹، ۱۴۰ [2] استثناء ۱-۱، ۲-۷-۱

[3] تکوین ۲۵-۶-۱۰-۳۰ قضاۃ ۶-۳-۲۲-۱ سلاطین ۴-۳۰-۱ رمیاہ ۲۵-۲۸ [4] متی ۲-۱۲-۱ تکوین ۱۳-۹-۱۲-۹

لفظ ''عرب'' سب سے پہلے ۱۰۰۰ء ق م میں حضرت سلیمان کے عہد میں سننے[1] میں آتا ہے اور پھر اس کے بعد عام طور سے اس کا استعمال عبرانی، یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے۔ اسیریا کے کتبات میخی میں ۸۰۰ء ق م میں عرب کا نام ''عربی'' لیا گیا ہے[2]۔ اسلام سے پہلے ہی یہ لفظ پورے ملک کو جو یمن سے شام تک وسیع ہے محیط تھا۔

عبارت بالا سے ظاہر ہوگا کہ عرب قدیم کے جغرافیہ کے تین ماخذ ہیں، توراۃ، یونان و رومان اور خود عرب، اور ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ یہ تین مختلف ماخذ تین مختلف زبانوں سے متعلق ہیں، توراۃ کا بیان ۵۰۰ء ق م سے تقریباً ۸۰۰ ق م تک ہے، یونان و رومان کا بیان ۵۰۰ ق م (ہیرو ڈوٹس) سے ۲۰۰ء (بطلیموس) تک ہے۔

خود عربوں کے بیانات عرب کے مقامات قدیم کے متعلق جو بعہد اسلام مدون ہوئے چند مشہور قبائل کے مقامات سکونت کے سوا (مثلاً احقاف مسکن عاد، مدین مسکن ثمود یمامہ مسکن طسم جدیس حجاز مسکن جرہم، یمن مسکن قحطان) عہد مسیح سے بعد کے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ عرب تصنیف و تالیف سے آشنا نہ تھے، ورنہ ظاہر ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہ، عرب کے شعراء کا عام مذاق یہ ہے کہ وہ قصائد میں محبوب کے دیار و مسکن اور اپنے سفر کے مقامات و منازل کا تذکرہ کیا کرتے ہیں، علمائے اسلام نے ان ہی سے عرب کا جغرافیہ وصفی ترتیب دیا ہے۔

---

[1] کیمبرج سفر الملوک ۱۰-۱۵ [2] تاریخ بابل راجرس جلد ۲ ص ۱۲۱

جغرافیہ عرب از تورات

عہد عاد و ثمود و مدین و ایکہ و ادوم

(از ۲۵۰۰ ق م تا ۸۰۰ ق م)

عرب گو ام سامیہ کا مولد و منشا ہے، لیکن عجب نہیں کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ان کو یہ یاد بھی نہ رہا ہو کہ یہ اس عہد کا واقعہ ہے جب نوع انسان دایۂ عالم کے آغوش میں طفل شیر خوار تھا۔ بچے عہد طفولیت میں عین اشاروں کے سوا لفظوں میں کسی چیز کا نام نہیں بتاتے۔ ام سامیہ جو مسیح سے ڈھائی تین ہزار برس پہلے بچے تھیں۔ عموماً ''پورب کی سرزمین'' کے سوا، اپنے مولد کا نام کچھ اور نہیں بتاتیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اس وقت انسان خود ''نام'' کا بھی نام نہیں جانتا تھا۔

عرب کے نام ہر حال ملک عرب کا پہلا[1] نام 'پورب کی زمین'[2] ہے اور دوسرا نام 'جنوب کی زمین اور ان دونوں ناموں سے وہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے بھی پکاری گئی ہے[3]'۔ پورب کی زمین سے کبھی تورات میں بابل واسیریا اور مابین النہرین بھی مراد لئے گئے ہیں[4]، لیکن زیادہ تر ان کو زمین شمال کہا گیا ہے کہ وہ فلسطین کے مشرق و شمال میں واقع ہیں۔

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب قبائل کی شکل پیدا ہوتی ہے شمالی عرب میں ابتدائے عہد سے مختلف قبائل، ادوم، عموانی، مواب، بنوعمان، مدیانی اور عمالیق آباد تھے[5]۔ عبرانیوں کو قرب و مجاورت کے سبب سے شمالی عرب سے کسی قدر واقفیت تھی، لیکن وہ اس شمالی حصہ کا کوئی خاص نام نہیں بتاتے تھے، بلکہ عموماً ان میں سے ہر قطعہ کو قبائل کی اضافت و نسبت سے ممتاز کرتے تھے، مثلاً ادوم کی زمین، مواب کی زمین، عمالیق کی زمین وغیرہ، حضرت موسیٰؑ کے عہد میں، جب بنی اسرائیل مصر سے براہ بحر احمر

---

[1] سفر تکوین ۱۱ [2] یعسو بیوان کی کتاب قدیم جغرافیہ (ایشنٹ جیوگرافی) ص ۳۸ [3] تکوین ۲۵۔۶
[4] تکوین ۱۔۲۹ [5] یہ تمام سامی قومیں ہیں اور ان سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات رہے ہیں۔

گوشہ عرب شمالی سے گذرے تو ان کو نظر آیا کہ یہ ملک ایک سراسر کف دست میدان ہے اس لئے شمالی عرب کے ایک گوشہ کا نام انھوں نے "عربا" قرار دیا[1]، اور بقیہ اقطاع عرب کا وہ اسی طرح باضافت قبائل نام لیتے رہے۔

حضرت سلیمانؑ کا عہد عبرانیوں کے اوج شباب کا زمانہ ہے۔ دریا میں ان کے جہاز سواحل عرب کے چاروں طرف بحر احمر[2] سے بندر اوفر[3] تک سفر کیا کرتے تھے، جو یمن میں اس وقت تجارت کی منڈی تھی اور خشکی میں ان کی فوج عرب کے تمام شمالی بلکہ بعض جنوبی ریاستوں (سبا) کو بھی مغلوب کر چکی تھی[4]۔ اس وقت ان کو عرب کے حقیقی حدود معلوم ہوئے، اس بناپر "عربا" کو جو پہلے صرف شمالی عرب کے لئے مخصوص تھا، ملک کی حد معلوم تک وسیع کر دیا[5]۔ بایں ہمہ جب تک وہ زندہ رہے مقامات کا نام باضافت قبائل انھوں نے متروک نہیں کیا۔

اقطاع عرب: عبرانیوں کو عرب کا کوئی منظم جغرافی علم نہ تھا، ایک مدت تک وہ صرف شمالی عرب سے واقف تھے، جس کے موجودہ اقطاع حجاز، سینا، عرب، شام، عرب، عراق، بحرین اور سواحل خلیج فارس ہیں۔ اس شمالی عرب کے انھوں نے دو حصے کئے تھے، زمین مشرق اور زمین جنوب، زمین مشرق میں ملک کنعان کے مشرق کے ممالک، سواحل خلیج فارس، بحرین اور عرب، عراق، اور زمین جنوب میں سینا، حجاز، بادیہ عرب، شام اور بعض حصہ نجد داخل کرتے تھے جو کنعان کے جنوب میں واقع ہیں۔

اسفار تورات ونبین (صحف انبیائے یہود) میں ہماری سمجھ اور استقصا کے مطابق عرب کے حصہ مشرقی وجنوبی کا عبرانیوں کے محاورہ کے مطابق حسب ذیل مقامات میں ذکر ہے، جن کو ہم بہ ترتیب حاشیہ میں لکھ دیتے ہیں[6]۔

ان مشرقی وجنوبی حصوں میں مختلف قبائل آباد تھے، ہر حصہ کا نام اس کے قبیلہ کی طرف نسبت کر

---

[1] استثنائے باب ۱ آیت ۱۔۷ و باب ۲۲ اور باب ۳۶ [2] ملوک اول ۹۔۲۶ [3] ملوک اول ۹۔۲۷
[4] ملوک اول ۱۰۔۲۱ [5] ایضاً ۱۰۔۱۵ [6] جنوب تکوین ۱۲۔۶ و ۱۳۔۱ اور ۲۴۔۶۲، عدد ۲۴۔۳ تحمینا ۱۳۔۲۹ یوشع ۱۰۔۴۰ و ۱۸۔۵ و ۱۱۔۱۹ و ۱۲۔۸ و ۱۵۔۱۹۔ قضاۃ ۱۔۹۔۱۵۔ سموائل ۲۴۔۷ و ۳۔۱۔ اشعیا ۴۳۔۶۔ یرمیا ۱۳۔۱۹ و ۱۶۔۱۷ اور ۲۳۔۱۳۔ حزقیال ۲۰۔۴۶، ۴۷۔۲۱۔۵۴۔۴۔۲۔۲۴۔۴۴ و ۴۱۔۱۱ و ۳۶۔۶۔ دانیال ۸۔۶ و ۱۱۔۲۲۵۔۹۔۱۱۔۱۵۔۲۵۔۲۹۔۴۰۔ عبدیاہ ۱۹۔۲۰۔ حبقوق ۳۔۳
مشرق تکوین ۲۵۔۶ و ۲۹۔۱ عدد ۲۳۔۲۸ و ۲۳۔۷۔ قضاۃ ۶۔۳ ۳۳ و ۷۔۱۲ و ۸۔۱۰۔ ملوک اول ج ۴۔ ایاب ۱۔۳

کے لیتے تھے، مثلاً جنوب میں کوہ سعیر کے دامن میں ادومی اور عمالیق آباد تھے، اس کا نام : مین ادوم و عمالیق تھا، اس سے نیچے موجودہ خلیج عقبہ سے دور تک سواحل بحر احمر پر مدانی آباد تھے، و دارض مدین تھا جس کو ایک مدت سے اب حجاز کہتے ہیں، مشرق میں عمورانی، بنوعمان اور مواب تھے اور یہی ان کے ملکوں کے نام تھے، آگے بڑھ کر مدین اور نجد کے سروں پر بنو اسماعیل کے خیمے تھے۔

عرب کے شہر و مقامات تورات میں مقامات عرب میں سے سب سے پہلے ''مشا'' اور ''سفار'' کا نام آیا ہے جو بنی قحطان کی آبادی کی ابتدائی اور آخری حد تھی۔ (تکوین ۱۰۔۳۰) ''سفار'' سے متفقاً ''ظفار'' واقع یمن مراد لیا گیا ہے، لیکن ''مشا'' نام عرب میں کوئی مقام نہیں! اس کو عرب اپنے تلفظ میں کیا کہتے ہیں؟ ریورنڈ بیوان (Bevan) مصنف ''جغرافیہ قدیم'' کی رائے ہے کہ وہ ''موزہ'' ہے، جو ساحل عرب پر بحر احمر کے مدخل کے پاس ایک مقام ہے[1] ایک دوسرا مقام بطلیموس کے نقشہ میں موشی ہے جو مغربی ساحل یمن پر واقع ہے[2] لیکن اس سے مکہ کیوں نہ سمجھا جائے، کیوں کہ حضرت اسماعیل کے ایک صاحبزادے کا نام تورات میں مسا مذکور ہے[3] جن کے نام سے ممکن ہے کہ یہ مقام آباد ہوا ہو، قرآن کے انگریز مترجم سیل (Gsale) نے یہی سمجھا ہے[4] زمانہ کے تقدم و تاخر کا شبہ نہ ہو کہ کسی قدیم مقام کو بعد کے نام سے تعبیر کرنا تورات کا عام دستور ہے۔

ادوم کی زمین میں دنہابہ، بصورہ، تیمان، مویت، مسریقہ، رحوبوت، اور فاعو نام آبادیوں کا تورات (تکوین ۳۶۔۳۱۔۴۰) نے ذکر کیا ہے لیکن ان کا محل وقوع نہیں بتایا ہے، مگر چونکہ یہ مین ادوم میں واقع ہیں اس لئے اتنا ظاہر ہے کہ شمال و مغرب میں ان کا نشان ڈھونڈھنا چاہئے۔

بصرہ یقیناً وہی شہر ہے جس کو عرب بصریٰ کہتے ہیں اور جہاں تک معلوم ہے تیمان کو شاید تیما سے تعلق ہو جو بصریٰ کے پاس ایک مشہور آبادی ہے، اور جس کا ذکر تورات میں کئی جگہ آیا ہے۔

قیدار بن اسماعیل کے تعلق سے حصور ایک قطعہ کا نام لیا گیا ہے (یرمیاہ ۴۹۔۲۸) لیکن جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ اس نام کی کوئی آبادی عرب میں نہیں، اسلئے یقیناً یہ کسی قطعہ کا نام نہیں بلکہ اس سے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی وہ آبادی جو مستقل ہو، بادیہ کی طرح عارضی نہ ہو، اسی سے عربی میں ''حضر'' کا لفظ نکلا ہے، اور اسی بنا پر آج کل حاضر و مشہور و عظیم الشان شہر کو کہتے ہیں۔

---

[1] Ancient Geography 418-710 [2] نقشہ مندرجہ Hogarth [3] تکوین ۱۵۔۱۵

[4] دیباچہ ترجمہ قرآن

عرب کے ایک مشہور شہر کا نام تورات میں ''سلاع'' آیا ہے جو ادوم کی حکومت میں واقع تھا۔ (ملوک دوم ۱۴) سلاع کے معنی پتھر کے ہیں، عربوں کے ہاں اس کا نام ''الحجر'' ہے، اور یونانی اس کو پترا (Petra) کہتے ہیں، معناً تینوں ایک لفظ ہیں اس شہر کا نشان اب تک شام کے قریب شمال عرب میں باقی ہے زمانہ اول میں یونانیوں کے زمانہ تک اس شہر کو بڑی رونق حاصل تھی خلیج عقبہ کے پاس ''عسیلات'' ایک بندر (ملوک اول ۹۔۲۶) حکومت ادوم سے متعلق تھا۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمان نے اس حکومت کو اسرائیل میں داخل کر کے اپنے بحری کارخانہ کا صدر مقام قرار دیا، جنوبی عرب میں جہاں عدن واقع ہے، ''اوفر'' نام ایک دوسرا بندر تھا، حضرت سلیمانؑ کے جہاز عسیلات سے چل کر یہیں اوفر آتے تھے۔ (۹۔۲۸) اوفر کا تورات میں متعدد بار نام آیا ہے، یہ ایک تجارتی منڈی تھی، سونا کثرت سے یہاں آتا تھا عدن جو اب تک موجود ہے، اس کی تجارت کی اس وقت بھی دھوم تھی۔ (۲۷۔۲۰)

یمن کے شہروں میں سے ''سبا'' کا نام بھی تورات میں آیا ہے، یہاں کی ملکہ حضرت سلیمانؑ کے دربار میں بھی آئی تھی۔ (ملوک دوم ۱۰۔ا۔۱۳) سبا کے ساتھ یمن کے دوسرے تجارتی مقامات مثلاً ''اوزال'' کا نام بھی دولت مندی کی خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ (حزقیال ۲۷۔۱۹) اوزال وہاں آباد تھا جہاں اب صنعاء آباد ہے شمال عرب میں حجاز کے کسی قطعہ میں حویلا واقع تھا، جہاں بنی اسماعیل کی آبادی تھی۔ (تکوین ۲۵۔۱۸) عربوں کے ایک اور مسکن کا نام 'جوربعل' بتایا گیا ہے (تاریخ ثانی ۲۶۔۷) معلوم نہیں کہاں واقع تھا لیکن فلسطین کے ساتھ اس کا ذکر ہے، اس لئے شاید شمالی عرب میں ہوگا۔

قبائل عرب قبائل عرب میں سے عبرانیوں کو صرف ان قبائل سے واقفیت تھی جن سے ان کو سیاسی یا تجارتی تعلق تھا۔ بنو مدیان، بنو عمان، بنو ادوم و عمالیق اور بنو مواب، ان کے ہمسایہ اور برابر کے حریف تھے، اندرونی قبائل دو تھے، قحطانی اور اسماعیلی، قحطانیوں میں سے بجز سبا اور اوزال کے جو تاجر تھے اور کسی کا ذکر نہیں آیا، (حزقیال ۲۷۔۱۹) اسماعیلیوں میں سے مطلق ''قبائل اسماعیلیہ'' کا نام آیا ہے جو عرب و مصر کے تاجر تھے (تکوین ۳۷۔۲۷) اور کبھی عبرانیوں سے مدیانیوں کے ساتھ مل کر لڑے بھی تھے۔ (قضاۃ ۸۔۲۴)

قبائل اسماعیلیہ کا دوسرا نام ''بنو ہاجر'' یا ''ہاجرین'' بھی تھا؛ اس نام سے بھی تورات میں ان کا ذکر آیا ہے۔ (ایام اول ۵۔۱۰) بنو اسماعیل یا بنو ہاجر میں سے دو قبیلے نامور ہوئے،

بنایوت (نبطین) اور قیدار، ان دونوں کا ذکر تورات نے کیا ہے۔ (حزقیال ۶۰۔۷) ایک اور عربی قبیلہ تورات میں ''معون'' نام مذکور ہے (تاریخ ثانی ۲۶۔۱۰) لیکن عرب اس کو ''معین'' کہتے ہیں۔

جغرافیہ عرب

از

مصنفین یونان و روما

ثمود ثانیہ، سبا، قوم تبع اور اصحاب الحجر کا عہد

(۵۰۰ ق م۔ ۲۰۰ء)

یونان میں سب سے پہلا شخص جس کو اقطاع ارضی کا علم تھا، ہومر فرض کیا جاتا ہے، اس کا زمانہ ہزار یا ۸۰۰ ق م تھا۔ ہومر ایک یونانی شاعر تھا، اس کے کلام میں بعض ممالک کے نام آگئے ہیں اور یہی اسکی جغرافی واقفیت ہے، منجملہ اور ممالک کے ایک ملک کا نام "غیر مبنی" ہے جس کو عربی سمجھا جاتا ہے[1]۔ دوسرا نام 'ارکی' ہے، جس سے شام مراد لیا جاتا ہے، کیونکہ تورات نے اس کو 'ارم' کہا ہے۔

یونان کا سب سے پہلا مورخ اور جغرافی ہیروڈوٹس ہے، مسیح سے ۴۵۰ برس پہلے تھا، یہ پہلا یونانی مصنف ہے، جو واقفیت کے ساتھ عرب کا ذکر کرتا ہے، تاہم اسکی معلومات جغرافی نہایت ناقص تھے، عرب کی نسبت اس کا خیال تھا کہ وہ جنوب میں آبادی کا سب سے آخری[2] حصہ ہے، عرب کی مغربی حد اس نے دریائے نیل قرار دی[3] ہے اور کوہستان سینا کو بھی اسی میں[4] داخل کیا ہے، وہ اس سے بھی واقف نہ تھا کہ عرب کے مشرق میں خلیج فارس ہے، جو عرب و فارس کو علیحدہ کرتی ہے[5]، عربوں کی تجارت کا جا بجا اس نے ذکر کیا ہے[6]، اس سے واقف تھا کہ عرب کے مغرب میں ایک دریا ہے، مگر اس کا نام بجائے "بحر احمر" یا "قلزم" کے "خلیج عرب" قرار دیتا ہے[7]، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ بحر احمر کی بعض شاخیں اندرون عرب میں بھی بہتی ہیں[8]، شاید اس سے اس کی مراد خلیج عقبہ ہو، لیکن اسکی کیا تاویل ہے کہ وہ کہتا ہے کہ

---

[1] Ancient Geography By Baven P 19　[2] Herodotus By H Cory Book III Para 107　[3] Herodotus By H Cory Book III Para 15　[4] ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۸　[5] ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۳۹　[6] ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۱۰۷　[7] ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۲　[8] ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۹۰

عرب میں ایک بہت وسیع دریا ہے جو بحر احمر میں آکر گرتا ہے اور جس کا نام کوربس ہے۔

پانچویں صدی ق م کے ہیروڈوٹس کے بعد یونانی و رومانی جغرافیہ نویسوں کے نتائج معلومات حسب ذیل ہیں:

حدود عرب ہیروڈوٹس کے بعد سکندر کے اسفار و فتوحات نے تیسری صدی ق م میں یونانیوں کے معلومات جغرافی کو بہت بلند کر دیا، ان کو اس کے بعد صحیح طور سے عرب کے حدود معلوم تھے، وہ جانتے تھے کہ عرب کے مغرب میں بحر احمر، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند اور مشرق و شمال میں بحر فرات اور شمال و مغرب میں شام اور حدود مصر واقع ہیں اور اس بنا پر جزیرہ نمائے سینا کے اکثر حصہ کو عرب میں داخل سمجھتے تھے، اور خود اس عہد میں یہود بلکہ نصاریٰ بھی یہی جانتے تھے، جیسا کہ سینٹ پال کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ (غلاطین ۴۔۲۵)

اصل یہ ہے کہ شمالی و مغربی گوشہ میں عرب کی کوئی قدرتی حد بندی نہیں، اس لئے جغرافیہ نویس مختلف الرائے ہیں، ہیروڈوٹس اور پلینی نے بشمول جزیرہ نمائے سینا بحر ایجین یا متوسط (میڈیٹرین سی) تک اس گوشہ کو وسیع کیا ہے، اور دوسرے جغرافیہ نویسوں نے بحر میت (ڈیڈسی) سے قرنیئی اور تدمر (پالمائر) تک اس کو محدود کر دیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتحاد بحیثیت حدود طبعی، نوعیت حکومت، اور دیگر مناسبات کی بنا پر ہمیشہ یہ اقطاع، عرب میں شامل رہے ہیں۔

اقطاع عرب یونان و روم کے قدیم جغرافیہ داں، اریٹوستھنیز، اسٹرابو اور پلینی نے عرب کو صرف دو قدرتی حصوں پر تقسیم کیا ہے، شمالی اور جنوبی، لیکن اس سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ دوسری صدی میں بطلیموس کی تقسیم ہوئی اور اب تک یورپین جغرافیہ نویس اور سیاح اس تقسیم کی تقلید کرتے ہیں۔

بطلیموس نے تمام ملک کو تین طبعی حصوں میں تقسیم کیا ہے، عرب آبادان یا العرب المیمونۃ (Arabia Felix) عرب ریگستان یا عرب الرمال (Arabia Desert) اور عرب سنگستان یا عرب الحجر (Arabiapetra)

عرب سنگستان یا عرب پیٹرا، مغرب میں مصر کی سرحد سے جزیرہ نمائے سینا سے گذر کر مغرب میں بصریٰ پر ختم ہوتا ہے، جو عرب کا ایک قدیم شہر ہے، شمال و مغرب میں تدمر تک اس کا گوشہ جاتا ہے اور اس کی پشت پر شمالی و مغربی یہودیہ اور فلسطین کا ملک پڑتا ہے، جنوب میں عرب ڈزرٹا یعنی عرب ریگستان اور عرب فیلکس یعنی عرب آبادان واقع ہے، عرب ریگستان یا عرب ڈزرٹا کی مشرقی و شمالی حد نہر

فرات اور الجزیرہ (میسوپٹیمیا) سے شروع ہو کر مغرب و شمال میں عرب سنگستان یا عرب پیٹرا کی مغربی و شمالی حد پر ختم ہوتی ہے، جنوب میں عرب آبادان یا عرب فیلکس ہے۔

عرب آبادان یا عرب فیلکس بقیہ تمام جزیرہ نمائے عرب کو جو مغرب میں بحر احمر، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند اور شمال میں عرب پیٹرا اور عرب ذزرٹا سے محاط ہے، کہتے ہیں، جس میں بحر احمر کے ساحل پر حجاز، سواحل بحر احمر و ہند پر یمن، حضر موت، اور سواحل خلیج فارس پر عمان و بحرین اور وسط عرب میں یمامہ و نجد داخل ہیں[1]۔

یونانی اور رومانی فاتحین نے عرب پیٹرا اور عرب ذزرٹا کو فتح کر لیا تھا، اس لئے وہ اس کے حالات سے واقف تھے، عرب فیلکس کے صرف سواحل سے ان کو آگاہی تھی، اور ایک آدھ نام غلط سلط اندرونی قبائل و اقطاع کے بھی انھوں نے سن لئے تھے۔

ڈاکٹر اسپرنگر کے مطابق بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عرب فلکس کے ۵۴ قبائل، ۱۶۴ مقامات ۵۰۷ کوہستانی سلسلے اور ۴ دریاؤں کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ اسطیفنوس (Stephen) اور پلینی نے بھی بعض نام گنائے ہیں، لیکن اسباب خواہ[2] جو کچھ ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ دس پانچ ناموں کے سوا اب وہ سب غیر معروف ہیں۔

---

[1] Forster S. Arabia Vol 11 Part III P 12-13

[2] غیر معتقدین بطلیموس تو یہ کہتے ہیں کہ ان ناموں کا وجود و مصداق بطلیموس کے دماغ کے سوا کہیں خارج میں نہیں ہے، عرب کے خالی از معلومات اوراق کو پر کرنے کے لئے اس نے اپنی طرف سے نام گھڑ لئے ہیں، ایک مصنف اس کی ایک معقول وجہ بتاتا ہے[3]۔

اکثر ان اقطاع عرب میں آبادی کا کبھی کوئی باقاعدہ و مقرر اصول نہیں رہا ہے، جن کا بطلیموس نے نشان دیا ہے اگر بطلیموس کے ناموں میں کوئی حقیقت ہے تو وہ کنوئیں ہوں گے یا نخلستان جہاں کارواں اور قافلے اپنے خیمے کھڑے کر دیتے ہوں گے۔

بطلیموس کے نہ صرف جغرافیہ عرب بلکہ عام جغرافیہ عالم کے متعلق علمائے عرب کو بھی یہی شکایت تھی اور وہ اسکے وجوہ بھی بتاتے ہیں سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری میں مسعودی لکھتا ہے[4]۔

الا ان اسماء ها فی هذا الکتاب بالیونانیة معتذر فهمها — جغرافیہ بطلیموس کے یونانی ناموں کو سمجھنا مشکل ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[3] ان بیانات کیلئے دیکھو مقدمہ D.G. Hogarth P 14-23 [4] مروج الذہب ص ۱۰۳ ج ا مصر برحاشیہ نفح الطیب

بہر حال عرب کے جن قبائل و مقامات کے نام یونانیوں اور رومانیوں کے ہاں آئے ہیں ہم ان کو مستقل ابواب میں ترتیب دیتے ہیں۔

مقامات عرب | عرب فیلکس کے وہ مقامات جو تقریباً صحیح اور معروف ہیں حسب ذیل ہیں، یہ علی الترتیب حجاز سے بحر احمر، بحر ہند اور خلیج فارس کے کنارہ کنارہ سواحل پر عراق تک واقع ہیں[1]:

یونانی تلفظ	بخط اردو	صحیح عربی نام	کیفیت
Macoraba	مکاربا	مکہ۔ربہ	ربہ کے معنی اعظم کے ہیں۔
lathreppa	لاتریپا	یثرب	شہر مدینہ منورہ کا جاہلی نام ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ساتویں صدی ہجری میں یاقوت کی (مقدمہ معجم میں) شہادت ہے:۔

جهلت اكثر الاماكن التى ذكرت فيها وابهم علينا امرها وعدمت لتطاول الزمان فلا تعرف

میں جغرافیہ بطلیموس کے اکثر بیان کردہ مقامات سے ناواقف ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آئے کیوں کہ مرورِ زمانہ سے وہ مٹ گئے ہیں اور اب مجہول ہیں۔

سب سے آخر میں دسویں صدی ہجری میں لفظ ''جغرافیہ'' کے تحت میں کاتب چلپی کا بیان ہے:

لكن اندرس كثير مما ذكره و تغيرت اسماءه فانسد باب الانتفاع منه

بطلیموس کے اکثر بیان کردہ مقامات مٹ گئے ہیں، اور ان کے نام بدل گئے ہیں اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

لیکن معتقدین بطلیموس اس الزام سے برہم ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یونانی اللہجہ ناموں کی عرب جغرافیہ نویسوں کے بلکہ حال کے سیاحین یورپ کے بیان سے تطبیق دیجائے۔ ریورنڈ فارسٹر نے ۱۸۴۴ء میں ''عرب کے جغرافیہ تاریخی'' کے دوسرے حصہ میں ۱۰۹ سے ۲۷۶ تک ۱۵۷ صفحے ان ناموں کی تحقیق و تصدیق و تطبیق میں صرف کئے ہیں اور ہر جگہ اپنی ''عالمانہ جہالت'' کی عجیب و غریب مثال پیش کی ہے۔ غریب فارسٹر کو نہیں معلوم کہ یہ قبائل کب پیدا ہوئے، ان مقامات میں کب آباد ہوئے اور عربی میں ان کا صحیح نام کیا ہے؟ وہ بطلیموسی قبائل کے ناموں کو حروف کے ہیر پھیر سے موجودہ قبائل سے تطبیق دیتا ہے اس کو نہیں معلوم کہ اب قدیم قبائل کا اکثر و بیشتر نشان بھی نہیں، وہ عہد اسلام میں نا معلوم کہاں سے کہاں نکل کر آباد ہو گئے، موجودہ قبائل کے نام بالکل نئے ہیں، فارسٹر کے بعد ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۷۵ء میں ''جغرافیہ قدیم عرب'' (Ancigrogofarab) کے نام سے اسی قسم کی کوشش کی ہے۔ مجھے ان کی کامیابی کا حال نہیں معلوم ان کے مرتبہ ''نقشہ قدیم عرب'' کے سوا اصل کتاب مجھے نہیں ملی۔ [1] (صفحہ ۲۱۲ دیکھیے)

یونانی تلفظ	بخط اردو	صحیح عربی نام	کیفیت
Iambia	اِنبیا	ینبوع	حجاز کا ایک ساحلی مقام۔
Dumatha	ڈومیتھہا	دومہ	دومۃ شمالی عرب کا ایک شہر۔
Egra	اجرا	حجر	ثمود کا دارالحکومت۔ حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر
Thaimaia	تھیمیا	تیماء	انتہائے حجاز میں بجانب شام ایک شہر۔
Modiuna	مودی یونا	مدین	حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر حضرت شعیبؑ کا شہر
Sapphar	سفار	ظفار	یمن میں ایک قدیم شہر۔
Adana	عدانا	عدن	ساحل بحر ہند پر یمن میں ایک بندر۔
Minai	مینائی	معین	یمن میں ایک قدیم آبادی۔
Mariaba	ماریاب	مارب	یمن کا دارالحکومت۔
Nogruna	نگرانا	نجران	یمن میں ایک نصرانی آبادی۔
Chatramoti	کیٹرموٹی	حضرموت	ساحل بحر پر جنوبی عرب میں یمن کے پاس۔
Maccala	مکالا	مکلا	جنوب یمن میں ساحل بحر عرب پر
Gerrnai	گربائی	قریہ	یمامہ میں ایک شہر
Catabaei	قتابائی	قتاب	قدیم یمن میں ایک شہر
Nasac	نشک	نشق	قدیم یمن میں ایک شہر
Karnaei	قرنائی	قرن	قدیم یمن میں ایک شہر
Sabaee	سبائی	سبا	قدیم یمن میں ایک شہر
Omanum	عمانوم	عمان	ساحل خلیج فارس پر مشرقی عرب میں ایک صوبہ
Amithoscuta	امیتھوسکوتا	مسقط	عمان کا دارالحکومت

عرب پٹرا اور ڈزرٹا سے یونانیوں اور رومانیوں کو واقفیت تھی کہ ان پر ان کا قبضہ تھا، لیکن یہاں دوسری دقت ہے، یعنی عرب آبادیوں کو مٹا کر انھوں نے یونانی نام سے یونانی ورومانی شہر قائم کر لئے تھے، تاہم جن ناموں کے اتحاد و اشتراک کا حال معلوم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

تدمر: سب سے مشہور تر مقام ان اطراف میں تھا، یہ انتہائے شمال میں فلسطین کے پاس عرب کا آخری

منتخب از Hogarth P 18, Ptolemy A map of Arabia by Sprenger Bevana P 119

آخری شہر ہے، اسفار یہود میں ہے کہ اسکو حضرت سلیمان نے بنوایا تھا (ملوک اول ۲۰-۹-۱۹) بہر حال یہ ایک عرب ریاست کا دار الامارت تھا، رومیوں نے ۲۰ء میں جب اس کو لیا تو اس کا نام 'پالسائر' رکھ دیا۔[۱]

ربات مواب: یہ شہر بحرمیت کے قریب عرب پٹرا میں موابی عربوں کا دار الحکومت تھا، رومیوں نے اس کا نام اریوپولس رکھا تھا، ۱۳۱۵ء میں زلزلہ سے تباہ ہو گیا۔[۲]

بصریٰ: اس کو رومیوں نے بگاڑ کر بوسٹرہ بنایا ہے، وہ بھی اسی کے قریب ایک شہر تھا اور اب بھی اس کا نشان ہے[۳] یہ ادومی عربوں کا خاص مقام تھا۔

الرقیم: اس کو عبرانی 'سلاع' اور یونانی 'پٹرا' کہتے ہیں، یہ شمالی عرب میں پہلے مدیانی حکومت کے ماتحت ایک دار الامارت تھا[۴] پھر نبطی عربوں کا دار الحکومت ہوا، رومیوں کے عہد میں بھی اس کو خاص اہمیت ملی۔

ربات عمون: عرب ڈزرٹا کے شمالی مشرقی حصہ میں عمونی عربوں کا یہ دار الحکومت تھا اس کو یونانیوں نے فلاڈلفیا کا نام بخشا ہے، کہ تیسری صدی ق م میں اس کو شاہ بطلیموس فلاڈلفوس نے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔[۵]

ان لوگوں کو عرب کے بعض جزائر اور سواحل سے بھی واقفیت تھی، تم نے مکّہ کا نام اوپر پڑھا ہے اس کا ذکر بطلیموس نے کیا ہے، اور اس کی جگہ ۱۳-۴۵ درجہ پر مقرر کی ہے، لیکن صحیح مقام ۱۴-۳۰ درجہ ہے۔[۶]

بطلیموس سے سو برس پیشتر ایک یونانی مصری نے جس کا نام مجہول ہے، جہاز رانوں کے لئے ایک بحری جغرافیہ ترتیب دیا تھا جس میں اس نے بحر عرب کے جزائر پر جو عرب کے قریب ہند اور اسکندریہ کے سرراہ واقع ہیں روشنی ڈالی ہے، وہ پہلے بحر عرب میں عرب کے ایک جنوبی ساحل پر یودیموں (Eudae mon) کا ذکر کرتا ہے، جس کو عدن سمجھنا چاہئے، اس کی نسبت اس کا بیان ہے کہ مصر و ہند کے درمیان یہ ایک تجارتی منڈی ہے (جیسا کہ اب بھی ہے) اس سے آگے بڑھ کر بجانب ہند عرب کی ایک راس کا ذکر کرتا ہے، جس کا یونانی نام سیاگروس (Syagrus) بتاتا ہے، اس کو راس قرطق

---

۱ Josephus vol I P 428-1822 ۲ و ۳ و ۴ Bevan P 202
۵ Josephus Vol I P 192-1822 ۶ Forster Vol II P 198

سمجھنا چاہئے، اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ "یہاں اندرون عرب میں جانے کے لئے بہت سے بخورات کا سرمایا پڑا رہتا ہے"۔ یونانی جغرافیہ نویس "دنیا کی سب سی بڑی راس" اس کو قرار دیتا ہے، یمن و حضرموت کے قریب ایک جزیرہ ہے، اسقوطرہ نام، اس کا نام یہ "ڈائسکر وڈیس (Dieseres) بتاتا ہے"[1]۔

قبائل عرب یونانی اور رومانی قوموں کو عرب کے صرف ان قبائل سے واقفیت تھی، جو سیاسی طاقت رکھتے تھے یا تجارت کی راہ سے اِدھر اُدھر نکلا کرتے تھے اسکندریہ کے یونانی اور رومانی جغرافیین میں سے اسٹرابو، پلینی، ڈائڈورس اور بطلیموس نے تقریباً پچاس ساٹھ قبائل کے نام لئے ہیں، لیکن یونان، اسکندریہ اور روم جا کر انکی شکل ایسی بدل گئی ہے کہ پہچانے نہیں جاتے، صرف چند قبائل ایسے ہیں جو ہزاروں برس کے بعد بھی اپنے وطنی لب ولہجہ سے تمیز کر لئے جاتے ہیں۔

عادارم عرب کا سب سے قدیم اور مشہور قبیلہ حضرموت کے پاس اس کا مسکن تھا قبیلہ کا اکثر حصہ تو یونانیوں سے بھی بہت پہلے تباہ ہو چکا تھا، مگر ایک ٹکڑا پیروان ہود کا باقی رہ گیا تھا، یونانی جغرافیہ نویسوں نے حضرموت کے ایک قبیلہ کا نام (Adramitai) 'عادرمی۔ٹائی' بتایا ہے 'ٹائی' صرف قبیلہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے[2]۔ اصل لفظ 'عاذرم' ہے جو 'عاد ارم' کی نہایت صحیح صورت ہے بعض لوگ اس کو "حضرموت" سمجھتے ہیں، لیکن حضرموت کی یونانی زبان میں یہ شکل ہے۔ (Chatramotitai) خترموتی ٹائی اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ یہ دونوں نام ایک ساتھ مستعمل ہوئے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ ان سے دو قبیلے مراد لینے چاہئیں، اور اس سے زیادہ بدقسمتی ہمارے مخالفین کی یہ ہے کہ بطلیموس نے عاد (Adetai) اور (Oarditai) کا بلا اشتباہ حضرموت بھی ذکر کیا ہے[3]۔

ثمود کا بقیہ نقیہ (مومنین صالح) حجاز کے پاس مدین اپنی قدیم جگہ میں اس عہد تک موجود تھا، اس کا تلفظ جغرافیین یونان وروم نے دو طرح کیا ہے (Thamydeni) درتھماوایئی اور (Thamyditai) "تھمادی ٹائی" عربی کی "ث" عبرانی میں "ت" اور یونانی میں "تھ" ہو جاتی ہے۔

حضرموت عہد قدیم میں سیاسی و تجارتی دونوں حیثیتوں سے یہ یمن کا ہم پلہ تھا، یونانیوں نے (Chatramutitai) خترموتی، ٹائی کے نام سے اس کو یاد کیا ہے۔

---

[1] History of Ancient Geography by Yazen P276 - 1897 [2] ان زبانوں میں یہ لفظ قوم و جماعت کو ظاہر کرتا ہے اور اب تک یورپ کی زبانوں میں یہ لفظ ان معنوں میں آتا ہے۔ انگریزی میں ٹی کی جگہ ڈی بولتے ہیں مثلاً عباسیہ کو عباسائڈ عربی میں بھی بعینہ یہی حروف (یہ) بھی معنی ظاہر کرتے ہیں مثلاً حنفیہ، مالکیہ، مرجیہ، عباسیہ، امویہ [3] Forster Vol II P 374

نبط: نجد سے سواحل بحر احمر و عقبہ و بادیہ شام تک کی حکومت مسیح سے دو تین سو برس پیشتر نبط بن اسماعیل کی اولاد کے ہاتھ میں تھی، نبط کی جمع انباط اور نبطیین ہے۔

نبطیین سے یونانیوں کے سیاسی تعلقات تھے۔ ان کا نام انکے ہاں (Nabathaei) 'نباتھ یائی' ہے ان کا دارالحکومت 'پٹرا' تھا۔

قیدار | قیدار بن اسماعیل کا خاندان جس سے اسلام پیوستہ ہے، مسیح سے ایک ہزار برس پہلے سے حجاز کا مالک تھا، یونانی میں اس کا نام متعدد طرق سے لیا گیا ہے، جس میں زیادہ صحیح پلینی (Cadaʀɴi) کیدرانی ہے[1]۔

یمن کے قبائل (Minaei) تین آئی یعنی 'معین' (Sabaei) سبا، آئی یعنی سبا (Homeritai) 'حومرطائی' یعنی 'حمیر' کا مفصل ذکر ہے، خلیج فارس پر (Omanitai) عمانی تائی یعنی عرب اور (Gerrhaei) اگر یہ آئی یعنی اہل قریہ واقع یمامہ کا نام بھی مذکور ہے[2]

اسلام سے کچھ پہلے حیرہ میں مناذرہ اور شام میں غسا سنہ ایرانیوں اور رومانیوں کے ماتحت برسر حکومت تھے، اس لئے ان کا ذکر بھی مفصلاً یونانی تاریخوں میں مذکور ہے کہ وہ ان دونوں مشرقی و مغربی حکومتوں کی بیچ کی دیوار تھے، اور عرب نہایت قدیم زمانہ سے مشرقی و مغربی امور سیاسیہ میں حد متوسط ہیں[3]۔

ان قبائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی بیسیوں قبائل کا قدیم یونانی جغرافیوں میں نشان ملتا ہے۔ جن میں تین سب سے زیادہ پرزور اور طاقتور بتائے گئے ہیں، بنی زومین (Bani Zomenis) سیڈینی (Sedeni) اور بنو بری (Banubari) یہ تینوں قبائل سواحل بحر احمر پر خلیج عقبہ سے عسیر تک حجاز و تہامہ میں متوطن ظاہر کئے گئے ہیں لیکن انکے اصلی اور صحیح نام کیا ہیں؟ ان ناموں کا تو عرب میں کوئی قبیلہ نہیں۔

ریورنڈ فارسٹر تاکید فرماتے ہیں کہ ہم بغیر کسی ''شک و سوال'' کے بنی زومین کو بنی عمران سیڈنی کو جہینہ اور بنو بری کو کنواں[4] والا قبیلہ تسلیم کر لیں جس کی مضحکہ خیز دلیل فاضل ممدوح یہ دیتے ہیں کہ (تقریباً دو ہزار برس کے بعد) برکہارٹ اور نیوبھر گذشتہ صدی کے یورپین سیاحوں نے انہی

---

[1] Beva .Ancient Geography P 178 [2] FoRɜɐRVol.I P 244 [3] Herodotus Book II Para 198

[4] بیر عربی میں کنواں کو کہتے ہیں، اس لئے بری کے معنی بھی وہ کنواں ہی سمجھتے ہیں۔

مقامات میں ان ہی قبیلوں کو دیکھا ہے! حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ زومین خزیمین ہے، سیدینی، سیدسین اور بنو بری، بنو بریر ہے، خزیر. حجاز میں سید اور بریر دیگر اطراف میں مشہور قبائل ہیں۔

سب سے زیادہ زور ریونڈ فارسٹر بنی زومین پر دیتے ہیں اور یہ تسلیم کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا مسکن حجاز نہیں بلکہ خلیج عقبہ تھا اور یہ اس لئے کہ سسلی کے ڈائڈورس نے جو مسیح سے سولہ برس پہلے تھا لکھا ہے کہ ''بنی زومین کے ملک میں ایک معبد ہے جس کی تمام عرب عزت کرتے ہیں، اس معبد کو ان علمائے یورپ نے جن کے نام کا پہلا جز ریورنڈ نہیں (غیر پادری) کعبہ سمجھا ہے[1]، بلکہ تعجب ہے کہ ایک ریورنڈ نے بھی اپنے قدیم نقشہائے جغرافیہ میں بنی زومین میں کو خاص حجاز میں مکہ سے مدینہ تک پھیلایا ہے[2]۔

بہر حال اس کی بحث کہ اس معبد سے کعبہ کیوں نہ سمجھا جائے، اپنے موقع پر آئے گی، یہاں صرف قبائل کے مسکن اور اس کی حقیقت سے بحث ہے، اس کے فیصلہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ناموں کی مناسبت وقربت اور قبائل مذکورہ کا زمانہ وجود ہم ذیل میں اس قسم کے یونانی اللہجہ ناموں کا ایک نقشہ دیتے ہیں، گو بیکار ہے۔

یونانی تلفظ بخط انگریزی	یونانی تلفظ بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	مصنف کی رائے میں
BAnizomenies	بنی زومین	بنی عمران	بنی خزیمہ (یا) خزیمین
Sideni	سیدینی	جہینہ	بنو سید (یا) سیدسین
Banubari	بنی بری	بنو بئر (کنواں والے)	بنو بریر
Arosi	ارسائی	بنی استان	بنو بریر
Cinaidocalpttal	کینائڈو کوبسنائی	بنی استان	-
Dabai	ڈبائی	زبید	ضبہ
Carbaiorcorbani	کربیا (یا) کربینی	حرب	-
Canraltal	کانرٹائی	حرب	-
Dacharoni	ڈاخارینی	بنو زہر	بنو صخر

[1] دیکھو کارلائل کا رسالہ ''ابطال''، فصل بطل النبوۃ، اور گبن باب ۵۰

[2] Atlas of Ancient Geography by Samuel Butler DD. Map XXIII868

مصنف کی رائے میں	اصل فارسٹر کی رائے میں	یونانی تلفظ بخط فارسی	یونانی تلفظ بخط انگریزی
بنوغسان		کسانی تائی	Cassanitai
بنوکیسان		گسانیڈی	Gasandi
دوسر		ڈوساری	Dosoreni
بنودارم	دارن (؟)	ڈارنی	DorNi
	اہل مخا (بندر یمن)	موکوریٹائی	Mocoretai
		الیساری	Elisari
بنوعیلام	بنی یام	الامیٹائی	Elamittai
	بنوغیلان	کینولیٹائی	Cogubatai
		ساری تائی	Saritai
بنوتمیم		ٹومابیل	Tomabel
	اہل ظفار	سفاری تائی	Sopharetai
عاد		اوڈی تائی	Oditai
	حمیر	حوموری تائی	Homeritai
عادارم	حضرموت	عذرمیٹائی	Adramitai
		مافوری تائی	Maphoritai
	لحیان	لائینٹائی	Lainitai
	بنوخالد	خالڈائی	Chaldie
		ایولسائی	Iolesitai
		ابوکائی	Abucaei
		لینی تائی	Lenitai
تیم		تھیمی	Themi
ضمر	شمر	زماری	Zamareni
		سینی تائی	Scenitai
	اہل کوہ سراۃ (سروائین)	ساراسینی	Saraceni

یونانی تلفظ بخط انگریزی	یونانی تلفظ بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	مصنف کی رائے میں
Zamareni	زماریني	بنوضمیر	
Nabathaei	نباتھائی	نبطین	
Thimnei	تھمانائی		اہل تیماء
Masaemanes	ماسائمینس		
Vadini	وادینی		
Astapeni	اسٹپینی		
Katanetai	کتانی تائی		
Tanutai	تنوتائی	قبیلہ تنوخ	
Manitai	مانی تائی	اہل منیٰ (واقع مکہ)	معین (واقع یمن)
Salapeni	سلافینی		بنوسلف
Achoali	اچاوٗلی		بنو عجل
Minaet	مینائیت	اہل منیٰ (واقع مکہ)	معین (واقع یمن)
Sabaei	سبائی	سبا	
Anchitai	انخی تائی		
Kithibanitai	کیتھی بانی تائی	بنوقحطان	قتابین (قتاب واقع یمن)
Madasara	مداسارا		
Sophanitai	سفانی تائی	بنوسفیان	
Docharemoizai	داخری موزائی	دار القرامطہ[1] (واقع بحرین)	
Olameotai	عیلا موتائی		
Omanetai	عمانی تائی	اہل عمان	نبوعیلام
Jobaritai	جوباری تائی		
Chatramatai [2]	خترمتائی	اہل حضرموت	

[1] غریب مستشرق کو معلوم نہیں کہ بحرین میں قرامطہ کا وجود بطلیموس کے ۸۰۰ برس بعد ہوا ہے۔

[2] منتخب از Forster Vol II Part II

عربوں اور رومیوں کے تعلقاتِ تعارف میں ایک اور واقعہ پہلے یونانی اور رومی اور اب یورپین اربابِ قلم میں نہایت آب و تاب سے ذکر کیا جاتا ہے جو ایک رومی سردار آلیوس گالیوس (Aeluis Gallus) کا پہلی صدی عیسوی میں عرب پر حملہ ہے، وہ کہاں تک گیا؟ اس نے کیا کیا؟ کیوں واپس آیا؟ اور اس سے کیا کیا فائدے ہوئے؟ ان میں سے ہر ایک چیز کا جواب یورپین مصنفین نہایت مزہ لے لے کر دیتے ہیں اور ایک نے تو عالم نشاط میں یہاں تک لکھ دیا کہ وہ مکہ تک پہنچ گیا تھا، اور اس حملہ کا نام ''اکتشاف ارضی'' رکھا گیا ہے۔[1]

ہم اس مضمون پر سلسلۂ تاریخ میں اپنے موقع پر بحث کریں گے۔

[1] Forster Vol II Part II Section VI

جغرافیۂ عہد قرآن

ملک عرب عرب کا ملک حدود طبعی کے لحاظ سے ایک جزیرہ نما ہے، لیکن اہل عرب اس کو ہمیشہ جزیرۃ العرب کہتے ہیں اور اس کو وسط معمورہ عالم یقین کرتے ہیں، اس کی تصدیق تحقیق جدید سے بھی ہوتی ہے کہ وہ درحقیقت دنیائے قدیم کے قلب میں[1] واقع ہے، اس سے قریب ترین ممالک مشرق میں فارس، جنوب میں ہندوستان، مغرب میں حبشہ، سوڈان اور مصر اور شمال میں ملک شام، الجزیرہ اور عراق ہیں۔

حدود عرب: عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کی تحدید اس طرح کی ہے۔ مغرب میں بادیہ شام کے بعض حصے یعنی مقام بلقاء سے مقام ایلیہ تک جو عقبہ کے قریب ہے، مغرب اور جنوب میں بحر احمر مدین اور جدہ سے سواحل یمن تک، جنوب مشرق میں بحر ہند، عدن اور ظفار سے مہرہ تک، مشرق میں بحر عمان اور خلیج فارس، مہرہ، عمان اور بحرین سے بصرہ اور کوفہ تک اور شمال میں نہر فرات و بلقا تک۔

جدید طرز میں صاف طور سے یوں کہنا چاہئے کہ مشرق میں اس کی حد خلیج فارس سے شروع ہو کر بحر عمان کو طے کر کے بحر ہند پر ختم ہوتی ہے، بحر ہند عرب کے تمام جنوبی حدود میں پھیل کر مغربی و شمالی گوشۂ عرب میں بحر احمر پر منتہی ہوتا ہے، جس کو ہیروڈیٹس وغیرہ قدیم اہل جغرافیہ خلیج عرب کہتے ہیں، اور جو عرب کی مغربی حد بندی گوشۂ مغربی و شمالی سے گوشۂ مغربی و جنوبی میں خلیج عقبہ تک کرتا ہے اور جس سے حبش اور مصر کی سرزمین عرب سے علیحدہ ہو جاتی ہے، خلیج عقبہ جنوبی گوشہ میں جزیرہ نمائے سینا اور عرب کو ایک فاصلہ قریب تک باہم علیحدہ کرتا ہے، اس کے اختتام پر شام کی حد شروع ہوتی ہے اور بادیہ شام کو قطع کر کے جنوب میں نہر فرات کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف، پھر مشرق و شمال کی سمت میں بصرہ کے پاس آکر خلیج فارس پر منتہی ہوتی ہے۔ اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ عرب کے مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب میں بحر ہند، مغرب میں بحر احمر، شمال مغرب میں خلیج عقبہ، شام اور فلسطین اور شمال مشرق میں نہر فرات واقع ہے۔

آپ نے دیکھا کہ عرب جغرافیہ نویسوں کا عرب، عبرانی، یونانی اور رومانی جغرافیہ نویسوں

---

[1] he Penetration of Arabia D G Hogarth 174 ا.

سے چھوٹا ہے، کیوں کہ اس میں جزیرہ نمائے سینا اور عرب وشام کے بعض حصے شامل نہیں بات یہ ہے کہ یونانیوں نے ان ٹکڑوں پر قبضہ کر لیا تھا، اور تا اسلام عرب ان پر قابض نہ ہو سکے اس بنا پر عربوں نے ان کو اپنی مملکت سے خارج سمجھ لیا، ورنہ حدود طبعی اور جنسیت آبادی کے لحاظ سے وہ کبھی خارج نہیں ہوتے۔[1]

مساحت عرب عرب جغرافیہ نویس مساحت کا بیان عموماً زمانۂ رفتار سے کرتے ہیں ابوالفدا نے تقویم البلدان میں عرب کی مربع مسافت سات مہینے گیارہ دن کی بیان کی ہے، جدید تحقیق کے رو سے گو حقیقی طور سے عرب کی پیمائش نہیں ہوئی تاہم وسعت کے لحاظ سے عرب کوئی چھوٹا ملک نہیں ہے، وہ جزیرہ نمائے ہندوستان سے بڑا اور ملک جرمنی وفرانس سے چار گنا زیادہ ہے۔ شمال سے جنوب کی جانب پورٹ سعید (یا العریش) سے عدن تک طول ۱۵۰۰ سو میل اور مغرب سے مشرق کی جانب پورٹ سے فرات تک عرض ۶۰۰ میل ہے اور مجموعی رقبہ ۱۳۰۰۰۰۰ میل مربع۔

طبعی حالات عرب کا ملک اس وسعت کے باوجود زیادہ تر بے آباد، خشک، شور اور ریگستان ہے، تمام ملک میں پہاڑوں کا جال ہے، جابجا بے آب وگیاہ صحرا ہیں، حقیقی دریا کا وجود نہیں، عموماً پہاڑوں کے چشموں، وادیوں کے تالابوں اور میدانوں کے کنوؤں پر گذر ہے، آب وہوا کے لحاظ سے یہ نہایت گرم ہے، میدانوں میں بادسموم جب چلتی ہے تو کوسوں تک زندگی دشوار ہو جاتی ہے، کبھی اس کے ساتھ جب ریگ کا طوفان ہوا پر اڑتا ہے تو پورا قافلہ کا قافلہ، آبادی کی آبادی ریگ کے ڈھیر کے نیچے دب جاتی ہے اسی لئے ملک عرب میں موسم وہوا کے کسی واقف کار اور آبادی وصحرا کے کسی رہنما کے بغیر سفر نہایت خطرناک ہے۔

اس ملک کا سب سے بڑا صحرا شمالی حد میں شام وعرب کا درمیانی ریگستانی میدان ہے، جس کو عرب بادیہ شام اور غیر عرب بادیہ عرب کہتے ہیں، دوسرا ریگستان جنوبی حد میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان ایک ناقابل آبادی بے آب وگیاہ وسیع صحرا ہے جس کو دہنا 'صحرائے اعظم' اور ربع خالی کہتے ہیں، اس کی ایک نوک بحرین اور نجدین سے گذر کر صحرائے شام میں مل جاتی ہے، یہ صحرا

---

[1] مصنفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع جدید) لکھتے ہیں: ''عرب کی شمالی تحدید مشکل ہے، محققین العریش سے شروع کرتے ہیں، شمال میں سرحد فلسطین، درمیان میں بحر میت (زیڈسی) خلیج عقبہ ختم ہو کر شمال کی طرف شامی حد کے قریب تدمر، پھر مشرقی جانب کنارۂ فرات اور پھر شمالی ومشرقی دہانۂ شط العرب پھر خلیج فارس، صحرائے عرب میں داخل ہے۔ (ملخصاً ج ۲ ص ۲۵۲)

طول میں دو درجہ اور عرض میں ڈیڑھ درجہ ہے، اور مجموعی رقبہ اس کا تقریباً ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے۔

اس ملک میں سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ، جبل السراۃ ہے، جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے، اس کی سب سے بڑی چوٹی ۸۰۰۰ فیٹ بلند ہے، حجاز کا سب سے مشہور پہاڑ جبل الہدیٰ طائف کا جبل الکرا نجد کا جبل عارض وطریق، شمر کا جبل سلمٰی اور یمن کا جبل کوکبان ہے، جبل کوکبان کی بلندی کہیں کہیں سطح آب سے ۳۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔

عرب میں جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے گو کوئی دریا نہیں، لیکن عجب قدرت الٰہی یہ ہے کہ یہاں کے پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے جاری رہتے ہیں جن سے دامن کوہ اور وادیاں عموماً سرسبز و شاداب رہتی ہیں، کبھی کبھی یہی چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک ایک مصنوعی دریا بن جاتے ہیں، پھر وہ ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں یا سمندر میں مل جاتے ہیں، شاہان عرب نے ان ہی چشموں کے روکنے کے لئے بند بنائے تھے، کیوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ چشمے اتفاقاً مل کر بصورت سیلاب پرخطر ہو جاتے ہیں۔ عرب کے وہ مقامات اور صوبے جو سواحل بحر پر واقع ہیں، عموماً سرسبز و شاداب ہیں، خصوصاً یمن کا صوبہ جو بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے نہایت زرخیز ہے، اور یونانیوں میں وہ اسی سے ''زرخیز عرب'' کے نام سے مشہور ہے، عمان، حضرموت اور نجد تمام تر اور حجاز میں طائف، عرب کے بہترین حصے ہیں۔

حاصلات عرب: عرب کی پیداوار زیادہ تر کھجور، سیب اور ہر قسم کے بہترین نوع کے فواکہ ہیں، کہیں کہیں زراعت بھی ہوتی ہے، اقوام قدیمہ میں عرب کی شہرت اسکے طلائی ونقرئی معادن اور بخورات اور خوشبودار اشیاء کی جائے پیدائش ہونے کی بنا پر تھی ۔ ہیروڈوٹس مورخ یونان کی تاریخ میں عرب کی یہ خصوصیت خاص طور سے نمایاں کی گئی ہے[1] اور توراۃ تو ملک عرب کے سونا، چاندی اور بخورات کے ذکر سے بھری پڑی ہے[2] مسلمانوں میں ہمدانی نے اپنے جغرافیہ میں معادنِ عرب کا نشان[3] دیا ہے۔

علمائے یورپ میں برٹن (Burton) نے مدین کے طلائی معادن پر (The Goldmines of Midian) خاص ایک کتاب لکھی ہے۔

عمان اور بحرین کے سواحل موتیوں کی کانیں ہیں جہاں ہر سال ہزاروں غواص دریا سے موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں، لیکن ان کی محنت کا ثمرہ موتیوں کے عرب تاجر کم اور انگریزی کمپنیاں زیادہ تر حاصل کرتی ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں بحرین کے موتیوں کی لاگت ۲ لاکھ پونڈ کے قریب اندازہ

[1] ہیرودوٹس ترجمہ عربی ص ۲۴۰ [2] قضاۃ ۲۴۔۲۵، قضاۃ ۸۔۲۶،۲۴ [3] صفۃ العرب باب المعادن

کی گئی ہے۔

حیوانات کے لحاظ سے بھی عرب بہترین ملک ہے، عرب کے گھوڑے خوبصورتی اور بادرفتاری میں دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے، اونٹ عرب کی خاص چیز اور ایک عرب کی زندگی کا حقیقی رفیق ہے، ان کے علاوہ ہرن، شیر اور دیگر حیوانات بھی عرب میں بکثرت پائے جاتے ہیں ہیروڈوٹس نے عرب کے اڑنے والے اور قاتل سانپوں کا ذکر کیا ہے[1] جس کی تصدیق حضرت موسیٰ کے کلام سے بھی ہوتی ہے[2] لیکن شاید اب ان کا وجود نہیں۔

اقطاع عرب عرب جغرافیہ نویسوں نے ملک کو اسکے حدود طبعی کی بنا پر منقسم کیا ہے، عرب عراق اور عرب شام کو چھوڑ کر حسب ذیل پانچ صوبوں پر وہ تقسیم ہے، تہامہ، حجاز، نجد، یمن اور عروض۔

اس تقسیم کا اصل معیار جبل السراۃ قرار دیا گیا ہے، جو عرب کا سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ ہے، یہ سلسلہ انتہائے شمال یعنی برالشام سے شروع ہو کر انتہائے عرب یعنی یمن میں منتہی ہوتا ہے، اس سلسلہ نے عرب کو مشرقی و مغربی دو طبعی حصوں میں منقسم کر دیا ہے، مغربی حصہ مشرقی حصہ سے چھوٹا ہے، وہ عرضاً دامن کوہ سے سواحل بحر احمر تک اور طولاً عرب شام کے حدود سے یمن کے حدود تک پھیلتا چلا گیا ہے، اس حصہ کا نام حجاز ہے، حجاز کا جنوبی حصہ بطرف یمن جو نشیب و پست ہے، تہامہ اور غور کہلاتا ہے جس کے معنی پستی کے ہیں، مشرقی حصہ عموماً بلند اور نراز ہے اور وہ کرہ سروات سے اتر کر وسط ملک کو طے کرتا ہوا عراق تک چلا گیا ہے، اس حصہ مشرقی کا نام نجد ہے جس کے معنی فراز و بلند کے ہیں، تہامہ اور نجد کے درمیانی اور کوہستانی حصہ کو حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک حاجز (حجاب) اور پردہ ہے، عراق اور جنوبی حدود نجد سے خلیج فارس تک یمامہ، اور بحرین وغیرہ جو قطعہ ملک ہے اس کو عروض (ترچھا) کہتے ہیں کہ وہ ترچھا اور خم واقع ہوا ہے، حجاز نجد اور عروض کے بعد جنوبی حصہ میں سواحل بحر احمر سے سواحل عمان تک، سواحل بحر عرب پر وہ قطعہ ملک ہے جو اپنے یمن و برکت اور زرخیزی کی بنا پر یمن کے نام سے مشہور ہے۔

لیکن اب بہت سے اہل جغرافیہ کے نزدیک تہامہ کوئی مستقل صوبہ نہیں بلکہ وہ حجاز کا ایک ٹکڑا ہے، اس بنا پر عرب کے حسب ذیل صوبے قرار دیئے جا سکتے ہیں، عروض، نجد، یمن اور حجاز، ان چاروں صوبوں میں سے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر منقسم ہے۔

---

[1] ہیرودٹ ص ۱۴۱   [2] توراۃ استثنا باب ۸ درس ۱۵

عروض

عروض جیسا کہ پہلے ہم نے بتایا ہے، وہ قطعہ ملک ہے جو مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے، اس صوبہ میں یمامہ، بحرین اور عمان تین اقطاع ہیں بحرین اور عمان ساحل بحر فارس پر واقع ہیں اور یمامہ، بحرین اور عمان کے پار نجد، حجاز اور یمن کے وسط میں ہے۔

ا۔ یمامہ کے حدود اربعہ یہ ہیں، مشرق میں عمان اور بحرین، مغرب میں حجاز اور بعض حصہ یمن، جنوب میں احقاف یا الربع الخالی، شمال میں نجد، یمامہ کا وہ حصہ جو نجد سے متصل ہے آباد و سرسبز ہے۔

یمامہ کی قدیم تاریخ یہ ہے کہ وہ قبائل طسم و جدیس کا مسکن[1] تھا، حجر یا قریہ اور جعدۃ ان قبائل کے عہد میں یمامہ کے مشہور شہر تھے، یمامہ میں طسم اور جدیس کی بعض عمارات اور قلعوں کے آثار زمانہ اسلام تک باقی تھے، جن میں سب سے بڑی عمارتیں قصر شموس اور قصر معنق تھیں[2] شہر حجر جس کا نام القریہ ہے ان قبائل کی حکومتوں کا صدر مقام تھا، زرقا، جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بہت تیز نگاہ تھی، دشمنوں کی فوج کو تین روز کی مسافت سے دیکھ لیتی تھی، اسی یمامہ کی رہنے والی تھی۔ مشہور قبیلہ ربیعہ کی بعض شاخیں عہد قدیم سے یہاں آباد تھیں، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو عجل کی آبادی بھی یہاں تھی۔

زمانہ اسلام کے قریب اس سرزمین میں عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو حنیفہ بستا تھا، جو بکر بن وائل کی ایک شاخ تھا، بنو حنیفہ نے ۸ ھ میں خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عقیدت کیشی کا اظہار کیا، اسی صوبہ و قبیلہ کا فرزند مسیلمہ تھا، جس نے عہد نبویؐ کے آخر میں دعوئے نبوت کیا، اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ایک جنگ عظیم کے بعد وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا، بنو اسد کا ایک مشہور قبیلہ اسلام سے تقریباً ایک صدی پیشتر یہاں آباد تھا، جو حکومت کے لحاظ سے کندہ کا ماتحت تھا۔

۲۔ بحرین: جس کا دوسرا نام الاحساء ہے، ایک ساحلی مقام ہے، اس کے اوپر عراق اس کے نیچے عمان اس کے مغربی پہلو پر یمامہ اور مشرقی جانب خلیج فارس واقع ہے، بحرین موتیوں کے لئے

---

[1] طبرالنہ اوج اص ۹۹ مصر [2] قامات و منارات کے نام یاقوت کے معجم البلدان میں دیکھو۔

مشہور ہے۔اس کے جزائر اور سواحل موتیوں کی کان ہیں جہاں ہر سال ہزاروں کشتیاں اور ہزاروں غواص موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں۔

قبیلہ جدیس جو طسم کو مٹا کر یمامہ کا مالک ہوا تھا، حسان شاہ یمن کے حملوں سے بھاگ کر یہیں پناہ گزیں ہوا تھا، بعد کو عدنانی قبائل میں سے قبیلہ عبد القیس کا یہ مسکن ہوا، ربیعہ کی بعض شاخیں بھی یہاں آباد تھیں، چھٹی صدی عیسوی میں بحرین اہل فارس کے قبضہ میں تھا، اور ان کی طرف سے مناذرہ جو عراق (حیرہ) اور اس کے آس پاس کے ملک میں ایرانیوں کے نائب تھے، بحرین کے حاکم تھے[1]طرفہ جو عرب کا ایک مشہور شاعر تھا، آل منذر کے اشارہ سے یہیں قتل ہوا، ۶ھ میں یہاں کا حاکم منذر بن ساوی تھا، جو پیغام اسلام پہنچنے پر اپنی تمام عرب رعایا کے ساتھ مسلمان ہو گیا، اور یہاں سے بنو عبد القیس کا ایک وفد حاضر خدمت نبویؐ ہوا۔

اسلام کے بعد اس ملک میں سب سے بڑا واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ قرامطہ جو نیم مسلمان مجوسی تھے ان کی طاقت کا مرکز فارس کے قرب کی بنا پر یہی ملک تھا۔

۳۔عمان: بحرین کے بعد، خلیج فارس سے ہٹ کر بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے، شرق کی جانب بحر عمان، مغرب کی طرف الربع الخالی، جانب جنوب بحرین، جانب شمال شحر یمن۔ ساحلی مقامات نہایت آباد اور سرسبز ہیں جبل اخضر یہاں کا سب سے بڑا پہاڑ ہے، جس کی بلندی ۳۰۰۰ میٹر ہے، ملک عمان کے پہاڑ معدنیات سے اور اسکے دریا موتیوں سے اور اس کی وادیاں غلہ فواکہ اور خوشبودار چیزوں سے مالا مال ہیں، عمان کے گھوڑے، گائیں اور بکریاں بھی مشہور ہیں۔

مورخین عرب کا بیان ہے کہ عمان، عمان بن قحطان کی طرف منسوب ہے، لیکن بروایت تورات یہ عمان بن لوط کی طرف منسوب ہونا چاہئے قبیلہ ازد جس کو اسد بھی کہتے ہیں، قبل اسلام اس کی ایک شاخ یہاں آباد تھی، آج کل یہ ملک ایک مستقل ریاست ہے جس کا پایہ تخت مسقط ہے، اہل ملک زیادہ تر اباضی طریقہ کے خارجی ہیں، ملک کا رقبہ کم از کم ۸۰ ہزار میل مربع انداز کیا جاتا ہے۔

---

[1] یعقوبی ج ۱ ص ۲۲۰ لیڈن

نجد

نجد، وسط عرب میں ایک سرسبز و شاداب اور بلند و فراز قطعۂ ملک ہے، سطح آب سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے اور تین طرف سے بے آب و گیاہ صحراؤں سے محیط ہے، اور اسی لئے وہ اجنبی اثر و اقتدار اور بیرونی آمد و رفت سے محفوظ ہے، اس کے شمال میں صحرائے شام، مغرب میں صحرائے حجاز، مشرق میں صحرائے دہناء، اور جنوب میں صوبہ یمامہ ہے۔

نجد، عرب کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل کا مسکن تھا، کلیب جس سے بڑھ کر عرب جاہلیت کے نزدیک کوئی معزز نہیں ہوا، بکر بن وائل کا سردار تھا، جس کے قتل کے بعد انتقام کے لئے بکر و ثعلب میں چالیس برس تک آتش جنگ مشتعل رہی، یہیں کندہ کے نام سے ایک چھوٹی سی عربی حکومت قائم ہوئی، جو مناذرہ یعنی ملوک حیرہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی، نوشیرواں کے باپ قباد نے جب مزدکی مذہب اختیار کیا تو مناذرہ کے مقابلہ میں شہنشاہ فارس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شاہان کندہ نے بھی اس مذہب کو اختیار کر لیا تھا، اور آخر یہی ایران کی تباہی کا باعث ہوا۔

عربی زبان کو نجد کی آب و ہوا سے عجیب و غریب مناسبت ہے، مہلہل جو عربی شاعری کا آدم کہلاتا ہے، اسی نجد کی خاک سے پیدا ہوا تھا اور کلیب مذکور کا حقیقی بھائی تھا، امرء القیس جو عرب کا ملک الشعراء تھا، اسی نجد کی حکومت کندہ کا آخری شاہزادہ تھا، اور آج بھی جب کہ امتداد زمانہ اور اختلاط اقوام کے سبب سے فصیح عربی زبان کا تمام جزیرہ عرب میں کہیں وجود نہیں، یہاں کے پہاڑوں میں قدیم فصیح عربی زبان بلا اختلاط موجود اور محفوظ ہے۔

نجد، عہد قدیم سے عدنانیہ کا مسکن ہے، آخر عہد میں کہلانی قبیلہ کی مشہور و معروف شاخ طے، آجا و سلمیٰ کی پہاڑیوں میں آباد ہو گئی تھی، جن کو شعرائے طے نے ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد کیا ہے، چھٹی صدی عیسوی میں جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے، نجد میں غطفان کا قبیلہ بستا تھا، جس کی تادیب کے

لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہؓ ۴ھ میں نجد تشریف لے گئے تھے، اس مہم کا نام اہل سیرت کے ہاں غزوہ ذات الرقاع ہے، قبیلہ ہوازن اور سلیم، نجد کے مغربی حصہ پر قابض تھے، قبیلہ حلیم کی بھی ایک شاخ نجد میں تھی۔

آج کل نجد، شمر، قصیم اور عارض تین حصوں میں منقسم ہو کر دو شیوخ کے زیر حکومت ہو گیا ہے، شمالی حصہ جو صحرائے شام و عراق و حجاز کے متصل ہے شمر کہلاتا ہے اور کبھی اپنے دار الامارۃ، حائل کے نام سے حائل بھی پکارا جاتا ہے، جبل شمر اور جبل سلمیٰ اور کچھ وادیاں اس تقسیم میں داخل ہیں، پہاڑی خودرو سبزوں سے وادیاں شاداب رہتی ہیں، قصیم کا نصف حصہ حکومت شمر میں داخل ہے، شمر کی حکومت آجکل آل رشید کے قبضہ[1] میں ہے، آبادی کا تخمینہ تین لاکھ ہے، شمر میں پہلے قبیلہ طے کی ایک شاخ شمر آباد تھی جس کے نام سے یہ ملک موسوم کیا گیا۔

عارض جو یمن کے صوبہ احقاف کے متصل ہے نجد الیمن کہلاتا ہے اور آج کل نجد سے عموماً یہی سرزمین مراد لی جاتی ہے، امیر نجد آل سعود سے جس کے دار الامارۃ کا نام مدینۃ الریاض ہے، قصیم کا جنوبی حصہ اسی حکومت کے تابع ہے، نجد کا یہ حصہ شمر سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے، محمد بن عبد الوہاب نجدی کے اثر سے عارض کے باشندے زیادہ تر اہل حدیث ہیں اور ان کی مردم شماری بیش و کم ۵ لاکھ ہے۔

نجد کے پھول، گھوڑے اور اونٹ مشہور ہیں، ہر قسم کے میوے یہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔

[1] پچیس برس ہوئے کہ آل رشید کی ریاست ختم ہوگئی اور ابن سعود کی حکومت میں شامل ہوگئی۔ ''سلیمان''

یمن

یمن عرب کا سب سے زیادہ سرسبز و شاداب وسیع اور سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ متمدن صوبہ ہے اور جو اسلام کے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی علم کا مرکز رہا ہے، اس کی تاریخ نہایت قدیم ہے، اس لئے اکثر مجہول ہے، عمارات اور قلعوں کے آثار یہاں نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، جو قدیم شاندار تمدن کا پتہ دیتے ہیں، قرب و جوار کی سلطنتوں نے مثلاً روم، فارس اور حبشہ نے اس پر متواتر حملے کئے ہیں اور کبھی فتح بھی کیا ہے، یونانی اور رومی مورخین کے پاس یمن کے متعلق بعض اہم معلومات ہیں اور کچھ معلومات آثار قدیمہ کی مدد سے یورپین علمائے آثار (ارکیالوجسٹ) نے حاصل کئے ہیں۔

صوبہ یمن کے حدود حکومت گو مختلف زمانہ وحکومت میں مختلف رہے ہیں، تاہم اس کے طبعی حدود یہ ہیں، جنوب میں بحر عرب، مغرب میں بحر احمر، شمال میں حجاز، نجد اور یمامہ، اور مشرق میں عمان و بحرین، اس صوبہ کی ابتدائی تاریخ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے، قدامت کی تاریکی میں مخفی ہے۔ جہاں تک معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس سرزمین کے مختلف اقطاع ہیں وقتاً فوقتاً عمالیق، اہل معین، عاد، سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئی ہیں، جنھوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں جن کی عظمت کے آثار اب تک باقی ہیں، ترقی زراعت کے لئے وادیوں میں بڑے بڑے بند آب بنائے جن میں سب سے زیادہ مشہور سد مارب ہے جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہوا ہے، ہندوستان، فارس، حبش، مصر اور عراق کی تجارتیں انہی کی وساطت سے قائم تھیں، پہاڑوں سے معدنیات اور جواہر نکالتے تھے، سامان عطریات و بخورات ان ہی کے ملک سے تمام مہذب ممالک میں پہنچتا تھا، آخر زمانہ میں ستر برس کے لئے اہل حبشہ یمن پر قابض ہو گئے تھے، جن کو آخر کار اہل فارس نے نکال دیا اور خود قبضہ کر لیا، ظہور اسلام کے وقت اہل فارس کی طرف سے باذان یہاں کا گورنر تھا، جو ۷ھ میں مسلمان ہو گیا، بقیہ اہل یمن جو زیادہ تر مذہباً یہودی تھے ۱۰ھ میں داعی اسلام حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ تھا تمام قبیلہ صرف ایک دن میں شرف اسلام سے مشرف ہوا۔

یمن کے قدیم مشہور مقامات کے نام یہ ہیں، معین، مارب، ظفار، شیبان، اوزال، براقش

نشق، خولان، قرن، شبوہ، عمران، صنعاء، وغیرہ ان میں اب اکثر مقامات ویران یا دلیائے ریگ میں غرق ہیں، بعض موجود ہیں، لیکن ان کے قدیم نام متروک ہیں، ملک کی کثرت آبادی و سرسبزی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ملک کی تقسیم پہلے جن صوبوں پر تھی اور جن کو اہل عرب مخلاف کہتے ہیں مورخ یعقوبی نے ان کی تعداد ۸۴[1] بتائی ہے، یمن کی بڑی بڑی تقسیمیں حسب ذیل ہیں:

حضرموت، احقاف، صنعاء، نجران، عسیر، جو علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی حضرموت سے جنوبی مغربی حدود یعنی حجاز تک سواحل بحر احمر پر واقع ہیں۔

۱۔ حضرموت: ساحل بحر ہند پر واقع ہے، شمال میں بحر ہند، جنوب میں الربع الخالی اور الاحقاف اور مغرب میں صنعاء، یہ ایک نہایت قدیم آبادی ہے قحطان یا یقطان جو یمن کا پدر اول تھا، اس کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام تورات[2] نے حضرماوت بتایا ہے، اس بنا پر اہل تاریخ یقین کرتے ہیں کہ یہ قطعۂ ملک اپنے باشندہ اول حضرماوت ابن قحطان کے نام سے منسوب ہے، اہل حضرموت نے ایک مستقل حکومت بھی قائم کر لی تھی، جس کی مختصر تاریخ مورخ ابن خلدون نے بیان کی ہے[3]، عاد وثمود کے قبائل کا اصلی مسکن بھی یہی تھا، عاد کا قبیلہ یہاں سے ذرا ہٹ کر احقاف میں بس گیا، اور ثمود حجاز کے پار جا کر آباد ہوا، بالفعل حضرموت ایک مستقل قطعۂ ملک کی حیثیت سے ایک مستقل امام کے ماتحت ہے، شادابی اور سرسبزی میں صنعاء سے کم نہیں ہے، اور عود قافلی وغیرہ یہاں کے مشہور نباتات ہیں۔ سال بسال حضرموت میں 'سوق الرابیہ' کے نام سے ایک بازار لگا کرتا تھا اور اسی کے متصل شمرہرہ میں دوسرا بازار لگتا تھا[4]۔

۲۔ بلاد الاحقاف: یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم الدہنا، یا ربع خالی کے نام سے واقع ہے، گو وہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اسکے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق تھوڑی زمین ہے، خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے، گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا، جس کو خدا نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔

۳۔ صنعائے یمن: ملک یمن کا قلب اور یمن کے قدیم تمدن کا تماشا گاہ درحقیقت یہی ٹکڑا ہے، یہ بحر ہند اور بحر احمر کے سواحل پر عرب کے شمالی و مغربی گوشہ میں واقع ہے، معین، سبا اور حمیر کی

[1] صفحہ ۲۲۷ لیڈن　[2] تورات تکوین ۱۰۔۲۶　[3] جلد ۲ صفحہ ۳۰　[4] یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۳۱۴

عظیم الشان سلطنتیں اسی قطعۂ زمین پر قائم ہوئی تھیں، سد مارب یا سدعرم اسی کی وادیوں میں تعمیر ہوا تھا، ظفار، مارب اور اوزال یمن کے پایہ تخت تھے، ملکۂ سبا اسی سرزمین کی شاہزادی تھی، قصر غمدان، قصر ناعط، قصر ربدہ، قصر صرواح، قصر مدر اسی قطعہ ملک میں تعمیر ہوئے تھے، جن کے آثار چوتھی صدی ہجری میں ہمدانی نے خود برائی العین مشاہدہ کیئے تھے۔

صنعا، جواب یمن کا پایہ تخت ہے قدیم شہر اوزال کے پاس اسلام سے ایک مدت پہلے آباد ہوا تھا، ۱۰ھ میں جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے یہ ملک شرف بہ اسلام ہوا، اب یہاں زیادہ تر زیدی طریقہ کے مسلمان آباد ہیں جو عقائد میں معتزلہ کی ایک شاخ اور شیعہ اور اہل سنت کے وسط میں ہیں، یہاں کا امام بھی زیدی سادات کے خاندان سے ہے، یمن کے نباتات خصوصاً یمن کا قہوہ (بن) مشہور ہے، اسلام کے بعد شہر زبید یمن کا ایک مشہور شہر بن گیا، جہاں سے متعدد علمائے اسلام پیدا ہوئے۔

۴۔ نجران: بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان میں ایک مختصری آبادی تھی، عہد قدیم میں یہاں بنو اسمٰعیل میں سے بَجیلہ بن نزار آباد ہوا[1] تھا، اسلام کے کچھ پہلے سے روم وحبش کی کوششوں سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی، یمن کی یہودی حکومت نے ان عیسائیوں کو بجبر یہودی بنانا چاہا لیکن روم اور حبش جو مسیحی ہمسایہ سلطنتیں تھیں، وہ برابر ان کی حمایت کرتی رہیں، نجران میں ایک بہت شاندار کلیسا بھی تعمیر ہوا تھا، جو عربوں میں کعبۂ نجران کے نام سے مشہور تھا، ۹ھ میں اہل نجران کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تھا۔

۵۔ عسیر: بحر احمر کے ساحل پر حجاز اور صنعاء کے مابین واقع ہے، یہاں کے باشندے عموماً اہل حدیث ہیں، امام عسیر ادریسی خاندان کا ہے۔

ان ملکی تقسیمات کے علاوہ یمن میں بہت سے ساحلی مقامات اور جزائر ہیں مثلاً شحر، مہرہ، مکلہ، لحج، جزائر کوریا موریا، جزائر بریم وغیرہ ان کی حکومت مختلف شیوخ کے ماتحت ہے اور جو زیادہ تر برٹش گورنمنٹ کے زیر اقتدار ہیں۔

ظہور اسلام کے زمانہ میں یمن حکومت فارس کے ماتحت تھا، ۹ھ میں یہاں کا آخری ایرانی گورنر مسلمان ہوگیا، اور ملک بلا جنگ وجدال علم اسلام کے زیر سایہ آگیا۔

---

[1] یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۵۵

حجاز

حجاز بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل صوبہ ہے، جس کا نام توراۃ میں فاران بتایا گیا ہے اور جہاں سے تجلی ربانی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی گئی تھی، اس کے مشرقی جانب نجد، مغربی جانب بحر احمر، شمال میں عرب شام یا عرب الحجر، جنوب میں عسیر، اور شمالاً جنوباً کوہ سرداۃ کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جس کی بلند تر چوٹی ۸۰۰۰ فیٹ ہے، سلسلۂ کوہ میں بہت سے چشمے جاری ہیں جہاں گاؤں آباد ہیں، باغ لگے ہیں، کھیتیاں ہوتی ہیں کہیں کہیں جنگل ہیں دامنِ کوہ سرسبز ہے اور وہاں بھی آبادی ہے لیکن زیادہ آباد اور سرسبز حصہ وہ ہے جو بحر احمر کے سواحل پر واقع ہے، ان مقامات کے علاوہ تمام حصہ ریگستان ہے، جہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہوسکتی، حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر جدہ ہے جو مکہ کا بندرگاہ ہے، اس کے بعد دوسرا ساحلی مقام ینبع ہے جو مدینہ کا بندرگاہ ہے، اندرون ملک کے بڑے بڑے شہر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

۱۔ مکہ یا بکہ جس کا تیسرا نام ام القریٰ ہے، حجاز کا دار الحکومت ہے، یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر (ابراہیمؑ) کی بنا، ایک نوجوان پیغمبر (اسماعیلؑ) کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمدؐ) کا مولد ہے، شہر عرض البلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ اور طول البلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ پر واقع ہے، سطح آب سے تقریباً ۳۳۰ میٹر بلند ہے، چاروں طرف پہاڑوں نے قدرتی دیواریں کھینچ دی ہیں، بالفعل شرقاً غرباً تقریباً ۴۰ کیلومیٹر لمبا اور جنوباً شمالاً تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر چوڑا ہے، مشرقی سلسلہ، شمالی سلسلہ جبل خلیج (فلق) جبل قیقعان جبل ہندی، جبل لعلع، جبل کداء سے مرکب ہے، آخر الذکر پہاڑ وہی ہے جس کی راہ سے رسول ﷺ فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تھے، جنوبی سلسلہ جبل ابوحدیدہ جبل کدی اور جبل ابی قبیس کے بعض سلسلہ سے مرکب ہے، مشرق میں جبل ابی قبیس اور اس کے پیچھے جبل خندمہ اور مغرب میں جبل عمر واقع ہے۔

حضرت مسیح سے ڈھائی ہزار برس پہلے یہ کاروانِ تجارت کا ایک منزل گاہ تھا، تقریباً دو ہزار ق م میں حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند عزیز حضرت اسماعیل کو یہاں آباد کیا، باپ بیٹے نے خدا کے نام پر یہاں ایک قربان گاہ بنائی جس کا کعبہ نام قرار پایا، فرزندان اسماعیلؑ کی اولاد ایک مدت تک یہاں دیگر قبائل پر بالادست رہی، اس کے بعد قحطانی قبائل (بروایت عام) آئے اور انھوں نے استیلا حاصل کیا، بنو اسماعیل میں سے قصی نے آخر یہاں کی ریاست حاصل کی، قصی قریش کا پدر اعلیٰ تھا، آخر زمانہ میں یہاں کے مالک قریش تھے، امور مملکت اور صیغہائے حکومت ایک ایک شیخ خاندان کے زیرنگرانی تھے، شہر کے علاوہ اسماعیلی قبائل شہر کے آس پاس بھی آباد تھے، مکہ کے جنوب میں جو پہاڑیاں ہیں وہ مشہور قبیلہ ہذیل کا مسکن تھیں، جنوب کی طرف وادی القریٰ ہے، جو قدیم قبائل کا مسکن تھا، اس کے اطراف میں قبائل کنانہ رہتے تھے، مکہ کے پاس جبل حبشی کے دامن میں قبائل احابیش رہتے تھے۔

۲۔ مدینہ منورہ: قبل ہجرت نبویؐ اس شہر کا نام یثرب تھا، ہجرت کے بعد اسکا نام بدل کر مدینۃ النبی صلعم یعنی "رسول اللہ ﷺ کا شہر" ہوا اور کثرت استعمال سے "ال" قائم مقام مضاف الیہ ہو کر المدینہ رہ گیا، یہ شہر سمندر کی سطح سے ۶۱۹ میٹر بلند ہے اور طول ۳۹ درجہ ۵۵ دقیقہ اور عرض ۲۴ درجہ ۱۵ دقیقہ شمال خط استوا پر واقع ہے، گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ ۴۸ درجہ تک بڑھ جاتا ہے، اور جاڑوں میں دن کو صفر سے دس درجہ اوپر اور رات کو صفر سے ۵ درجہ نیچے ہوتا ہے، اس لئے جاڑوں میں اکثر صبح کو پانی یخ ہو جاتا ہے، پہلے یہاں عمالیق آباد تھے، لیکن عہد اسلام میں یہاں یہود اور قبائل اوس وخزرج آباد تھے، محققین حال کا بیان ہے کہ یثرب مصری لفظ "اتھربیس" کی تعریب ہے، ہمارے یہاں کے مورخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے، اور اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ عمالیق ۲۲۰۰ میں مصر کے حکمران تھے، اور سن ۱۶۰۰ ق م میں وہاں سے نکالے گئے تھے، اس بنا پر شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ قبل مسیح اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان ہے، عمالیق کے بعد یہاں سب سے اول یہود آ کر آباد ہوئے اس کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آباد ہوئیں، یہ اوس و خزرج وہی قبائل ہیں جن کا لقب اسلام میں انصار ہوا، اور جنھوں نے اسلام کی دعوت اولین قبول کی اور مسافرینِ اسلام کو اپنے گھروں میں اتارا، اور جس کی مکافات میں خداوند تعالیٰ نے انصار کے نام سے ان کو زندگی جاوید بخشی، اور ان کے شہر کو پینتیس کروڑ نفوس کا مرکز قرار دیا۔

بنولام جوطے کی ایک شاخ ہے، مدینہ کے کوہستانی مقام میں آباد تھی، ہمدانی نے لکھا ہے کہ اسلام کے بعد یہ شاخ دیار ربیعہ کو منتقل ہوگئی، بنوظفر بھی ہمدانی کے بیان کے مطابق مدینہ کے مقابل ہی سکونت پذیر تھے، بنوکاب جومشہور قبیلہ تھا، وہ مدینہ کے اطراف میں ربذہ، فدک اور عوالی میں آباد تھا، جو اسلام کے بعد حسبِ روایاتِ ہمدانی شام کو منتقل ہوگیا، اور وہاں اس نے اپنی ایک ریاست قائم کی۔

۳۔ طائف: حجاز کی جنت ہے، بے انتہا سرسبز و شاداب مقام ہے، امرائے حجاز عموماً گرمی وہیں بسر کرتے ہیں، ابتداءً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا، بعد کو وہ مشہور قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں آیا قبل ہجرت آنحضرت ﷺ یہاں دعوتِ اسلام کیلئے تشریف لائے، لیکن جس طرح خلیل کے ایک شہر نے مسیح کو قبول نہیں کیا، طائف نے بھی آپ کو قبول نہ کیا ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا، ۹ھ میں سردار ثقیف عروہ بن مسعود نے اسلام قبول کیا اور خود اپنی قوم کے ہاتھ سے اسلام کی راہ میں مارا گیا، لیکن ان کی منادی بے اثر نہ رہی، اسی سال وفد ثقیف خدمت نبویؐ میں حاضر ہوکر عقیدت کیش ہوا۔

۴۔ جوف، ثمود، تبوک، خیبر، مدین

ان شہروں کے علاوہ بعض اور مقامات بھی قابل ذکر ہیں، مدینہ سے کچھ آگے بجانب شمال وہ میدان واقع ہے جہاں ثمود کا قبیلہ آباد تھا، یہ جوف اور وادی القریٰ کے نام سے مشہور ہے، پایہ تخت کا نام حجر تھا جس کا قرآن میں بھی ذکر آیا ہے، یہ شہر زیادہ تر اپنے پیغمبر صالح کے نام سے مدائنِ صالح کہلاتا ہے، ۹ھ میں تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا اس شہر سے گذر ہوا تھا، اسی سے متصل دوسری آبادی تیما ہے، حجر اب حجاز ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ حجر کے بعد ایک اسٹیشن المعظم چھوڑ کر دوسرا اسٹیشن تبوک ہے جہاں آں حضرت ﷺ نے رومیوں کی مدافعت کے لئے اقامت فرمائی تھی، مدینہ کی مغرب جانب خیبر ہے جو یہود کی جنگی قوت کا مرکز تھا اور جہاں یہودیوں کے بڑے بڑے قلعے

تھے، ۷ھ میں آں حضرت ﷺ یہاں تشریف لائے اور اس کی تسخیر فرمائی، حجر کے مقابل مغرب کی جانب بحر احمر کے ساحل پر شہر مدین آباد تھا، جو حضرت موسیٰ کا دار الہجرۃ، ان کے خسر یثرو یا حوباب (حضرت شعیبؑ) کا وطن اور مدیانیوں کا پایہ تخت تھا۔

آغاز اسلام میں یہ تمام شہر یہودیوں کے قبضہ میں تھے اور یہاں ان کے بڑے بڑے قلعے تھے جن کو اسلام نے عہد نبوت میں یکے بعد دیگرے فتح کیا۔

عرب شام

یعنی وہ قطعہ عرب جس کو یونانی عرب سنگستانی کہتے ہیں اور جو شام، مصر، بادیہ شام اور حجاز و نجد کے مابین واقع ہے' یہ آبادی عرب کا بہت قدیم حصہ ہے، اکتشافات جدیدہ سے پہلے بھی گو اس ملک کی وقعت کم نہ تھی کہ اس کے صحرا میں بنو اسرائیل کا مسکن تھا، اس کے ایک پہاڑ پر اسرائیل کا ایک پیغمبر (حضرت موسیٰ) خدا سے ہم کلام ہوا تھا، اس کے متصل ارض موعود واقع ہے جس کو ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کے خدا نے اسرائیل کے فرزندوں کو وراثتاً بخشا تھا، لیکن اکتشافات جدیدہ کے بعد اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے، یہاں عمالقۂ عرب کی آبادی تھی، انہی کھنڈروں میں ان کی عظیم الشان حکومت قائم تھی، جس کا سلسلہ حجاز تک پھیلا تھا اور جس میں بلقاء، عمان، بصری، تدمر وغیرہ شہر داخل تھے، تدمر ایک مشہور تجارتی مقام تھا، زباء یہاں کی ایک ملکہ کا نام ہمیشہ عربوں میں ضرب المثل رہا ہے، اسلام سے کچھ پہلے یہ ملک بنو جفنہ ایک عرب خاندان کے زیر حکومت تھا، جو غسانہ کے نام سے موسوم ہے اور جس کا پایہ تخت بصریٰ تھا، قبیلہ جہینہ کی متعدد شاخیں یہاں آباد تھیں، ہمدانی نے لکھا ہے کہ اسلام کے بعد عرب شام میں حلب تک بنو عجل آباد تھے، طے کی یہ شاخ ربیعہ یہیں آباد تھی، بنو جذیمہ کی اکثر شاخیں غزہ کے پاس سکونت پذیر تھیں، ظہور اسلام کے وقت یہ تمام اطراف رومیوں کے زیر سایہ عرب عیسائی امراء اور یہود کے قبضہ میں تھے۔

عرب عراق

عرب عراق سے وہ سرزمین مراد ہے جس کو یونانی عرب ریگستانی کہتے ہیں اور خلیج فارس دریائے فرات، بادیۂ شام اور نجد کے مابین واقع ہے، اب عام طور سے لوگ اس کو عراق عرب کہتے ہیں، اس حصہ میں بھی عہد قدیم میں عمالقۂ عرب نے ایک شاندار حکومت قائم کی تھی، قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ یہاں بھی آباد تھی، اسلام کے بعد عہد فاروقی میں اسی سرزمین میں کوفہ اور بصرہ آباد ہوئے، جو خالص عربی تمدن کا مظہر اور علمائے اولین کے مرکز تھے اور جس کی سرزمین میں متعدد علوم و علوم اسلامیہ کی بنیادیں قائم ہوئیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اسی عرب عراق میں اسلام سے پہلے سنجار نام مقام میں نہر فرات کے پاس قبیلہ عبید کی ایک ریاست تھی جس کا آخری بادشاہ ضیزن بن معاویہ تھا، اس خاندان کے آثار عمارات اب تک میدان سنجار میں باقی ہیں، زبید شاخِ طے بھی اسی مقام میں آباد ہوئی تھی بنو عجل کی ایک شاخ یمامہ سے عراق تک پھیلی ہوئی تھی۔

ظہور اسلام کے وقت ایرانیوں کے ماتحت ایک عرب خاندان (مناذرہ) یہاں کا فرمانروا تھا، اس کا پایہ تخت کوفہ کے متصل شہر حیرہ تھا۔

اقوام ارض القران

امم سامیہ

تاریخ ارض القرآن (عرب) کو جن قوموں سے تعلق ہے وہ عموماً امم سامیہ ہیں۔ امم سامیہ کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت تفصیل ذیل سے واضح ہوگی۔

علم الاقوام اور علم الالسنہ کے محققین نے اقوام عالم کو اخلاق، عادات، اعتقادات اور زبان کے اتحاد و تشابہ اور جسم، اعضاء اور دماغ کی مماثلت کے لحاظ سے تین مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ اریانی: (ارین یا انڈو یورپین) مثلاً ہندوستان، ایران، فرنگستان۔

۲۔ تورانی: (تیرنین یا منگولین) مثلاً ترکستان، چین، منغولیا وغیرہ۔

۳۔ سامی: (سیمٹک) عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، کلدانی، فینیشین وغیرہ

بعض علماء، اقوامِ عالم کی علم الالوان یعنی اختلاف رنگ کی بنا پر تین تقسیمیں کرتے ہیں:

۱۔ جنس ابیض : عام امم سامیہ و فرنگستان

۲۔ جنس اسود یا احمر : باشندگانِ افریقہ

۳۔ جنس اصفر : جاپان، و چین و بقیہ امم تورانیہ

تیسری تقسیم توراۃ کی ہے، طوفان نوح کی زندگیِ ثانی کے بعد وہ بھی دنیا کی تمام قوموں کو تین خاندانوں پر منقسم کرتی ہے، حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے، یافث، حام اور سام تمام دنیا ان ہی کی تین نسلوں کی یادگار ہے، تفصیل حسب ذیل ہے:

بنو یافث: یافث کی ۷ اولادیں ہوئیں، غامر، ماجوج، یادان، توبال، موشوخ، تیرس، تورات کا بیان ہے کہ جزائر میں رہنے والی اقوام اسی خاندان سے ہیں۔

بنو حام: حام کی چار اولادیں تھیں، کوش (پدر حبش) مصرائیم (پدر مصر) کنعان (فینیقیہ) اور فوط۔

۱۔ کوش سے سبا، حویلہ، سبتاہ، رعماہ، سبیکاہ پیدا ہوئے، اسی کوش کی نسل سے نمرود کا خاندان

پیدا ہوا جو بابل کا پہلا بادشاہ تھا۔

۲۔ مصرائیم سے لودی، انامی، لیبی، نافوتی، فطروسی، کفتوری اور کسلوہی، جس سے فلسطین کا خاندان پیدا ہوا۔

۳۔ کنعان سے صیدا، حتی، یابوسی، عموری، جرجاشی، ہوی، ارکی، سینی، اروادی، سیماری اور حماتی پیدا ہوئے۔

عموماً یہ شام کے باشندے تھے جن میں سے شہر صیدا اور حماۃ اب تک ان کی یادگار باقی ہیں۔

بنو سام: سام کے پانچ بیٹے تھے، عیلام، ارفخشد، اود، اشور، (اسیریا) اور آرام۔

تورات کو ان تمام خاندانوں میں سے صرف بنو سام سے تعلق ہے اور بنو سام میں سے بھی وہ صرف دو کی اولادوں کا ذکر کرتی ہے، ارام اور ارفخشد۔

ا۔ ارام کے بیٹے عوض، حول، جبتر اور مس۔

۲۔ ارفخشد کے بیٹے کا نام سلح تھا، سلح سے عبر پیدا ہوا، جو تمام بنی عبر (یعنی بنو قحطان، بنو ابراہیم، بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل کا باپ تھا، عبر کے دو بیٹے تھے، یقطان (یعنی قحطان جو قحطانی عربوں کا جد اعلیٰ ہے) اور فلج، فلج سے رعو، رعو سے سروج، سروج سے نحور، نحور سے تارح (آزر) اور تارح سے حاران اور حضرت ابراہیم پیدا ہوئے[1]۔

حضرت ابراہیم کے تین بیٹے تھے، اسماعیل جو شمالی عرب کے اسمٰعیلی عربوں کے باپ ہیں، اسحاق جن سے اسرائیل کا گھرانا چلتا ہے، اور بنو قطورا جن میں ایک مدین ہے۔

تورات کی یہ تقسیمات کہاں تک تحقیقات علمی کے مطابق ہیں؟ اس سوال کے مختلف جوابات ہیں، علمائے یورپ کا ایک فرقہ ان میں سے اکثر کو لغو سمجھتا ہے، لیکن اس سے زیادہ محقق فرقہ کہتا ہے کہ یہ تقسیمات نسبی اور لسانی نہیں ہیں بلکہ صرف[2] جغرافی اور سیاسی ہیں۔

لیکن یورپ کا وہ گروہ جو معقول اور منقول کی تطبیق کا کوشاں ہے وہ سفر تکوین کے بیانات اور علم و بحث کے نتائج کو ایک ہی سمجھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ توراۃ نے جو نام گنائے ہیں وہ تلاش و تحقیق کے بعد تھوڑے تغیر کے ساتھ قدیم تاریخی ناموں سے خواہ وہ خود اشخاص کے ہوں یا ان کے مقامات کے ہوں بالکل[3] مطابق ہیں۔

---

[1] ان تمام بیانات کیلئے دیکھو سفر تکوین باب ۹۔۱۰۔۱۱ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۴ ص ۶۱۸ [3] فصل جغرافیہ تورات (Bevan)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سفر تکوین کی اس فہرست انساب پر نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف فلسطین اور اس کے آس پاس کے اقوام و مقامات مثلاً سوریا (شام) اسیریا، بابل، کلدان، میدیا، سیسیانیا، مصر، دمشق، لیبیا، افریقہ، سینا اور عرب کا ایک خاکہ ہے، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس فہرست میں اشخاص کے بجائے زیادہ تر اقوام کے نام ہیں اور جو اشخاص کے نام نظر آتے ہیں وہ بھی حقیقت میں اقوام کے نام ہیں جن کے مسکن اب تک فلسطین کے آس پاس موجود ہیں، اور خود ان اشخاص یا اقوام کے نام جیسا کہ آگے ظاہر کیا جائے گا، علمیت کے بجائے اپنا جغرافی نام ظاہر کرتے ہیں۔

بہر حال توراۃ کی تقسیم نسبی (سام، حام، یافث) یا علمائے السنہ کی تقسیم لسانی (ایرانی، تورانی، سامی) یا علمائے اقوام کی تقسیم لونی (ابیض، احمر، اصفر) ان میں سے جو بھی معتبر ہو، ان اقوام کے لئے جو عرب و شام و عراق میں آباد ہوئیں، یہ عجیب مزیت ہے کہ وہ ہر نوعیت تقسیم کے لحاظ سے ایک ہی جماعت میں داخل ہیں، ان کو توراۃ کی بنا پر بنو سام کہہ سکتے ہو، تقسیم لسانی کی بنا پر امم سامیہ اور تیسری حیثیت سے جنس ابیض۔

بنو سام اور امم سامیہ کی اصطلاح میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ بنو سام صرف ان قبائل و اقوام پر مشتمل ہے جن کو توراۃ، سام کی اولاد بتاتی ہے، لیکن امم سامیہ کا اطلاق ان تمام قبائل و اقوام پر ہے جو سامی زبان بولتے تھے یا بولتے ہیں، اس خصوصیت کی بنا پر عیلام جس کا مسکن خلیج فارس کے فارسی سواحل (سسیپا جسکو سوستان بھی کہتے ہیں) ہیں اور لود جس کا مسکن بھی اسی کے پاس لودیا میں ہے، امم سامیہ سے خارج ہوں گے کہ ان کی زبان کبھی سامی نہ تھی اور کنعان (فینیشیا) بابل اول، کوش (حبش) عمورانی وغیرہ کا امم سامیہ میں شمار ہوگا کہ ان کی زبان ہمیشہ سامی رہی ہے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون السنہ سامیہ

امم سامیہ کا مسکن اول

امم سامیہ زمانہ تاریخ کے پہلے سے متفرق لیکن متصل مقامات میں آباد ہیں، اس لئے سوال یہ ہے کہ امم سامیہ جب صرف چند کنبوں سے عبارت تھیں تو ان کا مسکن کہاں تھا؟ مورخین عرب کے نزدیک اس کا ایک ہی جواب ہے کہ عرب!

یورپ کے موجودہ علمائے اقوام والسنہ کے نزدیک اس سوال کے جواب میں چار نظریئے پیش ہیں:

اول یہ کہ ان کا پہلا مسکن افریقہ ہے، جہاں سام کے بھائی حام کی اولاد زمانہ تاریخی میں آباد ملتی ہے اس نظریہ کی دلیل بیان کی جاتی ہے کہ سامی اور حامی زبانوں میں بہت شدید مشابہت ہے نیز یہ کہ سامی اور حامی اور خصوصاً جنوبی عرب کے سامیوں اور حامیوں (شاید حبش مراد ہوں) کے بعض اعضاء میں مشابہت تامہ پائی جاتی ہے۔

لیکن یہ دلیل نہایت عجیب ہے، دو بھائیوں میں اگر مشابہت پائی جاتی ہے، اور ایک افریقہ میں رہتا ہے تو کیا ضرور ہے کہ دوسرا بھی افریقہ ہی میں پہلے رہتا ہو، یہ کیوں نہیں فرض کیا جاسکتا کہ خود حامی پہلے سامی خاندانوں کے ساتھ رہتے تھے، اور ایک مدت کی یکجائی کے بعد ان سے الگ ہوئے، اسی یکجائی واجتماع واتحاد نسل کے بقیہ آثار دونوں میں اب تک موجود ہیں۔

جنوبی عرب (یمن) اور حبشیوں میں یقیناً تشابہ ہے، لیکن اس کا سبب بالکل ظاہر ہے، حبش کوئی مستقل آبادی ونسل نہیں ہے، بلکہ وہ یمنی عربوں کی ایک نو آبادی[1] اور ان کی نسل کا مخلوط حصہ ہے، اسی لئے عرب ان کو "حبش" (مخلوط) کہتے ہیں اور اسی بنا پر قدیم مورخین یمن وحبش کو مستقل ملک نہیں قرار دیتے ہیں بلکہ ایک ہی ملک (اتیوبیا) کے ان کو دو ٹکڑے[2] سمجھتے ہیں۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بنو سام کا پہلا وطن آرمینیہ اور کردستان تھا، لیکن اس تھیوری کی صحت پر کوئی

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۴ صفحہ ۲۶۴ [2] یہ بحث مفصل "اصحاب الفیل" میں دیکھو۔

دلیل بجز تورات کے چند الفاظ کے (جن کے معنی غلط قرار دیئے گئے ہیں جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے) کچھ اور نہیں ہے، اسی لئے نولدیکی نے جو محقق ترین مستشرق ہے، لکھا ہے کہ ''اس تھیوری کو اب کوئی تسلیم نہیں کرتا[1]''۔

تیسری تھیوری پروفیسر گیذی (Guide) ایک اٹالین مستشرق کی ہے، اس کی رائے ہے کہ سامیوں کا مسکن اول فرات کا حصہ زیریں تھا، گیذی نے اپنے دعویٰ کو عجیب وغریب مقدمات پر مبنی کیا ہے، ان کا اجمالی بیان یہ ہے کہ:

یہ ظاہر ہے کہ ابتدائی زبان میں سب سے پہلے ابتدائی ضروریات اور گردوپیش کی چیزوں کے لئے الفاظ پیدا ہوں گے، اور اس لئے یہ الفاظ عموماً مختلف خاندانوں اور زبانوں میں تقسیم ہونے کے بعد بھی بطور ترکہ موروثی کے مشترک طور سے باقی رہیں گے، سامی زبان میں اس قسم کی چیزوں کے لئے جو مشترک الفاظ ہیں مجموعی طور سے ان کا وجود جہاں پایا جائے گا وہی امم سامیہ کا مسکن اول ہوگا، اس حیثیت سے جو مشترک چیزیں معلوم ہوتی ہیں، ان کی شہادت ہے کہ وہ فرات کے حصہ زیریں کی پیداوار ہیں۔

نولدیکی اس رائے کی بھی تردید کرتا ہے کہ اولاً ابتدائی ضروریات کے قدیم مشترک الفاظ تطاول زمانہ سے باقی کہاں رہے ہیں، ثانیاً یہ اصول خود صحیح نہیں کہ تمام ابتدائی ضروریات کے لئے ابتدائی زبان اور اس کے فروغ میں مشترک الفاظ ہوں گے، خیمہ، لڑکا، آدمی، بڑھا وغیرہ ان معانی کے لئے اکثر سامی زبانوں میں مختلف الفاظ ہیں تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ان کے لئے موطن اول میں الفاظ نہیں پیدا ہوئے تھے، حالانکہ زندگی کی یہ ابتدائی باتیں ہیں، ثالثاً جنوبی وشمالی امم سامیہ میں بعض مشترک الفاظ ہیں، جو اصول مذکورہ کے مطابق مسکن اول کے متولدات ہونے چاہئیں، حالانکہ بمشکل ان کا وجود فرات کے مقام میں تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

گیذی سے پہلے اسی قسم کی دلیل وان کریمر نے قائم کی تھی، اور اس کے مطابق اس کا یہ نتیجہ تھا کہ سامی قوموں کا ابتدائی مسکن ایشیائے وسطی میں نہر جیحون وسیحون کے پاس ہے، ایک ہی قسم کی دلیل سے دو مختلف نتائج کا ظہور دونوں کے ابطال کی دلیل ہے۔

چوتھی تھیوری جو قرین صواب اور باعتبار دلائل مستحکم ہے یہ ہے کہ بنو سام کا مسکن اول ملک عرب

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱ جلد ۲۴ صفحہ ۶۲

تھا، اس تھیوری کے طرفدار یورپ اور امریکہ کے علماء کی ایک کثیر جماعت ہے جسکے مشاہیر ارکان یہ ہیں:
ڈی خوئی (De Goege) شریڈر (Sherader) ونکلر (Winchler) ٹیل (Tiele) میر (Meyer)
اور اسپرنگر (Springer) نولد یکی (Noldeke) کی رائے بھی اسی طرف راجح ہے۔ انگریز علما میں
کین (Keane) روبرٹسن اسمتھ (Robertson Smith) سموال لے انگ (Samuel Laing)
اور ولیم رائٹ (W.wright) اور امریکن میں سائس (Sayce) اور راجرس (R.W. Rogers) وغیرہ
محققین کبار کی یہی رائے ہے، اس جماعت کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب سے نکل کر قومیں ادھر ادھر پھیلی ہیں۔

۲۔ عربی زبان تمام السنہ سامیہ میں سے قدیم سامی زبان کے قریب تر ہے۔

۳۔ عربوں کی جسمانی ساخت خالص وصحیح سامی ساخت ہے۔

۴۔ ان کی اجتماعی ومعاشرتی زندگی صحیح ابتدائی سامی یادگار ہے[1]۔

مزید توضیح کیلئے ہم علمائے السنہ واقوام کے خیالات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں، امریکہ کا مشہور مصنف اور السنہ سامیہ کا محقق سائس اپنی تصنیف ''اسیرین گرامر'' میں اس مسئلہ کے متعلق اپنی حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے:

''سامی روایات ہر حیثیت سے ملک عرب کا اپنا اصلی گھر ہونا ظاہر کرتی ہیں، دنیا کا یہی ایک ٹکڑا ہے جو خالص سامی باقی رہا ہے۔ جنسی خصوصیات، مذہب کی شدت، توحش، غیر قوموں سے احتراز، بدویانہ زندگی، ان تمام چیزوں کی بہترین تشریح ریگستان کی اصل ہے''۔

ڈاکٹر اسپرنگر'' جغرافیہ عرب قدیم'' میں لکھتے ہیں:

''میرے یقین کے مطابق تمام سامی قومیں عرب ہی کے توبرتو طبقے ہیں، انھوں نے اپنے کو طبقات در طبقات بنا رکھا تھا، اور کون جانتا ہے کہ مثلاً کنعانیوں سے پہلے جن سے ہم تاریخ کی ابتدا میں ملتے ہیں، کتنے طبقے گذر چکے تھے''۔

شریڈر، ایک جرمن رسالہ میں اپنا خیال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''مذہبی نسب، لغوی تحقیقات، جغرافی اور تاریخی بیانات سب ثابت کرتے ہیں کہ ان مختلف سامی قوموں کا مسکن اول عرب ہے''۔

---

[1] ان تمام حوالوں کے لئے دیکھو Rogers Volume I Page 306-307

مشہور مستشرق ڈی خوئی ۱۸۸۲ء میں ایک اکاڈیمی کے خطبہ صدارت میں اپنا اعتقاد یہ ظاہر کرتا ہے:

''عرب وسطی ہی سامی قوموں کا مسکن اول ہے جہاں سے مختلف طبقات نکل کر شام بابل، عمان اور یمن وغیرہ میں پھیلے اور اپنے پیشرووں کو آگے کردستان، ارمینیہ اور افریقہ میں ڈھکیلتے رہے''۔

کیمبرج یونیورسٹی کا عربی پروفیسر ولیم رائٹ تصنیف 'النہ سامیہ کی نحو' میں لکھتا ہے:

''ان مختلف خلا میں کس کی رائے صحیح ہے، ہم آہستہ آہستہ اس کا فیصلہ کرسکیں گے، لیکن اسی اثنا میں، میں صرف یہ کہوں گا کہ میں خودکو عربی صف میں، شریڈر اور ڈی خوئی کے ساتھ[1] منسلک کرتا ہوں''۔

امریکہ کا پروفیسر راجرس اپنی تصنیف ''تاریخ بابل واشور'' میں لکھتا ہے کہ امم سامیہ کا مسکن اول عرب ہونا اب مسلم ہے۔

''سامی قومیں کہاں سے آئیں، بعضوں کا خیال ہے کہ شمال کی جانب سے کردستانی کوہستان سے آئیں..... اور عرب، کنعان اور ارمینیہ کے ملک میں پھیلیں..... لیکن یہ رائے اب ساقط ہے..... دوسری تھیوری یہ ہے کہ امم سامیہ کا ابتدائی وطن افریقہ ہے، اس کی دلیل سامی وحامی زبانوں کا تشابہ ہے.... اس رائے کی تائید میں سب کچھ کہا گیا ہے، پھر بھی تیسرے نظریہ کے لئے قوی رائیں ہیں کہ سامی قوموں کا مسکن اول عرب ہے جہاں سے موجیں مارتی ہوئی وہ وسیع وزرخیز قطعات ملک کی تلاش میں بابل وجزیرہ میں آئیں، اور نیز کنعان کے مغربی ملک میں آئیں، یہ آخری رائے معلوم ہوتا ہے کہ نئے نئے طرفداروں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اب موجودہ ارباب علم کی یہ عموماً قبول کردہ ہے[2]''۔

سموال لے انگ، انگلینڈ کا ایک مقبول مصنف اور تاریخ قدیم کا واقفکار ''اصول الانسانیہ'' میں اپنی حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے:

''شواہد اشارہ کرتے ہیں کہ سامی اقوام کا ابتدائی وطن جنوبی مغربی ایشیا (اور جنوبی مغربی ایشیا میں) شاید عرب ہے، عرب کے سوا سامی اقوام ہر جگہ بغرض سکونت یا بغرض فتح باہر سے آتی ہوئی نظر آتی ہیں، اور ہر جگہ وہ اپنے سے پہلے قدیم باشندوں

[1] ان تمام حوالوں کے لئے دیکھو Wright Page 789 [2] جلد اصفحہ ۳۱۵

کو وہاں موجود پاتی ہیں، لیکن عرب میں وہ اصلی باشندوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں، کلدانیہ اور اسیریا کے قدیم روایات میں بھی وہ جنوب سے (عرب جنوب میں ہے) آتی ہوئی ظاہر کی گئی ہیں کچھ خلیج فارس سے اور کچھ بادیہ عرب وشام کو قطع کر کے''۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتا ہے:

''اور صرف عرب میں ہم امم سامیہ کو اور تنہا امم سامیہ کو نہایت قدیم زمانہ سے پاتے ہیں''۔

ہیرن ایک مشہور مصنف جس کا موضوع ''قدیم تجارت وسیاست کی تاریخی تحقیقات' ہے اپنا اعتقاد اس مسئلہ کی نسبت اس طرح ظاہر کرتا ہے[1]:

''تقریباً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (یعنی اہل اسیریا) عرب سے آئے جو غالباً سامی قبائل کا عموماً اصلی وطن ہے گو کہ دوسرے مقامات میں مقامی حالات کی بنا پر انھوں نے اپنی اس طرز زندگی میں جس کے وہ اپنی مادری ملک کے ریگستانی صحرا میں عادی تھے تبدیلی کر لی[2]''۔

سب سے تازہ ترین تحقیق کا ماخذ انسائیکلوپیڈیا ہے، محقق کبیر نولدیکی جو موجودہ یورپ میں مشرقی زبان وتاریخ کا سب سے بڑا فاضل ہے مضمون 'السنہ سامیہ' میں کہتا ہے:

''بعض مشہور محققین خیال کرتے ہیں کہ جنس سامی کا مولد عرب ہو سکتا ہے، بہت سی چیزیں ہیں جو اس تھیوری کی تائید کرتی ہیں، تاریخ ثابت کرتی ہے کہ نہایت قدیم زمانہ سے عرب کے ریگستان سے قبائل نکل نکل کر، قریب کے سرسبز ممالک میں آباد ہوتے رہے ہیں، آرامی اور عبری زبانوں میں بہت سے ایسے نشان پائے جاتے ہیں، جن سے ابتدائی خانہ بدوشانہ حالت پائی جاتی ہے، اور عرب کا شمالی حصہ صحرائے مابین شام و عرب خانہ بدوش قبائل کا مسکن ہے اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیرکٹر اپنے خالص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے اور انکی زبان قریب ترین اصل زبان ہے[3]''۔

نولدیکی دوسری تھیوری کی تغلیط کے بعد اس تھیوری پر چند ریمارکس کرتا ہے، جن کا آخری فقرہ یہ ہے:

''بہر حال ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں کہ یہ تھیوری کہ عرب، امم سامیہ کا مسکن اول ہے کسی معنی سے غیر معقول نہیں ہے''۔

---

[1] Samuel Lainc [2] Heerenuoit P 292 [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ازدہم جلد ۲۳ صفحہ ۶۲۰

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ایک اور مضمون نگار لفظ ''عرب'' کے تحت میں لکھتا ہے[1]:

''ملک عرب امم سامیہ کا اصلی وطن ہے، اس کی تائید متعدد علما کی رائے سے ہوتی ہے، گو ابھی یہ مسئلہ محقق نہیں ہے، لیکن تحقیقات السنہ اور اکتشافات آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رائے کا صحیح ہونا بہت ممکن ہے، عرب سے نکل کر قبائل سامیہ کا دوسرے ممالک میں پھیل جانا آسانی سے تصور میں آسکتا ہے، بابل کی جانب سے بھی حرکت کرنا آسان ہے کہ کوئی قدرتی روک ان دونوں ملکوں کے درمیان نہیں، اور خود تاریخی زمانہ میں اس کی مثالیں ہیں، آرامی اقوام کا نقل مکان اور ہجرت بھی قدرتی موانع سے خالی ہے''۔

اب تک زبان، آثار رسوم و عادات، تشابہ جسمی اور دلائل طبعی کی بنا پر بحث تھی، اب تاریخ کا موقع ہے، سامی قوم کی سب سے قدیم تاریخ توراۃ ہے، توراۃ میں موقع کے حسب ذیل الفاظ ہیں:

......اور تمام روئے زمین میں ایک ہی بولی تھی، اور وہ جب پورب سے روانہ ہوئے تو ایسا ہوا کہ انھوں نے سنعار (بابل) کے ملک میں ایک میدان پایا اور وہاں رہنے لگے، تب خداوند نے ان کو تمام روئے زمین پر پراگندہ کیا...... اسلئے اس کا نام بابل ہوا[2]۔

بنو سام، بابل میں پورب کے ملک سے آئے پورب سے یہاں کیا مراد ہے، علمائے توراۃ ابھی تک اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے ہیں، عام خیال یہ ہے کہ اس سے مراد آرمینیہ ہے کیوں کہ کشتی نوح جس پہاڑ پر آکر رکی تھی، عبری میں توراۃ نے اس کا نام ''اراراط'' بتایا ہے، اور اراراط کی نسبت مفروض ہے کہ وہ آرمینیہ میں واقع ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ آرمینیہ بابل کے پورب ہے، اور نہ فلسطین کے پورب ہے، اس مشکل کو متعدد تدبیروں سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بعض کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت موسیٰ مصر اور عرب میں رہے تھے اس لئے ان ملکوں کے اعتبار سے اس کو پورب کہا ہے، بعضوں کا جواب اس سے زیادہ تعجب انگیز ہے کہ چونکہ انسان نے سب سے پہلے سمت مشرق کو جانا کہ وہ مطلع خورشید ہے، اس لئے پورب[3] کہا۔

حقیقت یہ ہے کہ توراۃ کے ان فقروں سے یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ بابل مسکن اول نہ تھا۔ وہ یہاں پورب کے ملک سے آئے تھے، اور وہی ان کا مسکن اول تھا، سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ توراۃ کے محاورہ میں پورب سے عموماً فلسطین کا پورب مراد ہوتا ہے جو توراۃ کی جائے تالیف ہے، اس کے بعد یہ طے کرنا ہے کہ فلسطین کے پورب سے کون سے ملک توراۃ میں مقصود ہوتے ہیں، توراۃ کے

[1] طبع یاز دہم جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ [2] تکوین باب ۱۱ عدد ۹ [3] Gruden Page 126

استقصا سے یہ متفقاً ثابت ہے کہ توراۃ میں پورب کے عموماً دو ملک مراد لئے گئے ہیں، بابل[1] اور عرب[2] لیکن جب اس فقرہ میں خود یہ مذکور ہے کہ وہ بابل میں پورب کے ملک سے آئے تو متعین ہو گیا کہ یہاں پورب کے ملک سے مراد ملک عرب ہے۔

مجموعہ توراۃ کے بعد سب سے قدیم ماخذ یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخ یہود ہے، جو ایک حیثیت سے کہا جا سکتا ہے کہ توراۃ کی تفسیر ہے، اس مسئلہ کے متعلق اس میں حسب ذیل فقرہ ہے بنو سام کی آبادی کی نسبت لکھتا ہے کہ[3]:

"وہ نہر فرات سے بحر ہند تک آباد تھے"۔

نہر فرات سے بحر ہند تک عرب کے سوا کیا کوئی اور ملک ہے؟

بحث کا فیصلہ اس سے ہو جاتا ہے کہ عرب کے سوا قدیم الایام سے کوئی قوم اس کی مدعی نہیں کہ ان کا ملک بنو سام کا مسکن اول اور امم سامیہ کا مسقط الراس ہے۔ عرب عام طور سے اس کے مدعی ہیں، اور حق یہ ہے کہ شواہد و قرآن کی شہادت کے ساتھ جب کوئی دوسرا مدعی موجود نہیں تو مقدمہ ان ہی کے حق میں فیصل ہونا چاہئے، عربی تاریخوں میں اس دعویٰ کا بتصریح ذکر ہے، مورخ ابن قتیبہ جس نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی ہے لکھتا ہے[4]:

واما سام بن نوح فسکن وسط الارض الحرم وماحوله والیمن الیٰ حضرموت الیٰ عمان الی البحرین ویبرین ووبار والدو والدهناء	سام بن نوح کے درمیانی زمین یعنی مکہ اور اطراف مکہ مثلاً یمن، حضر موت، عمان، بحرین یبرین وبار دو اور دہنا تک آباد ہوا۔

مورخ یعقوبی جس کا زمانہ بھی اسی کے قریب قریب ہے اور ۲۸۰ھ میں وفات پائی ہے لکھتا ہے[5]:

وصار لولد السام الحجاز والیمن وباقی الارض	فرزندان سام کے قبضہ میں حجاز، یمن، اور باقی ملک آیا۔

ان مقدمات پر ایک دفعہ کا اور اضافہ کرو کہ قرآن، مکہ کو ام القریٰ (آبادیوں کی ماں) کا خطاب دیتا ہے: لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (انعام ۶:۹۲)

---

[1] تکوین ۹-۱ [2] تکوین ۲۵-۶ قضاۃ ۶-۲۳ اول سلاطین ۴-۳۰ تکوین ۱۰-۳۰ وغیرہ

[3] ترجمہ انگریزی لندن ۱۸۲۲ء ج ۱ ص ۲۵ [4] کتاب المعارف ابن قتیبہ ص ۱۴ مصر [5] یعقوبی ج ۱ ص ۱۷ لیڈن

مسکن اول سے ہجرت

عرب کے ملک میں پانی کا دریا نہیں لیکن وہاں انسانوں کا دریا ہے! تاریخ نے چار بار اس دریا میں طوفان آتے دیکھا ہے، ایک مسیح سے ڈھائی ہزار یا تین ہزار برس پہلے، جب یہاں سے قبائل کا سیلاب موجیں مارتا ہوا بابل واسیریا، مصر اور فینشیا (کنعان) میں پھیل گیا، اس سیلاب کا زور کم ہو رہا تھا کہ ۱۵۰۰ ق م میں ایک اور طوفان ازدمی، موابی اور مدیانی قبائل کا اٹھا اور پاس کے ملکوں میں پھیل گیا، لیکن اس کا دائرہ پہلے سے کم تھا، تیسری بار حبشی، سبائی وغیرہ اٹھے اور پھیلے، لیکن سب سے آخری طوفان جو پہلی صدی ہجری میں مسیح سے چھ سو برس بعد اٹھا وہ سب سے زیادہ وسیع الاثر تھا جو ایک طرف گنگا کے دہانے سے مل گیا اور دوسری طرف بحر محیط سے۔

اس باب میں صرف پہلی جنبش و حرکت کا بیان ہے، اس جنبش اول کی تاریخی شہادتوں کا بڑا حصہ ہم ''امم سامیہ کا مسکن اول'' میں پیش کر آئے ہیں، لیکن نئی شہادتوں کے پیش کرنے سے بھی ہم ابھی نہیں تھکے ہیں، امریکن مورخ ولیم راجرس اپنی تاریخ بابل میں لکھتا ہے:

> ''امم سامیہ کا مسکن عرب ہے جہاں سے نکل کر وہ انتقال مکان کی موجیں مارتے ہوئے آباد و سرسبز قطعہ کی تلاش میں بابل والجزیرہ میں اور نیز بعید قطعہ مغربی یعنی کنعان میں پھیل گئے[1]''۔

ایک دوسرا انگریز مصنف سموال لے انگ اپنی مشہور تصنیف ''اصول الانسانیۃ'' میں لکھتا ہے[2]:

> ''ہر جگہ عرب کے سوا سامی قوموں کو ہم نشان دے سکتے ہیں کہ وہ مسافرانہ باہر سے بغرض سکونت یا بغرض فتح آرہی ہیں اور جو ہر جگہ جہاں وہ جاتی ہیں اپنے سے پہلی قوموں کو وہاں پر پاتی ہیں، لیکن وہ عرب میں قدیم باشندوں کی حیثیت سے نظر آتی ہیں کلدانیہ اور اسیریا کی ابتدائی روایات میں سامی قوموں کو جنوب سے آئی ہوئی ظاہر کیا گیا ہے، کچھ تو خلیج فارس کی طرف سے اور کچھ سیدھے بادیہ عرب و شام سے جو رفتہ رفتہ قدیم آبادی کے ساتھ مل جاتی ہیں، یا ان کو ہٹا کر خود ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔

[1] راجرس کی تاریخ بابل واشور جلد اصفحہ ۳۰۷ (Rogers Vol. I P 307) [2] سموال لے انگ کی ہیومن اوریجن صفحہ ۳۹ (Samuel P 39)

مصر میں سامی عنصر کا جالان، اس کے بعد ہوا ہے، جس نے مصر کی قدیم تہذیب پر کوئی اثر نہیں کیا، سیریا (شام) اور فلسطین میں غالباً فینیقی، کنعانی اور عبرانی خلیج فارس یا حدود عرب سے براہ راست یا اسیریا (عراق) اور مصر کے توسط سے باہر سے آئے ہیں جنھوں نے کبھی اپنے کو ان ممالک کا قدیم باشندہ نہیں کہا''۔

ایک فرنچ مورخ ہوآرٹ (G.B.Huart) اپنی تاریخ عرب کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

''تین ہزار ق م میں ہم سامی اقوام کو ادھر ادھر انتقال مکانی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، کنعانی شام میں نظر آتے ہیں، جہاں فینیقی (فینیشین) خلیج فارس کے سواحل (بحرین) سے آکر تجارتی شہر قائم کرتے ہیں، جہاز رانی میں ترقی کرتے ہیں انجین تہذیب کو ختم کرتے ہیں، اور یورپ کو جانے کا بحری راستہ پیدا کرتے ہیں، ہائیکوس مصر میں داخل ہوتے ہیں اور اس کا ایک حصہ فتح کر کے وہاں اپنا بادشاہ مقرر کرتے ہیں، لیکن خود ریگستان عرب کے بدوی عرب کی تاریخ اب تک مجہول ہے، اسی اثنا میں وہ بھی شہروں کی بنیاد ڈالتے ہیں، اور حکومتیں قائم کرتے ہیں جن کی دولت کا مدار تجارت ہے[1]''۔

شریڈر (Shreider) اپنے اس نظریہ کی کہ تمام سامی قومیں عرب سے پھیلی ہیں، ان الفاظ میں تشریح کرتا ہے:

''شمالی سامی قومیں یعنی ارمن بابلی اور کنعانی جنوب میں اپنے دوسرے بھائیوں سے جدا ہو کر ایک متحد جماعت کی صورت میں بابل آئے: ہاں باہم ایک مدت تک اجتماعی حالت میں رہے، ارمن سب سے پہلے اس جماعت سے الگ ہوئے ہوں گے اور اس کے ایک معقول زمانہ کے بعد کنعانی، اور سب سے آخر میں اشوری۔

مین اسی وقت میں ان میں سے بعض قوموں کی ہجرت جنوبی سمت میں واقع ہوئی شمالی عربوں کو عرب وسطی میں چھوڑتے ہوئے، یہ ہجرت گزیں جزیرہ نمائے عرب کے سواحل پر آباد ہوئے، جہاں سے انکی ایک جماعت دریا کو عبور کر کے افریقہ پہنچی اور حبشہ میں خیمہ[2] زن ہوئی''۔

ان تشریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سامی قومیں ایک مدت کے اتحاد و اجتماع کے بعد ملک عرب سے نکل نکل کر اطراف کے ممالک میں پھیل گئیں اور وہاں انھوں نے زور و اقتدار پیدا کیا، عرب مورخین بھی اس واقعہ سے ناواقف نہ تھے۔

---

[1] Huart Vol I P 94   [2] W Wrnh P 90

مشہور مورخ ابن قیتبہ، فرزندانِ سام کی تقسیم و تفریق کے بعد لکھتا ہے:

فمنهم العماليق، امم تفرقوا في البلدان و منهم فراعنة مصر والجبابرة[1]

ان ہی میں سے عمالیق ہیں، یہ متعدد قوموں کے مجموعے تھے جو ممالک میں متفرق ہو کر پھیلے، منجملہ انکے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں۔

ابن خلدون کا بیان ہے:

وكان لهذه الامم ملوك ودول في جزيرة العرب وامتد ملكهم بها الى الشام و مصر في شعوب منهم[2]

ان اقوام میں بہت سے بادشاہ گذرے اور انکی عرب میں بادشاہیاں ہوئیں جنکے چند قبائل کا سلسلہ حکومت مصر و شام تک وسیع ہو گیا تھا۔

اسی قسم کی تصریحات دوسرے مورخین عرب نے کی ہے، ابن ہشام کلبی جس کا مخصوص موضوع عرب جاہلیت کی تاریخ و روایت ہے، اس نے اس موضوع پر کہ عرب سے یہ قومیں نکل نکل کر کہاں کہاں پھیلیں، دو کتابیں لکھی ہیں، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ پہلی کتاب کا نام تفرق عاد ہے، یعنی عاد کی قوم عرب سے نکل کر کہاں کہاں گئی، دوسری کتاب کا موضوع بیان کتاب من نقل من عاد و ثمود والعماليق وجرهم و بني اسرائيل من العرب، ہے یعنی عاد، ثمود، عمالیق[3]، جراہم اور بنی اسرائیل جو عرب سے نکل کر باہر گئے انکے حالات۔

۲۔ توراۃ میں عمالق، عیساؤ بن اسحاق بن ابراہیم کے ایک پوتے کا نام بتایا گیا ہے (تکوین ۳۶۔۱۲) کا تبین اسفار یہود کی رائے معلوم ہوتی ہے کہ اقوام عمالیق اسی عمالق بن عیساؤ کی اولاد ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں، کیوں کہ عمالق بن عیساؤ کا زمانہ پیدائش تقریباً ۲۰۰ ق م ہونا چاہئے، پھر ایک شخص کو کنبہ، کنبہ کو قبیلہ اور قبیلہ کو قوم ہونے کے لئے اور خصوصاً ایسی قوم ہونے کے لئے جو بنی اسرائیل کے کئی لاکھ آدمیوں کا مقابلہ کر سکے[4] کم از کم پانچ سو برس تو درکار ہیں، اس بنا پر عمالق کا قومی ظہور چودہ پندرہ سو ق م سے ادھر نہیں ہو سکتا، حالانکہ روایات عرب اور شہادت آثار کے رو سے عمالق کا وجود اس سے ہزار برس پہلے ثابت ہے۔

---

[1] کتاب المعارف ص ۱۰ مصر [2] تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۵۹ [3] عمالیق کی نسبت متعدد امور قابل تنبیہ ہیں۔

۱۔ عمالیق کی لفظی حقیقت کیا ہے؟ عمالیق خود السنہ سامیہ کے قواعد پر عملوق کی جمع ہے۔ عملوق دو لفظوں سے مرکب ہے جس کے معنی عبری میں قوم کے ہیں اور یہی لفظ عربی میں امۃ ہے اور لوق عام وادی کو کہتے ہیں، لیکن قدیم زمانہ میں شمالی عرب کا از خلیج فارس تا حدود سینا جس کو رومی اور یونانی عربیا ڈیزرٹا یعنی عرب ریگستان یا عرب وادی کہتے ہیں، نام تھا، دوسرے حصے کو یعنی مغربی و شمالی عرب کو از سینا تا حدود مصر "مغان" کہتے تھے۔ "مالوق" اور "مغان" ان ہی ممالک کے نام کی حیثیت سے بابلی کتبہ میں ۳۰۰۰ قبل مسیح میں مستعمل ہوئے ہیں۔ دیکھو Encyclopaedia of Islam Vol I
Rogers Vol I Page 369 اور Page 377

---

[4] توراۃ سفر العدد

لیکن اگر ہم بغور توراۃ کا مطالعہ کریں تو ہم کو خود توراۃ سے عمالق کا وجود اس عمالق بن عیثاؤ سے بہت پہلے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم کے عہد (۲۲۰۰ ق م) میں جب بابل وعیلام اور سادوم کے بادشاہوں میں جنگ ہوئی ہے وہاں لکھا[1] ہے کہ

''انہوں نے تمام عمالق کے ملک میں ان کو مارا''۔

دوسری جگہ بلعام کاہن کی زبان سے توراۃ میں جو پیشنگوئی ہے۔ اس میں عمالیق کو اول الامم سے خطاب[2] کیا گیا ہے۔ اگر یہ عمالیق وہی عمالیق بن عیثاؤ کی اولاد ہیں، جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے تو اس کو بجائے اول الامم کے ''آخر الامم'' ہونا چاہئے کہ ۱۵۰۰ ق م سے پہلے بہت سی قومیں اٹھ چکی تھیں۔

۳۔ عمالق سے غالباً قدیم اہل عرب واقف نہ تھے کیونکہ بایں ہمہ جبروت وعظمت، آیات قرآن، روایات احادیث اور صحیح اور غیر مشکوک اشعار عرب میں ان کا نام نہیں آیا۔ توراۃ میں اور یہودیوں کے لٹریچر میں البتہ کثرت سے عمالق کا ذکر ہے اور ان کو ایک جبار قوم کی صورت میں پیش کیا ہے، اس بنا پر ظاہر ہے کہ عمالق کا علم یہودیوں کی سے عربوں میں آیا اور اس طرح آیا کہ اس کو انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بہت بڑا جبار وقہار قبیلہ قرار دے دیا جس کے سامنے ان کا ''عاد'' بھی دب کر رہ گیا۔

[1] تکوین باب ۱۰ [2] سفر العدد ۲۴۔ ۲۰

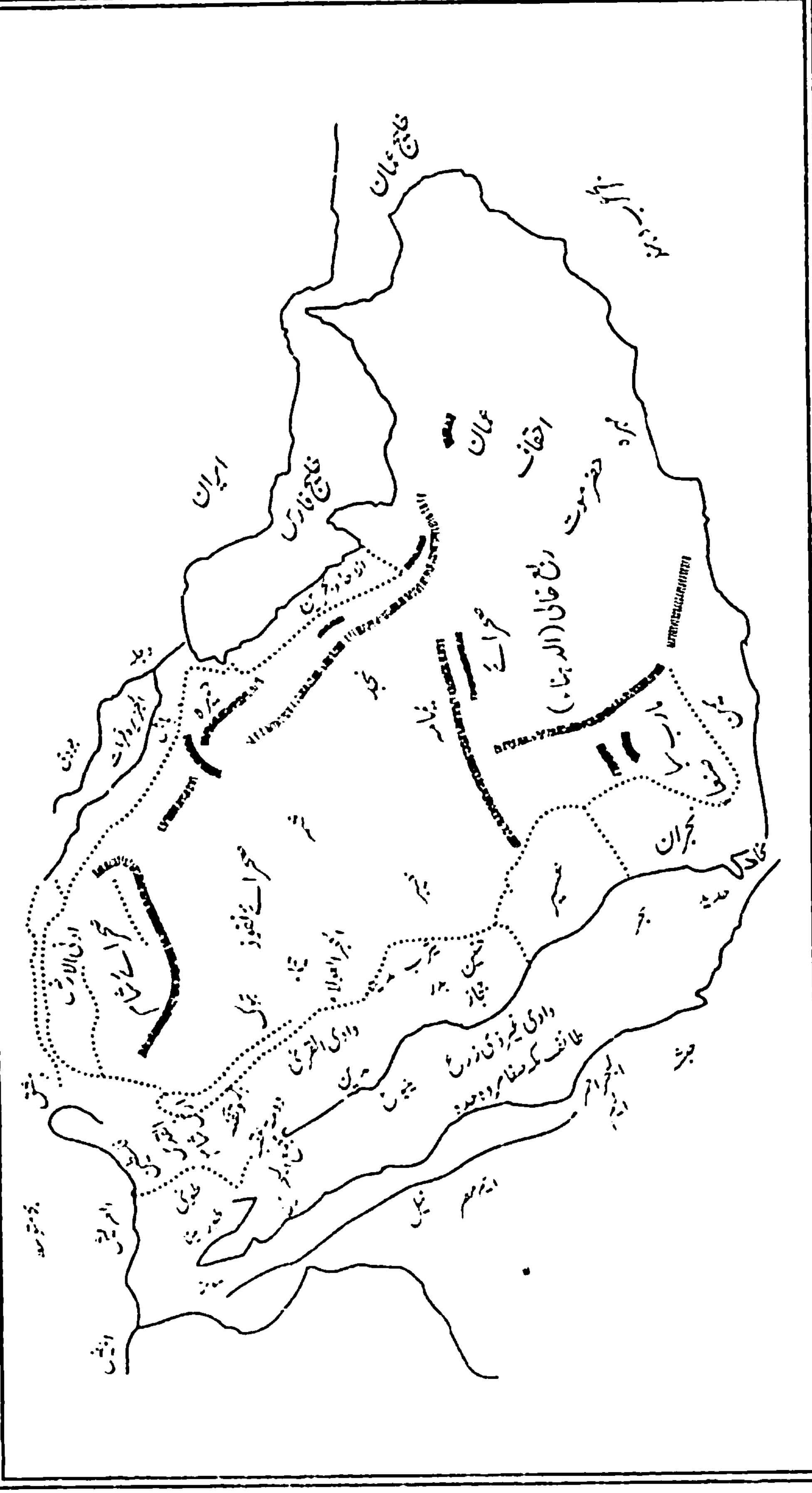
خلیج عمان
ایران
خلیج فارس
عمان
احقاف
حضرموت
نجران

امم سامیہ کے انساب

بہر حال توراۃ کے رو سے ان سامیوں کے باہمی نسبی تعلقات بہ تفصیلِ ذیل ہیں[1]:

طبقاتِ انساب ۱۔ نوح کے بیٹے سام کی پانچ اولادیں تھیں، عیلام، اشور، ارفکسد، لود اور ارم، ارم کے چار بیٹے تھے، عوض، عول، جثر، اور مس، ارفکسد کے بیٹے کا نام سلح تھا، سلح سے عبر پیدا ہوا، عبر کے دو بیٹے ہوئے...... قحطان اور فلج۔

۲۔ قحطان سے الموداد، سلف، حضارموت، یارح، ہدورام، اوزال، وقلا، عائل، ابی مائل، سبا، اوفر، حویلا اور یوباب پیدا ہوئے، جن کی آبادی جنوب عرب میں یعنی یمن میں مسا سے ظفار تک ہے۔

۳۔ فلج سے رعو پیدا ہوا۔ رعو سے سروج، سروج سے نحور، نحور سے تارح (آزر) حضرت ابراہیمؑ اور حاران کا باپ پیدا ہوا، یہ خاندان کلدانیوں کے شہر بابل میں آباد تھا، حضرت ابراہیمؑ مع اپنے برادر زادہ لوطؑ کے کنعان آئے جس کو فلسطین اور اب عموماً کسی قدر وسعت دے کر شام کہتے ہیں۔

۴۔ حاران سے لوط پیدا ہوئے۔ لوط کے دو بیٹے عمون، جو اب عمان کہلاتا ہے اور مواب جو شمالی عرب میں سینا کے پاس ایک حکومت کا بانی تھا۔

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعدد بیٹے تھے، اسحاق پسر سارہ جنھوں نے کنعان یعنی فلسطین و شام میں حکومت کی۔ مدیان[2] پسر قطورا، جو حجاز کے پاس بحر احمر کے ساحل پر آباد ہوا، اسماعیلؑ پسر ہاجرہ جو اپنے بھائی مدیان سے کسی قدر آگے بادیہ فاران میں آکر رہے۔

۶۔ اسحاق کے دو بیٹے تھے۔ یعقوبؑ (جن کا لقب اسرائیل ہے اور جو بنی اسرائیل کے مورث ہیں) یہ پہلے کنعان میں تھے، بعد ازاں حضرت یوسفؑ کے مصر پہنچنے پر مصر گئے جہاں انکی اولاد

---

[1] تکوین باب ۱۔ ۱۱۔ ۲۵ دیکھو [2] مدیان کے کئی بھائی تھے لیکن ان کے حالات نامعلوم ہیں۔

کئی سو برس تک مصر کی غلامی میں رہ کر حضرت موسیٰ کے عہد میں پھر کنعان واپس آئی۔ دوسرے بیٹے کا نام عیشاؤ (اور لقب ادوم) تھا۔ یہ شمالی عرب کے کوہسرات میں ادومی قبائل کا جداعلیٰ تھا۔

۷۔ اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے ہوئے جو توراۃ کی پیشین گوئی کے مطابق خاندان کے بارہ رئیس تھے، نبایوط، قیدار، ادب ایل، مبشام، مشمع، دومہ، مسا، حدور، تیما، جطور، نفیش اور قدمہ، یہ تمام خاندان حویلا یمن سے سور سیریا یعنی شام تک پھیلے تھے۔

ان ہم نسب اقوام و قبائل کا باہمی رشتہ اور تعلق حسب ذیل شجرہ سے واضح ہوگا۔

شجرہ اقوامِ ارض القرآن بمطابقت توراۃ

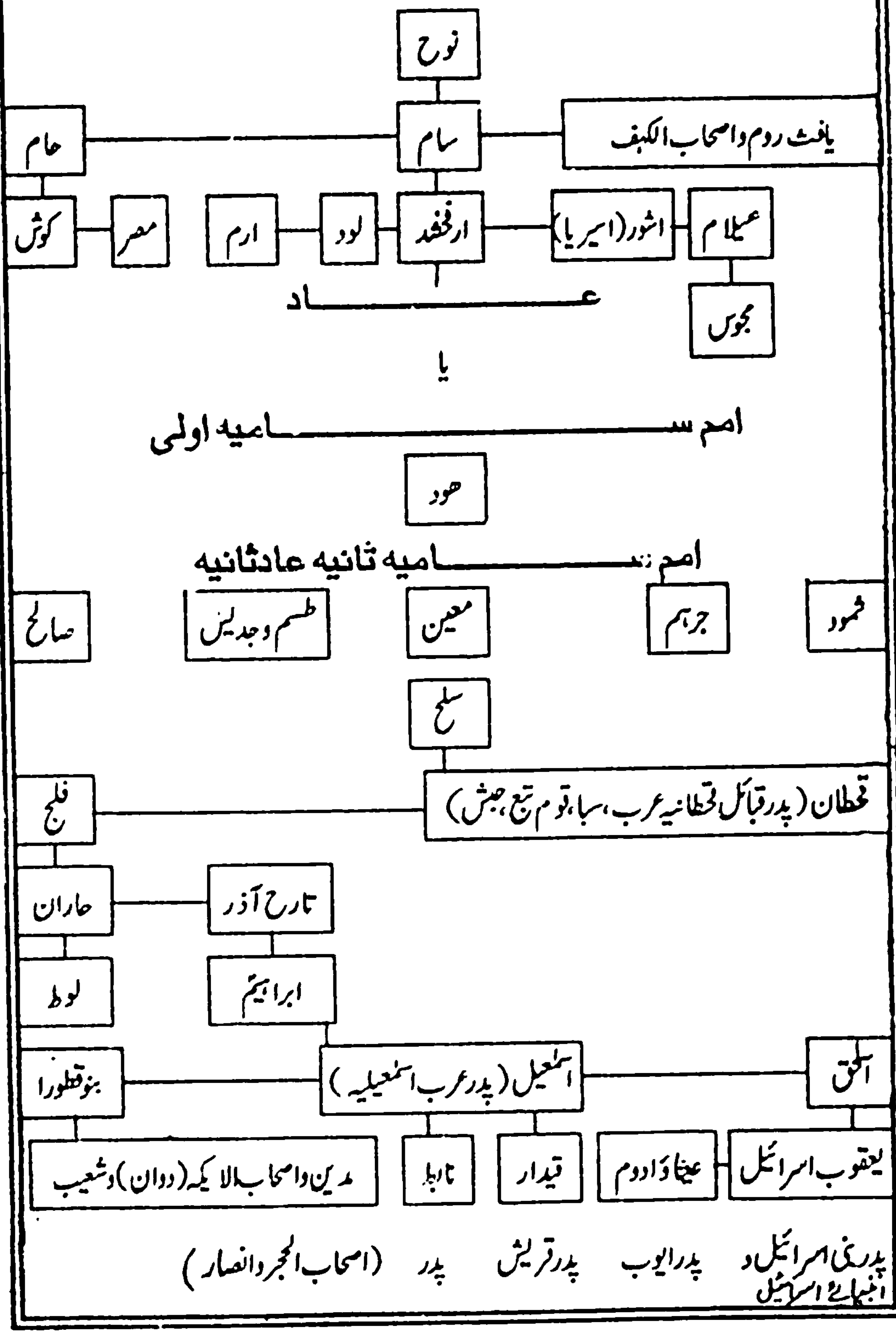

اس تمام سلسلۂ نساب میں سے عرب اور قرآن کی تاریخ کو امم سامیہ اولیٰ وثانیہ، بنو قحطان اور بنو ابراہیم سے بحث ہے اور یہی تین سلسلے عرب کے مستقل اور دائمی باشندے ہیں اور ان ہی کے حالات دواقعات کی تشریح اس کتاب کا موضوع ہے۔

طبقۂ اولیٰ

امم سامیۂ اولیٰ

امم سامیہ کی جو تفصیل اوپر بیان ہوئی، اس کی بنا پر امم سامیہ اولیٰ سے مقصود وہ قدیم سامی قبائل ہوں گے، جو عرب کے سب سے پہلے اور ابتدائی باشندے تھے اور مختلف اغراض سے یہاں سے نکل کر بابل، مصر اور شام وغیرہ کے ملکوں میں پھیلے۔ عرب مورخین ان کو امم بائدہ (برباد ہو جانے والے قبائل) کہتے ہیں کہ وہ اپنے ملک (عرب) سے نکل کر برباد ہو گئے یا انقلابات وحوادث سے مٹ گئے، بعض لوگ ان کو عرب عاربہ (خالص اور غیر مخلوط عرب) کہتے ہیں کہ وہ عرب کے خالص اور غیر مختلط النسل باشندے تھے اور نیز یہودیوں کی غلط پیروی میں ان کو عمالق بھی کہا گیا ہے۔

یورپ کے علمائے آثار ان قوموں کے الگ الگ نام نہیں بتا سکتے، وہ مبہم طور سے صرف ان کو سامی کہتے ہیں، اہل عرب اپنے ان قدیم ہم وطنوں کا ایک ایک کر کے نام بتاتے ہیں، ان سے عاد، ثمود، جرہم، لحیان، طسم اور جدیس وغیرہ مشہور قبائل ہیں، عاد سب سے بڑا اور سب سے وسیع قبیلہ تھا اور تمام عرب بائدہ میں قوت حاکمہ تقریباً اسی کو حاصل تھی۔ عربوں کی روایت کے مطابق عرب اور عرب سے باہر بابل اور مصر میں یہ عظیم الشان حکومتوں کا بانی تھا۔

ان قبائل بائدہ کا سلسلۂ نسب عموماً مورخین عرب نے ارم بن سام اور اس کی مختلف شاخوں سے ملایا ہے، لیکن کس قبیلہ کو ارم بن سام کی کس شاخ سے تعلق تھا؟ علمائے انساب کی رائیں اس باب میں اس قدر باہم متعارض ہیں کہ فیصلہ مشکل ہے ہم ذیل میں ارم کے مشاہیر قبائل کا نسب دو کتابوں سے نقل کرتے ہیں، جن میں سے ایک قدیم ترین ماخذ ہے یعنی معارف ابن قتیبہ[1] اور دوسری متاخر ترین ہے یعنی سبائک الذہب[2] قلقشندی:

---

[1] صفحہ ۱۰، مصر [2] ص ۱۳۔۱۴ بمبئی

ابن قتیبہ	قلقشندی
عمالیق بن لاوذ بن ارم بن سام	عملیق بن لاوذ بن سام
جدیس بن لاوذ بن ارم بن سام	جدیس بن ارم بن سام
عاد بن عوص بن ارم بن سام	عاد بن عوص بن عبیل بن ارم بن سام
ثمود بن جثر بن ارم بن سام	ثمود بن جاثر بن ارم بن سام
طسم	طسم بن لاوذ بن سام

ان انساب کی تحقیق بظاہر سخت مشکل ہے، مورخ ابن خلدون نے ان مشکلات کو کسی قدر حل کرنا چاہا ہے، لیکن انسان کے لئے بیکار ہوگا کہ ظلمت کدہ میں وہ روشنی کی جستجو کرے، مجملاً اس قدر یقینی ہے کہ وہ بنو سام تھے اور زیادہ آگے بڑھیں تو یہ کہیں گے کہ ارامی عنصر ان میں غالب تھا۔ عربی زبان میں ارامی الفاظ نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں[۱]، یہاں تک کہ قدیم شہر عرب ''مکہ'' کا نام بھی آرامی ہے[۲]۔ ثمود کے جو کتبات ملے ہیں وہ بھی بخط آرامی ہیں[۳] اور خود ثمود کا نام ثمود ارم تھا[۴] اور عاد کے نام کا تو ارم جزء لاینفک ہے۔

کان یقال عاد ارم فلما هلكوا قیل ثمود ارم فلما هلكوا قیل نمرود ارم

ابن خلدون جلد ا صفحہ ۷

پہلے عاد ارم کہا جاتا تھا، جب وہ مٹ گئے تو ثمود ارم کہا گیا، جب وہ بھی برباد ہو گئے تو نمرود ارم کہا جائے گا۔

عجیب تر یہ ہے کہ یا ارامی سامی خاندان جن جن مقامات میں پھیلے خود انکا نام 'ارم' ہو گیا، چنانچہ توراۃ کی زبان میں مابین النہرین (عراق) کا نام ''ارم نہرئم''[۵] اور ''پدان ارام'' ہے، ملک شام کو 'ارم[۶]'' اور 'ارم دمشق'[۷] اور شمالی عرب کو ''ارام''[۸] کہا گیا ہے، نیز ایک اور شہادت یہ ہے کہ بابل، اسیریا، شام، کنعان، فنیشیا اور شمالی عرب میں جو قدیم کتبات پائے گئے ہیں انکی زبان اکثر ارامی ہے یا ارامی الفاظ سے پر ہے[۹]۔

[۱] سوا السبیل، پروفیسر آرنلڈ، لاہور [۲] العرب قبل الاسلام جرجی زیدان ص ۲۴۰ [۳] برٹانیکا ج ۲۴ ص ۲۲۶
[۴] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۷۱ [۵] تکوین ۱۴۔۱۰ [۶] تک ۲۵۔۲۰۔۲۸۔۶۔۳۱۔۱۸۔۳۵۔۹۔۴۶۔۱۵
[۷] ملوک باب ۲۰ و ۲۲ [۸] عدد ۲۳ [۹] برٹانیکا طبع یازدہم مضمون السنۂ سامیہ اور ہیرن کی کتاب ''سیاسی و تجارتی تحقیقات'' HEEREN VOL I P 3001

کوئی بڑی قوم جب برسر اقتدار ہوتی ہے، تو حقیقت میں اس کل کے ضمن میں کوئی جز ممتاز ہوتا ہے اور اس کے انتساب سے مجموعی قوم مقتدر اور ممتاز تسلیم کر لی جاتی ہے، امم سامیہ کی کثیر الافراد جمعیت میں ضروری ہے کہ کوئی خاص جز قوت حاکمہ کا مالک ہو اور بقیہ اجزاء اس کے اشارے پر حرکت کرتے ہوں۔ اس جز کا حقیقی نام کچھ ہو لیکن اہل عرب اس کا نام عاد بتاتے ہیں و لا مشاحۃ فی الاصطلاحات۔

تاریخ قدیم کے بعض یورپین مصنفین عاد کو صرف ایک فرضی اور مذہبی کہانی (میتھالوجی) سمجھتے ہیں، لیکن یہ انتہائی غلطی ہے۔ تحقیقات جدیدہ نے فیصلہ کیا ہے کہ عرب کے تمام قدیم باشندے (امم سامیہ) ایک کثیر الافراد باعظمت جمعیت تھی جس نے بابل، مصر و شام میں بڑی بڑی حکومتیں قائم کیں یہ حقیقت اور واقعہ ہے۔ اہل عرب اگر اپنی زبان میں ان قدیم باشندوں کو امم بائدہ اور انکی جماعت کے افراد کو عاد و ثمود و طسم و جدیس کہتے ہیں، تو کیا اس وضع اسماء کے جرم میں حقیقت اور واقعہ مٹ جائیگا؟

سب سے مستند ذریعہ ہمارے پاس قرآن مجید ہے، قرآن مجید نے عاد کی حقیقت یہ بیان کی ہے: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ اس آیت سے یہ ظاہر ہوا کہ عاد ارم ہی کا حصہ تھا، دوسری جگہ خدا فرماتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (الاعراف ۷:۶۹)

اے عاد کے لوگو خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے قوم نوح کے بعد تم کو اپنی خلافت عطا کی۔ (یعنی حکومت دی)

قوم نوح کی بربادی کے بعد عرب میں جو سب سے پہلی مقتدر اور حکمراں جماعت ظہور پذیر ہوئی، قرآن کی زبان میں اسی کا نام عاد ہے، کیا قدیم و ابتدائی امم سامیہ کی یہی حقیقت نہیں ہے۔

فرانس کا مشہور اسلامی مؤرخ مسیو سیدیو (Sedues) اپنی تاریخ عرب میں لکھتا ہے:

> قبائل بائدہ کے حالات قابل وثوق نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے بلکہ مفروض ہو سکتا ہے کہ عاد مسیح سے ۲۰۰۰ برس پہلے مصر و بابل پر قابض تھے اور ان کا نام اس زمانہ میں یونانی زبان میں (ہیکسوس) ہیک سوس (چرواہے بادشاہ، یعنی بدوی بادشاہ) تھا۔[1]

لیکن امم سامیہ کی حقیقت سمجھنے کے بعد یہ فرض یقین سے بدل سکتا ہے۔

---

[1] ترجمہ عربی ذکر امم بائدہ

عاد

گذشتہ مباحث سے مفصل معلوم ہو چکا ہے کہ قدیم امم سامیہ اور عاد مترادف لفظ ہیں، اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ عاد کی شخصیت تاریخی وجود اور دعوائے حکومت کے متعلق کوئی شک باقی نہ رہے گا اب دوسرے مسائل کی طرف توجہ کا موقع آیا ہے۔

لفظ عاد السنہ سامیہ میں لٹریچر کے لحاظ سے عبرانی سب سے قدیم زبان ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم الفاظ کی اصلیت عربی سے زیادہ اس میں محفوظ ہے، لغوی حیثیت سے عربی میں عاد کے کوئی معنی نہیں ملتے۔

عبری میں 'عاد' کی اصلیت موجود ہے۔ עד کے معنی "بلند و مشہور" کے ہیں اور عجیب تر یہ کہ "ارم" ארם اور "رشم" (سام) کے بھی یہی معنی ہیں، ان معنوں کا بقیہ اثر عربی میں بھی موجود ہے۔ ارم کے معنی پہاڑی اور نشان راہ کے پتھر کے لغت میں مذکور ہیں اور 'شم' سے 'شمم' اور 'سمو' تو اب تک مستعمل ہیں۔

توراۃ میں "عاد" مذکر[1] کے نام کے لئے اور "عادہ" عورتوں[2] کے لئے کئی جگہ آیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد قدیم میں یہ نام عموماً مستعمل تھا۔

عاد کا زمانہ نام کے بعد دوسری بحث زمانہ کی ہے، عرب قبل اسلام میں کوئی باقاعدہ تاریخ رائج نہ تھی، اس لئے عرب بائدہ کا کوئی زمانہ مذکور نہیں، لیکن اس بنا پر کہ مورخین عرب نے عاد کو عوض بن ارم بن سام کا حقیقی فرزند لکھا ہے (؟) اس لئے اس کا زمانہ ۳۰۰۰ ق م سے پہلے قرار دینا چاہئے، قرآن مجید نے عاد کا جہاں ذکر کیا ہے اس کو خلفائے قوم نوح کہا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین شام کی دوبارہ آبادی کے بعد بنو سام کی پہلی ترقی عاد سے شروع ہوتی ہے اس لئے اس آیت سے نہ صرف زمانہ کی تعین ہوتی ہے، بلکہ ہماری اس تھیوری کی

---

[1] تاریخ ایام اول ۷۔۲۱ [2] تکوین ۳۶۔۲، تاریخ ایام اول ۲۰۰۰

بھی تائید ہوتی ہے کہ امم سامیہ اولیٰ اور علی الاغلب عاد ایک چیز ہے اور اسی لئے قرآن نے ان کو عاد اولیٰ کہا ہے۔

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى (النجم:۵۳-۵۰) اسی خدا نے عاد اولیٰ کو برباد کیا۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے اور آج کل عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ بنو سام کی حقیقی ترقی کا عہد ۲۲۰۰ ق م تا ۲۰۰۰ ق م ہے، سامی اقوام کے حملہ مصر و بابل کی بھی یہی تاریخ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد ارم کا وجود ۲۲۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے، انتہائے مدت کی تعیین کی یہ صورت ہے کہ پندرہ سو ق م میں یمن میں ایک دوسری قوت کا ظہور معلوم ہوتا ہے اور اس سے کچھ ہی پہلے حضرت موسیٰ کا زمانہ ہے، حضرت موسیٰ کے عہد سے پہلے عاد کی تباہی عام ہو چکی تھی، قرآن مجید نے نقل قصص میں ہمیشہ عاد کا ذکر حضرت موسیٰ و فرعون سے پہلے کیا ہے۔ بلکہ ایک موسوی مسلم، فرعون کے دربار میں کہتا ہے:

يٰقَوْمِ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (مومن ۴۰:۳۱)

بھائیو! میں ڈرتا ہوں کہ جماعتوں کے دن کی طرح اور قوم نوح، عاد، ثمود اور جو ان کے بعد ہیں ان کے دن کی طرح ایک دن تم پر بھی آئے۔

ان وجوہ سے عاد کی عظمت اور ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م تک ہو سکتا ہے۔ باقیات عاد کا وجود اس کے بعد بھی ابتدائے عہد مسیح تک باقی رہا ہے اور یونانیوں نے عادرمیٹا (عاد ارم) اور عادائیت (عاد) کے نام سے ان کا ذکر حضر موت اور یمن کے باشندوں میں کیا ہے، تمیز کے لئے عہد اول کو عاد اولیٰ اور عہد ثانی کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔

عاد کا مقام عاد کی مرکزی آبادی، عرب کے بہترین حصہ یعنی یمن و حضر موت میں سواحل خلیج فارس سے حدود عراق تک تھی[۱]، دراصل حکومت کا مرکز ملک یمن تھا، لیکن خلیج فارس کے کنارہ کنارہ وہ عراق تک وسیع تھی، جس سے نہایت آسانی سے وہ راہ معلوم ہو سکتی ہے جدھر سے یہ قوم عرب سے عراق میں اور عراق سے دیگر ممالک میں پھیلی اور یہی جدید تحقیقات کی رو سے بھی امم سامیہ کا راستہ سمجھا جاتا ہے[۲]۔

[۱] معارف ابن قتیبہ ص ۱۰ امصر [۲] سیموال لے انگ کی ٹیڈمن اور یجن ص ۳۲ و ۳۹

عاد کا دور دراز ممالک میں جانا عربوں میں اس قدر مسلم تھا کہ وہ شعرا کے ہاں تمثیلوں میں آگیا ہے، ایک جاہلی شاعر محرز بن مکعبر ضبی کہتا ہے:

حتیٰ انتهی لمیاه الجوف ظاهرة — مالم تر قبلهم عاد ولا ارم

وہ وسط صحرا کے تالاب پر آکر رکا — یہ وہ رفتار تھی جو اس سے پہلے عاد اور ارم نے بھی نہیں چلی

عاد کی سلطنتیں عرب کا ملک ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے، جہاں بڑی اور حوصلہ مند قوموں کے لئے ترقی کا کوئی میدان نہیں ہے، ناچار پرجوش قومیں باہر نکل پڑتی ہیں، عرب کا جزیرہ نما جنوب مغرب اور کسی قدر مشرق کی جانب سے پانی سے گھرا ہوا ہے، اس لئے آسان اور قدرتی راستہ ان کے لئے بعض مشرقی اور عموماً شمالی ممالک ہیں، یعنی بابل و شام و سینا، بابل سے ایران کا راستہ ہے، شام سے بحر ابیض و بحر روم ہو کر یورپ اور افریقہ کی طرف بھی رخ کیا جا سکتا ہے۔ ۱۸۵۹ء سے پہلے جب نہر سویز موجود نہ تھی، بحر ابیض اور بحر احمر کے درمیان آج کل کی طرح متصل دریائی راستہ نہ تھا، نہ جزیرہ نمائے سینا اور مصر کے درمیان سوئز کی مصنوعی نہر تھی، ایک پتلی سی خشک زمین تھی جو شام، عرب اور جزیرہ نمائے سیناء کو خشکی کی راہ سے مصر سے ملاتی تھی۔ ہندوستان کی قدیم حملہ آور قوموں کے لئے جس طرح درہ خیبر مشہور راستہ ہے اسی طرح مصر کے قدیم حملہ آوروں کے لئے یہی پتلی گلی ایک پامال راہ تھی۔

امم سامیہ اولیٰ یا عاد کی سیاسی تاریخ کے دو جولانگاہ ہیں، بیرون عرب اور اندرون عرب۔

بیرونِ عرب
(از ۴۰۰۰ ق م ـ تا ۱۹۰۰ ق م)

۱۔عرب سامیہ یا عاد بابل میں۔

۲۔عرب سامیہ یا عاد مصر میں۔

۳۔عرب سامیہ یا عاد دیگر ممالک میں۔

۱۔عرب سامیہ یا عاد بابل میں

کسی مقدمہ کی صحت کے صرف تین جز ہیں، مدعی کا دعویٰ، مدعا علیہ کا اعتراف اور گواہوں کی شہادت، اگر کسی مقدمہ کے یہ تینوں جز بہم پہنچ جائیں تو مقدمہ کی صحت میں کیا شک ہوسکتا ہے، اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے عراق کے شہر بابل پر حکومت کی، اہل عراق اس کا اعتراف کرتے ہیں اور تحقیقات جدیدہ کی شہادت اس کی تائید کرتی ہے، پھر اصل مقدمہ میں کس کو شک ہوگا۔

اہل عرب کا دعویٰ علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

فمنهم العماليق امم تفرقوا في البلدان ومنهم ا . اعنة مصر والجبابرة[۱]	ان ہی میں عمالیق ہیں، یہ متعدد قومیں ہیں جو ملکوں میں منتشر ہوگئی تھیں اور ان ہی میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں۔

مورخ ابن خلدون کی تحقیق ہے جس کو اس نے اپنی تاریخ میں کئی جگہ دہرایا ہے:

ان قوم عاد والعمالقة ملكوا العراق[۲] يقال انهم انتقلوا الى جزيرة العرب من بابل لمازاحمهم فيها بنو حام[۳] نزلوها (الحجاز) ايام خروجهم من العراق امام النماردة من بني حام[۴]	عاد اور عمالیق عراق کے بادشاہ ہوگئے تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بابل سے جزیرہ عرب میں اس وقت چلے آئے جب بنو حام نے انکی مزاحمت کی، یہ لوگ عراق سے نکلنے کے زمانہ میں بنو حام کے بادشاہ سے بھاگ کر حجاز چلے آئے۔

۱ کتاب المعارف ص ۱۰، مصر ۲ کتاب العبر ج ۲ ص ۲۵۹، مصر ۳ کتاب العبر ج ۲ ص ۱۹، مصر ۴ کتاب العبر ج ۲ ص ۲۷ مصر

اہل ایران کا بیان اہل ایران کا دعویٰ ہے کہ عراق و بابل کی قدیم ترین حکومت ان ہی کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اس واقعہ کی نسبت ان سے بھی پوچھنا ہے، ان کا بیان ہے کہ جمشید کے بعد جو بنو سام ابن نوح کا معاصر تھا ضحاک تازی (عرب) نے ملک پر قبضہ کرلیا، عرب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں:

والیمن تدعیه وتزعم انه من انفسها وهو الضحاك بن علوان (طبری ۲۰۲ ج ۱ (یورپ)	اہل یمن بھی اس کے مدعی ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ ان ہی کی قوم کا تھا اور اس کا نام ضحاک بن علوان تھا۔
وبلغنا ان الضحاك هو نمرود و ان ابراهيم ولد في زمانه وانه صاحبه الذي اراد احراقه (ص ۲۰۵)	ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ضحاک ہی نمرود تھا، حضرت ابراہیمؑ اسی کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور یہی تھا جس نے ان کے جلانے کا قصد کیا تھا۔

فردوسی جو اہل ایران کی تاریخ کا ترجمان ہے، ضحاک تازی (عرب) اور اس کی ہزار سالہ عہد حکومت کا مفصل بیان شاہنامہ میں کرتا ہے۔

توراۃ کا بیان بنی اسرائیل کا خاندان عہد ابراہیمی سے پہلے اسی ملک کا باشندہ تھا اور نہایت قدیم زمانہ سے (۲۵۰۰ ق م) اس کے تعلقات یہاں سے قائم ہیں، اس بنا پر اس باب میں ان کی رائے بھی وقعت کے قابل ہوگی، توراۃ کی روایت ہے کہ ''بابل کا سب سے پہلا بادشاہ کوش کا بیٹا نمرود تھا۔''، اصل عبارت یہ ہے:

> ''کوش حام کا بیٹا تھا.... کوش اولاد سبا، حویلہ، سباتا، رعماہ اور سباتیکا اور رعماہ کے بیٹے شبا اور ویدان کوش نے نمرود کو پیدا کیا..... اور اس کی حکومت کی ابتدا، بابل اور ارخ (عراق) میں ہوئی۔ (تکوین ۱۰۔۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰)

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اقوام کی ابتدائی تقسیم، جدید تحقیق کے مطابق نسلی نہیں بلکہ جغرافی ہے، یہ تمام اقوام جن کا اولاد کوش کے نام سے ذکر ہوا ہے، وہ سب جنوبی سمت اور سواحل خلیج فارس کے باشندے ہیں، یعنی عرب ہیں، یورپ میں تاریخ قدیم کا سب سے بڑا مورخ جرمن فاضل ڈنکر (Duncker) ہے، وہ بابل کی فصل تاریخ میں توراۃ کے اس فقرہ کی تفسیر یوں کرتا ہے:

سنر کو ین مثل متاخرین یہود کے 'کوش' کے نام کے اندر ان اقوام کو داخل کرتا ہے جو جنوبی سمت میں رہتے ہیں، نوبی، اثوبی (اتھوپین) اور جنوبی عرب کے قبائل، یہاں پر ہم ان فرزندان کوش کو جنھوں نے بابل کی بنیاد ڈالی، جنوبی قبائل کے باشندے کہہ سکتے ہیں جو تقریباً خلیج فارس کے سواحل پر مقیم تھے[1]۔

اہل عراق کا بیان بابل کا ایک کلدانی مورخ بروشوس نامی ہے جو اصلاً بابلی اور بعل کے معبد کا ایک کاہن تھا، یہ مسیح سے شاید ۴۰۰ برس پہلے تھا، اس نے بابل کی قدیم تاریخ لکھی تھی، اصل کتاب تو ضائع ہو گئی لیکن یہودی اور یونانی مصنفین نے اس کے حوالہ سے بہت سی باتیں لکھی ہیں اور سنداً اس کی بعینہٖ عبارت بھی نقل کی ہے، ان ہی منقول عبارتوں میں ایک ملوک بابل کا نقشہ ہے، مورخ موصوف کلدانی بادشاہوں کے بعد، عرب بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے، ان کی تعداد وہ ۹ اور ان کی مدت حکومت ۲۲۵ برس قرار دیتا ہے، اصل نقشہ یہ ہے۔ یہ نقشہ قابل تنقید ہے، لیکن قابل تغلیط نہیں:

عدد	خاندان ملوک	سال
۱۰	بادشاہان قبل طوفانِ نوحؑ	۴۳۲۰۰۰
۸۶	بادشاہان بعد طوفان	۳۴۰۰۰
۸	میڈیا کے غاصب بادشاہ	۲۲۴
۱۱	بادشاہ.........	۲۴۸
۴۹	کلدانی بادشاہ	۴۵۸
۹	عرب بادشاہ	۲۲۵

تحقیقات جدیدہ اہل عرب اور اہل بابل کے بیانات سے اس سے زیادہ کوئی اور علم حاصل نہیں ہوتا کہ کسی قدیم زمانہ میں 'عرب سامیہ' کے ایک خاندان نے عراق پر حکومت کی، اس سے زیادہ حالات قدامت کی تاریکی میں مخفی ہیں، لیکن ارکیالوجی کی اعانت سے بابل کے آثار دحفریات[2] نے قدامت کے پردہ کو چاک کر دیا ہے، اب نئے سرے سے بابل کا تمدن زندہ ہو رہا ہے اور علم الآثار کے چراغ طلسمی میں اب نظر آ رہا ہے کہ بابل واسیریا کا ہر پتھر درحقیقت انکی تاریخ کا

[1] ذکری کی تاریخ قدیم ج ۱ ص ۲۴۹ [2] زمین کے کھودنے سے جو پرانی چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔

ایک صفحہ ہے۔[1]

قدیم بابل (اہل فارس سے پہلے) کے جو کتبات و آثار ملے ہیں، زبان کی حیثیت سے یہ دو قسم کے ہیں، سامی اور غیر سامی، ان سے بابل کے قدیم باشندوں کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے، ان میں سے اکثر کتبات پر سلاطین کی تاریخیں ہیں اور جن پر تاریخ مرقوم نہیں ہے، ان کے زمانہ کی تعیین قرائن سے کی گئی ہے، غیر سامی کتبات و آثار عموماً قدیم ترین ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر سامی آبادی سامیوں سے پہلے یہاں آباد تھی، ان کی زبان سومری اور اکادی ہے، جس سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ وہ غیر سامی آبادی اکادی اور سومری تھی، جو تشابہ نام و زبان کے لحاظ سے غالباً تورانی النسل ظاہر ہوتی ہے۔

ارض بابل کے اس عہد کے تمام کتبات کو بہ ترتیب رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۴۰۰۰ ق م کی ابتدا میں قدیم سومری الفاظ کی بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اور یہ آمیزش اور اختلاط رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے، تا آنکہ الفاظ، خط اور خیالات بالکل سامی ہو جاتے ہیں اور ایک مدت تک کتبات و آثار بالکل سامی رہتے ہیں، پھر ایک زمانہ کے بعد سومری کتبات کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، جس کا خاتمہ ایک اور تورانی النسل زبان عیلام پر ہوتا ہے، جس کا وطن خلیج فارس کا فارسی ساحل تھا، پھر ایک زمانہ کے بعد ۲۵۰۰ ق م میں زبان بالکل سامی ہو جاتی ہے اور بعد ازاں ایک مرکب و متحد زبان کی صورت نظر آتی ہے۔ (اس کے بعد کے انقلابات ہمارے موضوع سے الگ ہیں۔)

---

[1] ہر چیز مذہب سے شروع ہوتی ہے، تورات، بابل و اسیریا کے سلاطین اور شہروں کے نام سے پُر ہے، نوع انسان کا افتراق بابل میں ہوا (تکوین باب ۱۰) حضرت ابراہیمؑ بابل و کلدان کے شہروں سے نکل کر فلسطین آئے تھے، یہودیوں کی تباہی اہل بابل کے ہاتھ سے ہوئی، ان وجوہ سے ضروری تھا کہ یورپ کے علمائے آثار ان ممالک کی تعقیب و اکتشاف کی طرف توجہ کریں۔ اسکی ابتدا سولہویں صدی سے ہوئی اور ابتک جاری ہے۔ سیکڑوں کتبات، خطوط، کتابیں (منقوش بہ سنگ) مجسمات، سکے، عمارات، نشانات، واقعات تاریخی کی منقوش یادگاریں زمین سے نکالی گئیں۔ خط اور زبان کی مشکل حل کی گئی اور باقاعدہ ان اکتشافات و تحقیقات کا سلسلہ جاری کیا گیا، یہاں تک کہ ان سے بابل و اسیریا کی عظیم الشان تاریخ مدون ہو گئی، سیکڑوں علمائے مشرقیات نے ان تحقیقات میں اپنی زندگیاں وقف کیں، ان میں سے مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں: ہربرٹ (۱۶۷۷ء)، سرجان چارڈن (۱۷۰۰ء) کارنس ڈی بروان (۱۷۰۴ء)، نیو بھر (۱۷۷۴ء)، جولیس سوہل (۱۸۲۳ء)، جارج اسمتھ (۱۸۲۶ء) اور ہالوے وغیرہ، اس وقت بھی ایک جرمن سوسائٹی مشغول کار ہے اور اسکے حیرت انگیز نتائج اسی سال شائع ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں عجیب بات یہ ہے کہ بابل و اسیریا کی تحقیقات و اکتشافات میں دولت عثمانیہ اور بعض ترک مثلاً سلمان حمدی بے اور خلیل بے کے نام بھی نہایت روشن ہیں۔

نقشہ کی ان سادہ لکیروں میں اگر ہم رنگ بھر دیں تو ایک قومی و سیاسی تاریخ کا مسلسل مرقع تیار ہو جائے گا کہ پہلے یہاں سومری واکادی قوم آباد تھی، رفتہ رفتہ عرب کے سامی عنصر کی آمیزش شروع ہوئی جس نے آہستہ آہستہ سیاسی قوت حاصل کر لی اور ایک مدت تک حکومت اس کے ہاتھ میں رہی، یہاں تک کہ سومریوں نے پھر جدید قوت حاصل کر لی، جس کا عیلامیوں کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا، عیلامیوں کی حکومت کے بعد پھر عربی سامی قوت کا عروج شروع ہوا اور اس نے عیلامیوں کو مٹا کر اپنی پہلی جگہ پھر اختیار کر لی، بعد ازاں ایک مدت کے بعد ایک مشترک وطنی حکومت کی بنیاد پڑی۔

ان قدیم ترین حکومتہائے بابل کے سلسلہ میں ہم نے دو جگہ عرب سامی خاندانوں کا ذکر کیا ہے، ایک ۴۰۰۰ ق م اور ایک ۲۴۰۰ ق م میں، یہ دونوں علحدہ علحدہ بیان کے محتاج ہیں۔

چار ہزار ق م اس خاندان کے تعلق سے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ سامی تھا، باہر سے آیا تھا اور ابتداً نہایت وحشی تھا، یہ بیرونی وحشی سامی کون تھے؟ غالباً عرب! اس خاندان کے حالات کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے:

> تقریباً چار ہزار ق م کی ابتدا میں سومری لوگوں نے جو ایک اعلیٰ تمدن حاصل کر رہے تھے اپنے ملک کو ایک بار (اس کے بعد) وسیع التعداد وحشی قبائل سے پر پایا، یہ سامی تھے جو نہایت قریبی خون کا تعلق عربوں سے رکھتے تھے جو ایک بار (اس کے بعد) اسپین تک دوڑ چکے ہیں اور عبرانیوں سے بھی اسی قسم کی مشابہت رکھتے تھے، جو ایک بار نہر اردن کو عبور کر کے کنعان پہنچے۔
>
> بعضوں کا خیال ہے کہ یہ کردستان سے آئے اور بابل پہنچ کر یہاں سے آرمینیا عرب اور کنعان وغیرہ میں پہنچے، لیکن یہ خیال اب متروک ہے، گو کہ ایک دو آدمیوں کے نام اب بھی اس کے مویدین میں نظر آتے ہیں، دوسری رائے یہ ہے کہ وہ افریقہ سے آئے اور مصر سے نکل کر تمام عرب میں پھیلے اس تھیوری کے اثبات میں بہت کچھ کہا گیا ہے، لیکن پھر بھی ایک تیسری تھیوری کے لئے بہت کچھ باقی ہے کہ ان کا اصل مسکن عرب تھا، جہاں سے نکل کر ایک سرسبز وسیع قطعہ کی تلاش میں الجزیرہ، بابل اور دور مغرب میں کنعان میں موجیں لیتے ہوئے نکل آئے۔
>
> یہ آخری خیال روز بروز نئے نئے طرفداروں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ عموماً اب یہی جدید علما کی مقبول رائے ہے۔ (ملخصاً از باب کتاب ۱)
>
> سومری حکومت کے اسی عہد کا ایک چھوٹا سا اور ٹوٹا سا کتبہ ملا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت ایک جدید داخل ہونے والی قوم سے جس نے شمالی بابل کو لے لیا تھا، دوبارہ اس کی واپسی کے لئے کوشاں تھی، یہ نئی آنے والی قوم کون تھی؟ سامی جس کا اصلی گھر غالباً عرب تھا۔

لیکن اب وہ کچھ دنوں سے بابل کے شمالی و غربی حصہ میں غالباً الجزیرہ میں آباد تھی، سامیوں نے ملک کے تمام آباد اور زرخیز شہر جن پر سومری جیتے تھے اپنے قبضہ میں کر لئے۔ (باب ۱ کتاب ۲)

اس زمانہ میں حکومت ایک شہر سے عبارت تھا، جس کے آس پاس کچھ گاؤں، کچھ خیموں کی آبادی اور کچھ ادھر ادھر رہنے والے قبائل ہوتے تھے، شہر میں ایک شاہی قصر اور ایک ہیکل پتھروں کا بنا ہوتا تھا، ہیکل کا کاہن اور قصر کا بادشاہ عموماً ایک ہی شخص ہوتا تھا اور کبھی دو ہوتے تھے، ہر شہر کے ہیکل کا ایک خاص دیوتا تھا، جس کے قبضہ قدرت میں تمام شہر کی جان ہوتی تھی، اس وقت شہر 'کش' اور 'غشبان' سومریوں کے خاص شہر تھے۔

جس عہد کا قصہ ہم لکھ رہے ہیں تقریباً دو سامی شہر یا حکومتوں کا ذکر پاتے ہیں، ایک حکومت کش وغشبان وارخ جس کا تمہیدی ذکر اوپر ہوا اور دوسری حکومت اغاد۔

حکومت کش وغشبان وارخ یہ حکومت بابل میں پہلی سامی حکومت ظاہر ہوتی ہے، اس حکومت کے صرف تین کاہن، بادشاہوں کے نام معلوم ہیں، اوکوش کاہن غشبان، لوغل زاغیسی ابن اوکوش لوغل ادکیسلی۔

(۱) ''اوکوش'' کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ غشبان کا کاہن اور سیاسی سے مذہبی قوت زیادہ رکھتا تھا۔

(۲) لوغل زاغیسی نے باپ سے زیادہ سیاسی قوت حاصل کی، وہ کش اور غشبان دونوں کا بادشاہ تھا، تقریباً ۴۰۰۰ ق م میں اس نے تیسرے شہر 'ارخ یا ارک' (عجب نہیں کہ لفظِ عراق کی یہی اصل ہو) کی بنیاد ڈالی، جس کو اس نے کل ملک کا دارالحکومت مقرر کیا۔

(۳) 'لوغل ادکیسلی اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، اس کے عہد میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سومری طاقت نے پھر عود کیا ہے اور اس شہر کو بیرونی قوموں سے واپس لے لیا۔

حکومت اغاد کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان میں چار بادشاہ گذرے ہیں، لطی بعل (بعل ایک دیوتا تھا) شرغنی شرعلی، کرزام سنکر اور بن شرعلی۔

(۱) 'لطی بعل' کے نام کا خود کتبہ نہیں ملا، لیکن اس کے بیٹے شرغنی کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ اپنے باپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

"شرغنی شرعلی بن لطی بعل اغاد کا قدرت والا بادشاہ بعل کے ہیکل ایکور کا شہر نپور میں بنانے والا۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ ہونے کے علاوہ بہت سی عمارتوں کا بانی بھی ہے۔

(۲) شرغنی شرعلی کر (۳۸۰۰ ق م) اس کا پورا نام ہے لیکن کبھی صرف 'شرغنی' بھی پایا گیا ہے، لیکن زیادہ تر مشہور یہ شرغون اول یا سرجون اول کے نام سے ہے۔ سرغون اس خاندان کا گل سرسبد ہے اور حکومت ہائے بابل کے بزرگ ترین بادشاہوں میں اس کا شمار ہے۔ اس کے جو کتبات اس وقت تک ملے ہیں وہ حقیقتاً اس کی عظمت و جلال کے بیانات سے پر ہیں، اس نے ایک طرف سومریوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف فارس میں عیلامیوں کو مغلوب کر لیا۔

بعد کی تاریخوں میں شرغون کے کارناموں کے بیان میں اتنا مبالغہ کیا گیا ہے کہ وہ معمولی انسانیت سے نکل کر ایک غیر معمولی انسان بن جاتا ہے، ایک لوح پر جو آٹھویں صدی ق م کی کتابت ہے اور جس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ شرغون کے مجسمہ کی نقل ہے، اس کی پیدائش وظہور کے متعلق عجیب داستان تحریر ہے۔

(۳) 'نرام سن کر' (۳۷۵۰ ق م) بھی عظمت میں اپنے باپ سے کم نہیں، اس کا خطاب تھا 'شاہ چاردانگ عالم'۔ 'نرام سن' کی خاص مہم زمین 'مغان' پر حملہ ہے 'مغان' سے غالباً جزیرہ سینا ملحق بہ شمالی مغربی عرب مراد ہے، اسکے قریب شہر 'مغان' اب تک معلوم ہے۔

فاتح ہونے کے علاوہ یہ بادشاہ بانی عمارات بھی ہے، نپور اور اغاد میں ہیکل تعمیر کرائے اور شہر پناہیں بنوائیں سنار میں آفتاب دیوتا کا ہیکل تیار کرایا۔

(۴) 'بن غلی شرعلی' خاتم خاندان اور مجہول الحال ہے[1]۔

---

[1] اس فصل کے لکھتے وقت حسب ذیل کتابیں ہمارے پیش نظر تھیں نینوی اور اس کی یادگاریں (NINEVEH AND ITS REMAIN BY A H LAYARD1839 LONDON) تاریخ قدیم رالنسن پروفیسر تاریخ قدیم، کیمبرج (A MANUAL OF ANCIENT HISTORY BY RAWLINSON) (تحقیقات آثار نینوی و بابل DISCOVERIES IN THE RUINS OF NINE AND BABYL BY A.H LAYARD 1953) لیکن رالنسن کی کتاب صرف تاریخ یونان و روم اور بوزات سے ماخوذ ہے اور لے یارڈ کی کتابوں کی معلومات جو کو بابل اور نینوی کی ذاتی سیاحت کے نتائج ہیں، تاہم پرانے ہو چکے ہیں۔ راجرس (R W Rogers) کی تاریخ بابل و اشور جو بالکل جدید تصنیف ہے اور جس کی بنا صرف تحقیقات تازہ پر ہے اور جو تمام یورپ کے دارالآثار اور کتبخانوں کے مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہے زیادہ تر اس فصل کا ماخذ ہے۔ (جلد اول کتاب اول باب ۱۱-۱۲ اور کتاب ۲ باب اوّل)

۲۴۰۰ ق م گذشتہ صفحات میں ڈھائی ہزار برس کا مرقع پیش کیا گیا، جس میں بابل کے اسٹیج پر سومری، عیلامی اور سامی قوموں کا کبھی بہ صلح و آشتی، کبھی بہ جنگ و جدال ظہور ہوتا رہا، ۲۴۰۰ ق م میں ایک اور سامی قوم کا ظہور ہوا، جس نے تمام قوموں کا خاتمہ کر دیا اور ایک متحد سامی حکومت کی بنیاد ڈالی، اس حکومت کی قومیت کی حقیقت امریکن مورخ راجرس ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

سومری تہذیب اب پیری کو پہنچ چکی تھی، موت کے جراثیم اب اس میں پیدا ہو چکے تھے، دوسری طرف سامی تمدن زندگی اور جوش سے لبریز تھا، سامی ریگستان عرب کی آزاد ہوا سے باہر آئے تھے، وہ اپنی رگوں میں زندگی رکھتے تھے[1]۔

اس خاندان کا شجرہ ملوک جیسا کہ کتبات سے ظاہر ہوا ہے، حسب ذیل ہے[2]۔

۱۔سموابی	۲۴۵۴۔۲۴۴۰ق م	۱۵برس
۲۔سمولاایلو	۲۴۳۹۔۲۳۹۱ق م	۳۵برس
۳۔زابو	۲۴۰۴۔۲۳۹۱ق م	۱۴برس
۴۔اَفَلِ۔سِن	۲۳۹۰۔۲۳۷۳ق م	۱۸برس
۵۔سِن مبلطِ	۲۳۷۲۔۲۳۴۳ق م	۳۰برس
۶۔حمورابی	۲۳۴۲۔۲۲۸۸ق م	۵۵برس
۷۔سمو۔ایلونا	۲۲۸۷۔۲۲۳۵ق م	۳۵برس
۸۔ابی۔شوع	۲۲۵۲۔۲۲۲۸ق م	۲۵برس
۹۔عمی۔ستانا	۲۲۲۷۔۲۲۰۳ق م	۲۵برس
۱۰۔عمی۔صادقا	۲۲۰۲۔۲۱۸۲ق م	۲۱برس
۱۱۔سمو۔ستانا	۲۱۱۸۔۲۱۵۱ق م	۳۱برس

اس فہرست میں پہلا نام 'سموابی' کا ہے، اس کی نسبت کوئی واقعہ نہیں معلوم، اس کا نام صرف سلاطین کی فہرست میں ملا ہے، اس کے بعد کے جانشینوں کی نسبت بھی ہم کو کوئی صحیح علم نہیں ہے، 'سمولا ایلو' کے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ اس نے بابل میں چھ قلعے تعمیر کرائے تھے، 'زابو' صرف ایک ہیکل کے بانی کی حیثیت سے معلوم ہے جو شہر کے دیوتا کے نام سے بنا تھا، افل سن اور سن مبلط بھی مجہول الحال ہیں۔

[1] ROGERS VOL 1, 383 [2] راجرس ج ۱ ص ۳۲۵

اس خاندان کا مشہور و ممتاز بادشاہ حمورابی ہے، جس کی نسبت ہماری اطلاعات کسی قدر وسیع ہیں، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ملک کو عیلامیوں سے پاک کر دیا، اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمورابی سے پہلے تک عیلامیوں کا زور ملک میں باقی تھا اور عجب نہیں کہ حمورابی کے اسلاف کا عدم اہمیت وعدم شہرت اسی علت کا معلول ہو اور یہی وجہ ہے کہ حمورابی سے پہلے کے بادشاہوں کے ساتھ شاہی القاب نظر نہیں آتے۔

اب تک جو کتبات اس خاندان کے ملے ہیں وہ عموماً حمورابی ہی کے ہیں جن سے اس بادشاہ کی عجیب وغریب عظمت ظاہر ہوتی ہے[1]۔

تورات میں سب سے پہلا جو سیاسی واقعہ مذکور ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں شمالی عرب میں عراق اور شام کے بادشاہوں کی باہمی جنگ ہے، اس موقع پر شنعار (بابل) کے بادشاہ کا نام امرافیل یا اموارفیل مذکور ہوا ہے[2]۔ الف اور ح کا اور ب، پ اور ف کا تبادلہ، السنہ سامیہ میں بہت متداول ہے، اس لئے عجب نہیں کہ امرافیل، اصلاً امورانی ہو اور امورانی حمورابی کا عبری تلفظ ہو اور "ال" کا اضافہ (بمعنی خدا) صرف عبری ناموں کی مناسبت سے کیا گیا ہے، جیسے اسرائیل، شماعیل، حزقیل وغیرہ، مرافیل اور حمورابی کے اتحاد کی بڑی دلیل دونوں کا تقریباً اتحاد عصر اور اتحاد ملک بھی ہے بہرحال اگر یہ قیاس صحیح ہے تو حمورابی اور حضرت ابراہیم کا باہم ایک ہی زمانہ ہوگا[3]۔

حمورابی کے ایک اور کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید یہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن ہو، بابل کے ایک منارہ پر اس کے قوانین کندہ ملے ہیں، جو تورات کے احکام سے بہت مشابہ ہیں[4]۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا (البقرہ ۲:۲۶)۔ اہل ضلال کہتے ہیں کہ تورات کے احکام ان ہی قوانین سے ماخوذ ہیں، ارباب ہدایت کہہ سکتے ہیں کہ یہ احکام حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کے ہیں، جن کو حمورابی نے سنا اور قبول کیا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (البقرہ ۲:۲۶)

حمورابی کے بعد جو بادشاہ اس خاندان میں ہوئے، وہ باپ کی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے[5]۔

[1] ROGERS VOL I. 391 [2] تکوین باب ۱۴۔۱۱ [3] ROGERS VOL I. 390 [4] حمورابی کے یہ قوانین انگریزی میں ایک رسالہ کی صورت میں چھپ گئے ہیں۔ [5] اس باب کے تمام حوالوں کے لئے راجرس تاریخ بابل واسیر یا دیکھو۔

عرب سامیہ یا عاد مصر میں

عراق کی طرح مصر میں بھی اس واقعہ کے تین اجزا ہیں، اہل عرب کی روایت، اہل مصر کا بیان اور تحقیقات جدیدہ کی تصدیق، بلکہ اس مقدمہ میں ایک چیز اور زیادہ ہے یعنی تورات کے اشارات۔

روایت عرب علامہ ابن قتیبہ کی شہادت ہے:

فمنهم العماليق امم تفرقوا في البلدان و منهم فراعنة مصر[1]	ان ہی (قبائل عرب) میں سے عمالیق ہیں، یہ متعدد قومیں ہیں جو ممالک میں پھیل گئیں، ان ہی میں مصر کے بادشاہ تھے۔

مورخ یعقوبی لکھتا ہے[2]:

فلما ملكوا النساء طمع فيهم العمالقة ملوك الشام فغزاهم ملك العمالقة وهو يومئذ الوليد بن دومع وطئ البلاد فرضوا ان يملكوا عليهم فاقام دهراً طويلا ثم ملك بعده ملك اخر من العمالقة يقال له الريان بن الوليد و هو فرعون يوسف	مصریوں نے جب عورتوں کو بادشاہ بنایا، شام کے بادشاہ جو عمالیق تھے انھوں نے طمع کیا، عمالیق کے بادشاہ نے جس کا نام ولید بن دومع تھا، ملک کو پامال کیا تھا، اہل مصر ان کی بادشاہی پر راضی ہو گئے، ایک زمانہ تک یہ بادشاہ زندہ رہا، پھر عمالیق کا دوسرا بادشاہ ہوا جس کو لوگ ریان بن ولید کہتے تھے، حضرت یوسفؑ کا معاصر فرعون یہی ہے۔

جزئیات بیان اور نام گو صحیح نہ ہو، لیکن اصل واقعہ ثابت ہے اور کیا عجب کہ یہ عربی نام اصلی ناموں کے ترجمہ ہوں، اسی قسم کا بیان اور تاریخوں میں بھی ہے، معجم یاقوت میں ہے:

---

[1] کتاب المعارف ص ۱۰ مصر [2] تاریخ یعقوبی جلد اوّل ص ۲۱۱ لیڈن

وقيل ان فراعنة مصر كانوا من العماليق وكان منهم فرعون ابراهيم ......وفرعون يوسف...... وفرعون وموسى[1]	کہا گیا ہے کہ مصر کے فرعون عمالیق میں سے تھے، ان ہی میں حضرت ابراہیمؑ کا فرعون......اور حضرت یوسف کا فرعون......اور حضرت موسیٰ کا فرعون ہے۔

مورخ طبری کی روایت ہے:

وانه ملك على مصر اخاه سنان بن علوان وهو اول الفراعنة وانه كان ملك مصر حين قدمها ابراهيم خليل الرحمان (۲۰۲ ج ايورپ)	اس نے مصر پر اپنے بھائی سنان بن علوان کو بادشاہ بنایا، یہ مصر کا پہلا فرعون تھا، حضرت ابراہیمؑ جب مصر گئے تو یہی فرعون تھا۔

اس معاصرت کی تائید دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔

مورخ ابن خلدون کی تحقیق ہے[2]:

ان بعض ملوك القبط استنصر ملك العمالقة لعهده...فجاء معه وملك مصر	قبط (قدیم باشندگان مصر) کے بعض سلاطین نے اپنے زمانہ کے شاہ عمالیق سے مدد مانگی، وہ آیا اور اس نے مصر پر قبضہ کرلیا۔

اہل مصر کا بیان مسیح سے دو ہزار برس پہلے مصر پر ایک اجنبی قوم نے قبضہ کیا، اس کا نام اہل مصر سوس (چرواہے) اور ہیک سوس (چرواہے بادشاہ) بتاتے ہیں، یہ چرواہے بادشاہ کون تھے، عرب! جو اکثر شتربانی سے جہاں بانی تک پہنچے ہیں! اور اس وقت بھی ان کو یہی لقب دیا گیا لیکن کیا کیا جائے کہ چرواہا ہونا نہ صرف عرب کا بلکہ تمام امم سامیہ کا قومی وملکی پیشہ ہے اور اس کی تحریری شہادت آج سے دو ہزار برس پیشتر کی ہمارے پاس موجود ہے، یہاں تک کہ پیشوایان امم سامیہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں[3]۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۲ باب الخبر عن القبط ص ۷۴ تا ۷۸ [2] تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۷۵ [3] فلسفہ یہودیت یوسیلوس ذکر موسیٰ بمدین نیز توراۃ دیکھو، حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی نے بکریاں چرائیں اور میں نے بھی چرائی ہیں۔ سر ولیم میور جو آنحضرت ﷺ کے بکریاں چرانے سے آپ کی ذلت و تحقیر کا پہلو نکالتے ہیں، ان کو یوسیلوس کو پڑھنا چاہئے تھا اور اپنی مذہبی کتاب توراۃ کو دیکھنا چاہئے تھا کہ ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور موسیٰؑ کا کیا پیشہ تھا؟

بہر حال ان ہی عرب چرواہوں کی نسبت اہل مصر کا اعتراف ہے کہ مسیح سے دو ہزار برس پیشتر مصر پر حکمراں تھے، مصر کا قدیم مورخ اسکندریہ کا مانیتھو ہے، جس نے مسیح سے ۲۶۰ برس پیشتر یونانی میں مصر کی تاریخ لکھی تھی۔ اصل کتاب تو مفقود ہے، لیکن اس کی جستہ جستہ عبارتیں بعد کی یونانی اللسان مصنفین کے یہاں منقول ہیں جن میں سے ایک یہودی مورخ یوسیفوس بھی ہے۔

یوسیفوس نے ایک خاص رسالہ ان یونانیوں کے رد میں لکھا ہے، جو یہودیوں کی قدامت عہد ومجد کے منکر تھے اور اسی سلسلہ میں غیر یہودی مورخین کی شہادتیں نقل کی ہیں، جن میں سے اسکندریہ کا یہ مانیتھو بھی ہے، مانیتھو نے ہیک سوس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا یہاں اقتباس نقل کرتے ہیں۔

> ایک ہمارا بادشاہ طیماؤس نامی تھا، اس کے عہد میں یہ ہوا، لیکن ہم نہیں جانتے کہ کیوں کر ہوا، خدا ہم پر خفا تھا؟ ایک عجیب طریقہ سے شریر الخلقت لوگ "اطراف مشرق" سے چلے آئے، وہ اس قدر بہادر تھے کہ وہ ہمارے ملک میں گھس گئے، نہایت آسانی سے بزور مسخر کرلیا گو ان سے ہماری ایک قسمت آزما جنگ ہوئی، جب انھوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کرلیا جنھوں نے اپنی طاقت سے ہم پر حکومت کی تھی تو ہمارے شہروں کو جلا دیا، ہمارے دیوتاؤں کے ہیکلوں کو برباد کر دیا...... آخر وہ حاکم بن بیٹھے اور اپنا ایک بادشاہ بنایا جس کا نام 'سلاطیس' تھا...... سلاطیس نے مصر زیرین دونوں سے خراج وصول کیا اور مناسب مقامات پر دستے متعین کیے۔ خصوصاً مشرقی حصوں کی حفاظت اہل اسیریا کے مقابلہ میں پیش بینی کے لئے بہت کرتے تھے جو اس زمانہ میں قوی ترین قوت تھی.... سلاطیس نے ۳۰ برس حکومت کی، پھر ایک دوسرا بادشاہ ہوا جس کا 'بینون' نام تھا اور یہ ۴۴ برس زندہ رہا، بعد ازیں ۳۶ برس ۷ مہینے کے لئے "ابولیس" بادشاہ ہوا اور پھر جیناس نے ۵۰ برس اور ایک مہینہ تک حکومت کی اور ان سب کے آخر میں "اسیس" بادشاہ ہوا، ۴۹ برس دو مہینے اس کی بادشاہی کا زمانہ ہے۔
>
> اس تمام قوم کا نام ہائیک سوس رکھا گیا تھا یعنی "چرواہے بادشاہ" کیوں کہ ہائیک کے معنی مقدس زبان میں بادشاہ کے ہیں، اور "سوس" عام زبان میں چرواہے کو کہتے ہیں اور ان دونوں لفظوں سے مل کر ہائیک سوس بنتا ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عرب تھے" ۵۱۱ برس یہ مصر پر قابض رہے[1]

[1] Josephas against Book S ect. 14 Vol VI

ان عرب حملہ آوروں کے نام ولقب کے متعلق ایک بات یہاں قابل ذکر ہے کہ عرب کی صحیح روایات میں فاتح مصر کا نام "شداد" ظاہر کیا گیا ہے۔ مانیتھو نے "سلاط" لکھا ہے[1]۔ حقیقت میں یہ دونوں لفظ کے معنی ایک ہی ہیں۔ شداد کے معنی "قوی" اور "جابر" کے ہیں اور "سلاط" بھی سامی زبانوں میں یہی معنی رکھتا ہے، جس سے عربی زبان میں "سلطان" "سلطنۃ" اور "سلطہ" نکلے ہیں۔

"ہیک" کو اگر ہم "شیخ" کا محرف نہ کہیں جو امیر بدو کا خاص لقب ہے، تو اس کو خاص مصری لفظ تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ مانیتھو نے بتایا ہے، لیکن سوس کا لفظ تو خاص عربی ہے، سوس کے اصل معنی نگرانی وانتظام کے ہیں، اسی مناسبت سے چرواہے کو بھی "سوس" ابتدأ کہتے ہوں گے، جس سے منتقل ہو کر گلوبانی سے جہاں بانی کے لئے عربی میں یہ لفظ مستعمل ہوا، اسی ماخذ سے سیاسۃ کا لفظ اب عام طور سے اس معنی میں بولتے ہیں، (سیاسۃ کا اصل مادہ لغت میں یہی سوس ہے) یعنی اول معنی گلہ بانی و چوبانی کا اثر صرف ایک لفظ میں ہمارے ہاں باقی ہے، یعنی "سئیس" خادم اسپ، عجب نہیں کہ عبری میں یہیں سے لفظ "صوص" D=7D گھوڑے کے لئے مستعمل ہوا ہو، تیسرے بادشاہ کا نام "ابوفیس" بھی عربی وضع کا ہے، آخری نام "اسیس" وہی نام ہے جس کو ہم عزیز کہتے ہیں اور اب تک امرائے مصر کا لقب جانتے ہیں، ایک عجیب بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کے قصہ میں "عزیز" ہی کا لفظ ہم پاتے ہیں۔

قرائن تورات تورات میں حضرت ابراہیمؑ کا جب پہلی بار ظہور ہوتا ہے تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ عراق سے مصر تک کی زمینوں میں سفر کرتے ہوئے ملتے ہیں اور اپنی بیوی سارا کو جو رشتہ کی بہن بھی تھیں، اپنی بہن ظاہر کرتے ہیں اور فرعون مصر قرابت کی درخواست کرتا ہے، لیکن جب اصل واقعہ ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ خود اپنی بیٹی "ہاجرہ" کو کنیزگی میں پیش کرتا ہے[2]، کیا ان واقعات سے نسبی تعلق کا اشارہ نہیں ملتا؟

ڈیڑھ سو برس کے بعد اتفاقاً حضرت یوسفؑ مصر تشریف لے جاتے ہیں اور باوجود اس کے کہ ان کا عبرانی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور اہل مصر عبرانیوں کو ذلیل جانتے ہیں اور انکے ساتھ کھانا عار

---

[1] "ی" اور "س" جو سلاطیس کے آخری اجزاء ہیں مذکر نام کے آخر میں یونانی اور لیٹن میں زائد کر دئے جاتے ہیں۔

[2] یہ واقعہ کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں، تورات میں نہیں مگر یہودی روایات میں موجود ہے اور ان کا مصری ہونا تکوین میں بھی مسلم ہے۔

سمجھتے ہیں[۱]، فرعون مصر یوسف کی عزت کرتا ہے، ان کو اپنا نائب السلطنت مقرر کرتا ہے[۲]، یوسف کے پدر بزرگوار حضرت یعقوبؑ اور ان کے خاندان کے مصر آنے پر فرعون اور ارکان سلطنت خوشی کا اظہار کرتے ہیں[۳] اور ان کے مرنے سے نہایت رنجیدہ ہوتے ہیں[۴] اور سب سے عجیب یہ کہ حضرت یوسفؑ اپنے خاندان کو تاکید کرتے ہیں، کہ فرعون اگر پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو یہ جواب دینا کہ ''ہم چرواہے ہیں! اور چوبانی ہمارا آبائی پیشہ[۵] ہے''، پھر خود تورات کا یہ عجیب تر بیان کہ ''مصری ہر چوبان سے نفرت رکھتے تھے[۶]'' اور یقیناً یہ سیاسی نفرت تھی، ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چرواہے بادشاہوں کا وجود تاریخی ہے اور حضرت یوسفؑ اور بنی اسرائیل کا قیام ان ہی عرب سامیہ یا چرواہے بادشاہوں کے عہد میں ہوا، جیسا کہ مورخین عرب کا بھی بیان ہے اور یہ بھی اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان عبرانی اور مصر کے خاص شاہی خاندانوں میں ضرور کوئی خاص قومی تعلق تھا، جس کا اظہار کنایۃً حضرت یوسفؑ باوجود اس علم کے کہ مصری ہر چوبان سے نفرت رکھتے ہیں، چوبانی کے ذریعہ سے کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ جیسا کہ اوپر گذر چکا اہل مصر اس بدوی حکمراں خاندان کو تحقیراً ''شاشو'' یعنی چوبان کہتے تھے۔

چند صدیوں کے بعد بنی اسرائیل کا مصر میں مبتلائے مصائب ہونا، ہمارے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب اہل مصر یعنی بنو حام نے سابق حکمراں خاندان یعنی بنو سام کو مصر سے نکال دیا اور ان کی حکومت کا مصر میں خاتمہ ہو گیا تو بنو اسرائیل جو بنو سام کی ایک شاخ تھے اور بعہد حکومت سابقہ مصر میں نہایت طاقتور ہو گئے تھے، ان کو سیاسی وجود سے کمزور کر دینا چاہا، تورات میں اس موقع پر حسب ذیل عبارت ہے:

> لیکن اسرائیل کی اولاد برومند ہوئی اور بہت بڑھی اور فراوان ہوئی اور بہت زور پیدا کیا اور وہ زمین ان سے معمور ہوئی، تب مصر میں ایک نیا بادشاہ جو یوسفؑ کو نہ جانتا تھا پیدا ہوا اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا، دیکھو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں اور ہم انکے ساتھ دانشمندانہ تدبیر کریں تا نہ ہوئے کہ جب وے اور زیادہ ہوں اور جنگ پڑے تو ہمارے دشمنوں سے مل جائیں اور ہم سے لڑیں اور ہم کو نکال دیں[۷]۔

---

۱ تورات تکوین باب ۴۳-۳۲ ۲ تورات تکوین باب ۴۰-۴۱-۴۲ ۳ تورات تکوین باب ۴۵-۱۶
۴ تورات تکوین باب ۵۰-۳-۱۱ ۵ تورات تکوین باب ۴۶-۳۲ نیز باب ۴۷-۳ ۶ تورات تکوین باب ۴۶-۳۴ ۷ سفر خروج باب اوّل ۷-۸-۹-۱۰-۱۱

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کا معاملہ بالکل سیاسی تھا۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ فرعون حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی نسبت کہتا ہے۔

اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ (سورۂ طٰہٰ ۲۰: ۶۳)	یقیناً یہ دونوں جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں۔

توراۃ کے اس فقرہ کا کہ ”تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہ جانتا تھا، ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ ”تب ایک نئی بادشاہی قائم ہوئی جو بنی اسرائیل سے جو سابق سامی حکومت کی ایک شاخ تھی، نفرت رکھتی تھی۔

ہمارے خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ نے عرب سامیہ کی حکومت مصر کی جو مدت قرار دی ہے، یہ تقریباً وہی ہے جو ابراہیمؑ سے لے کر (جو ابتدائے حکومت کا زمانہ ہم فرض کرتے ہیں) حضرت موسیٰؑ سے کچھ پہلے تک (جو اختتام کا زمانہ ہے) تورات نے قرار دی ہے، یعنی تقریباً ۵۲۵ برس کیوں کہ بنی اسرائیل کی سکونت مصر کا زمانہ، جو حضرت یوسفؑ سے حضرت موسیٰؑ تک ممتد ہے، توراۃ نے ۴۳۰ بتایا ہے[1] اس پر حضرت ابراہیمؑ سے حضرت یوسفؑ تک کا زمانہ اور اضافہ کرو، یہ چار پشتیں ہیں جن کے لئے ۱۰۰ برس فرض کیا جا سکتا ہے، مجموعہ ۵۳۰ ہوتا ہے اور مانیتو نے اس کو حکومت کا زمانہ ۵۱۱ بتایا ہے، چند سال جو تورات میں فاضل ہیں، یہ وہ ہیں کہ دوسری وطنی حکومت مصر میں قائم ہوئی، جس کے چند سالہ مظالم سہہ کر بنی اسرائیل مصر سے نکلے۔

بنی اسرائیل اور عرب سامیہ کے باہمی تعلق مصر کا نہ صرف تورات کے ان فقروں سے ثبوت ملتا ہے بلکہ مصر اور عرب دونوں کی تاریخوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، یعقوبی کی عبارت ہم نے پہلے بھی نقل کی ہے اور پھر نقل کرتے ہیں:

ثم ملك بعده ملك آخر من العمالقة يقال له الريان بن الوليد وهو فرعون يوسف ...ثم ملك فرعون موسى وهو الوليد ابن المصعب[2]	اس کے بعد عمالقہ میں سے ایک اور بادشاہ ہوا جس کا نام ریان بن ولید تھا، وہ حضرت یوسفؑ کا فرعون ہے، پھر حضرت موسیٰؑ کا فرعون بادشاہ ہوا جس کا نام ولید ابن مصعب ہے۔

لیکن ایک بڑی غلطی ان روایات میں یہ ہے کہ فرعون موسیٰ کو بھی عمالیق میں شمار کیا گیا ہے،

---

[1] خروج ۱۲۔۴۰ [2] تاریخ یعقوبی جلد ا صفحہ ۲۱۱، لیڈن

حالانکہ حضرت موسیٰ سے پہلے ہی ان کا اخراج ہو چکا تھا۔

ادھر تو یہ خلط مبحث ہے، ادھر مانیتھو کے ہاں تاریخ مصر میں دوسرا خلط مبحث ہے، وہ عربوں کو اور بنی اسرائیل کو گویا ایک ہی سمجھتا ہے اور ظاہر ہے کہ باہر کا آدمی ایک قبیلہ کے باہمی خاندانوں کے فصل و وصل کو کیا جانتا ہے؟ ہندوستان میں تمام یورپین انگریز ہیں، یورپ میں ترک ہر مسلمان کا نام ہے، اسپین میں عرب اور مسلمان ایک تھے، مانیتھو کہتا ہے:

> مصر کے بادشاہ...... نے ان چرواہوں کو مفتوح کرلیا اور درحقیقت ان کو مصر کے اطراف سے نکال دیا، لیکن وہ اوارس نام ایک زمین میں نظر بند کردئے گئے جس کی وسعت دس ہزار ایکڑ تھی..... پھر اس شرط پر کہ وہ مصر چھوڑ دیں گے، رہا کردئے گئے..... اور انھوں نے اپنا راستہ صحرا کی طرف شام کا لیا اور چونکہ وہ اسیریا سے ڈرتے تھے اس لئے اس ملک میں جس کو یہودیہ کہتے ہیں..... ایک شہر بنالیا، جس کو یروشلیم کہتے ہیں[1]۔

مانیتھو نے یہاں متعدد غلطیاں کی ہیں، اولاً دو واقعوں کو باہم ملایا، عرب سامیہ کی جلاوطنی اور بنی اسرائیل کی قید، دونوں کو ایک ہی خاندان سے متعلق سمجھا، ثانیاً یہ کہ بنی اسرائیل عمالیق سے خوف زدہ تھے، نہ کہ اسیریا سے، سوم یہ کہ بنی اسرائیل نے دریا کا راستہ اختیار کیا تھا، نہ کہ صحرا کا۔

توراۃ کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امم سامیہ میں سے عربوں کے تعلقات مصر کے ساتھ سب سے زیادہ تھے، اسماعیلی عربوں کی ماں "ہاجرہ، مصر کی تھیں[2]، خود حضرت اسماعیلؑ کی ماں کے سوا بیوی بھی مصریہ تھیں[3]، عربوں کے قافلے برابر مصر کو آتے جاتے تھے[4]، خود حضرت یوسفؑ کو دربار مصر تک جس نے پہنچایا[5]، وہ عرب ہی تھے۔ حضرت یوسفؑ کے عہد میں جب مصر اور اس کے آس پاس کے ملکوں میں قحط پڑا، تو یمن سے جو عام روایت کے رو سے عاد و عمالیق کا وطن تھا، یہاں کی شاہزادی نے مصر سے غلہ طلب کیا تھا، یہ واقعہ اس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کو مسلمان علمائے آثار نے ابتدائی صدی میں یمن میں پایا تھا[6]۔

اس کتبہ سے نہ صرف توراۃ کے اس فقرہ کی تائید ہوتی ہے کہ "تمام زمین میں قحط پڑا، بلکہ ان عربوں میں جو یمن میں تھے اور ان سامی عربوں میں جو اس وقت چرواہے بادشاہوں کے نام سے

---

[1] AGAINST BOOK SECT 14 [2] تکوین ۱۶۔۱۳ [3] تکوین ۲۱۔۲۱ [4] تکوین ۳۷۔۲۶
[5] تکوین ۳۷۔۲۹ [6] ابن ہشام، اس کتبہ کی اصل عبارت کو ہمدانی نے اکلیل میں نقل کیا ہے، حمیری عبارت کا عربی ترجمہ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔

مصر میں تھے، باہم تعلقات کا اظہار ہوتا ہے۔

تحقیقات جدیدہ: ماتیو نے جو کچھ لکھا ہے ایجپٹیالوجسٹ (عالم مصریات یعنی آثار مصریہ کے ماہرین) اس پر کچھ اضافہ نہیں کرتے، وہ صرف اس کی شرح کرتے ہیں، آثار سے ثابت کرتے ہیں..... کہ ہیک سوس سامی عرب تھے، بعض اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود مصری اصلاً شاید سامی عرب ہیں[1]۔

"ہائیک سوس" کے عرب ہونے کی نسبت سب سے پہلی شہادت ایک مستند جرمن مورخ ہیرن کی پیش کرتے ہیں، مورخ موصوف لکھتا ہے:

> "اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف جہات سے مصر میں یہ قبائل حملہ آور تھے لیکن وہ جو مشرق سے آئے تھے، یعنی عرب سب سے زیادہ زبردست تھے یہ مصر زیرین تک دوڑ پڑے[2]"

آگے چل کر لکھتا ہے:

> "ان کی لمبی ڈاڑھی، لمبے کپڑے ہر چیز ان کے عرب ہونے کو ظاہر کرتی ہے[3]"

جارج رالنسن (G.Rawlinson) جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ قدیم کا پروفیسر تھا اور مصر کی تاریخ قدیم کا مصنف ہے، لکھتا ہے:

> مصر جو پانچ سلطنتوں میں بٹ گیا تھا اس کے ضعف نے شمالی مشرق سے باہر کے حملہ آوروں کو طمع دلایا، ۲۰۸۰ ق م میں یا اس کے کسی قدر بعد ایک طاقت ور دشمن شمال مشرق سے مصر زیرین میں داخل ہو گیا، یو مقط کی حکومت کے برباد کرنے اور ملک کے حصہ زیرین واقع طول البلد ۲۹، ۳۰ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا، یہ حملہ آور ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھے جو شام یا عرب کے صحرانورد اور بدوی لوگ تھے[4]۔

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے:

> مصریوں کے دوسرے دشمن اس جانب میں شاشوش تھے، جو شاید ہیک سوس ہیں اور بظاہر عرب معلوم ہوتے ہیں[5]۔

ایک جرمن فاضل بروگش ہنرخ (Brugsch Heinrich) نے مصر کی تاریخ صرف کتبات

[1] تاریخ قدیم مصر مصنفہ جی، رالنسن ج ۱ ص ۹۸ [2] ج ۲ ص ۱۱۳ [3] ج ۲ ص ۱۱۸ [4] ج ۱ ص ۶۶ [5] ج ۱ ص ۱۱۱

وآثار کی بنا پر لکھی ہے، اس کی کتاب کا ترجمہ انگریزی میں ہوگیا ہے، تاریخ مذکور میں فاضل موصوف کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہائیک سوس یقیناً سامی تھے، مصر کی زبان میں قدیم ''ہائیک بادشاہ اور سوس، چوبان اور اہل بادیہ کو کہتے ہیں[1]، اہل عرب کی اس روایت کو بھی اس نے تائید انقل کیا ہے کہ شداد بن عاد نے مصر پر حملہ کیا تھا[2]''

برٹش میوزیم لندن میں جو مجموعات مصریہ (Egyptian Collections) ہیں ۱۹۰۹ء میں ایک ان کا دلیل نامہ (Guide) لکھا گیا ہے، جو معلومات تازہ کا خلاصہ ہے ہائیک سوس کے متعلق اس میں حسب ذیل تحقیق ہے[3]:

> تیرھویں خاندان حکومت کے زوال کے بعد نسبتاً فوراہی مصر زیرین (زلنا) اور شمالی اطراف مصر پر متحدہ سامی بدوی قبائل نے آہستہ آہستہ قبضہ کرلیا، جن کے سرداروں کا نام بہ روایت یوسیفوس (المتوفی ۱۰۰ء) ''ہائیک سوس'' یا چرواہے بادشاہ تھا لفظ ''ہائیک سوس'' دو مصری لفظوں سے ماخوذ ہے ''ہیکو'' اور ''شاشو'' یعنی ''شیخ'' یا حاکم قبائل بادیہ صحرائے مشرق وشام وغیرہ۔

W.Cooktoy ایک انگریز مورخ جو ایک چھوٹی سی لیکن مستند تاریخ کے مصنف ہیں فاتح عربوں کی شجاعانہ قوت سے برہم ہوکر لکھتے ہیں[4]:

> زمین عرب، جہاں کے بادیہ نشین قبائل جو تاریخ کے قدیم ترین عہد سے گلہ بان اور غارت گر ہیں اور اب تک ہمارے زمانہ تک بھی وہ ایسے ہی ہیں، ان مصر میں داخل ہونے والی قوموں کی ماں تھی، جنھوں نے نہایت سختی سے قدیم مصریوں کو ستایا...ان کا نام ''ہائیک سوس'' تھا، یا چرواہے بادشاہ۔

اس عصر جدید میں مسلمان مورخین میں عمالقہ یا ''عرب سامیہ'' اور ''ہائیک سوس'' کے ایک ہونے کا خیال سب سے پہلے ایک مصری مسلمان عالم، علامہ رفاعہ بک طہطاوی کو پیدا ہوا، جن کی ذات مصر کے دور انقلاب علمی کا پہلا نتیجہ اور معلومات مغربی ومشرقی کے پیوند کا پہلا ثمر تھا، ان کی تاریخ مصر بنام ''انوار توفیق الجلیل'' ۱۲۸۵ھ میں آج سے تقریباً پچاس برس پہلے شائع ہوئی ہے، اس میں اس موقع کی عبارت یہ ہے:

---

1. تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی، رالنسن ج۱ ص۲۴۷-۲۷۴
2. تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی، رالنسن ج۱ ص۲۶۶
3. تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی، رالنسن ج۱ ص۲۳۴
4. تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی، رالنسن ج۱ ص۲

ودولتهم تسمى دولة الهقصوص واشتهر وابالتواريخ باسم الملوك الرعاة وفى كتب التواريخ الاسلامية يقال لهم العمالقة[1]

ان کی سلطنت کا نام ہکسوس کی سلطنت ہے، یہ بادشاہ چرواہے بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں، اسلامی تاریخوں میں ان کا نام عمالقہ ہے۔

جمہور کی اس آواز متفق میں کہ "ہائیک سوس" سامی عرب تھے کبھی کبھی ایک دھیمی آواز بھی سنائی دیتی ہے کہ وہ تورانی یا منگولین تھے، آج سے ۸۰ برس پیشتر مسٹر روسی لن (Roselin) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا، اس مدعی کے پاس اس دعویٰ کی صرف یہ دلیل ہے کہ سوائس (Scios) جو "ہیک سوس" کا جز ہے اور ایک تورانی قوم کے یونانی نام سیتھینس (Scythens) میں بعض حروف کی تمسخر انگیز لفظی مناسبت ہے، جرمن عالم ہیرن نے اس کی تردید میں کہا ہے:

> ہائیک سوس جو مصر کے ایک بڑے حصہ پر مصر کے ۱۶۔اور ۱۷ خاندان حکومت میں بعض ہو گئے تھے، مسٹر روسی لن کا اور میرا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بادیہ نشین تھے، کیوں کہ آثار میں جو ان کی تصویر دکھائی گئی ہے وہ گلوں اور چوپایوں کے جھنڈ کے ساتھ ہے اس سے سب نے یہ طبعی طور پر سمجھا ہے کہ وہ حدود مصر کے بدوی قبائل تھے۔
>
> میں یقین کرتا ہوں کہ ان میں عرب قوم کو میں اپنے مخصوص خصوصیات میں داڑھی، لمبے کپڑے اور کھلے رنگ میں پاتا ہوں اور جو ایک ایسی رائے ہے جس کی قوت کے ساتھ شہادت (خود ناقل روایت) یوسیفوس نے دی ہے، مسٹر روسی لن ان کو سیتھینس فرض کرتے ہیں، سیتھینس سے مقصود شاید ایشیائے وسطی کے تورانی بدوی قبائل ہیں، لیکن ان کے ذکر کردہ بیان سے...... علاوہ ازیں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو یہ دکھا سکے کہ ان قبائل نے اس قدر بعید زمانہ میں کوئی مہم بہ غرض فتح اس قدر بعید فاصلہ کے لئے اختیار کی ہو۔
>
> مسٹر روسی لن کی دلیل صرف لفظی تشریح پر مبنی ہے، جس کی بنا پر ان کو نظر آتا ہے کہ مصری نام سائس (Scios) سیتھینس (Scythens) ہے، جس کے معنی برباد کنندہ کے ہیں، میں اس مسئلہ کے اندر پڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا، لیکن میں اپنے اعتراف و بیان میں کچھ ترمیم نہیں کر سکتا۔[2]

[1] انوار توفیق الجلیل فی اخبار مصر ج اص ۵۸ مصر ۱۲۵۸ھ [2] جلد ۲ ص ۴۵۰

پچاس ساٹھ برس کے عرصہ میں اس دھیمی آواز میں اور بھی ضعف آ گیا ہے، آج سے دس بارہ برس پہلے ایک کتاب لکھی گئی، جس میں یہ تسلیم ہے کہ تنہا تورانی نہ تھے بلکہ سامی عرب بھی اس میں شریک تھے۔

> اس میں معتدبہ حد تک شک ہے کہ ہائیک سوس کس قومیت سے تعلق رکھتے تھے، وہ بعض صرف کنعانی، عرب اور دوسرے سامی قبائل سمجھے گئے ہیں، لیکن حتی (ایک تورانی قبیلہ) بھی ان کے ساتھ شریک معلوم ہوتے ہیں اور ان کے لیڈر تورانی معلوم ہوتے ہیں، اس فیصلہ کی بنا پر کہ آخری سلاطین ہیک سوس کے جو دو مجسمے ابھی حال میں ملے ہیں وہ بالکل تورانی شکل کے ہیں[1]۔

بعض اشخاص کی مشابہت شکل سے بغیر کسی تاریخی اور اثری دلیل کے قومیت کا فیصلہ عجیب ہے اور اسی لئے یہ آواز ہمیشہ بالکل غیر مسموع رہی ہے۔ تازہ ترین خیال جو برٹش میوزیم اجپشین گائڈ (دلیل نامہ آثار مصریہ اور انسائیکلو پیڈیا طبع یازدہم) مضمون (ایجپٹ) کو پڑھ کر متفقاً تسلیم شدہ نظر آتا ہے، یہی ہے کہ ہیک سوس ''متحدہ سامی'' تھے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہیک سوس کے عرب ہونے پر اس قدر پیہم دلائل موجود ہیں جن کا استخفاف، تحکم ہے، تم ان پر ایک بار اور مجموعاً نظر ڈال لو۔

۱۔ عربوں کا بیان کہ انھوں نے زمانہ قدیم میں مصر پر حکومت کی۔

۲۔ قدیم اہل مصر کا اعتراف کہ عرب یہاں حاکمانہ داخل ہوئے۔

۳۔ ہیک سوس کے بادشاہ اول کے نام کا عرب کے ذکر کردہ فاتح مصر سے مطابقت معنوی ولفظی۔

۴۔ سلاطین ہیک سوس کے نام کا عربی اللفظ یا سامی الماخذ ہونا۔

۵۔ آثار میں ان کے مجسمہ کا عربی شکل ولباس میں ہونا۔

۶۔ عرب و مصر کے قدیم تعلقات۔

۷۔ ہیک سوس کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان کا بعینہٖ عربوں میں موجود ہونا۔

۸۔ توراۃ کے قرائن واشارات۔

---

[1] سموال لے ٹانگ صفحہ ۱۷۔۱۹

۹۔ علمائے آثار کی تائید۔

۱۰۔ یوسیفوس وغیرہ کے قدیم بیانات کی بنا پر اکثر یورپین مورخین کا ان کے عرب ہونے کی تصدیق کرنا۔

۱۱۔ ان تمام مباحث و مطارحات کے بعد سب سے آخری قطعی اور فیصلہ کن شہادت خود اس قوم کی نقل کرتے ہیں جس نے شاسو کو اپنے ملک سے نکالا کہ وہ خود شاسو کو کیا سمجھتے تھے؟ مصر کا قدیم بادشاہ رعمسیس سویم اپنے ایک کتبہ میں اپنی ایک فتح کی نسبت لکھتا ہے:

میں نے ساعیر کو جو "شاسو کے قبائل میں ہیں برباد کر دیا۔"

ساعیر سے مقصود اہل ساعیر ہیں، جو شمالی عرب میں ایک کوہستانی مقام ہے اور جہاں ادومی عربوں نے ایک حکومت قائم کی تھی، تورات میں کوہ سعیر کا نہایت کثرت سے ذکر ہے۔

عرب سامیہ

اسیریا، ایران، فینقیہ، قرطاجنہ، کریٹ اور یونان میں۔

عرب سامیہ اولیٰ کا ان ممالک میں گذر یا یہاں کسی حکومت کی تاسیس ایک تعجب انگیز واقعہ ہے، لیکن غیر معقول نہیں، ۱۲۰۰ ق م میں بابل کی جگہ اسی ملک میں اسیریا کی حکومت قائم ہوئی۔ ایران اس وقت تک کوئی مستقل ملک نہ تھا، اسیریا اور بابل کا ایک جز تھا، فینقی (فینشین) شام و فلسطین کے سواحل بحرابیض پر آباد تھے، تورات میں ان کو آرامی کہا گیا ہے، یہ دنیا کی سب سے پہلی تاجر اور ایشیا سے یورپ کا سفر کرنے والی قوم سمجھی جاتی ہے اور یہی قوم ہے جس نے قدیم یورپ میں تہذیب کی روشنی پیدا کی۔ اس نے ایک طرف افریقہ کی زمین شور میں کارتھیج تمدن کی تخم ریزی کی اور دوسری طرف یورپ کے برفستان (یونان) میں تہذیب و تمدن کی آگ روشن کی۔

ان مباحث کی نسبت تفصیلاً بحث و اثبات تو طول کلام ہے، چند مستند کتابوں کے حوالہ سے ضروری نتائج پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

اسیریا اسیریا کے متعلق سب سے آخری بحث میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سامی قوم تھی[1] اور یہ معلوم ہے کہ وہ خلیج فارس کے سواحل عرب سے ٹھیک اسی راستہ سے بابل آئی تھی[2]، جس راستہ سے اس سے پہلے عاد یا امم سامیہ اولیٰ کا ادھر گذر ہوا تھا، اس بنا پر حقیقت میں اسیرین نسلاً عرب تھے اور اسیریا کی اثری تاریخوں میں اس کے دلائل ہر جگہ ملیں گے۔

ایران ایران کی قدیم روایات میں مذکور ہے کہ جمشید کے بعد ضحاک نامی ایک عرب نے (خاندان ضحاک سمجھنا چاہئے) ہزار برس تک ایران پر حکومت کی[3]۔

ہمارے مورخین کہتے ہیں کہ ضحاک یمن کے ایک بادشاہ کا نام تھا[4]، لیکن تاریخی اور اثری طور پر اس زمانہ قدیم میں یمن کا براہ راست ایران پر حملہ اور حکومت معلوم نہیں، اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ یمن سے سواحل خلیج عرب سے ہو کر اسیریا میں جو عرب خاندان حکمراں تھا، وہ ایران پر حملہ آور ہوا اور ایک مدت تک اس پر حکومت کی، ایران کا بابل و اسیریا کی محکومی میں میڈیا کے عروج (۶۰۰ ق م)

---

[1] سائنٹیفک ریویو امریکہ جلد ۶ ۱۹۱۴ء [2] راجرس امریکانی کی تاریخ بابل جلد ۲ تذکرۂ اسیریا [3] فردوسی ذکر ضحاک تازی [4] تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۹۸ مصر

تک رہنا اب ایک مسلم واقعہ سمجھا جاتا ہے۔

اسیریا کا دورِ وجود ۱۸۰۰ ق م اور زمانۂ عروج ۱۲۰۰ ق م سے ۶۰۰ ق م تک ہے۔

فینیقیہ فینیقی سواحل بحر ابیض پر آباد تھے، تائر ان کے دار الحکومت کا نام تھا اور ایشیا سے لے کر یورپ تک تجارت قدیم کے مالک تھے، عبرانی نام ان کا آرامی ہے، عادارم کے ذکر میں معلوم ہو چکا ہے کہ بنوارم کا مسکن عرب تھا، یہ تو اہل عرب کا دعویٰ ہے، لیکن خود ان آرامیوں کا بیان ہے کہ وہ اس مقام پر بحرین کے پاس سے آئے ہیں جو عرب کا ایک ساحلی قطعہ ہے اور جس کا پہلا نام تائر تھا۔ آثار کے رو سے بھی یہ تصدیق ہوتی ہے کہ ان کی زبان، مذہب اور رسوم تمام تر سامی ہیں[1]، اس بنا پر اہل فینشیا کے تمام تر کارنامے اہل عرب کی طرف راجع ہوتے ہیں[2]۔

قرطاجنہ جہاں اب تونس آباد ہے، ان ہی فینشین یا آرامی عربوں کی آبادی تھی جس کو عام طور سے اب کارتھیج کہتے ہیں، ان آرامی عربوں نے یہاں ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد ڈالی جس سے روما الکبریٰ کی حکومت بھی لرز گئی، ہیبال وغیرہ اسی خاک کے فرزند تھے، رومیوں سے متعدد معرکے ہوئے اور آخر ان ہی کے ہاتھ سے اسی سنہ میں برباد ہو گئے۔

یونان و کریٹ یورپ کا سب سے پہلا متمدن ملک یونان ہے اور یونان کا تمام تر تمدن و علوم و خط فینشیا سے ماخوذ ہے اور یہیں سے اس کی ترقی کا باب شروع ہوتا ہے، اس واقعہ سے اس مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے کہ عربی اور یونانی میں کیوں لوازم اور اشیائے تجارت کے بہت سے نام مشترک ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ یہ مسئلہ ہے کہ عربوں کی براہ راست آبادی یورپ کے شہر یونان و کریٹ میں تھی، پلینی ایک یونانی جغرافیہ نویس اہل معین واقع یمن کے ذکر میں لکھتا ہے کہ ''معین کے لوگ اپنے کو مینوس شاہ کے خاندان سے بتاتے ہیں''۔ ایک دوسرا یونانی مصنف اسٹرابو جزیرہ یوبیا (مملکت یونانی کا ایک جزیرہ) کے قدیم باشندوں کی نسبت لکھتا ہے کہ یہاں پہلی آبادی ایک ''عرب'' نوآبادی تھی جو قیدموس کے ساتھ یونان میں تھی[3]۔

ہم ان فقروں کا ماحصل اتنا سمجھتے ہیں کہ عرب تاجر قدیم زمانہ میں یونان تک پہنچ چکے تھے اور وہاں اپنی کوئی تجارتی نوآبادی بھی قائم کر لی تھی۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۱ ص ۶۸ مصر [2] ان بیانات کے لئے دیکھو سموال لے انگ ص ۷ [3] پلینی اور اسٹرابو کے لئے دیکھو فارسٹر جلد ۲ صفحہ ۷۵-۷۷

عاد اور قرآن

گذشتہ صفحات پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا ہوگا کہ عاد کوئی محدود اور مختصر قبیلہ نہ تھا، بلکہ وہ ایک عظیم الشان قوم تھی، جو دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی۔ ایشیا اور افریقہ کا کثیر حصہ اس کے زور وقوت کا تماشا گاہ تھا، بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں اس کے دست صنعت کا نتیجہ تھیں، اس بنا پر عرب کے لئے اس قوم سے زیادہ عبرت وبصیرت کا کوئی دوسرا نمونہ نہ تھا، اسی لئے قرآن مجید نے عرب کی اس عظیم الشان قوم کی داستان بار بار دہرائی ہے۔

اب تک تاریخ قدیم اور تحقیقات جدیدہ کے رو سے اس قوم کے حالات کا جو مرقع پیش کیا گیا ہے، اب آؤ دیکھیں کہ قرآن کی تصویر کیا اس سے الگ ہے:

۱۔ معلوم ہو چکا کہ عاد ارم بن سام کی نسل سے تھے، قرآن بھی یہی کہتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ (الفجر ۸:۶)

تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے اس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا، جو بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے جن کی نظیر دنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔

بعض داستان گو مفسرین نے ''ارم'' سے ایک عجیب الخلقت باغ مراد لیا ہے جس میں سونے چاندی کی اینٹیں تھیں اور لعل وگوہر کی پچہ کاری تھی، عاد کے بادشاہ شداد نے اس کو بہشت کے مقابلہ میں بنوایا تھا، لیکن یہ دانشمند یہ نہ سمجھے کہ اس حالت میں عاد اور ارم میں باہمی نحوی تعلق کیا ہوگا؟ مشہور قراۃ میں یہ بدل مبدل منہ ہیں، شاید مضاف ومضاف الیہ کی ترکیب قرار دیتے ہوں، لیکن اس حالت میں قراۃ شاذہ کے لزوم کے علاوہ قافیہ جس کا نظم قرآن مقتضی ہے باطل ہوتا ہے۔ ابن خلدون نے اس موضوع پر ایک محقق بحث مقدمہ میں لکھی ہے، اس موقع پر وہ قابل مطالعہ ہے۔

۲۔ ہم نے دعویٰ کیا ہے کہ عاد امم سامیہ کے ہم معنی یا تقریباً ہم معنی ہیں، نیز یہ کہ وہ ایک عظیم الشان حکمراں قوم تھی، قرآن پاک باعلان عام اس کی تصدیق کرتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (اعراف ۷:۶۹)

عاد کے لوگ یاد کرو، خدا کے اس احسان کو کہ اس نے قوم نوں کی تباہی کے بعد تم کو خلافت (حکومت) عطا کی۔

قوم نوح کے بعد عرب اور اطراف عرب میں معلوم ہے کہ نوح کے بیٹے سام ہی کی نسل (امم سامیہ) نے ترقی کی تھی۔

۳۔ عاد کی عظمت و جلالت اور تفوق سیاسی کے مفصل بیانات گذر چکے ہیں، ان کو دعویٰ تھا کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم السجدہ ۱۵:۴۱) ''ہم سے بڑا اور دئے زمین پر آج کون ہے؟'' ان کے پیغمبر نے کہا وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّىْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (ھود ۱۱:۵۷) ''عجب نہیں کہ خدا اپنی خلافت تم سے لے کر کسی دوسری قوم کو عطا کر دے''۔

۴۔ عاد بڑی عمارتوں کے بانی تھے، قرآن مجید نے اس واقعہ کو متعدد مقامات پر دہرایا ہے، اور اسی لئے وہ اس قوم کو ''ذَاتِ الْعِمَادِ '' (ستونوں والے) کا خطاب دیتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ۝ (الفجر ۸۹:۸۶)

تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا، جو بڑی بڑی عمارتوں والا تھا، جس کی نظیر دنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔

دوسری جگہ حضرت ہودؑ کی زبانی ارشاد ہے:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ (شعراء ۲۶:۱۲۹-۱۲۸)

اے عاد والو! تم ہر بلند مقام پر بے فائدہ یادگار اور کاریگری کے مکان بناتے ہو، شاید تم دنیا میں ہمیشہ رہو گے۔

ان ہی عمارات باقیہ کی طرف خطاب کر کے قرآن کہتا ہے:

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ (عنکبوت ۲۹-۳۸)

اور عاد و ثمود کو ہلاک کیا اور ان کے گھروں کے کچھ حصے تمہارے سامنے ہیں۔

دوسری جگہ کہتا ہے:

فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ (الاحقاف ۴۶:۲۵)

عاد کا یہ حال ہوا کہ ان کے مکانوں کے سوا اب کچھ نظر نہیں آتا۔

عاد کا مقام عام روایات میں یمن بتایا گیا ہے، امم سامیہ کے مسکن کے بیان میں کسی خاص مقام کی تعیین نہیں کی گئی ہے، صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود کیا گیا ہے، لیکن قرآن نے ایک موقع پر کہا ہے:

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (الاحقاف ۴۶: ۲۱)
برادر عاد کو یاد کرو جب احقاف میں اس نے اپنی قوم کو ڈرایا۔

"احقاف" صحرائے ریگستان کو کہتے ہیں، یہ صحرا جنوبی اور شمالی عرب میں دونوں طرف واقع ہے اس بنا پر پیغمبر عاد کے مقام بعثت کو جنوبی صحرا (یمن) کے ساتھ تخصیص کا کوئی سبب نہیں ہے۔

قوموں کی ملکی محرومی اور سیاسی بدبختی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے اخلاق وصفات عالیہ کا پایہ کس حد تک پست ہو گیا ہے، عاد کے سیاسی تفوق و امتیاز کا دیگر ممالک میں گر جانا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس حد تک گر چکے تھے کہ جہاں پہنچ کر خدا کا غضب قوموں پر بھڑکتا ہے اور ان کو نیست و نابود کر دیتا ہے، بابل، اسیریا، فنیشیا، قرطاجنہ، یونان، رومان، فارس قدیم سب اسی کلیہ کے جزئیات ہیں: (سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝) (الاحزاب ۳۳: ۶۲) خدا کا قانون گزشتہ قوموں میں بھی یہی تھا اور خدا کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

ایسے موقع پر خدا کا یہ قانون بھی ہے کہ قوم میں وہ کسی روحانی مصلح اعظم یعنی خود پیغمبر یا نائب پیغمبر (علماء و مصلحین) کو پیدا کرتا ہے، جو قوم کو عبرت دلاتا ہے، اس کے عیوب و مفاسد کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اس کو صلاح و ہدیٰ کی دعوت دیتا ہے، (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝) (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۵) اور ہم کسی قوم کو اس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتے ہیں جب تک اس میں پیغمبر نہ بھیج لیں۔

لیکن تمام قوموں کی پچھلی تاریخ شاہد ہے کہ کبھی بدبختی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ایک جماعت قلیل کے سوا، عموماً اس کی آواز ہر طبقہ میں غیر مسموع ہوتی ہے اور جو سنتے ہیں وہ سمجھتے نہیں اور جو سمجھتے ہیں وہ عامل نہیں اور نتائج صرف عمل پر موقوف ہیں، اس وقت خدا کا غضب تلوار بن کر چمک کر، آسمان سے گرج کر، یا زمین سے پھٹ کر ظاہر ہوتا ہے اور دوسری قوم کے لئے پہلی قوم کی جگہ صاف کر دیتا ہے۔

بعثت ہودؑ اب وہ وقت آ گیا کہ اس عظیم الشان اور عظیم الجبروت قوم کو جس نے اپنے زور قوت سے دنیا کو ہلا دیا تھا، آخری دعوت دی جائے، آخر ان ہی میں ہودؑ مبعوث ہوئے جنھوں نے ان کو خدا کی

آواز سنائی، پیغمبر نے کہا

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (الاعراف ۷:۶۵-۶۹)

اے میری قوم! خدا کو پوج، اس کے سوا تیرے لئے کوئی دوسرا خدا نہیں، کیا ڈرتی نہیں اس کی قوم کا وہ بلند طبقہ جو کافر تھا، بولا اے ہود! ہم تم کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور تم کو جھوٹ بولنے والوں میں پاتے ہیں، ہود نے کہا اے میری قوم! مجھ میں حماقت نہیں، ہاں میں پروردگار عالم کی طرف سے رسول ہوں، اپنے پروردگار کے پیغام تم کو پہنچاتا ہوں اور میں در حقیقت تمہارا خالص خیرخواہ ہوں کیا تم کو تعجب ہوا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت تم میں سے ایک شخص پر اتری، تاکہ تم کو متنبہ کرے۔ یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اس نے تم کو قوم نوح کے بعد خلافت (حکومت دی) اور تم کو خلق میں وسعت عطا کی، خدا کی نعمتوں کو یاد کرو کہ فلاح پاؤ۔

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ۝ (الاعراف ۷۰-۷۱)

کافروں نے جواب دیا: "کیا تو اس لئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم ایک خدا کو پوجیں اور جن کو ہمارے بزرگ پوجتے تھے، ان کو چھوڑ دیں جس عذاب کا تم وعدہ کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو لے آؤ۔" پیغمبر نے کہا: "تمہارے پروردگار کا عذاب و غضب تم پر آ گیا، کیا تم مجھ سے ان چند ناموں میں جھگڑتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لیا ہے، خدا نے اس کے لئے کوئی دلیل نہیں اتاری، عذاب کا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں"۔

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝ (حم السجدہ ۴۱:۱۵)

لیکن عاد نے بلا استحقاق، زمین میں غرور کیا اور کہا کون مجھ سے طاقت میں بڑا ہے، کیا وہ یہ بھی نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو بنایا وہ طاقت میں ان سے زیادہ بڑا ہے اور وہ ہماری نشانیوں کے منکر تھے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ۝ (الاحقاف ۴۶:۲۱ تا ۲۳)

عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو صحرائے ریگستان میں متنبہ کیا خدا کی عبرتناک دھمکیاں اس کے سامنے اور اس کے پیچھے تھیں، اس نے کہا اس ایک خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر کوئی بڑا عذاب نہ آئے انھوں نے کہا، اے ہود تو اس لئے ہمارے پاس آیا کہ ہم کو اپنے دیوتاؤں سے مرتد کردے، جس عذاب کا دعویٰ کرتے ہو، اگر سچے ہو تو لے آؤ، اس نے کہا کہ اس کا علم خدا کے پاس ہے کہ عذاب کب آئے گا جو پیغام لے کر میں بھیجا گیا ہوں وہ صرف تم کو پہنچاتا ہوں، لیکن میں تم کو نادان قوم خیال کرتا ہوں۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِنْ دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝

(سورہ ھود ۵۰:۵۷)

عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا اس نے کہا، میرے بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں، دوسرے خداؤں کا نام تمہارا صرف افترا ہے، بھائیو! اس وعظ و نصیحت کا کوئی معاوضہ میں تم سے نہیں چاہتا، میرا معاوضہ اس پر لازم ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟ بھائیو! خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اس کی طرف رجوع کرو، تو وہ آسمان کو تم پر برستا ہوا بھیجے گا اور تمہارے زور و قوت میں ترقی دے گا، گنہگار بن کر منہ نہ پھیرو اس کے بھائیوں نے کہا ہودؑ! تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہ لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے

والے ہیں، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض دیوتاؤں نے تم کو کچھ کر دیا ہے، ہود نے کہا، میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا میں جس کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، خدا کے سوا اس سے پاک ہوں، تم سب مل کر میرے لئے سازش کرو پھر مجھے مہلت نہ دو میں نے خدا پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے، کوئی چلنے والا نہیں جس کی پیشانی اس کے ہاتھ میں نہیں میرا پروردگار صحیح راستہ پر ہے، اگر تم انکار کرو تو میں پیغام لے کر بھیجا گیا تھا وہ تم کو پہنچا چکا، خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت بخشے گا، تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

سورۃ الشعراء ۲۶: ۱۲۳-۱۳۵

عاد نے پیغمبروں کو جھوٹا کہا، جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا تم پرہیزگار بنو میں تمہارا پیغمبر امین ہوں بس خدا سے ڈرو، اور میری بات مانو میں اس کے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ پروردگار عالم کو دینا ہے، کیا تم ہر بلند مقام پر بے فائدہ یادگار نشانی اور کاریگری کی عمارتیں بناتے ہو؟ شاید تم ہمیشہ رہو گے جب کسی کو پکڑتے تو جابر بن کر، خدا سے ڈرو اور میری بات مانو، اس خدا سے ڈرو جس نے تمہاری ان نعمتوں سے مدد کی جن کو تم خود اچھی طرح جانتے ہو، چوپائے، اولادیں، باغ اور چشمے، مجھ کو ڈر ہے کہ تم پر کوئی بڑا عذاب نہ آئے۔

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ۝ إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

سورۃ الشعراء ۲۶: ۱۳۶-۱۴۰

انھوں نے جواب میں کہا خواہ تم وعظ و نصیحت کرو یا نہ کرو ہم ماننے والے نہیں، یہ اگلے زمانہ والوں کی عادت ہے اور نہ ہم پر عذاب آئے گا، ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو برباد کیا، اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے، یہ لوگ اکثر ایماندار نہ تھے۔

ان آیات پاک میں عاد کی تباہی کے تین اسباب بتائے گئے ہیں جو ہمیشہ ہر قوم کی تباہی کے باعث ہوئے ہیں۔

۱۔ غرور قوت عاد کو اپنی قوت بازو پر ناز تھا اور اسی طرح ہر قوم جو مجد و تفوق پر قابض ہوتی ہے، اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بھی اپنی قوت پر مغرور رہتی ہے۔

متکبرین عاد نے کہا اے ہود! ہمیں کس سے ڈراتے ہو۔

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم السجدہ ۴۱: ۱۵) قوت و زور میں ہم سے کون بڑا ہے؟

حضرت ہودؑ نے کہا تمہاری قوت مسلم لیکن اگر صلاح و تقویٰ کی دعوت قبول کرو گے۔

يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ (ہود ۱۱: ۵۲) تو خدا تمہاری قوت کو اور قوت بخشے گا۔

لیکن وہ نہ سمجھے

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (حم السجدہ ۴۱: ۱۵) کیا وہ نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے بھی زیادہ قوی ہے۔

ان کو نہ صرف اپنی فوجی و سیاسی قوت پر ناز تھا، بلکہ اپنے افراد کی تعداد اور اپنی مواشی کی کثرت اور اپنے باغوں کی بہتات پر بھی ناز تھا جو اس عہد کی سب سے بڑی دولت تھی۔

حضرت ہودؑ نے کہا کہ یہ شکر کی بات ہے نہ استکبار کی۔

وَاتَّقُوا الَّذِىْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (الشعراء ۲۶: ۱۳۲-۱۳۴) اور اس خدا کا خیال کرو جس نے تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جن کو تم جانتے ہو، مواشی، اولاد، باغ اور چشمے۔

وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً (الاعراف ۷: ۶۹) اور تم کو خلق میں وسعت عطا کی۔

۲۔ ظلم و جور، قوم کی حاکمانہ زندگی کے لئے سب سے زیادہ زہر قاتل، ظلم اور جور وستم ہے اور اقوام کی تاریخ اس دعویٰ پر بہترین شاہد ہے، عاد اپنے ممالک مقبوضہ میں اکڑتے پھرتے تھے، بغیر کسی استحقاق کے قوموں کو چھیڑتے تھے، جیسا کہ ہر عہد کے عاد زمین کے ہر قطعہ پر اکڑتے پھرتے ہیں اور معصوم قوموں کو چھیڑ چھیڑ کر فنا کرتے رہے ہیں۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً
لیکن عاد نے زمین میں بلا استحقاق غرور کیا اور کہا کہ کون ہم سے زور و قوت میں بڑا ہے۔

(حم السجدہ ۴۱:۱۵)

عاد کی اس جباری و ستمگری کا ثبوت مصر کی مفتوح اقوام کی زبان سے بھی ملتا ہے:

خدا ہم سے ناراض تھا، ایک عجیب طریقہ سے اطراف مشرق سے شریر الخلقت لوگ چلے آئے، وہ اس قدر قوی تھے کہ ہمارے ملک میں گھس گئے اور بزور نہایت آسانی سے اس کو مسخر کرلیا...... جب انھوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کرلیا..... ہمارے شہروں کو جلا دیا ہمارے دیوتاؤں کے مندر گرا دیے اور تمام باشندوں کے ساتھ وحشیانہ طریقہ سے سلوک کیا اور نہ صرف یہ بلکہ بعض ہتھیاروں سے مار ڈالا اور ان کی بیوی بچوں کو غلام بنایا۔[1]

۳۔ سب سے آخری چیز جو انتہائے بربادی عالم ہے، خدائے واحد کا انکار اور معبودان باطل کی پرستش ہے، ہودؑ نے کہا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۶۵)
بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا کوئی خدا نہیں، کیا پرہیزگار نہیں بنتے۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ (ھود ۱۱:۵۰)
بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا کوئی خدا نہیں دوسرے خداؤں کا نام تمہارا افترا ہے۔

جواب وہی ملا جو اکثر ملتا ہے۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝
اے ہود تم ہمارے پاس کوئی حجت نہیں لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔

(ھود ۱۱:۵۶)

ہودؑ نے اب خدا کا آخری پیغام پہنچایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ (ھود ۱۱:۵۷)
اگر اعراض کیا تو میں نے تم کو جو پیغام دیکر بھیجا گیا تھا پہنچا چکا، خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت دے گا

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (احقاف ۴۶:۲۱) میں تم پر بڑے عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں۔

---

[1] یوسیفوس کی تاریخ بحوالہ سابق

آخر وہ دن آ گیا جب سنت الٰہی نے اپنی زمین کے لئے ایک دوسری قوم کا انتخاب کیا اور اس شریر قوم کو احقاف کے باہر تلوار سے اور احقاف کے اندر ہوا اور ریگ کے طوفان سے برباد کر دیا کہ یہ سب اس کے ہتھیار ہیں، اس کا ہاتھ انسانوں کے ہاتھ میں بھی ویسا ہی کام کرتا ہے جس طرح ہوا، پانی اور آگ میں۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ

(حم سجدہ ۴۱:۱۶)

ہم نے ان پر منحوس دنوں میں باد صرصر بھیجا تاکہ ہم ان کو عذاب ذلت کا اسی زندگی میں مزہ چکھائیں اور عذاب اخروی سب سے زیادہ ذلت والا ہے۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ

(احقاف ۴۶:۲۴)

جب ان کو باد صرصر کا عذاب ایک بادل کی صورت میں جس کا رخ ان وادیوں کی طرف تھا نظر آیا تو بولے یہ ہم کو سیراب کرنے والا بادل ہے، نہیں بلکہ یہ وہ ہے جس کی اے گنہگارو! تم کو جلدی تھی یہ ہوا ہے جس میں درد ناک عذاب ہے اپنے خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے پھر وہ ایسے نیست و نابود کر دیے گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ ۝

(الحاقہ ۶۹:۶ تا ۸)

لیکن عاد تو وہ تند باد صرصر سے تباہ کر دیے گئے خدا نے جڑ کاٹنے والی سات رات اور آٹھ دن تک ان پر اس ہوا کو لگا دیا، تم دیکھتے ہو اس ہوا نے اس قوم کو اتنا دیا جیسے وہ کھوکھلے درخت کی جڑ تھے۔ کیا اب ان میں کا کوئی تم کو زندہ نظر آتا ہے۔

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ۝ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ۝

(ذاریات ۵۱:۴۱-۴۲)

اور عاد میں عبرتیں ہیں جب ہم نے بے فائدہ بخش ہوا کو بھیجا جو ایسی تھی کہ جس شے پر اس کا گزر ہو جاتا کو اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر چھوڑتی۔

درملکوں میں پانی کا دریا ہے جس میں کبھی کبھی طوفان آتا ہے، عرب اور افریقہ میں ریگستان کا دریا ہے، کوسوں تک ریگستان ہے، احقاف وہ عظیم الشان ریگستان ہے جو سیکڑوں میل تک وسیع ہے اور اب اس کو الربع الخالی کہتے ہیں، اس میں جب تیز ہوا چلتی ہے زندگی دشوار ہو جاتی ہے، ریگ کے پہاڑ کے پہاڑ ہوا پر اڑتے پھرتے ہیں اور جہاں وہ تھمتے ہیں اس کو دبا کر دفن کر دیتے ہیں، قافلہ کا قافلہ، گاؤں کا گاؤں اس کے نیچے دب کر موت سے پہلے مدفون ہو جاتا ہے، پھر اتفاق سے جب یہاں سے ریگ ہٹتی ہے تو ہڈیوں کا قلعہ نظر آتا ہے، ایک انگریز سیاح جس نے اس طوفان سموم کا عرب میں نمونہ دیکھا ہے، اس کی کیفیت یوں بیان کرتا ہے:

> ''دوپہر تھی، جنوب کی طرف سے دفعتاً لو کے جھونکے آنے لگے، ہوا کی تیزی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی...... میرے عرب رفیقوں نے اپنے چہروں کو کپڑے سے لپیٹ لیا اور اونٹوں کو مار مار کر تیز کرنے لگے، لیکن اونٹ بار بار بیٹھ جانے کی کوشش کرتے تھے، میں نے رفیقوں سے واقعہ دریافت کیا، لیکن نہایت گھبراہٹ کے ساتھ صرف یہ کہا کہ سامنے کے خیمے میں اگر پہنچ گئے تو جان بچ جائے گی'' اس اثنا میں ہوا اور زیادہ تند و تیز ہو گئی، گرمی کی یہ شدت ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے دوزخ اتر آئی ہے، بالآخر کوشش کر کے ہم خیمے تک پہنچ گئے، وہاں ایک عورت منہ لپیٹے اوندھی پڑی تھی، ہمارے اونٹ ہوا کے رخ سے منہ پھیر کر ناک کو ریت میں گاڑ کر مردے کی طرح پڑ گئے۔
>
> ہم بھی خیمہ میں جا کر منہ لپیٹ کر اوندھے پڑ گئے، تاریکی اتنی شدید تھی کہ رات معلوم ہوتی تھی، دس منٹ تک تقریباً یہی حالت رہی، پھر ہوا اور گرمی میں تخفیف ہوئی، جب ہم اٹھے تو ہمارے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔[1]

تنبیہات: حضرت ہودؑ کو عام طور سے ''عابر'' سمجھا جاتا ہے جو از روئے توراۃ تمام ترعبرانیوں کا باپ تھا، بظاہر ہم اس اتحاد کی کوئی وجہ نہیں سمجھ سکتے، گو نصرانی مصنفین جو آبائے توراۃ کا تاریخی ثبوت ڈھونڈھتے ہیں اور ایک ایک ذرہ کو جو ان کے موافق ہو پہاڑ ماننے کو تیار رہتے ہیں، لیکن اپنی مخالفت میں پہاڑ کو ذرہ ماننے پر بھی آمادہ نہیں، بدل و جان اس اتحاد کے مؤید ہیں۔

عدن کے پاس عاد ثانیہ کا ایک کتبہ ملا ہے اس میں ہودؑ کا نام بھی مذکور ہے۔

عام طور سے مشہور ہے کہ حضرموت کے دامن کوہ میں حضرت ہودؑ کی قبر شریف ہے اور اب تک لوگ اس کی زیارت کو آتے جاتے رہتے ہیں۔

---

[1] سیاحت نامہ عرب پالگریو

قوم عاد کی نسبت عام طور سے نہایت لغو باتیں مشہور ہیں، مثلاً یہ کہ ان کا قد کئی کئی گز کا ہوتا تھا، یہ شبہ اس لئے ہوا کہ قرآن نے ان کو ذَاتِ الْعِمَادِ (ستونوں والے) کہا ہے، اس سے وہ سمجھے کہ ان کا قد ستونوں کی طرح تھا، حالانکہ ''ستونوں والے'' سے مقصود ''عمارتوں والے'' ہے۔

دوسری جگہ قرآن میں ان کی نسبت ہے:

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً (الاعراف ۷:۶۹) خدا نے تم کو خلق میں زیادتی بخشی ہے۔

بصطۃ سے مقصود زور و قوت ہے، یعنی خدا نے تمہارے بدن میں زور و قوت بخشا ہے۔ یہی محاورہ دوسری جگہ حضرت طالوتؑ کی نسبت مستعمل ہوا ہے وَزَادَهُ بَصْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ[1] اس سے یہ معنی کون سمجھ سکتا ہے کہ طالوت بڑے قد آور تھے، بلکہ یہ مقصود ہے کہ صاحب قوت تھے، یہ بھی عام طور پر مشہور ہے کہ عذاب کے بعد قوم عاد میں پھر کوئی زندہ نہ بچا، یہ غلط خیال قرآن کی ان آیتوں سے سمجھا گیا ہے:

فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ (الاحقاف ۴۶:۲۵)	اور وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔
فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ ۝ (الحاقہ ۶۹:۷-۸)	اس ہوا میں یہ قوم اس طرح افتادہ تھی جیسے کھوکھلے درخت کی جڑ ہو۔ کیا ان میں سے اب کوئی زندہ نظر آتا ہے۔

لیکن یہ تو زمانہ نزول قرآن کا حال بیان کیا گیا ہے، اس سے دو ہزار برس پہلے کا حال کیا تھا خود قرآن کہتا ہے:

فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا (اعراف ۷:۷۲)	ہم نے ہودؑ کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات دی اور جنھوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی ان کی جڑ کاٹ دی۔
وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ (ہود ۱۱:۵۸)	اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ہودؑ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے، اپنی رحمت سے نجات دی اور ہاں ہم نے ان کو بڑے عذاب سے نجات دی۔

[1] لفظی ترجمہ: خدا نے اس کو بدن میں اور علم میں زیادتی بخشی ہے۔

اور تیسری جگہ قرآن نے تفصیل کر دی ہے اور ان ہلاک ہونے والوں کو "عاد اولیٰ" کہا ہے:

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨ الْاُوْلٰى ۝ (نجم ۵۳:۵۰) اور اس خدا نے عاد اولی کو ہلاک کر دیا۔

اس آیت سے خود بخود یہ سمجھنا چاہیے کہ نجات پانے والوں کا عاد ثانیہ نام ہے ابن ہشام کلبی نے "عاد اولی و عاد ثانیہ" کے حال میں ایک کتاب لکھی تھی[1] لیکن اب کہاں ملتی ہے۔

[1] ابن ندیم صفحہ ۹۸

اندرون عرب

یہ ان قبائل کی سرگذشت تھی جو ملک سے باہر جا کر آباد ہوئے، خود اندرون ملک میں بھی بہت سی قومیں رہ گئی تھیں، جن میں ثمود سب سے زیادہ مشہور اور جن کی ترقی کا زمانہ عاد اولیٰ کے بعد ہے، امم سامیہ کا جو حصہ باہر سے شکست کھا کر پھر عرب واپس آیا[1]، اس نے ڈیڑھ سو برس یہاں بھی اپنے عروج کو قائم رکھا، اس کی صحیح مثال مسلمانوں کی ہے، فتنہ تاتار کے بعد بھی کئی سو برس تک وہ جیتے رہے لیکن ان کی روح اسی دن مر چکی تھی۔

بہرحال خواہ باہر سے واپس آ کر یا خود عرب میں رہ کر جن قبائل نے اندرون ملک میں حکومتیں قائم کیں وہ یہ ہیں۔

حضرموت سے سواحل خلیج فارس کے طول میں عراق تک عاد ثانیہ، عرب میں حجاز سے حدود سینا تک ثمود، یمامہ میں طسم وجدیس، یمن میں اہل معین۔

ا۔ عاد ثانیہ یا عاد عرب

اس سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ہودؑ نے مع اپنے متبعین و صالحین عاد کے عذاب سے نجات پائی، روایات عرب میں ہے کہ وہ عذاب سے پہلے عاد کی آبادی سے نکل کر حجاز چلے گئے تھے، بہرحال ان میں لقمان نام ایک نیک بادشاہ ہوا، اس کی عمر کئی سو برس کی بیان کی گئی ہے اور یہ کچھ عجب نہیں، تمام قدیم قوموں کی ابتدائی تاریخ اسی قسم کے طویل العمر بادشاہوں سے شروع ہوتی ہے، عام طور سے اب اس قسم کی روایات کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ اس شخص کے خاندان میں حکومت کئی سو برس تک رہی اور مجازاً بجائے خاندان کے خود اس کا شخصی نام خاندان قرار دیا گیا، اس بنا پر لقمان کی عمر سے خاندان کی عمر مراد لینی پاہئے۔

[1] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۸ یقال انہم انتقلوا الی جزیرۃ العرب لما زاحمھم فیھا بنو حام

حضرت لقمانؑ یہ لقمان کون تھا؟ روایات عرب میں ایک شخص لقمان مشہور ہے، جس کو لوگ اب عموماً حکیم لقمان کہتے ہیں، اس کی طرف حکایات وتمثیلات حکیمانہ کثرت سے منسوب ہیں، قرآن میں بھی لقمان کا تذکرہ ہے اور اس کے بعض نصائح کا حوالہ ہے ہم ان دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں اور اس اتحاد کی ہمارے پاس ایک قدیم شہادت بھی موجود ہے، مشہور مورخ ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ء جس کی سیرت آج آنحضرت ﷺ کے حالات میں قدیم ترین تصنیف ہے، اور تصنیفات موجودہ کی بنا پر عرب قدیم کا سب سے پہلا مورخ ہے، کتاب التیجان میں جو مخصوص عرب قدیم کی تاریخ ہے، روایت کرتا ہے:

قال وهب فلما مات شدادبن عادصار الملك الى اخيه لقمان بن عاد و كان اعطى الله لقمان مالم يعط غيره من الناس في زمانه اعطاه حاسة مائة رجل و كان طويلاً لا يقارب اهل زمانه قال ابن وهب قال ابن عباس كان لقمان بن عاد بن الملطاط بن السلك بن وائل بن حمير نبيا غير مرسل[1]	وہب (ایک مشہور راوی) نے کہا کہ شداد بن عاد جب مر گیا تو حکومت اس کے بھائی لقمان بن عاد کو ملی، خدا نے لقمان کو وہ کچھ دے رکھا تھا، جو کسی دوسرے کو اس زمانہ میں نہیں دیا تھا، اس کو حواس سو آدمیوں کے برابر خدا نے دئے تھے اور اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ وہ بلند قامت تھا، ابن وہب نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لقمان بن عاد، بن ملطاط ابن سلک بن وائل بن حمیر؟ (نسب نامہ صحیح نہیں) نبی بلا کتاب تھا۔

عالم لوگ غلطی سے لقمان عاد اور لقمان حکیم کو دو سمجھتے ہیں، عرب کے افسانہ گو کہتے ہیں کہ لقمان حکیم افریقی الاصل تھا اور ایک غلام کی حیثیت سے عرب میں آیا تھا، بعض علمائے یورپ حکیم لقمان اور ایساپ نام ایک یونانی حکیم کو ایک قرار دیتے ہیں، اس اتحاد کی جو دلیل وہ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جو حکایات وتمثیلات منسوب ہیں، وہ تقریباً ایک ہی قسم کے ہیں، لیکن یہ ایک تعجب انگیز استدلال ہے، کسی دو تصنیف کے مطالب کا اتحاد، ان کے مصنفین کے اتحاد شخصیت کو اگر مستلزم ہے تو افسوس ہے کہ اس اجرم میں ہم کو سینکڑوں تاریخی اشخاص کے مٹ جانے کا افسوس ہوگا، اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ قدیم عرب حکمائے یونان سے کب واقف تھے؟ عرب کا ایک شاعر جاہلی سلمی بن ربیعہ کہتا ہے:

[1] کتاب التیجان قلمی موجودہ کتب خانہ بانکی پور ص ۷۰

اهلكن طسما وبعده غذى بهم وذاجدون	حوادث زمانہ نے قبیلہ طسم کو اور اس کے بعد ذاجدون شاہ یمن کو اور اہل
واہل جاش ومارب "دحی لقمان" والتقون	جاش ومارب کو اور قبیلہ لقمان کو مٹادیا۔

اس دوسرے شعر سے نہ صرف لقمان کا عرب ہونا ظاہر ہوتا ہے بلکہ ایک قبیلہ کا مالک یمن کا باشندہ اور عظمت وشوکت میں ''سبا'' کا مقابل اور یہ تمام باتیں لقمان عاد پر صادق آتی ہیں۔

عرب میں لقمان نہایت مشہور تھا، اس کا صحیفہ حکمت خود عرب میں موجود تھا اور لوگ اس کو پڑھتے تھے[1]۔

عاد کا ایک کتبہ جو ۱۸۳۴ء میں ملا تھا اس میں چند حسب ذیل فقرے ہیں:

ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے اور ہودؑ کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوتے تھے، اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔

کیا ہم ان آخری الفاظ سے جو کاغذ پر نہیں پتھر پر لکھے پائے گئے ہیں، یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں کہ صحیفہ لقمان، لقمان کے ''اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے ہوئے'' تھے۔

اس نیک دل بادشاہ کا جو ہودؑ کی شریعت کا متبع تھا، قرآن نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کی نیکی اور دانائی کی شہادت دی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ	بے شک ہم نے لقمان کو دانائی دی، کہ خدا کا شکر کر اور جو خدا کا شکر ادا کرتا ہے اس کا نفع خود اسی کو ملتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو خدا بے پروا اور حمد کیا گیا ہے، یاد کرو! جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا فرزند من! خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا، شرک بڑے ظلم کی بات ہے (خدا کہتا ہے کہ) ہم نے انسان کو حکم دیا ہے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں، اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا، کمزوری پر کمزوری، دو برس کے اندر اس کا دودھ

[1] ابن ہشام ذکر سوید و بیعت عقبہ

نَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝ يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ أَصَابَكَ ۔۔ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝ (لقمان ۳۱: ۱۲-۲۰)

چھڑاتا ہے، اے انسان میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گذار ہو، بازگشت میری طرف ہے، اگر والدین تجھ کو میرے شرک پر مجبور کریں تو ان کا کہنا نہ ماننا لیکن دنیا میں نیکی کے ساتھ ان کے ساتھ رہنا، اور ان لوگوں کا پیرو بن جو میری طرف رجوع کرتے ہیں، پھر میری طرف بازگشت تمہاری ہے، تو تم کو بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے، فرزند من! اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز ہوگی اور وہ کسی چٹان کے اندر یا آسمان میں یا زمین میں ہوگی تو وہ بھی خدا لے آئے گا خدا بے شبہ باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے، فرزند من! نماز پابندی سے پڑھا کر اور نیک بات کی لوگوں کو ہدایت کر اور بری بات سے روکا کر اور جو تجھ پر مصیبت آئے تو اس پر صبر کیا کر، یہ بڑی باتیں ہیں غرور سے منہ لوگوں سے نہ پھیرا کر اور نہ زمین میں اترا کر چل، یقین رکھ کہ خدا مغرور اور فخار کو پیار نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر، اپنی آواز کچھ نرم کر کہ بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے (جو زور سے چیختے ہیں)

عاد ثانیہ کی تاریخ اثری

عاد ثانیہ کے متعلق کوئی مزید تاریخی یا اثری حال نہیں معلوم، اب تک اس قوم کا صرف ایک کتبہ حصن غراب (واقع قریب عدن) کے کھنڈروں میں ۱۸۳۴ء ملا ہے، اس کی دو سطریں ہم نے اوپر نقل کی ہیں، یہ کتبہ ایک منہدم عمارت میں پتھر پر کندہ تھا، ایک انگریز افسر جس کا نام (Welle Sted) تھا، ان کتبوں کا مکتشف ہے اور یہ سب سے پہلا عربی کتبہ ہے جو یورپ نے عرب کی سرزمین میں دریافت کیا، اس کتبہ کی زبان اور خطبہ جنوبی عربی ہے، جس کو متاخرین غلطی سے حمیری کہتے ہیں اور اب اسی نام سے مشہور ہے کتبہ کی اصل حمیری عبارت الگ صفحہ پر ہے، اس کا اردو

ترجمہ بہ ترتیب سطر یہ ہے[1]۔

۱۔ ہم مدت تک اس وسیع قصر میں رہے ہماری حالت بدنصیبی اور ادبار سے دور تھی۔

۲۔ ہماری نہروں میں دریا کا پانی امنڈا آتا تھا، سمندر موجیں مارتا ہوا ہمارے قلعہ کی دیواروں سے غضبناک ہوکر ٹکریں مارتا تھا، ہمارے چشمے خوش آئند آواز سے بہتے تھے۔

۳۔ بلند کھجوروں کے اوپر جن کے باغبان خشک چھوہارے ہماری وادیوں کے چھوہاروں کی زمینوں میں لگاتے تھے اور خشک چاول بوتے تھے، (؟)

۴۔ ہم پہاڑی بکروں کا اور جوان خرگوشوں کا شکار پنجروں اور جالوں سے کرتے تھے اور مچھلیوں کو۔

۵۔ بہلا بہلا کر باہر نکال لیتے تھے اور ہم آہستہ آہستہ خراماں خراماں رنگ برنگ کے ریشم کے کپڑے اور کاہی سبز مختلف الالوان جامہ پہن کر چلا کرتے تھے اور ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے تھے جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے، ہودؑ کی شریعت کے مطابق۔

۶۔ اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے، قیامت کے راز اور نتھوں کے راز پر ایمان تھا۔

۷۔ رہزن (دشمن) گھس آئے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ جھگڑا کرتے مگر ہم نے گھوڑوں کو پویہ ڈال دیا اور ہمارے کریم نو جوان سخت اور نوکدار نیزوں کو لے کر آگے بڑھے۔

۸۔ ہمارے خاندان کے مغرور بہادر مرد اور عورتیں گھوڑوں پر لڑ رہی تھی، جن کی گردنیں لمبی تھیں اور جو چمکدار کمیت رنگ کے تھے۔

۹۔ ہماری تلواریں بدستور دشمنوں کو زخمی کر رہی تھیں اور چھید رہی تھیں، یہاں تک کہ ان کے قلب پر حملہ کر کے ان کو مفتوح اور بالکل پست کر دیا، جو بدترین نوع انسان میں تھے۔

مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے کہ یہی کتبہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بھی بعض مسلمان علمائے آثار نے پڑھا تھا اور اس وقت ان کا ترجمہ یہ کیا گیا تھا۔

غنينا زمانا فی عراصة ذا القصر ‏ ‏ بعيش رخی غير ذی ضنك ولا نزر

يفيض علينا البحر بالمد زاخراً ‏ ‏ وانهارها بالماء مترعة تجری

خلال نخيل باسقات...... ‏ ‏ ......بالقسب المجزع والتبر؟

ونصطاد صيد البحر بالخيل والقنا ‏ ‏ وطورًا نصيد النون من لجج البحر

ونرفل فی الخز المرقم تارة ‏ ‏ وفی القز احيانا وفی الحلل الخضر

[1] اصل کتبہ اور اس کا حل اور ترجمہ اوّلاً ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں چھپا تھا لیکن ہم نے فارسٹر سے نقل کیا ہے۔

يليناملوك يبعدون عن الخنا — شديد على اهل الخيانة و الغدر
يقلم لنا من دين هود شرائعاً — و نومن بالايات والبعث والنشر
اذا ما عدوٌ حلّ ارضاً يريدنا — برزنا جميعاً بالمثقفة السُمر
نحامي على اولادنا ونسائنا — على الشهب والكمت المعتق والشقر
نقارح من يبغي علينا ويعتری — باسيافنا حتیٰ يولون بالدبر

اس کتبہ سے نہ صرف عاد ثانیہ کے بعض حالات پر روشنی پڑتی ہے، بلکہ متعدد حیثیات سے یہ قرآن کی تائید کرتا ہے، اول یہ کہ ہود کی تاریخی شخصیت ثابت ہے، ثانیاً یہ کہ بقایائے عاد صرف متبعین ہود تھے، ثالثاً یہ کہ عاد ذات العماد اور عمارتوں کے بانی تھے، رابعاً یہ کہ وہ حقیقتاً جیسا کہ قرآن نے کہا ہے، بڑے بڑے باغ، چشمے، آل و اولاد اور چوپایوں کے مالک تھے:

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ — خدا نے تمہاری مواشی، اولاد، باغ اور چشموں سے مدد کی۔
(شعراء۲۶: ۱۳۳-۱۳۴)

یونانی تاریخ وجغرافیہ میں عاد ثانیہ کا نام مدین کے شمالی ومشرقی جانب نظر آتا ہے، ان کا نام یونانی تلفظ میں عادائٹ (Gaditae) لیا گیا ہے[1] مسلمان بھی عاد کے اس مسکن سے واقف تھے[2] لیکن عربوں کے عام روایات کے مطابق یمن میں اس کی سکونت بھی یونانی جغرافیہ سے ثابت ہے، بطلیموس جنوبی عرب کے قبائل میں عادریمیا (Adremata) عادائٹ (Adite) کا ذکر کرتا ہے[3]، ہم پہلے نام کو عاد ارم اور دوسرے کو عاد سمجھتے ہیں، بطلیموس دوسری صدی عیسوی میں تھا، اس بنا پر عاد کا وجود اس زمانہ تک مسلّم ہے۔

عدن یمن وحضرموت کے حدود پر عدن نام ایک مشہور شہر واقع ہے اور اب تک اسی نام سے مشہور ہے اور آج کل انگریزی مقبوضات میں داخل ہے، لفظ عدن کی حقیقت پر تھوڑی دیر غور کر لینا چاہئے۔

عہد قدیم میں عموماً سامی مذاق یہ رہا ہے کہ شہر کا نام بعینہٖ بانی شہر کے نام پر رکھتے تھے عرب کے شہر رقیم، سبا، حضرموت، عمان، مدین، اوفر، حویلہ، تیماء وغیرہ کے اسی قسم کے نام ہیں اس بناء پر اگر یمن کے قدیم شہر ''عدن'' کو جس کے قریب وہ تمام عمارات واقع ہیں جن کو عرب عادیات کہتے ہیں اور تاریخ جس کے قریب عاد کی آبادی کا نشان بتاتی ہے، اگر ہم ''عادین'' کا مخفف کہیں تو کیوں غلط ہوگا؟

[1] Goldmines of Median [2] یاقوت، وادی القریٰ [3] Bewan ch. Arabia

عادمین کی جمعیت پر اعتراض نہ کرو کہ قبیلہ کے نام کے پہلے بنو (فرزندان) کا اضافہ کرنا شمالی عرب کی زبان ہے، عموماً قدیم طریقہ یہی ہے کہ پدر قبیلہ کے نام کی جمعیت سے قبیلہ کا نام پیدا کر لیتے ہیں مثلاً لودیم، مصرایم، جراہیم وغیرہ عربی میں جمع مکسر میں اب تک یہ قاعدہ جاری ہے، مثلاً منذر سے مناذرہ، غسان سے غساسنہ ارقم سے اراقمہ، فارسٹر عدن کو عدنان سے نسبت دیتا ہے، حالانکہ عدنان کو یمن سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کا مسکن تو عرب کا شمالی حصہ تھا[1]۔ نیو بھر (Newbher) اٹھارہویں صدی کا ایک یورپین سیاح عدن کو (نبیم) کے ددان[2] کے ساتھ تطبیق دیتا ہے، لیکن شاید نیو بھر کو حزقیال کے اس درس کی خبر نہیں، جس میں عدن اور ددان ایک ساتھ واقع ہیں[3]۔

یمن و حضر موت کے احقاف میں جس کو جوف بھی کہتے ہیں ہالوے اور گلازر دو ماہر اثریات نے سینکڑوں کتبات پائے ہیں، لیکن جس مقام میں پائے گئے ہیں اس کا نام شہر معین معلوم ہوا ہے، اس لئے ان کتبات کو معینی اور یہاں کی اثری تاریخ کو اہل معین نام ایک مجہول الاصل قوم کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن چونکہ موقع اور مقام وہی ہے، جہاں عرب عاد ثانیہ کی آبادی بیان کرتے ہیں اور کتبات کی تاریخ بھی حسب رائے علمائے جرمن ۱۶۔۱۷ ق م تک پہنچتی ہے[4]، اس لئے بہتر ہوتا کہ معین کے باشندوں کی قومیت "عاد ثانیہ" قرار دی جاتی، لیکن اب "اہل معین" کی اصطلاح پھیل چکی ہے تو اتباع لازم ہے۔

---

[1] جلد ۲ صفحہ ۳۷۴ [2] یسعیاہ ۲۱۔۱۳ [3] حزقیال ۲۷۔۲۰۔۲۳ [4] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "عرب"

۲۔ثمود

عاد کے بعد شہرت اور سیاسی جانشینی ثمود کو حاصل ہوئی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ ثمود! یاد کرو کہ خدا نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا۔

(الاعراف ۷:۷۴)

''ثمود'' کی لفظی تحقیق شاید عربی میں صحیح نہ مل سکے۔''ثمد'' عربی میں ''آب قلیل'' کو کہتے ہیں لیکن اس سے کوئی خاص مناسبت نہیں معلوم ہوتی، عبری میں ایک لفظ تامید... ہے جس کے معنی دائم اور خالد کے ہیں، عربی کی ''ث'' اور عبری کی ''ت'' ایک چیز ہے، عبری میں ''ث'' نہیں ہے، اس لئے اکثر وہ الفاظ جو عربی میں ''ث'' سے ہیں، عبری میں ''ت'' ہیں، اس بنا پر ثمود کے معنی عام سامی زبان میں وہی ہوں گے جو عربی میں خالد کے معنی ہیں اور بہت سے قبائل عرب کے نام ہیں۔

اس سے پہلے عاد کے حالات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ وہ عرب جنوبی و مشرقی کے جو سواحل خلیج فارس کے ساتھ ساتھ حدود عراق تک وسیع ہے، مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغربی و شمالی پر قابض تھے جس کا نام اس زمانہ میں وادی القریٰ تھا۔ وادی القریٰ اس لئے کہتے تھے کہ اس عہد قدیم میں یہ وادی چھوٹی چھوٹی آبادیوں سے جابجا آباد تھی، ان آبادیوں کے سنگی کھنڈر اور آثار، جغرافیین اسلام نے دیکھے تھے[1] اور اب بھی باقی ہیں، قرآن نے سورہ فجر میں وادی سے اسی وادی القریٰ کو مراد لیا ہے:

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ اور ثمود جو وادی میں (بغرض تعمیر) میں پتھر تراشا کرتے تھے۔ (فجر ۸۹:۹)

ثمود کے ملک کا دارالحکومت حجر تھا، یہ شہر اس قدیم راستہ پر واقع ہے، جو حجاز سے شام کو جاتا ہے، اسی راستہ پر ثمود کا ایک دوسرا مقام ''فج الناقہ'' ہے جس کو یونانیوں نے بہ تلفظ (Badncilu) لکھا ہے، لیکن اصلی شہر حجر ہی تھا، اب عموماً اس شہر کو مداین صالح کہتے ہیں۔

قوم ثمود کے سیاسی حالات بالکل نہیں معلوم، صرف اتنا معلوم ہے کہ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی، فن تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا، پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کے عمارات و مقابر تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں، ان پر ارامی و ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں، لیکن ان میں سے اکثر ارامی کتبات نبطی اقوام کے ہیں[3]، جنھوں نے

---

[1] دیکھو معجم یاقوت لفظ وادی القریٰ ج ۸ ص ۵، ۷۴ [2] Britannica Vol 24 P 636 Ed. 11 [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۱ ص ۲۳۶

مسیح کے قبل و بعد اسی مقام پر حکومت کی ہے۔

قرآن مجید نے ان کی عظمت تعمیر کا متعدد آیات میں ذکر کیا ہے:

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ (الفجر ۹:۸۹)	اور ثمود جو وادی میں (بغرض تعمیر) پتھر تراشا کرتے تھے۔
وَبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا (الاعراف ۷:۷۴)	اور (صالح نے کہا اے لوگو!) خدا نے تم کو زمین میں جگہ دی، جس کے میدانوں میں تم قصر و محل اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بناتے ہو
وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ (الشعراء ۲۶:۱۴۹)	اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔

یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس قوم کا زمانہ ترقی عاد سے متاخر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس قوم کا نام اسیریا اور یونان میں نہایت صراحت کے ساتھ ملتا ہے، قرآن کی حسب ذیل آیت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ (الاعراف ۷:۷۴)	یاد کرو جب خدا نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا (یا حکومت عطا کی)

اور اس ترقی کی انتہا حضرت موسیٰؑ سے پہلے ہو جاتی ہے کیوں کہ شمالی عرب کے نام بڑے بڑے قبائل کے سیاسی تعلقات کی بنا پر تورات میں مذکور ہیں لیکن اس فہرست میں ثمود کا نام نظر نہیں آتا۔ قرآن سے بھی یہی اشارہ مفہوم ہوتا ہے، ایک مومن موسیٰ، اہل فرعون سے کہتا ہے:

يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ (مومن ۴۰:۳۱)	بھائیو! مجھ کو ڈر ہے کہ دوسری قوموں کی طرح نوح کی قوم، عاد اور ثمود کی طرح تم پر بھی عذاب آئے۔

اور یہ زمانہ تقریباً ۱۸۰۰ ق م سے ۱۶۰۰ ق م تک ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے اس قوم کی بربادیٔ عام کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس عہد میں ٹھیک اس جگہ پر جہاں اس قوم کو از روئے روایات ہونا چاہئے۔ اہل مدین غالب نظر آتے ہیں، یہ حقیقت سفر خروج کے ہر مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے۔

صالحؑ

ثمود کے پیغمبر کا نام صالحؑ تھا۔

قوم کی آخری زندگی میں جو سرکش عام پیدا ہوتا ہے ثمود بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، خدائے واحد کی پرستش چھوڑ کر انھوں نے ستاروں کے مادی ہیکلوں کے سامنے سر جھکایا، حسب سنت الٰہی ایک پیغمبر صالحؑ نام مبعوث ہوا۔ توراۃ میں ارم کے بھائی ارفخشد کے ایک بیٹے کا نام سالح ہے، جو تمام اولاد ابراہیم اور عرب یقطانی کا باپ ہے[1]، نصرانی پادری جو بزرگان توراۃ کی تاریخی ہستی کے اثبات کے لئے کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے، روایات عرب اور قصص قرآن کا نام عام طور سے ان کی زبان میں افسانہ ہے لیکن اگر خود ان کو ضرورت پڑے تو وہ تاریخ کی بلند ترین شہادت ہے کہتے ہیں کہ "صالح" اور "سالح" اور ایک ہی شخص تھے[2]، تاریخ اگر اجازت دے تو ہمیں اس اتحاد کی تسلیم میں کوئی عذر نہیں، خدا کے پیغمبر نے خدا کی دعوت دی، لیکن بد بخت قوم نے قبول نہ کیا، پیغمبر نے کہا یہ اونٹنی ایک نشان ہے، زمین میں اس کو چرنے دو، چشمہ کا پانی ایک دن یہ پئے گی اور ایک دن تم پینا، اگر اس اونٹنی کو صدمہ پہنچا تو وہ خدا کے عذاب کا دن ہوگا، آبادی میں مومنوں اور کافروں کی دو جماعتیں تھیں، مومنوں نے صالحؑ کی دعوت کو لبیک کہا، کافروں کی جماعت میں سے نو آدمیوں نے سازش کی کہ صالحؑ اور اس کے متبعین پر شبخوں ماریں، انھوں نے اونٹنی کی کونچ کاٹ ڈالی کہ یہ مرجائے، خدا کا عذاب پر شور زلزلہ کی صورت میں نمودار ہوا، فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا ۝ قرآن مجید میں یہ تمام قصہ نہایت تفصیل سے مذکور ہوا ہے:

وَإِلٰى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هٰذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صٰلِحًا

ثمود کے پاس ہم نے ان کے **بھائی** (ہم قوم) صالحؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اس نے کہا کہ بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا خدا نہیں، تمہارے پاس خدا کی دلیل آچکی، یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے، اس کو خدا کی زمین پر چرنے دو اس کو دق نہ کرو ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آئے گا اور یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اس نے عاد کے بعد تم کو خلافت بخشی اور ملک

[1] تکوین ۱۰-۲۴
[2] Goldminer P 278

مُرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ
قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

(الاعراف ۷:۷۳-۷۸)

میں تم کو جگہ عنایت کی جس کے میدانوں میں تم محل اور جس کے پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو، خدا کی عنایتوں کو یاد کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو، اس کی قوم کے مغرور سرداروں نے ان کمزوروں سے جو ان کی قوم میں مومن تھے، پوچھا، کیا تم سچ سچ یقین رکھتے ہو کہ صالح اپنے خدا کی طرف سے پیغمبر ہے، انھوں نے جواب دیا کہ بے شک صالح جو پیغام لے کر بھیجا گیا ہے اس پر ہم کو ایمان ہے۔

مغروروں نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم کو اس سے انکار ہے اس کے بعد انھوں نے اونٹنی کی کونچ کاٹ ڈالی اور خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور صالح سے کہا اے صالح اگر تم پیغمبر واقع میں ہو تو جس عذاب کے آنے کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو وہ لے آؤ پس زلزلہ نے آ کر ان کو پکڑ لیا اور وہ اپنی جگہ پر اوندھے رہ گئے، صالح نے ان کی جانب سے منہ پھیرا اور کہا بھائیو! میں اپنے خداوند کا پیغام یقیناً پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا" لیکن تم اپنے خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ
اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝
وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝
وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ
لَا يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ
لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ
عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَهُمُ
الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ (الشعراء ۲۶:۱۴۱-۱۵۹)

ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی، جب ان کے بھائی صالح نے کہا، کیا تم پرہیزگار نہیں بنتے میں تمہارا رسول امین ہوں، خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں اس کا تم سے کوئی معاوضہ بھی نہیں چاہتا، میرا معاوضہ پروردگار عالم پر ہے، کیا جو نعمت تم کو یہاں حاصل ہے اسی میں تم باطمینان تمام چھوڑ دیے جاؤ گے، ان باغوں، چشموں اور کھیتوں میں اور ان چھوہارے کے درختوں میں جن کے خوشے ہیں اور پہاڑوں کو کاٹ کر تم بڑی بڑی عمارت بناتے ہو، پس خدا سے ڈرو اور میری بات سنو اور ان کی نہ سنو جو حد سے گذر گئے ہیں جو ملک میں فساد پھیلاتے ہیں صلح نہیں، انہوں نے کہا تم پر جادو کر دیا گیا ہے، تم ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو، کوئی نشانی لاؤ،

اگر سچے ہو۔ اس نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے اس کے لئے پینا ہے اور تمہارے لئے ایک مقرر دن کا پینا اور اس کو چھیڑو نہیں ورنہ ایک بڑا عذاب تم کو آئے گا۔ انھوں نے اس کی کونچ کاٹ ڈالی، پھر نادم ہوئے، پس عذاب نے ان کو آلیا، یقیناً اس میں اللہ کی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مومن نہ تھے اور خدا تو غالب اور رحم والا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا
هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ
قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۖ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝
قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ ۚ قَالَ طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ ۖ بَلْ
أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ۝ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ
فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَ
أَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝
وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَانظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ فَتِلْكَ
بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝
وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝

(النمل ۲۷: ۴۵-۵۳)

اور البتہ ہم نے بھیجا ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو کہ خدا کو پوجو، ناگہاں وہ دو فریق ہوکر باہم جھگڑنے لگے، صالح نے کہا کہ بھائیو! نیکی سے پہلے برائی کیوں جلد چاہتے ہو، کیوں خدا سے مغفرت نہیں چاہتے، شاید تم پر رحم کیا جائے انھوں نے کہا ہم نے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے شگون لیا، اس نے کہا تمہارا شگون خدا کے پاس ہے، بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے جاؤ گے، شہر میں نو آدمی تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے، صلح نہیں، انھوں نے کہا آؤ باہم خدا کی قسم کھائیں کہ ہم صالح اور صالح کے خاندان پر شبخون ماریں، پھر اس کے وارث سے ہم کہہ دیں گے کہ اس کے خاندان کے قتل میں تو شریک بھی نہ تھے، انھوں نے مخفی تدبیر کی، خدا نے بھی مخفی تدبیر کی اور انھیں خبر نہیں، پس دیکھو ان کی مخفی تدبیروں کا کیا انجام ہوا ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو برباد کردیا، یہ ہیں ان کے گھر اور مسکن جو ان کی گنہگاری کے باعث ویران پڑے ہیں، اس میں جاننے والوں کے لئے بڑی عبرت ہے اور ایمان والوں کو ہم نے نجات دی، وہ پرہیزگار تھے۔

وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ
أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ فَمَا
اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ ۝

(الذاریات ۵۱: ۴۳-۴۵)

اور ثمود میں نشانیاں ہیں جب ان سے کہا گیا کچھ دنوں فائدہ اٹھالو انھوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی تو ان کو کڑک نے آلیا اور وہ دیکھ رہے تھے، پھر نہ کھڑے

ہو سکے اور نہ مہلت پا سکے، ثمود و عاد نے عذاب کا انکار کیا، لیکن ثمود تو نافرمانی کے باعث ہلاک کر دیے گئے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۝ (الحاقہ ۶۹: ۴-۵)

ثمود نے ہماری تنبیہوں کو جھٹلایا اور بولے کہ ہم میں سے ایک آدمی ہے اس کی ہم پیروی کریں اس وقت ہم گمراہ اور مجنوں ہوں گے کیا ہم لوگوں سے چن کر اسی پر وحی آئی نہیں! وہ جھوٹا اور مغرور ہے، کل ان کو معلوم ہو جائے گا کون جھوٹا اور مغرور تھا، ہم اونٹنی کو ان کے لئے آزمائش بنا کر بھیجتے ہیں اے پیغمبر تو بھی تاک اور انتظار میں رہ اور انھیں خبردار کر دے کہ پانی ان میں بانٹ دیا گیا ہے، ہر ایک کا پانی الگ موجود ہے، انھوں نے اپنے ساتھی کو بلایا، اس نے پکڑا اور کونچ کاٹا، پھر میرا عذاب اور میری دھمکی کیسی تھی؟ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی جس کے اثر سے وہ پامال بھس کی طرح ہو کر رہ گئے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ۝ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝

(القمر ۵۴: ۲۳-۳۱)

اور خدا نے عاد اولیٰ اور ثمود کو ہلاک کر دیا اور کچھ رحم نہ کیا۔

وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۝ وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ ۝

(النجم ۵۳: ۵۰-۵۱)

ثمود نے اپنی سرکشی سے تکذیب کی جب انھوں نے اپنے بدبخت ترین آدمی کو بھیجا، پیغمبر خدا نے کہا خدا کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کا خیال رہے انھوں نے جھٹلایا اور اس کی کونچ کاٹی، خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر بلا کی ڈالی اور ان کو برباد کر دیا اور ان کے انجام کا وہ خوف نہیں کرتا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ۝ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۝ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۝

(الشمس ۹۱: ۱۱-۱۵)

ثمود کے پاس ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا، اس نے کہا بھائیو خدا کو پوجو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں، اس نے زمین سے تم کو پیدا کیا اور زمین ہی میں تم کو آباد کیا، اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، میرا پروردگار پاس ہے اور قبول کرتا ہے، انھوں نے کہا صالح ہم کو اس سے پہلے تمہاری ذات سے بڑی توقع تھی تم ہم کو اس کے پوجنے سے روکتے ہو جس کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے تم جدھر بلاتے ہو اس میں ہم کو بڑا شک ہے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ۝ (ہود ۱۱: ۶۱-۶۵)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِىْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِىْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِىْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ (ہود ۱۱: ۶۱-۶۵)

صالح نے کہا بھائیو! تم سمجھتے ہو، اگر خدا کی طرف سے میں بصیرت پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو اس میں سے کچھ عنایت کیا ہے، تو اگر میں پیغام رسانی میں اس کی نافرمانی کروں تو خدا سے بچانے میں میری کون مدد کرے گا، تم صرف میرا نقصان بڑھاؤ گے اور ہاں اے بھائیو! خدا کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے، اس کو خدا کی زمین چرنے دو اور اس کے ساتھ برائی نہ کرو، ورنہ خدا کا عذاب جو نزدیک ہے تم کو آلے گا انھوں نے اس کی کونچ کاٹ ڈالی، صالح نے کہا اب اپنے گھر میں تین دن اور لطف اٹھالو یہ جھوٹا وعدہ نہیں۔

حسب سنت الٰہی حضرت ہوڈ اور صالحین ثمود کو اس عذاب سے نجات مرحمت ہوئی

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْىِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِىُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝

(ہود ۱۱: ۶۶-۶۸)

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے صالح اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بچالیا اپنی رحمت سے اور اس دن کی خواری سے نجات بخشی، بے شک تیرا پروردگار زبردست اور غالب ہے، اور گنہگاروں کو چیخ نے آلیا پس اپنے گھر میں سینہ کے بل پڑے رہ گئے، گویا کبھی وہ ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے، ہاں ثمود نے اپنے پروردگار کو نہ مانا، ہاں ثمود کے لئے ہلاکت ہو۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (حم سجدہ ۴۱: ۱۷-۱۸)

ثمود کی ہم نے رہنمائی کی، انھوں نے ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی، تب رسوا کردینے والے عذاب کی کڑک نے ان کے اعمال کے سبب ان کو آلیا اور ایمان والوں کو ہم نے نجات بخشی کہ وہ پرہیزگار تھے۔

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (النمل ۲۷: ۵۳)

اور ایمان والوں کو ہم نے نجات بخشی کہ وہ پرہیزگار تھے۔

ان بقایائے ثمود کو ثمود ثانیہ کہتے ہیں۔

طریقۂ ہلاک کو کہیں خدا نے صرف عذاب کہا ہے کہیں صاعقہ (بجلی کی کڑک) اور کہیں صیحہ (چیخ) سے ادا کیا ہے اس سے کوئی خاص طریقہ عذاب نہیں مطلق عذاب مراد ہے، جو انسان کے لئے کڑک اور چیخ سب کچھ ہے۔ بعض مفسرین نے کڑک اور چیخ سے زلزلہ مراد لیا ہے، اس بنا پر کڑک اور چیخ کے لحاظ سے یہ آتش فشانی زلزلہ ہوگا اور جغرافیہ نویسان سابق وحال تسلیم کرتے ہیں کہ ثمود

کے مقامات آتش فشاں مادہ سے لبریز ہیں۔

عام روایات میں ہے کہ یہ اونٹنی مع اپنے بچہ کے کفار کے حسب طلب حضرت صالحؑ کے ایک معجزہ سے ایک پہاڑ کی چٹان سے پیدا ہوئی تھی لیکن صحیح طریقہ سے یہ روایتیں ثابت نہیں۔ قرآن مجید نے بھی اپنی تمام تفصیل میں اس خاص طریقۂ پیدائش کا ذکر نہیں کیا اس بنا پر وہ غیر مسلّم ہیں۔ قرآن مجید کی آیتوں کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جانوروں پر ظلم کرتی تھی خدا نے ایک اونٹنی کو نشانی بنایا کہ جس دن تم نے اس کو ستایا وہی عذاب کا دن ہوگا ثمود کی ایک پہاڑی کا نام عربوں میں فج الناقہ مشہور ہے بطلیموس نے اس مقام کو یونانی لفظ میں ''بنداناتا'' لکھا ہے، اس تسمیہ سے نفس اونٹنی کے واقعہ کا ثبوت قرآن سے ۴۰۰ برس پیشتر ملتا ہے۔

ثمود ثانیہ یعنی بقایائے ثمود تاریخ میں ثمود ثانیہ کا نام عاد ثانیہ سے زیادہ روشن نظر آتا ہے اس کا ایک سبب تو قرب زمانہ ہے اور دوسرا سبب دیگر اقوام قدیمہ سے قرب مکان ہے اسی لئے ان کا نام ایک طرف تو اسیریا کے کتبوں میں نظر آتا ہے[1] اور دوسری طرف رومیوں کی تاریخ میں[2]، رومی مسیح سے کچھ پہلے عرب سنگستان پر جو مقام ثمود سے بالکل متصل ہے اور اس وقت انباط اور ادوم ان اطراف کے ممتاز قبائل تھے قابض تھے۔

سرجون یا شرغون ثانی اسیریا کا ایک بادشاہ تھا جس کا زمانہ ۷۲۲ ق م سے ۷۰۵ ق م تک مستند ہے، اس بادشاہ نے عرب پر فوج کشی کی تھی، جس کا ذکر [illegible] میں کیا ہے اس کتبہ میں جن عرب محکوم قبائل کا نام مذکور ہے ان میں ثمود کا نام بھی ہے[3]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثمود دور ثانی میں کوئی جدید قوت حاصل نہ کر سکے اور اگر کر سکے تھے تو وہ زائل ہو چکی تھی۔

مورخین یونان و روم میں ڈائیڈورس (۸۰ ق م) پلینی (۷۹ ق م) اور بطلیموس (۱۴۰ ق م) نے ثمود کا ذکر کیا ہے[4]۔ ڈائیڈورس نے ثمود کا تلفظ تھموذینی (Thamudani) اور بطلیموس نے تھموذیٹی (Thmudiotal) کیا ہے مگر دونوں نے جو جگہ اس کی مقرر کی ہے ٹھیک روایات عرب کے مطابق ہے[5]۔

ثمود کے ذکر میں ایک دوسرے یونانی مصنف اورنیوس (Uranus) کی شہادت ڈاکٹر اسپرنگر نقل کرتے ہیں، جو گواہی دیتا ہے کہ ثمود انباط کے پہلو میں آباد تھے[6]۔

رومیوں نے جب عرب شمالی پر قبضہ کیا تو ثمود رومیوں کی فوج معادن میں داخل ہو گئے تھے

---

1. Rogers III -146 2. Bevan P173 3. Augers P 17
4. Forster II P 125 5. Goldmines P 278 6. Goldmines P 278

قیصر جسٹینن کے عہد میں جو ۴۸۳ سے ۵۶۵ء تک ہے، ثمود عرب بھی رومی فوج میں داخل تھے[1]۔ ان کے لمبے نیزے اور سواری کے اونٹ مشہور تھے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کے ملک کا اکثر حصہ چونکہ اہل مدین نے پہلے دبالیا تھا اور باقی حصہ پر بعد کو انباط قابض ہو گئے تھے اور رومی انباط کے خلاف عرب پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے تھے اور اس ارادہ کو انھوں نے پورا بھی کیا، اس تقریب سے عجب نہیں کہ انباط کی مخالفت میں ثمود نے رومیوں کا ساتھ دیا ہو۔

تاہم تعجب ہوگا کہ ثمود کا ذکر توراۃ میں نہیں لیکن توراۃ کی تحریر واقعات کے سنین جاننے کے بعد یہ تعجب رفع ہو جائے گا توراۃ کی تاریخ بدء عالم سے حضرت یعقوب تک بنی ابراہیم تک محدود ہے، اس کے بعد ہجرت مصر کا واقعہ ہے جو تقریباً ۱۶۰۰ ق م میں واقع ہوا ہوگا، اس زمانہ سے تا عہد موسٰی جو تقریباً ۴۵۰ برس کا زمانہ ہے، توراۃ کی کامل خاموشی کا عہد ہے اور از روئے تاریخ ثمود کے عروج و زوال کا یہی زمانہ ہے، اس کے بعد توراۃ میں صرف ان غیر اقوام کا ذکر ہے جن سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات تھے اور یہ رتبہ ثمود کی جگہ اب مدین کو حاصل تھا، جو ثمود اولی کے جانشین تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۹۰۰ یا ۱۰۰۰ ق م میں اہل مدین جب بنی اسرائیل کے ہاتھ کلیتہً برباد ہو گئے تو ثمود ثانیہ نے پھر ایک سنبھالا لیا اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں شاہ اشور نے شمالی عرب پر حملہ کر کے ثمود سے ۷۰۰ ق م میں خراج وصول کیا، اس کے بعد ظہور مسیح سے پہلے انباط نے ثمود کو فتح کر لیا، اس کے بعد جب رومیوں نے انباط پر حملہ کیا تو ثمود دشمنوں کے ساتھ ہو گئے اور اسی خصوصیت سے تاریخ روم میں ثمود کا ذکر آیا۔

اسلام جب آیا تو ثمود کا نام و نشان نہ تھا، یہاں قبائل جہینہ، ولی اور یہود اس وقت آباد تھے[2]، عجب نہیں کہ انباط نے خیانت وطنی کی سزا میں ان کو برباد کر دیا ہو۔ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا (النمل ۲۷:۵۱)

---

[1] Huart P 3 [2] معجم یاقوت لفظ وادی القری ج ۸ ص ۷۵

۳۔ جرہم

یہ قبیلہ حجاز میں آباد ہوا تھا۔ تقریباً ۲۲۰۰ ق م میں جب حضرت اسمٰعیلؑ اس ملک میں آئے تو یہ قبیلہ ان ہی اطراف میں موجود تھا، حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنے پڑوس میں جگہ دی[1] اور باہم اس سے رشتہ قائم کیا، جرہم کی قومیت کیا تھی اور کس سلسلہ نسب سے اس کو تعلق تھا؟ بعض ارباب تاریخ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ نسباً امم سامیہ اولیٰ سے تھا[2] اور بعض اس کو قحطان کی نسل سے سمجھتے ہیں، عام مورخین نے دونوں تھیوریوں کو یکجا کر دیا ہے کہ جرہم دو تھے، جرہم اولیٰ اور جرہم ثانیہ، جرہم اولیٰ معاصر عاد تھا اور وہ امم سامیہ اولیٰ سے تھے اور جرہم ثانیہ قحطان کا بیٹا اور حضرت اسمٰعیلؑ کا پڑوسی اور رشتہ دار تھا، جرہم کا دوسرا بھائی یعرب بن قحطان یمن کا مالک تھا اور جرہم بن قحطان کے حصہ میں حجاز کا ملک دیا گیا تھا۔

قحطان اور اس کی بارہ اولاد کا نام بنام توراۃ میں ذکر ہے، جن میں ایک یارح ہے، جس کو یعرب سمجھ لو، لیکن جرہم یا اس کا مماثل کوئی نام مذکور نہیں، اس بنا پر بعض نصرانی علمائے یورپ نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ یارح اور جرہم ایک ہی نام ثابت کیا جائے، اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ عربی و عبرانی اور لاطینی و یونانی میں باہم ''ی'' اور ''ج'' کا مبادلہ ہو جاتا ہے اور اس بنا پر یورپین تراجم میں جن کا ماخذ لاطینی و یونانی ترجمہ ہے یارح کا تلفظ ''جرح'' یا جارح ہوا ہے، جس کو نہایت آسانی سے جرہم فرض کرنا ممکن ہے لیکن یہ شدید غلطی ہے، اولاً یہ کہ توراۃ کے نام عربی میں عبری سے آئے ہیں، یونانی یا لاطینی سے نہیں آئے ہیں، اس لئے ثبوت طلب تو یہ ہے کہ عربی اور عبرانی میں ''ی'' اور ''ج'' کا باہم مبادلہ ہوتا ہے اور یہ غیر مسلّم ہے، ثانیاً یہ کہ اگر یرح، اور جرح، جرہم ہے تو پھر یعرب کی اصل کیا ہے؟ ثالثاً یہ کہ یعرب اور جرہم ایک ہی نام (یارح) کے دو متفرق تلفظ ایک ہی ملک اور ایک ہی زبان میں کیوں کر پھیلے؟

آخراً یہ کہ جس زمانہ میں جرہم کا وجود حجاز میں نظر آتا ہے، اس وقت قحطانی عربوں میں کوئی سیاسی جنبش نہیں پیدا ہوئی تھی، قحطانیوں کی حرکت سیاسی، امم سامیہ اولیٰ و ثانیہ کی تباہی کے بعد ایک ہزار ق م میں نظر آتی ہے، ان وجوہ سے ہم اس فریق کے ساتھ ہیں جو جرہم کو صرف ایک اور اس ایک کو بھی امم سامیہ اولیٰ میں سے تسلیم کرتا ہے، ملوک جرہم کا کچھ حال عربی تاریخوں میں مذکور ہے، ہم یہاں صرف

---

[1] بخاری کتاب الانبیاء [2] تاریخ یعقوبی ص ۲۵۲-۲۳۱ فکان ولد جرھم بن عابر لما صار اخوتھم من بنی قحطان بن عامر ابی الیمن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرہم قحطان کا بیٹا نہ تھا بلکہ برابر کا بھائی تھا۔ مطبوعہ لیڈن جلد ا

اس کا لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں۔[1]

"پہلے مضاض بن عمرو جرہمی بادشاہ ہوا، لیکن سمیدع نام ایک مدعی نے اس سے جنگ کی، مضاض کو فتح ہوئی اور سمیدع شام چلا گیا اور وہاں عمالیق کا بادشاہ ہوا، مضاض کے بعد اس کی جگہ حارث اس کا بیٹا حاکم ہوا، پھر عمرو بن حارث، بعدازیں معتسم بن طلیم، پھر حواس بن جحش بن مضاض، اس کے بعد عداد بن ضداد بن جندل بن مضاض پھر نفص ابن عداد اور آخر میں حارث، یہ جرہم کا آخری بادشاہ تھا جس کے عہد میں جرہم اپنی سرکشی اور طغیان کے پاداش میں ہلاک ہو گئے۔"

اسی جرہم کے گھرانے میں بہ روایت عرب حضرت اسمٰعیلؑ نے شادی کی تھی[2] لیکن توراۃ میں ہے کہ ان کی ماں نے جو مصریہ تھیں ایک مصری عورت سے ان کا بیاہ کر دیا تھا[3]، اس اختلاف پر علمائے نصاریٰ کی اکثر انگلیاں اٹھی ہیں لیکن اگر انھیں یہ معلوم ہوتا کہ اس وقت عرب سامیہ اولیٰ خود مصر پر قابض تھے اور ان کا سلسلہ تعلق مصر سے جاری تھا تو کبھی اس اختلاف سے ان کو حیرت نہ ہوتی۔ بیان مذکور کے مطابق یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ امم سامیہ کے خاندان جرہم نام میں شادی ہوئی اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی بیوی مصر سے تعلق رکھتی ہیں۔

بنی اسماعیلؑ و جرہم اور بنائے کعبہ کی روایت، احادیث و روایات عرب کے علاوہ اشعار عرب میں بھی موجود ہے۔ عرب کا ایک جاہلی نصرانی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کہتا ہے:

واحلف بالبیت الذی طاف حوله | اناس بنوه من قریش وجرهم

پلینی اپنے زمانہ کے قبائل عرب میں سے ایک نام "چرمی" (Charmai) بتاتا ہے[4] عجب نہیں کہ یہ جرہم کی تحریف ہو۔

عہد ظہور اسلام میں جرہم کی جمعیت باقی نہ تھی تاہم اس کے منتشر افراد باقی تھے، عبید ابن شریہ جرہمی نام ایک شخص اس زمانہ میں یمن میں موجود تھا جو اسی خاندان جرہم کی طرف منسوب تھا، کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کے دست مبارک پر وہ اسلام لایا تھا، حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت تک وہ زندہ رہا۔ امم قدیمہ کی تاریخ و قصص سے اس کو کامل واقفیت تھی، حضرت معاویہؓ کے حکم سے اس کی یہ زبانی داستانیں قید تحریر میں لائی گئیں۔[5]

---

[1] یعقوبی جلد ا صفحہ ۲۵۲ یورپ [2] بخاری کتاب الانبیاء [3] تکوین ۲۱-۲۱ [4] Forster Vol. I P. 124

[5] کتاب الفہرست ابن ندیم ۸۹ لیڈن و ۱۳۲ مطبعہ رحمانیہ مصر

قبیلہ جرہم کے حالات میں غالباً تیسری صدی کے ایک مورخ ابراہیم بن سلیمان النہی الکوفی نے اخبار جرہم کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی[۱]۔

۴۔ طسم و جدیس

یہ دونوں قبائل یمامہ میں تھے یہ کلبی کی روایت ہے اور زیادہ مشہور ہے، مورخ ابن خلدون نے ان کو بحرین میں جگہ دی ہے، ہماری تحقیق میں یہ اختلاف صرف لفظی تشابہ سے پیدا ہوا ہے، زمانہ قدیم میں ان دونوں شہروں کا نام "ہجر" تھا[۲] اور صحیح یہ ہے کہ خلیج فارس پر یمامہ، بحرین اور عمان کے نام سے جو شہر آباد ہیں طسم و جدیس کی آبادی ان سب پر مشتمل تھی[۳]۔ یہ عاد کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے[۴]۔ سیاسی قوت اولاً طسم کے ہاتھ میں تھی، ایک زمانہ کے بعد "عملوق" نام ایک ظالم بادشاہ تخت نشین ہوا جس نے اپنے شرمناک قواعد سے قبائل جدیس کو برہم کر دیا، آخر جدیس کی ایک خاتون عروس نے قبیلہ کو غیرت دلائی، یہ غیرت آگ بن کر اٹھی، طسم نے شاہ یمن سے مدد مانگی، اس نے آکر جدیس کو شکست دی، آخر قبائل کی باہمی نااتفاقی نے ملک غیروں کے ہاتھ سپرد کر دیا[۵]۔

مورخین عرب نے اس شاہ یمن کا نام تبع حسان یا جشان (باختلاف روایت) لکھا ہے لیکن یہ یقیناً غلط ہے، ایک طرف تو یہی ارباب روایت ان قبائل کو اتنا قدیم ٹھہراتے ہیں کہ ان کو ارم کی صرف بہ دو واسطہ اولاد قرار دیتے ہیں، یعنی ۳۔۴ ہزار ق م ان کا زمانہ بتاتے ہیں اور یا اس قدر پیچھے کرتے ہیں کہ تبابعہ یمن کا معاصر قرار دیتے ہیں جن کا زمانہ ۱۱۵ ق م سے اوپر نہیں، اس بنا پر غالباً تبع یمن سے عام شاہ یمن مراد ہے۔

یونانیوں نے قبائل عرب میں سے ایک کا نام جولسٹی (Jolistai) لکھا ہے[۶]، شاید اس سے جدیس ہی مراد ہو، طسم کا نام ہلاکت و بربادی کی عبرت کے لئے اس قدر مشہور ہے کہ عربی زبان میں "طسم" کے معنی خود بربادی ہو گئے ہیں، عرب کا ایک جاہلی شاعر سلمٰی بن ربیعہ کہتا ہے:

---

۱ کتاب الفہرست طوسی ص ۱۳ کلکتہ ۲ دیکھو معجم یاقوت لفظ "حجر" و "ہجر" ۳ اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری صفحہ ۱۷ ۴ القاموس للفیروزآبادی لفظ "طسم" ۵ یہ واقعات اغانی اور تاریخ عرب کی تمام کتابوں میں مذکور ہیں ۶ دول العرب والاسلام طامت حرب بک ج اول ذکر طسم و جدیس

اھلکن طسماً و بعدہ	غذی بھم و ذاجدون	حوادث زمانہ نے طسم اور اس کے
واھل جاش و مارب	وحی لقمان و النقون	بعد ..... ذاجدون شاہ یمن کو اور اہل جاش اور اہل مارب کو اور قبیلہ لقمان کو..... ہلاک کیا۔

اس ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ طسم کا زمانہ، سبا (اہل مارب) اور عاد ثانیہ (حی لقمان) سے متقدم تھا، یمامہ کا قدیم نام "جو" ہے لیکن زیادہ تر اپنے قصبۂ حکومت کے نام سے مشہور ہے، جس کا نام قریہ اور حجر ہے، قریہ اور حجر لفظ دو ہیں لیکن معنی ایک ہی ہیں، ابن الحائک ہمدانی یمنی جو عرب کی قدیم زبانوں سے واقف تھا، وہ کہتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی آبادی کے ہیں، قدیم عربی زبان میں حجر لفظ تھا، بعد کی عربی زبان میں اس کے لئے قریہ کا لفظ استعمال ہوا[1] جو حجر کا بعینہ ترجمہ ہے۔

یمامہ میں جس کو قدیم نام کے لحاظ سے ہجر یا قریہ کہنا چاہئے آثار قدیمہ کے نشان جغرافیہ نویسان اسلام کے عہد تک باقی تھے اور انھوں نے خود ان کو مشاہدہ کیا تھا، نجران اور بحرین کے مابین ایک پہاڑی پر مشقر نام ایک قلعہ ہے جو طسم کی طرف منسوب ہے، ایک اور عمارت ایک ٹیلہ پر واقع ہے جس کا نام معنق ہے وہ بھی طسم ہی کی یادگار ہے، شموس بھی اسی قسم کی ایک عمارت ہے "قریہ بنی سدوس" یمامہ میں ایک مقام ہے، اوپر سے نیچے تک صرف ایک پتھر کو تراش کر ایک پوری عمارت بنائی گئی ہے، ایک اور عمارت "بتیل حجر" کے نام سے ہے، اس عمارت کا حصہ زیرین مربع الشکل ہے اور بلندی ۸۰ ہاتھ کے قریب ہے، جعدہ نام ایک اور قلعہ یہاں بنائے قدیم کی یادگار ہے[2]۔

خدا جانے ان آثار کا اب کس قدر حصہ باقی ہے؟ تاہم اگر یہ کل یا ان میں سے بعض بھی طسم وجدیس کے مصنوعات ہوں تو ان قبائل کی عظمت و تمدن کے دلائل نہایت واضح ہیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قریہ اور ہجر یمامہ و بحرین کا نام ہے، جغرافیین یونان و روم خلیج فارس کے سواحل پر اور کبھی یمن کے قرب میں عرب کے دو شہروں کا نام لیتے ہیں جن میں سے ایک کا لفظ ان کے ہاں اگرا (Gerra) گرائے (Garrai) اور کبھی جرہا (Gerrha) اور دوسرے کا اگریا (Agraie) غالباً پہلے اور دوسرے نام کی اصلیت قریہ اور تیسرے کی ہجر ہے، یونانیوں اور رومیوں نے عرب تجارت پیشہ قوموں میں یہاں کے باشندوں کا مخصوص ذکر کیا ہے، ہندوستان کی تجارت میں

---

[1] معجم یاقوت ج ۸ صفحہ ۴۴۶ مصر [2] ان تمام عمارات و مقامات کے نام معجم میں مطابق حروف اسماء دیکھنا چاہئے۔

خاصتاً ان ہی کو دخل تھا، آج بھی ان مقامات کے عرب اپنے قدیم خصوصیات کے ساتھ قائم ہیں اور تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ ہندوستان کے ساتھ ان ہی کو تعلقات حاصل ہیں۔

ان مقامات پر یونانیوں یا رومیوں نے کبھی حملہ نہیں کیا، سکندر کے بعد جب عراق سلوقی (سلوکس) خاندان قائم ہوا، تو اس نے صرف ایک بار ۲۰۵ ق م میں[1] اہل قریہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ حملہ آوری کی جرأت کی تھی، یمامہ و بحرین کے قدیم قبائل کی بربادی کے بعد ایک مدت تک یہاں ویرانی رہی، تا آں کہ آخر میں اسماعیلی و قحطانی عربوں نے ادھر رخ کیا ربیعہ اسمٰعیل کی ایک شاخ عزہ بن اسد اور کہلان قحطانی کی بعض اولادوں نے بحرین پر اور بنو حنیفہ نے یمامہ پر قبضہ کیا[2]، اسلام آیا تو بحرین اہل فارس کے قبضہ میں تھا اور ان کی طرف سے ایک عرب خاندان نائب حکومت تھا اور یمامہ بدستور بنو حنیفہ کے ہاتھ میں تھا بحرین نے خود اپنی رضا و رغبت سے آں حضرت ﷺ کے زمانہ میں دعوت اسلام قبول کی اور یمامہ ایمان لا کر پھر مرتد ہو گیا اور آخر خلافت صدیقی میں ایک جنگ عظیم کے بعد وہ مطیع ہوا۔

۵۔ اہل معین

جوف یمن میں معین نام ایک آبادی تھی اس کے مشرق میں حضر موت اور جنوب مغرب میں سبا (موجودہ صنعاء) واقع تھا، آج کل علمائے آثار میں اس آبادی کو نہایت اہمیت حاصل ہے، ان کو اس آبادی کا سراغ مل چکا ہے، وہاں کے کتبے پڑھے گئے ہیں، یونانی بیانات سے ان کی تشریح کی گئی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ معین آبادی کا نام تھا، باشندوں کا قومی نام کیا تھا یہ معلوم نہیں، اسی بنا پر یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ عربوں کو اس قوم کے حالات کہاں تک معلوم تھے لیکن تحقیقات جدیدہ نے اس کی جائے وقوع کی جو تعیین کی ہے وہ بعینہٖ عاد ثانیہ کا مقام و مسکن نظر آتا ہے، عام تقلید کی بنا پر ہم بھی ان کو اجمال و ابہام کے ساتھ صرف اہل معین کہتے ہیں۔

معین کے لفظی معنی "منبع آب" اور چشمہ کے ہیں، دیگر سامی زبانوں میں مثلاً عبری میں یہ لفظ "معیان" ہے جو نہایت آسانی سے معان کی صورت میں بگاڑا جا سکتا ہے، جو اب تک شمالی عرب میں ایک آبادی ہے۔

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱ جلد ۲۴ صفحہ ۲۰۴ [2] اخبار الطوال ابو حنیفہ صفحہ ۱۷۔۱۸ مصر

اہل معین کا ذکر تحریری حیثیت سے سب سے پہلے آٹھویں صدی ق م میں اسفار یہود میں نظر آتا ہے[1]۔ اس کے ۶۰۰ برس بعد ارا تستھینس المتوفی ۱۹۲ ق م ایک یونانی مصنف معین کا ذکر کرتا ہے۔

ارا تستھینس کے علاوہ اسٹرابون (۷۹ء)، پلینی (سنہ ۸۰) اور بطلیموس (سنہ ۱۴۰) نے بھی معین کا بہ تلفظ (Minaei,mantai) اپنے اپنے زمانہ میں ذکر کیا اور تشریح کی کہ ان کا اصلی مقام حضر موت کے پاس مارب اور قتاب کے درمیان ایک معین نام آبادی ہے اور ان کے پایہ تخت کا نام قرن (Charnaei) ہے۔

عرب مورخین کو بھی معین سے واقفیت تھی لیکن ان کو اس آبادی کا کوئی تفصیلی حال معلوم نہ تھا، یونانیوں نے جو حالات لکھے ہیں وہ گویا معلومات عرب پر بہت کچھ اضافہ کرتے ہیں تاہم واقعات کے افشا کے لئے قدرت کو علم الآثار کے ہاتھ کا انتظار تھا۔

اب ہم ترتیباً عرب، یونان اور علم الآثار کے بیانات ونتائج کا ذکر کرتے ہیں۔

عربوں کو معین کے متعلق صرف اس قدر معلوم تھا کہ یہ ایک مقام یا عمارت کا نام ہے ہمدانی کتاب الاکلیل اور صفۃ جزیرۃ العرب[2] میں جہاں اضلاع یمن کا ذکر کرتا ہے لکھتا ہے۔

محافد الیمن براقش ومعین وهما	یمن کے اضلاع براقش اور معین ہیں اور یہ دونوں
باسفل جوف الرحب مقابلیان فمعین	رحب کے صحرائے ریگستانی کے نیچے واقع ہیں معین
بین مدینة نشان و بین دوب سراقة	شہر نشان اور دوب سراقہ کے مابین ہے۔

یاقوت حموی نے بھی معجم میں ان دونوں مقامات کا ذکر کیا ہے، لفظ معین کے تحت میں لکھتا ہے:

معین اسم حصن بالیمن وقال	معین یمن میں ایک قلعہ کا نام ہے اور ازہری کا بیان
الازهری معین مدینة بالیمن تذكر فی	ہے کہ معین ایک شہر تھا جس کا براقش میں واقع ہونا کہا
براقش (ج ۸ ص ۱۰۲)	جاتا ہے۔

براقش کے ذکر میں لکھتا ہے

قال الاصمعی براقش و معین حصنان	براقش اور معین یمن میں دو قلعے ہیں بعض شاہان
بالیمن كان بعض التبابعة امر ببناء	یمن نے قصر سلحین کی تعمیر کا حکم دیا تھا وہ اسی برس

[1] تاریخ دوم ۲۶۔۷ [2] اکلیل میری نظر سے نہیں گزری۔ ۔۔۔ نے اس کا حوالہ دیا ہے جزیرۃ العرب میرے پیش نظر ہے

سلحين لبنى فى ثمانين عاما وبنى براقش و معين بعسالة ايدى صناع سلحين...... قال و لا ترى لسلحين اثرا وشاتان قائمتان (ج ۲ ص ۹۸)

میں بن کر تیار ہوا اور براقش اور معین کاریگروں کے ہاتھ کے دھوون سے بنے لیکن دیکھو کہ قصر سلحین کا کوئی نشان نہیں اور وہ دونوں کھڑے ہیں۔

اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ یمن کے بادشاہوں کی تعمیر ہے، دوم یہ ہے کہ یہ دونوں مقامات دوسری صدی ہجری تک موجود تھے، براقش کا ذکر اس کے بعد بھی تاریخ اسلام میں آٹھویں صدی ہجری تک نہایت کثرت سے آتا ہے اور اس وقت یہ ایک آباد شہر تھا۔[۱]

شعرائے عرب نے بھی ان مقامات کا ذکر کیا ہے۔ حسب ذیل اشعار کو ہمدانی اور یاقوت دونوں نے اکلیل اور معجم میں نقل کیا ہے۔ فردہ بن سیف

احل بحاجر جدى غطيف و معين الملك من بين ابينا

ملكنا براقش دوان اعلىٰ وانعم اخوتى وبنى ابينا

علقمہ کا شعر ہے۔

قدا سو ابراقش حين اسوا ببلقعة و منبسط انيق

وحلوا من معين حين حلوا لفرهم لدى الفج العميق

مالک بن حریم الدلانی کا یہ شعر صرف ہمدانی کے یہاں ہے:

و تحسى الجوف مادامت معين باسفله مقابلة عرادا

یہ دو شعر صرف یاقوت نے نقل کئے ہیں:

ينادى من براقش اومعين فاسمع فاتلاب يناميع

وقال الجعدى

تسنن بالضرو من براقش او هيلان اوبالع من العتم[۲]

ابوحکم مرانی حمیری کہتا ہے:

براقش و معين نحن عامرها ونحن ارباب سرواح وروثانا

ان شہادتوں سے چند امور ثبوت کو پہنچے ہیں، معین ایک آبادی کا نام تھا، مقام جوف میں

---

۱ تاریخ یمن (العقود اللؤلؤیہ) للخزرجی ج ۱ ص ۱۰۰۰ طبع گب سیریز ۲ معجم البلدان یاقوت جلد ۲ ص ۹۸۔

واقع تھا، اس کا وجود دوسری صدی ہجری تک باقی تھا، یہ شہر کسی زمانہ میں حکومت کا مستقر تھا براقش اس سے متصل ایک دوسری آبادی تھی، ان روایتوں اور شعروں میں البتہ یہ دعویٰ عجیب ہے کہ یہ سبا اور حمیر کی تعمیر تھی لیکن یہ تعجب اس لئے رفع ہو جاتا ہے کہ اہل معین کے بعد سبا ہی اس کے مالک بن بیٹھے تھے بعد کے لوگوں نے ان ہی کو غلطی سے اصل بانی سمجھ لیا۔

معین اور اکتشافات جدیدہ معین کی تاریخی حقیقت واضح کرنے میں جدید اثری تحقیقات نے بڑی مدد دی ہے۔

یمن کے آثار قدیمہ کے اکتشافات تمام تر دو جرمن فاضل گلازر اور ہالوے کے نتائج سعی ہیں، ان دونوں نے یمن کے لئے ہزار کتبات حاصل کئے اور ان کو حل کیا جن سے سیکڑوں سیاسی مذہبی تجارتی واقعات کا سراغ لگا۔ معین حضرموت، قتاب اور مارب وسبا کی حکومتوں کی تاریخ موقع وتوح بادشاہوں کے نام مذہبی رسوم، طرز تمدن کا نشان ملا، ان تمام یمنی حکومتوں میں قدیم تر معین کی حکومت ہے۔

معین کا زمانہ معین کے عہد وجود اور زمانہ بقا کے متعلق گو کوئی قطعی تاریخی فیصلہ نہیں ہو سکتا تاہم آثار کی مدد سے کچھ روشنی پہنچی ہے، بڑی مشکل یہ ہے کہ معین کے کتبات پر عموماً تاریخ ثبت نہیں، اس بنا پر زیادہ تر قیاسات سے کام لینا پڑتا ہے، جرمن علمائے آثار کی رائے ہے کہ خاندان حکومت ۱۴۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک موجود تھا، فرنچ ماہرین اثریات اور برائے نام انگریز واقفین اس کا زمانہ یقینی طور سے ۸۰۰ ق م سے شروع کرتے ہیں[1] لیکن عجیب تر یہ ہے کہ تازہ ترین انگریزی تحقیق برٹانیکا طبع یازدہم میں ہم یہ الفاظ پاتے ہیں:

> "آخر زمانہ کے کتبات کو چھوڑ کر زمانہ قدیم کے کتبوں میں کوئی سنہ یا تاریخ مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اور نیز اس لئے کہ کتبات کی تعداد کم ہے، علماء میں زمانہ تاریخ عرب قبل اسلام کی نسبت بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، لیکن تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کتبات کی تاریخ ۱۹۰۰ ق م تک پہنچتی ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ صرف ۶۰۰ ق م تک پہنچ سکتی ہے اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں کم از کم چار متمدن حکومتیں (۱) معین (۲) سبا (۳) قتاب اور (۴) حضرموت قائم تھیں۔"

---

[1] Huart Tome.I - P 48 [2] مضمون عرب (تاریخ)

مصنفین انسائیکلو پیڈیا آف اسلام معین کا زمانہ بظاہر اس سے بھی زیادہ قدیم قرار دیتے ہیں کہتے ہیں:

> اس قدر قدیم کہ ۲۰۰۰ ق م میں قدیم بابل کے کتبات ایک شاہ مینوم (جس کا پورا نام معنوم دانوم ہے) کا ذکر کرتے ہیں جو ''معان'' یا شرقی عرب کا بادشاہ تھا، اس نظریہ کی نسبت بہت کچھ کہا جا سکتا ہے کہ معان عربی لفظ معین کا سومری تلفظ ہے اور اسی صدی سے (جس کی تاریخ غیر معلوم ہے) جنوبی عربی حکومت معین یا معینان کی بنیاد پڑی جس نے شاید اپنی ابتدا میں تمام جنوبی عرب کو جس میں قتاب اور حضر موت داخل ہے، اپنے آغوش میں لے لیا تھا اور جس میں ایک اور صوبہ ملوخ یا (ملوق) بھی شامل تھا، جس کی نسبت بیان ہے کہ وہ غالباً عرب وسطیٰ اور عرب شمالی و مغربی کا نام تھا۔[1]

ان معلومات پر دو واقعات کا اور اضافہ کرنا چاہئے، ہائیکسوس عرب جب ۲۰۰۰ ق م میں مصر پر قابض تھے تو ان حکمراں قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام اہل مصر ''مین'' بتاتے ہیں جو ''معین'' کی نہایت صاف شکل ہے، نیز معین واشور کے کتبات باہم واقعات کا تعلق ظاہر کرتے ہیں، اشور کے کتبات میں جن کا زمانہ ۱۹۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک ہے، معین کا ذکر موجود ہے[2]۔ ان وجوہ سے جیسا کہ فرنچ مورخ عرب ہوارت (Huart) کہتا ہے ''ہم زیادہ نیچے بھی نہیں اتر سکتے۔[3]''

حکومت معین کی تعیین زمانہ کے وقت ایک اور واقعہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے یمن کی ایک اور عظیم الشان حکومت کا نام سبا ہے، سبا کا زمانہ بلاشک وشبہ ۸۰۰ یا ۹۰۰ ق م سے شروع ہے اور وہ حکومت آخر عہد تک حمیر کے نام سے قائم رہی، اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ معین کا پورا زمانہ یا کم از کم عروج کا زمانہ ۸۰۰ یا ۹۰۰ ق م سے قبل ہونا چاہئے، تا کہ معین کا زوال وعہد آخر سبا کی ابتداء وعہد اول ہو، بعض اشخاص دونوں کو معاصر فرض کرتے ہیں، لیکن یہ قابل غور امر ہے کہ اس مختصر خطہ ارض یعنی یمن میں دو عظیم الشان سلطنتیں ایک ساتھ کیوں کر قائم رہ سکتی ہیں۔

بہر حال اس عقدہ کے حل کرنے میں ہم انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مضمون نگار ''عرب'' مشہور جرمن فاضل ہومل (Hommal) کے ساتھ ہیں جس نے بدلائل متعددہ یہ ثابت کیا ہے کہ معین کا تمام زمانہ یا کم از کم زمانہ عروج سبا سے پیشتر تھا۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لفظ ''عرب'' [2] Brugsch Vol I P 268 [3] Vol I P 450

مولر (وائنا) (Mullerofviena) کی رائے ہے کہ سبا اور معین معاصر تھے، ازورڈ گلازر (Glaser) کی مشہور رائے ہے جس کی تقلید و تائید ونکلر (Winchler) اور راقم سطور (ہول) نے کی ہے کہ معین کی حکومت کا زمانہ سبا کی حکومت سے اقدم ہے اور نیز (سبا کے) کاہن بادشاہوں (مکارب) سے پہلے ہے، اس تھیوری کی بنا پر طبعاً معین کے لئے ایک قدیم زمانہ کم از کم ۱۲۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک مفروض کرنا چاہئے۔

حال میں سبا و معین کی ہم عصری کی تائید بعض علماء نے مثلاً ماہر عربیات مارٹن ہارٹمن (Hartmani) اور مورخ ازورڈ مائر (E. Merer) کی ہے لیکن پھر بھی ہارٹمن یہ قبول کرتا ہے کہ معین کا زمانہ زرین یقیناً سبا سے مقدم تھا۔"

موئدین معاصرت کا سارا زور اس پر ہے کہ کتبہ معین (گلازر نمبر ۱۱۵۵، ہالوے نمبر ۵۳۵) میں ذکر ہے کہ "معین کے بخورات کی تجارت مصر، عشور اور عبر نہرین کے ساتھ تھی اور نیز اس میں ایک جنگ کا ذکر ہے جو "مذی" نام ایک قوم اور مصر میں ہوئی تھی، مذی کو یہ میدی یعنی اہل میڈیا (فارس) سمجھتے ہیں جن کی لڑائی مصر کے ساتھ ۵۲۵ ق م میں ہوئی تھی۔

ہول جواب دیتا ہے کہ "مذی" سے اہل مدین، یا متی، کیوں نہ سمجھا جائے جو بادیہ نشینان سینا کا نام تھا اور سب سے عجیب بات اس کتبہ میں ہماری تائید میں یہ ہے کہ اس کتبہ میں عشور (اشور یعنی اسیریا) اور عبر نہرین (ما بین النہرین یعنی الجزیرہ) کا ذکر ہے، عشور سے اسیریا مراد ہوگا جس کا توراۃ میں اشور املا ہے، از روئے تاریخ اسیریا کا زوال ۷۰۰ ق م میں ہو چکا تھا، اس بنا پر یقیناً معین کا زمانہ اسیریا سے یعنی ۸۰۰ یا ۹۰۰ ق م سے بہت پہلے فرض کرنا چاہئے، اس بنا پر معین کا تمام زمانہ سبا سے اقدم ہوگا، یا کم از کم یہ کہ معین کا آخری زمانہ سبا کے ابتدائی زمانہ کے معاصر ہے۔[1]

یہ منازعات و مباحث معین کے ابتدائی زمانۂ وجود یا زمانہ عروج کے متعلق ہیں، معین کا آخری زمانہ یونانی شہادتوں کی بنا پر سو برس ق م تک قائم تھا، اسکے بعد پہلی صدی مسیحی میں بھی معین کے متعلق ایک دو حرف ملتے ہیں، لیکن زیادہ تر سبا کی عظمت سے یہ روایات پر ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ معین اس وقت گمنام ہو چکے تھے۔

[1] تفصیل کے لئے دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۲۸۷

معین اور یونانی مورخین یونانی مورخین نے اپنی تصنیفات سے نہ صرف اپنی قوم کو زندہ رکھا بلکہ اپنے زمانہ کی تمام قوموں کو بھی انھوں نے زندہ رکھا ہے۔

یونانیوں اور عربوں میں صرف تاجرانہ تعلقات تھے، مصر چوتھی صدی ق م سے یونانیوں کے قبضہ میں تھا، اسکندریہ اس وقت تجارت کا مرکز تھا، اس زمانہ میں معدنیات اور لوبان وغیرہ خوشبودار چیزوں کی تجارت خاص عرب تاجروں کی ملکیت تھی اور اراتستھنیس (EratosThenes) جس کی تاریخ وفات ۱۹۶ ق م ہے، وہ قبائل یمن کے ذکر میں لکھتا ہے[1]:

> ملک عرب کے انتہائے اختتام پر سمندر کے کنارے اہل معین (Minaians) رہتے ہیں، جن کا خاص شہر قرن (Karna) ہے، ان کے بعد سبا آتے ہیں، جن کا پایہ تخت مارب ہے، آگے بڑھ کر بجانب مغرب خلیج عرب کے گوشہ پر اہل قتاب آباد ہیں، جن کے بادشاہ تمنع میں رہتے ہیں، آخراً انتہائے مشرق میں اہل حضرموت ہیں جن کا شہر سباتا ہے، ان چاروں ممالک میں سے ہر ایک کی وسعت مصر زیرین سے زیادہ ہے۔
>
> ان ممالک میں ایام گرما میں بارش ہوتی ہے اور ندیاں بہتی ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں گم ہو جاتی ہیں، اسی لئے زمین اس قدر زرخیز ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبارہ ہوتی ہے حضرموت سے ملک سبا تک ۴۰ روز کا راستہ ہے، سوداگر "معین" سے عیلانہ (عقبہ) تک ۷۰ دن میں جاتے ہیں حضرموت قتاب، سبا اور معین کے شہر دولتمند اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔

اس بیان سے جو مسیح سے ۲۰۰ برس قبل کی شہادت ہے، یہ ظاہر ہے کہ اس وقت یمن میں چار آباد قطعات تھے، جن میں سے ایک معین تھا، اس کی وسعت مصر زیرین سے کم نہ تھی، زمین نہایت زرخیز و سرسبز تھی، مملکت معین کا خاص شہر قرن تھا، موقع وتوقع کے لحاظ سے یونانی مورخ کا بیان ہے کہ یمن کے مشرق میں حضرموت، مغرب میں بجانب بحر عرب قتاب اور وسط میں معین اور سبا، معین اور خلیج عقبہ کے درمیان جو یمن سے شام و مصر کا راستہ تھا، ۶۰-۷۰ دن کی مسافت تھی۔

معین تجارت پیشہ قوم تھی، زیادہ تر خوشبودار لکڑی اور بخورات کی تجارت کرتی تھی، ایک قدیم جغرافیہ نویس لکھتا ہے:

---

[1] ذکر کی تاریخ قدیم ج ۱ ص ۳۱۰-۳۱۱

"یہاں سے بطرا اور فلسطین تک سڑک جاتی ہے، جہاں اہل قریہ اور اہل معین اور آس پاس کے تمام عرب بالائی ملک سے خوشبودار چیزوں کے بستے اور بخورات لاتے ہیں[1]۔

پلینی کے بیان کے مطابق ان کی زمین کی خاص پیداوار چھوہارے اور انگور تھے، لیکن ان کی دولت کا اصلی سرچشمہ جانوروں کی تجارت تھی[2]۔

پلینی کا سال وفات ۷۹ء ق م ہے، اس وقت تک معین گو زندہ تھے، لیکن سبا کے مقابلہ میں گمنام ہو چکے تھے، جیسا کہ پلینی کا یہ فقرہ ظاہر کرتا ہے:

"سبا تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ مشہور ہیں.....وہ سمندر کے اس ساحل سے اس ساحل تک کے مالک ہیں، حضرموت ان کے ملک کا ایک ٹکڑا ہے... حضرموت کے پیچھے اندرونی حصہ میں معین واقع ہے[3]۔"

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں معین سبا کے مقابلہ میں گمنام ہو چکے تھے اور اس وقت سبا سمندر کے اس گوشہ سے اس گوشہ تک یعنی خلیج فارس سے بحر احمر تک کے تنہا مالک تھے، گو شہر معین کا وجود دوسری صدی ہجری اور آٹھویں صدی عیسوی تک باقی تھا[4]۔ پلینی نے ایک مزہ کی بات یہ لکھی کہ "معین" اپنا نسب "مینوس" شاہ کریٹ تک پہنچاتے ہیں[5]۔ یہ دعویٰ شاید یونانیوں کا طبع زاد ہو، تاہم اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ معین کا سلسلہ تجارت یونان کی سرحد تک پہنچ چکا تھا۔

معین کا دائرہ حکومت معین کا دائرہ حکومت کس قدر وسیع تھا؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں، تاہم کوشش کی جاتی ہے کہ اس کی تحدید ہو سکے، عرب و یونان کی روایت اور علم الآثار کی تائید کی بنا پر معین حضرموت اور سبا (صنعاء) کے وسط میں واقع تھا، جس کو آثار نے جنوبی جوف[6] کی حدود میں محدود کیا ہے۔ عربوں کے بیانات بھی معین کے لئے اسی مقام کی تعیین کرتے ہیں، ایک عرب شاعر کہتا ہے:

ونحمی الجوف مادامت "معین" باسفله مقابلة عرادا

معین کے خاص دار الحکومت کا نام یونانیوں نے قرن لکھا ہے، آثار میں بھی قرن ہوا پایا گیا

[1] Goldmines of Median P 179 [2] فارسٹر جلد ۲ صفحہ ۲۲۴-۲۲۶ [3] ذکر کی تاریخ قدیم ج ۱ ص ۲۱۲-۲۱۳ [4] معجم البلدان یاقوت ج ۲ ص ۹۸ مصر [5] ایضاً ج ۲ ص ۷۵ [6] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون عرب

ہے۔ آثار سے قرن کے علاوہ اور بھی بہت سی آبادیوں کے نام معلوم ہوتے ہیں جو معین کے حدود میں واقع تھے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں یثیل، نشق، نشان، حریم، اور کمنہ[1] براقش کا نام اوپر آچکا ہے۔

معین کے کھنڈرات تک باقی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کے تمام قلعے اور شہر ایک دائرہ کی صورت میں واقع تھے، معین خود سبا کے قلب میں اس شاہراہ کے دست راست پر جو مارب کی شمالی جانب ہے واقع تھا، روایات عرب میں معین کے ساتھ ساتھ براقش کا ذکر ہوتا ہے، براقش کا محل وقوع معین کی مغربی وجنوبی جانب اور موجودہ صنعاء کے قریب جو کوہستانی سلسلہ ہے، اس کی مغربی جانب تھا، براقش کا قدیم نام یثیل تھا، اہل معین کا تیسرا اقامہ یا شہر جو شاید یونانیوں کا بیان کردہ قرن یا قرنا ہو، شمالی جوف کے وسط میں معین و براقش کے شمال[2] میں تھا۔

یمن کے علاوہ معین کے آثار وخط وزبان کے نمونے شمالی عرب میں العلا میں بھی ملتے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کی کوئی نوآبادی یہاں بھی قائم تھی[3]، غالباً اس نوآبادی کی غرض یہ ہوگی کہ معین ان تجارتی راستوں کی حفاظت کرے، جو سواحل بحر احمر پر عقبہ (ایلات) ہوکر شام وفلسطین اور اسکندریہ کو جاتے تھے۔

معین کے ان شمالی آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف تجارتی حکومت نہ تھی بلکہ جنگ وفتح میں حصہ لیتی تھی، شمالی معین کا ایک گورنر اپنے آقا کی جنگ سے بخیریت واپسی پر ایک یادگاری لوح پر لکھتا ہے:

"استار (دیوتا) کے شکرانہ میں اس کی حفاظت پر فرمانروائے جنوب اور فرمانروائے شمال کی باہمی جنگ میں اور مدی اور مصر کی لڑائی میں اور ان کے بخیریت اپنے خاص شہر قرن واپس پہنچ جاتے ہیں"

اس کتبہ کا نویسندہ اپنے کو ابی یدع یثع شاہ معین کا ماتحت ظاہر کرتا ہے اور اپنا لقب "تسار اشور" اور بالائی ساحل بحر کا حاکم بتاتا ہے۔ "تسار" کا ذکر مصری کتبات میں بھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری وعربی سرحد پر جہاں اب سوئز ہے تسار کوئی سرحدی قلعہ تھا، معین کے ایک دوسرے شمالی کتبہ میں حکام معین شہر غزہ کا حاکم ہونا بھی اپنے کو بیان کرتے ہیں[4]، شہر غزہ شام وفلسطین کے پاس

---

[1] Huart Tome - I - P 45
[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون عرب
[3] سموال لے انگ، فصل عرب
[4] بیانات بالا کے لئے دیکھو Human Origins P 37

اب تک موجود ہے، ان بیانات سے معلوم ہوگا کہ معین کی حکومت یمن سے شروع ہو کر شام و مصر اور اشور (اسیریا) تک ممتد تھی۔

معین کے شمالی آثار میں مصران نام ایک آبادی کا نام بھی منقوش ہے، یہ آبادی غالباً مدین کے پاس تھی، مصران، عبری کے مصرائم اور عربی کے مصر سے بہت تشابہ ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ مصر کی طرح یہاں کا حاکم بھی اپنا لقب فرعون رکھتا تھا، اس بنا پر جرمن علماء میں عموماً یہ نظریہ قبول ہوتا جاتا ہے کہ توراۃ میں جہاں جہاں مصرائم (مصر) کا ذکر ہے اس سے مراد یہی شہر مصران ہے، لیکن یہ تھیوری ابھی بہت سے اعتراضات کا مورد ہے[1]۔

ہم نے آغاز فصل میں لکھا ہے کہ ۸۰۰ ق م میں بنی اسرائیل نے ''معین'' کا ذکر کیا ہے، اس زمانہ میں عزیاہ بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا، عزیاہ اس زمانہ میں عربوں سے لڑا تھا، اس لڑائی کا نتیجہ نبیم میں اس طرح مذکور ہے۔

> اور خدا نے اس کو مدد دی کہ اہل فلسطین پر اور ان عربوں پر جو جوزلعل میں رہتے تھے اور معینون پر اس کو غالب کیا، (تاریخ دوم ۲۶۔۷)

یہ جنگ معین کے شمالی مقبوضات میں جو فلسطین سے متصل تھے، واقع ہوئی ہوگی، اس شہادت سے جو ۸۰۰ برس ق م کی ہے، چند نتائج مستنبط ہوتے ہیں، اولاً یہ کہ جیسا کہ آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ معین کی نوآبادی شمالی عرب میں بھی تھی، اس واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ثانیاً یہ کہ ۸۰۰ برس ق م معین کی ابتدائی قوت کا زمانہ نہیں ہے جیسا کہ فرنچ علمائے آثار نے قرار دیا ہے، بلکہ ابتدائے ضعف کا زمانہ ہے، جیسا کہ جرمن علما کی رائے ہے، اس کی ترقی کا زمانہ اس کے زمانہ شکست سے بہت اوپر فرض کرنا چاہئے، ثالثاً یہ کہ معین اصل میں ایک فاتح قوم تھی، اگر ۲۰۰ ق م سے ۲۰۰ تک یونان کے جغرافیہ نویسوں نے اس کا ذکر صرف ایک تاجر قوم کی حیثیت سے کیا ہے تو وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی سیاسی عظمت اس سے بہت پہلے مفقود ہو چکی تھی اور اس زمانہ میں وہ صرف ایک تجارت پیشہ قوم ہو کر رہ گئی تھی۔

شاہان معین خاندان معین میں کتنے بادشاہ گذرے اور ان کے کیا نام تھے؟ اس کا جواب نہ خود روایات عرب میں ہے اور نہ مورخین یونان کے بیانات میں اس کے لئے دنیا کو صرف علمائے آثار

---

[1] Huarts Yome I P 46

کا ممنون ہونا چاہئے، انھوں نے معین کے تقریباً ۲۵ بادشاہوں کے نام دریافت کئے ہیں، جن میں سے بعض باہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں، ناموں کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ ایل صادق	ابی یدع یاثع	وقہ ایل صادق
وقہ ایل یاثع	وقہ ایل ریام	ابی کریب یاثع
ابی یفع یاثر	حفنم صادق	عمی یدع نابط
حفنم ریام	ابی یفع یاتوش	۴۔ ابی یثع ریام
۲۔ ابی یفع یاثع	۳۔ ابی یفع وقہ	ہوفاعثت
ابی یدع	۶۔ یثع اہل ریام	۷۔ ابی یدع
خالی کریب	تبع کریب	حفنم
حفن یاثع		

یہ کل تیئیس[۲۳] نام ہیں جو عمارات اور مقبروں کے کتبوں سے جمع کئے گئے ہیں[۱]، یہ تعداد زمانہ حکومت کے لحاظ سے بہت کم ہے، اور ظاہر ہے کہ متعدد نام ایسے ہوں گے جن کے نام کے کتبے ہم کو نہیں ملے اور بہت سے ایسے ہوں گے جن کے نام کے کتبے سرے سے نہ ہوں گے اس لئے زمانہ حکومت کی وسعت کے مطابق کم از کم دس بارہ نام اور فرض کئے جا سکتے ہیں، کل ۳۵ نام ہو جاتے ہیں حمزہ اصفہانی نے ۲۶ تبابعہ یمن کی مدت حکومت ایک ہزار برس لکھی ہے۔ لیکن یہ مدت ۲۶ بادشاہوں کے زمانہ حکومت کے لئے بہت زیادہ ہے، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ ہر ایک کا زمانہ اوسطاً ۲۰ برس سے زیادہ مفروض نہیں ہو سکتا، اگر ایک طرف ان میں بہت سے ۵۰ برس کے ہوں گے تو دوسری طرف بہت سے ۱۰ برس کے ہوں گے، اس لئے زیادہ سے زیادہ اوسط ۲۰ برس ہم فرض کرتے ہیں۔

اس فرض کی بنا پر ۳۵ بادشاہوں کے لئے ۷۰۰ برس کا زمانہ ہونا چاہئے، یہ زمانہ اگر ۱۷۰۰ ق م سے شمار کیا جائے جو یمن میں عادی خاتمہ حکومت کا زمانہ ہے تو ۱۰۰۰ ق م پر آ کر یہ ۷۰۰ کی مدت ختم ہوتی ہے اور یہ ٹھیک وہ زمانہ ہے جب توراۃ کے رو سے (قصہ سلیمان وسبا) قوم سبا کی ابتدا ہو رہی ہے۔

گلازر (Glaser) اور ہومل (Hommel) جو جرمنی کے محققین علمائے آثار ہیں، وہ معین کا عہد حکومت ۱۵۰۰ ق م سے ۹۰۰ ق م تک متعین کرتے ہیں، جس کے بعد ان کا بیان ہے کہ سبا نے شمال

---

[۱] ان ناموں کی فہرست کے لئے دیکھو Huart Yome I P 56

عرب سے آکر معین کو فتح کر لیا، ہم نے معین کی ابتدا عاد کے خاتمہ سے لے کر (۱۷۰۰ ق م) سبا کی ابتدا تک (۱۰۰۰) جو قرار دی ہے اس سے بغیر کسی تکلف کے یمن کی ایک مسلسل تاریخ قائم ہو جاتی ہے اور یہ نرض محققین آثار سے زیادہ دور بھی نہیں واقع ہوتا ہے معین کی زبان، خط اور دیوتا کے نام سبا سے مختلف ہیں اور کسی قدر بابل سے مشابہ ہیں، اس نتیجہ سے معین کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے کہ وہ عرب سامیہ اول کے بقایائے یادگار تھے۔[1]

۶۔ بنی لحیان

منجملہ عرب بائدہ کے رواۃ عرب، بنی لحیان نام ایک قبیلہ کا ذکر کرتے ہیں، بنی لحیان کی نسبت وہ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ یہ جرہم کی ایک شاخ تھی، ابن خلدون نے بھی اسی قدر لکھا ہے۔[2]

آج کل شمالی عرب کے شہر العلا میں چند کتبات سبائی اور نبطی کتبوں کے پہلو بہ پہلو ملے ہیں جن سے نہ صرف ''بنولحیان'' کا وجود ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمالی عرب میں حدود شام میں اور خصوصاً العلا کے اطراف میں آباد تھے، خط لحیانی جنوبی عرب کے خط معینی کے مشابہ ہے بلکہ ان ہی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔[3]

علمائے آثار بنولحیان کی سیاسی قوت کا زمانہ شمالی عرب میں معین وسبا کے انحطاط (۵۰۰ ق م) اور انباط کے ارتقا (۳۰۰ ق م) کے درمیان میں قرار دیتے ہیں، لحیانی کتبات کے مضامین کچھ زیادہ واضح طور سے پڑھے نہیں جا سکے ہیں، لیکن اس خیال کی ہر طرح تائید ہوتی ہے کہ فارس ومصر کے فاتحانہ تعلقات کے عہد (۵۰۰ ق م) کے ہیں، اس بنا پر اس زمانہ میں ہیروڈوٹس (۳۰۶ ق م) نے فارس ومصر کے تعلق سے جن عربوں کا ذکر کیا ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ وہ یہی ''بنی لحیان'' ہیں۔[4]

بنی لحیان کا مسکن حکومت فارس ومصر کے درمیان واقع تھا، ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ یہ عرب ہر سال ہزاروں وزن (؟) بخورات شاہ فارس کو نذر دیتے ہیں لیکن یہ نذر غلامی وعبودیت کی قیمت نہ تھی، بلکہ دوستانہ ہدیہ تھا، کیوں کہ مورخ مذکور لکھتا ہے کہ ''ان عربوں کو اب تک کوئی مفتوح نہ کر سکا۔''

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مضمون عرب یازدہم
[2] تاریخ ابن خلدون جلد ۲ مصر
[3] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۱ صفحہ ۳۳۹۲
[4] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۱ صفحہ ۳۷۹

۵۲۵ ق م میں قمبیز شاہ فارس نے جب مصر پر حملہ کرنا چاہا تو صحرائے سینا کے بے آب و دشوار گذار میدان بغیر ان عربوں کی اعانت کے قطع کرنا محال تھا، شاہ فارس نے ان عربوں کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ وہ اس کی مدد کریں اور اس ریگستان میں اس کی فوج کے لئے پانی کا انتظام کریں، شاہ عرب نے امداد کا وعدہ کیا اور پتھر سے انگلی پر مار کر خون نکالا جو مستحکم وعدہ کی عربوں میں نشانی تھی، اونٹوں کی کھالوں میں پانی بھر کر اس ریگستان کو چشمہ پر آب بنا دیا[1]۔

پلینی نے پہلی صدی عیسوی میں خلیج ایلانہ (عقبہ) کے پاس لیانیین نام ایک قوم کا ذکر کیا ہے[2] بعض لوگ اس کو لحیانیین سمجھتے ہیں[3]۔

لیکن ہماری رائے میں وہ ایلانیین ہے اور اس کی شہادت یہ ہے کہ اس خلیج کا نام "ایلہ" اور "ایلانہ" نہایت قدیم ہے، اور اسی نام سے یہود کے صحیفوں اور یونان کے جغرافیوں میں اس کا ذکر ہے، حالانکہ اس کے بعد اور اس سے پہلے بنو لحیان کا وجود بھی نہ تھا۔

بنو لحیان عرب کے ایک اور قبیلہ کا بھی نام ہے جو اسماعیلی قبائل کی شاخ، ہذیل ابن کنانہ کی فرع ہے۔ یہ ظہور اسلام تک مدینہ کے قریب آباد تھی، مسلمانوں کو اس کے ساتھ ایک غزوہ بھی پیش آیا تھا۔

---

[1] ہیروڈوٹس باب ۳ فقرہ ۱۰۰ [2] Goldmines P [3] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۴۷۹

مجہول قبائل سامیہ

ان قبائل مذکورہ کے علاوہ اور بہت سے قدیم قبائل بائدہ کے نام منقول ہیں، لیکن نام کے سوا اور کچھ نہیں معلوم، مثلاً عبیل، عبس اولی، امیم، ارقم، وبار وغیرہم، جاہلی شاعر نابغہ جو اسلام سے کچھ پہلے گذرا ہے، ایک قصیدہ میں عرب کے قبائل بائدہ کا یہ تفصیل ذکر کرتا ہے[1]:

الم تروا ارما ولاعادا — افناهم الليل والنهار
وانقرضت بعدهم — ثمود بما جنى فيهم قدار
وجاسم بعدهم وسطم — قداوحشت منهم الديار
وحل بالحي من جديس — يوم من الشر مستطار
ومرّ دهر على صحار — فهلكت جيرة صحار
وتبعت بعدهم وبار — ولااصحار ولادبار
بادوا وخنوار سوم دار — فاستوطنت بعدهم نزار
لان لهم سودد وحلم — ونجدة شانها وقار
اخنت عليهم صروف دهر — له على اهله عثار

[1] حمزہ اصفہانی کلکتہ ص ۱۱۱

طبقہ ثانیہ

بنو قحطان

(۲۵۰۰ق م)

قحطان، قبائل یمن کا جد اعلیٰ تھا، عبرانی توراۃ میں قحطان کے بجائے یقطان مذکور ہے، (تکوین ۱۰۔۲۶) توراۃ کے یونانی تراجم میں ''یا'' کو ''جیم'' سے بدل کر جقطان استعمال کیا گیا ہے، قحطان، یقطان اور جقطان تینوں ایک ہی نام کے مختلف تلفظ ہیں۔ یہ نظریہ گو پہلے علمائے نصرانیت میں مسلم نہ تھا، لیکن اب یہ عام طور سے قبول کیا جارہا ہے، چنانچہ انسائیکلو پیڈیا میں جو زمانہ حال کی مستحکم ترین سند ہے، اس اتحاد کو تسلیم کیا گیا ہے[۱]۔ ریورنڈ فارسٹر جنھوں نے انیسویں صدی کے وسط میں عرب کا جغرافیہ تاریخی لکھا ہے، وہ اس اتحاد کے لئے نہایت بے قرار ہیں[۲]، کہ توراۃ کے یقطان کی تاریخی شخصیت کی تصدیق عرب کے قحطان کے سوا کسی اور صورت میں نظر نہیں آتی، ان ہی اسباب سے ہم دیکھتے ہیں کہ توراۃ کے مشرقی تراجم میں یقطان کے بجائے اب عام طور سے قحطان لکھا جاتا ہے۔

قحطان و یقطان کے اتحاد مسمی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ توراۃ میں جن اولادوں کا ذکر ہے، اصول تطابق اسماء کی بنا پر ان کا مسکن یمن ثابت ہوتا ہے، جس کی تفصیل یہیں آگے آتی ہے توراۃ نے ان کی جائے سکونت ''مسا سے صفار پورب کے پہاڑ تک'' بتائی ہے، (تکوین ۱۰۔۳۱) مسا اور صفار؛ دونوں مقام مجہول ہیں، صفار سے اب عموماً ظفار واقع یمن مراد لیا جاتا ہے، مسا سے اگر حجاز مراد لیا جائے[۳]، (کیوں کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام مسا تھا) تو مطلب یہ ہوگا کہ حجاز سے یمن تک بنو قحطان آباد تھے اور یہ بیان عربوں کی روایت کے بالکل مطابق ہے۔

توراۃ میں ہے کہ قحطان کے تیرہ بیٹے تھے، الموداد، شلف، ہدورام، اوزال، دقلاہ، عوبال

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲ ص ۲۸۲ [۲] ج ۱ فصل ۲ [۳] اسی کتاب میں جغرافیہ عرب حسب بیان توراۃ دیکھو

ابی مال، اوخیر، حویلہ، یوباب، یارح، حضارموت، شبا، (تکوین ۱۰۔۳۰)

عرب رواۃ یارح، حضارموت اور شبا کے سوا کسی اور سے واقف نہیں، لیکن یورپ کی مذہبی جماعت نہایت اہتمام وکوشش سے ان میں سے ہر ایک کا وطن و مسکن عرب کے ایک ایک گوشہ میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکال رہی ہے، ان کی تحقیقات کا نتیجہ حسب ذیل ہے گو ان کی صحت قطعی نہیں۔

الموداد

الموداد اور اس کی اولاد نے مشرقی عرب کے سواحل بحر فارس پر اقامت کی، کیوں کہ بطلیموس نے الومائیو (Allumaeoto) نام ایک عرب قبیلہ کو جو الموداد کے نام سے مطابق ہے یہیں جگہ دی ہے۔

شلف

بنوشلف حجاز میں مدینہ اور کوہ ذامس کے مابین آباد تھے بطلیموس نے سلفنی نام یہاں ایک قوم کا ذکر کیا ہے جو عبرانی نام کی یونانی شکل ہے۔

ہدورام

ہدورام کی اولاد نے بھی یہی سمت اختیار کی ہدرمہ (Hadrama) نام ایک آبادی کا ابوالفدا نے ذکر کیا ہے (اصل نام حضرمہ ہے، ان ناواقفوں کو D کے تلفظ نے دھوکا دیا ہے، جو یورپین زبانوں میں عربی کے ''ذ'' اور ''ض'' دونوں کا کام دیتا ہے، جغرافیہ ابوالفدا کے یورپین ترجمہ میں حضرمہ کو (Hadrama) لکھا ہوگا۔

اوزال

وسط یمن میں اس مقام پر آباد ہوئے جہاں اب صنعاء آباد ہے، ان ہی کے نام سے یمن میں 'اوزال' ایک مشہور شہر تھا، یہ شہر حضرت مسیحؑ سے چھ سات سو برس پہلے تجارت کی ایک بڑی منڈی تھی، یہاں سے فولاد، تیز پات اور مسالہ لایا کرتے تھے (حزقیال، ۲۷-۱۹) یہود اب تک موجودہ صنعاء کو جو قدیم اوزال کی جگہ چھٹی صدی عیسوی میں آباد ہوا ہے، اوزال ہی کہتے ہیں۔

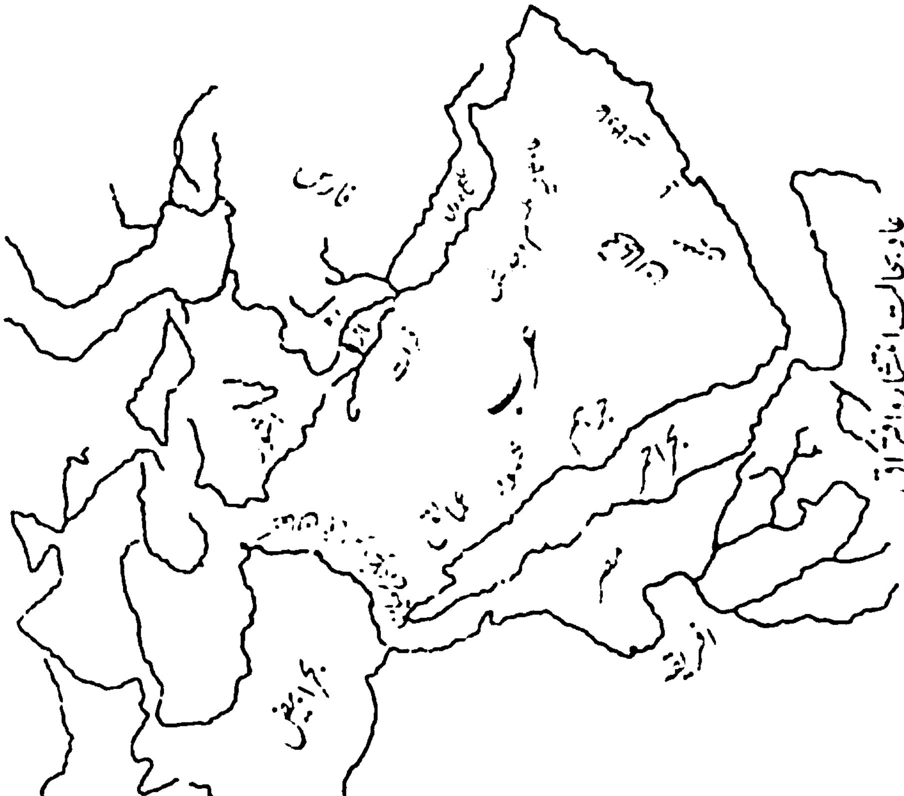

وقلاه

یمن میں ایک مقام کا نام "ذوالخلاعہ" ہے، شاید وہ عبری وقلا کی عربی شکل ہو۔

عوبال

عرب میں اس خاندان کا نشان نہیں ملتا، شاید کہ وہ افریقہ (ایتھوپیا) چلا گیا ہو۔

ابی مائل

بعض اشخاص کے بیان کردہ آثار کے مطابق مسکن بنی سالف اور حجاز کے مابین اس کی اقامت ظاہر ہوتی ہے۔

اوفر

بنو اوفر یمن کے سواحل پر جا گزیں ہوئے، ان ہی کے نام سے اس مقام کو اوفر کہتے تھے، یہ یمن کا قدیم بندرگاہ تھا، حضرت سلیمانؑ کے جہاز یہاں آکر لنگر انداز ہوا کرتے تھے اور ان کے لئے یہاں سے سونا لاد کر لے جایا کرتے تھے (سلاطین ۹۔۲۸) اوفر کے سونے کا تمام اسفارِ یہود میں بہ کثرت ذکر ہے[1]۔

حویلہ

اس کی اولاد یمن میں شمال کی جانب آباد ہوئی جہاں ان کے نام سے شہر حویلہ آباد ہوا۔

یوباب

یوباب کو یونانی میں جواب کہیں گے، یمن کے جنوب میں جوبارئی (Jobariee) کو بطلیموس نے جگہ دی ہے، شاید یہ وہی ہو[2]۔

یارح، حضرموت اور سبا کے متعلق کسی قدر زیادہ حالات ہم کو لکھنے ہیں اس لئے ان کے لئے مستقل عنوانوں کی ضرورت ہے۔

۱۔ ایام دوم ۸۔۱۸، ۹۔۱۰، ۱۰۔۱۱، ایام اول ۲۹، ۳۳، ایوب ۲۲۔۲۴، ۲۸۔۱۶، زبور ۴۵۔۹، یسعیاہ ۱۳۔۱۲

۲۔ ان تمام بیانات ... فصل

یارح یا یعرب

یارح عبرانی ہے، عرب اس کو یعرب کہتے ہیں، السنہ قدیمہ میں اس قسم کا تغیر لہجہ نہایت عام ہے، یہودی رواۃ عرب تمام قبائل یمن کو تنہا اسی یعرب کی اولاد قرار دیتے ہیں، یہاں تک کہ شبا کو بھی یعرب ہی کا بیٹا سمجھتے ہیں اور یہی رائے ہمارے ہاں متفقاً تمام علمائے ادب وانساب کی ہے، اس غلطی کا سر بنیاد صرف عبید بن شریہ وغیرہ یہود یمن کے عام افسانے ہیں، توراۃ میں قحطان واولادِ قحطان کے تحریری حالات وانساب موجود ہیں، جن کا رتبہ بہر حال یہودیوں کی زبانی کہانیوں سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

روایات عرب کے رو سے یعرب، یمن کا سب سے پہلا بادشاہ ہے، یا یوں سمجھو کہ تمام بنو قحطان میں نسل یعرب پہلی حکمراں جماعت ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ دعائے شاہانہ جو اسلام سے پہلے جاہلیت میں جاری تھی یعنی اَبَیْتَ اللَّعْن وَ اَنْعِمْ صَبَاحاً سب سے پہلے اسی کو دی گئی، یہ بھی مشہور ہے کہ عربی زبان کا سب سے پہلا متکلم فصیح یہی تھا، حسان بن ثابتؓ (مشہور شاعر وصحابی) فرماتے ہیں:

تعلمتم من منطق الشیخ یعرب ... ابینا فصرتم معربین ذوی نفر

وکنتم قدیما لکم غیر عجمۃ ... کلام وکنتم کالبھائم فی القفر

یہاں تک تو غنیمت ہے، آگے چل کر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ''عربی'' اور ''عرب'' کا نام بلکہ وجود اسی ''یعرب'' سے ماخوذ ہے، ہماری رائے میں یہ دعویٰ صرف لفظ ''یعرب'' اور ''عرب'' کی مناسبت لفظی پر مبنی ہے، بلکہ یعرب کی فصیح اللسانی کا دعویٰ بھی عجب نہیں کہ اسی نام کی معنوی مناسبت کا نتیجہ ہو کہ ''یعرب'' اور ''اعراب'' ہم مادہ ہیں، اور ''اعراب'' کے معنی عربی زبان میں صفائی کے ساتھ اظہار مطلب کے ہیں۔

توراۃ میں یعرب کی اولاد کا حال مذکور نہیں، رواۃ عرب، یشجب نام اس کے ایک بیٹے کا ذکر کرتے ہیں اور سبا کو توراۃ کے برخلاف یعرب (یارح) کے بھائی کے بجائے یعرب کا پوتا اور یشجب کا

بینا کہتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان دونوں ماخذوں میں معتبر ترکون ہے؟ یہ بھی روایت ہے کہ یعرب خود یمن کا فرمانروا ہوا اور اپنے بھائی جرہم کو حجاز کا حاکم بنایا، توراۃ میں یعرب کے تمام بھائیوں کے نام مذکور ہیں ان میں جرہم کسی کا نام نہیں، جرہم البتہ ایک الگ قبیلہ تھا جس کا ذکر ہم ''امم سامیہ'' کے عنوان میں مفصل کر آئے ہیں۔

مصنف جغرافیہ عرب ریورنڈ فارسٹر اور ان کی گمراہ کن پیروی میں مصنف ''خطبات احمدیہ'' نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یارح یعرب اور جرہم ایک ہی نام ہے، یارح اور یعرب کا اتحاد تو ظاہر ہے، لیکن یارح اور جرہم میں باہم کیا تعلق ہے؟ یہ غلطی اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ یونانی تلفظ میں جس کی تمام السنہ یورپ میں تقلید ہے، ''ی'' ''ج'' سے بدل کر ''یرح'' کا ''جرح'' ہو گیا ہے، اس بنا پر ایک یورپین کی نگاہ میں اگر ''جرح'' اور جرہم ''ایک نظر آتے تو تعجب نہیں، لیکن ایک عرب نژاد مسلمان کو کیوں کر دھوکا ہوا؟ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جرہم خاص سامی التلفظ نام ہے، یونانی نہیں، کیوں کہ اسمائے قدیم کے متعلق عربوں کے معلومات براہ راست یہودیوں سے ماخوذ ہیں جن کی زبان عبرانی و سریانی تھی اور یا خود ان کے عربی موروثی روایات ہیں اور ان دونوں کے لحاظ سے ''ی'' اور ''ج'' کا مبادلہ غیر مسلم ہے، یہ مبادلہ سامی (عبری و عربی) اور غیر سامی (یونانی و لاطینی) زبانوں کے مابین ہوتا ہے ورنہ خود سامی زبانوں کے اندر اس قسم کا مبادلہ کبھی نہیں ہوتا۔

یعرب اور نسل یعرب اور اس کی حکومت کے متعلق کچھ نہیں معلوم، روایات عرب میں غلطی سے سبا کو یعرب کی فرع تسلیم کر کے تمام قبائل سبا اور حکومتہائے سبا کو قبائل یعرب اور حکومتہائے یعرب کہتے ہیں، لیکن ہم بحوالہ توراۃ ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ سبا اور یعرب دونوں قحطان کی الگ الگ اور مستقل شاخیں ہیں، اہل معین کا دور حکومت جیسا کہ گذرا ستر ہویں صدی ق م سے شروع ہوتا ہے، اور امم سامیہ اولیٰ (عاد وغیرہ) جو یمن پر قابض تھے، ان کی تباہی ۱۸۰۰ ق م میں ہوئی ہے، تو کیا درمیانی زمانہ نسل یعرب کا فرض کیا جائے؟

حصارموت یا حضرموت

عبرانی زبان میں ''ض'' نہیں ہے، اس لئے حضرموت کا تلفظ اس میں حضرموت یا حصار موت بہ زیادتِ الف ہے، حضرموت کی اولاد نے جس قطعہ عرب کو اپنا مسکن بنایا وہ حضرموت کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ حضرموت، عرب کے انتہائی جنوب میں بحر عرب کے سواحل پر یمن کے مشرق میں واقع ہے۔

حضرموت کی ایک مستقل حکومت تھی جس کا ذکر یونانیوں نے جابجا کیا ہے، مسلمان مورخین بھی اس دورِ حکومت سے واقف تھے علم الآثار نے بھی یہاں کے متعدد بادشاہوں کے نام دریافت کئے ہیں' یونانی زبانوں میں باہم ''ح'' اور A اور Ch ''ض'' اور D اور T اور S میں مبادلہ ہوجاتا ہے، اس لئے حضرموت کا تلفظ یونانی میں مختلف طرق سے ہوا ہے، سینٹ جیروم نے (Asarmonth) پلینی نے AtranitaeChatramotitae اور بطلیموس نے Chathramitae اور Chatramotitae کیا ہے۔[1]

عرب مورخین نے حضرموت کی کو مفصل تاریخ کہیں بیان نہیں کی ہے، لیکن ان کو معلوم تھا کہ سبا کی طرح اس خاندان میں بھی متعدد بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں، ان کا لقب عیاہل ہوتا تھا، مورخین عرب کا بیان ہے كان فيهم ملوك تقارب ملوك التبابعة في علو الصيت ونباهة الذكر یعنی شاہان حضرموت، شہرت اور ناموری میں تابعہ یمن کے ہم درجہ تھے، ابن خلدون نے تاریخ میں بعض بادشاہوں کا ذکر کیا ہے، نشوان بن سعید حمیری نے بھی ان کا نام لیا ہے۔[2]

وعياهل من حضرموت من بنى ... اجمادذى الاشبا وآل صباح
والعز من جدن وابنامرة ... وبنى شبيب والاولى بناح
وبنى الهذيل وآل فهد منهم ... من كل حش بالندى سرتاح

---

[1] فارسٹر اور بیان [2] قصیدۂ حمیریہ قلمی کتب خانہ بانکی پور

فرزندان حضر موت زیادہ تر لڑائیوں میں برباد ہو گئے اور جو بچے انھوں نے اپنے کو قبیلہ کندہ میں منضم کر دیا، ابن خلدون کی عبارت ہے:

فقد ذهب اكثرهم واندرج بقيهم في كندة وصاروا في عدادهم[1]	اکثر لوگ فنا ہو گئے جو بچے وہ قبیلہ کندہ میں مختلط ہو گئے اور ان کا شمار ان ہی میں ہو گیا۔

بنی حضر موت چونکہ بحر عرب کے ساحل پر آباد تھے جو تقریباً جنوبی ہندوستان کے سامنے ہے، اس لئے ہندوستان کی بحری تجارت کے یہ عہد قدیم سے مالک تھے، ہندوستان کا تمام بیوپار ان ہی کے توسط سے انجام پاتا تھا، جہاز رانی میں ان کو خاص دستگاہ حاصل تھی، اسلام کے بعد ان کی یہ قوت اور زیادہ نمایاں ہو کر چمکی، جزائر ہند، جاوہ، ساطرہ اور تمام سواحل ہند میں ان کی نوآبادیاں قائم ہیں، دکن کی فوجی طاقت میں حیدر آباد اور مرہٹوں کے زمانہ تک ان کا عنصر ایک جزء اہم تھا ان سواحل جزائر میں اشاعت اسلام کی خدمت بھی ان ہی حضر موتی عربوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہے۔

حضر موت اور توراۃ حضر موت ان خوش نصیب عرب قبائل میں ہے جن کا نام توراۃ میں مذکور ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ خوش نصیبی نام کی حیثیت سے صرف ایک ہی بار نصیب ہوتی ہے، یعنی قحطان کے بیٹوں کے سلسلہ میں، لیکن حضر موت کے بندرگاہ قانہ یا قانع کا نام تجارت کی مناسبت سے مذکور ہے، حزقیال ۲۷۔۲۲ میں ہے "فاران اور قانہ اور عدن سبا کے تاجر اسیریا...... تیرے بیوپاری تھے" قانہ کا بندرگاہ کتبات میں بھی مذکور ہے۔

حضر موت اور یونان یونان نے بھی بحری تجارت اور ہندوستانی بیوپار کے تعلق سے ان کا ذکر کیا ہے، اراتوسٹھنیس (Eratosthens) المتوفی ۱۹۶ ق م بیان کرتا ہے کہ "یمن کے آخر میں مشرق کی طرف حضر موت (Chatramitis) ہے، اس کے دارالحکومت کا نام سبا تھا (Sabbatha) ہے، سبا تھا کا اصلی تلفظ "شبوہ" ہے، جو اب تک حضر موت کی ایک مشہور آبادی ہے، یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے، حضر موت زیادہ تر بخورات پیدا کرتا ہے لیکن ہر قسم کے میوے بھی وہاں وافر اور جانور بھی بکثرت ہوتے ہیں، حضر موت سبا کا ملک ۴۰ روز کی مسافت پر ہے... حضر موت اور شبا نہایت دولتمند شہر ہیں اور مذہبی اور شاہی عمارات سے آراستہ ہیں۔

پلینی (۷۹ء) کہتا ہے سبا کے ایک حصہ کا نام حضر موت ہے، جس کا خاص شہر سبا تھا (شبوہ)

---

[1] ابن خلدون ج ۲ صفحہ

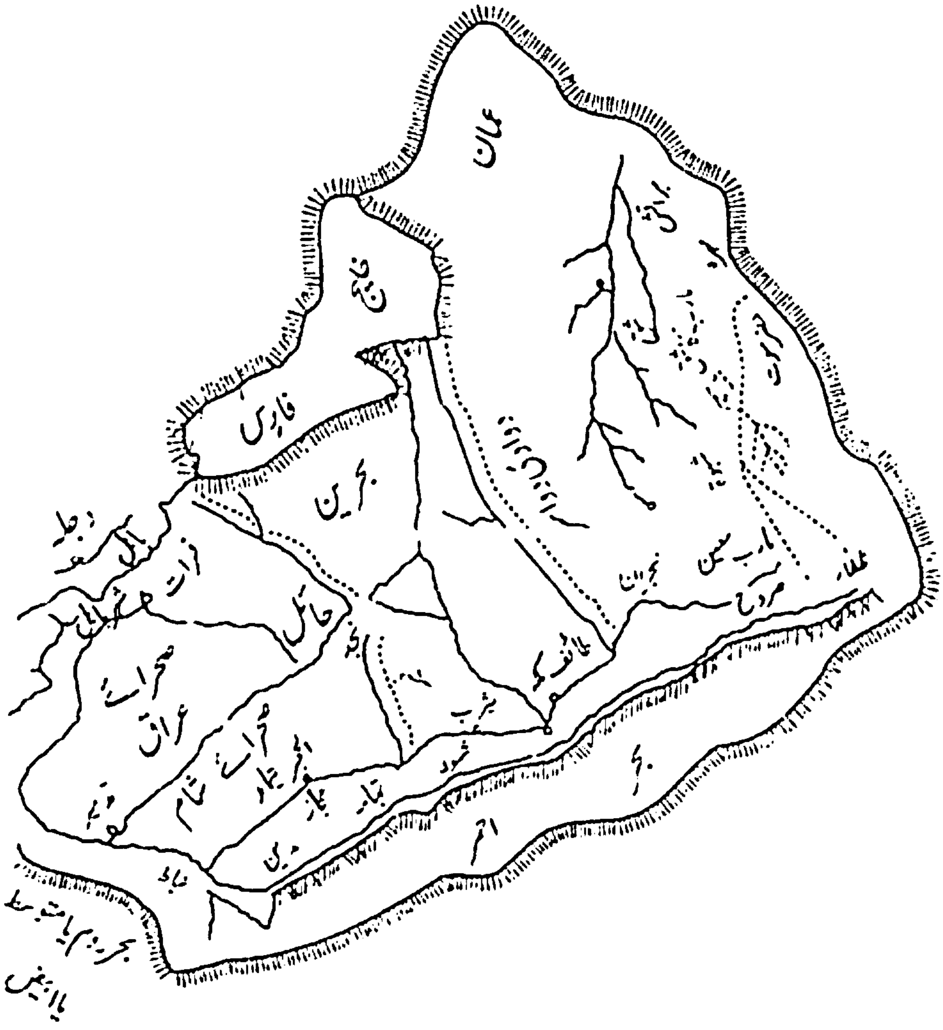
عمان
خلیج
فارس
بحرین
دجلہ
فرات
حائل
صحرائے عراق
صحرائے شام
یثرب
ثمود
طائف
مکہ
نجران
مارب
معین
مدین
بحر
احمر
بحر روم یا متوسط
یا ابیض

ہے۔ اس شہر میں ٦٠ ہیکل ہیں..... یہاں سے بخورات جمع کر کے سباتھالائے جاتے ہیں اس وقت تک یہ خرید نہیں کئے جا سکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جا سکتا ہے جب تک کاہن سباتھا کے دیوتا کے لئے ایک عشر (دسواں حصہ) ان سے نکال نہیں لیتا[1]۔

ایک یونانی مورخ لکھتا ہے کہ "حضرموت میں بادشاہ وراثتًا نہیں ہوتا، بلکہ شرفائے ملک کے گھر میں بادشاہ کے انتخاب کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے وہی ولی عہد قرار پاتا ہے"۔

تھیوفراسٹینس (Theophrastens) جو تاریخ طبیعی کا مصنف ہے، بیان کرتا ہے کہ "لوبان وعود وغیرہ بخورات، سبا اور حضرموت کے عرب اضلاع میں پیدا ہوتے ہیں، ... یہ تمام ملک سبا کے متعلق ہے[2]"، تھیوفراسٹینس کا زمانہ ۳۱۲ ق م ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد قدیم میں بھی حضرموت سبا سے آزاد نہ تھا۔

حضرموت اور آثار قدیمہ حضرموت کے آثار کی تحقیق بہت کم ہوئی ہے ۱۹۱۳ء تک جو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول کے طبع کی تاریخ ہے۔ حضرموت کے پایہ تخت شبوہ میں سیکڑوں کتبات ایسے موجود تھے، جو پڑھے نہیں گئے تھے[3]، تاہم جو آثار دریافت ہو چکے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرموت کا تعلق نہایت قدیم زمانہ سے معین کے ساتھ تھا، بلکہ حضرموت کا خاندان معین کے ساتھ نسبی تعلقات بھی رکھتا تھا، اور قانہ کا بندرگاہ اور ملک کا ایک ٹکڑا ایک حد تک اس کے ماتحت تھا، ایک طویل خاموشی کے بعد حضرموت کا نام سبا کی ماتحتی میں نظر آتا ہے[4]۔

سبا کا زمانہ نوسو یا دس سو ق م سے ۱۱۵ ق م تک فرض کیا گیا ہے، اس دور میں بھی حضرموت کی حکومت کا ذکر جنگ وصلح کے تعلق سے آتا ہے، شاہان سبا کے خطاب شاہی کے ساتھ "شاہ حضرموت" کا لقب بھی نظر آتا ہے، سواحل یمن کی دوسری جانب ملک حبش ہے، اہل حبش بھی حقیقت میں سبائی عرب تھے، انھوں نے اپنی نوآبادی، زمانہ قدیم میں اپنے وطن کی دوسری مقابل جانب میں قائم کی تھی، اس زمانہ میں رفتہ رفتہ وہ بھی سواحل حضرموت پر واپس آرہے تھے، تقریبًا ۳۰۰ء میں بالآخر حضرموت پر انھوں نے استیلا حاصل کر لیا[5]۔

---

[1] ان دونوں یونانی حوالوں کے لئے دیکھو Dunker's History of Antiquity Ed I Page 310,311,313

[2] Vol I Page 351 ۳۷۱ء Heeren's Historical Researches [3] Heeren's

Vol I Page 351 Historical Researches [4] انسائیکلوپیڈیا آف

اسلام ج ۱ [5] Historical Arab Eetome Page 49

حضر موت کے بادشاہوں کے جو نام کتبات ونقوش میں پڑھے گئے ہیں، ان میں سے ہم کو صرف دو معلوم ہیں ''صدوق ایل'' اور ''معدی کرب'' معدی کرب، صدوق ایل کا پوتا تھا، اور معین کے بادشاہ ابی یدع یاثع کا چچا اور معاصر۔

حضر موت اور اسلام ۱۰ھ میں حجاز ونجد سے فارغ ہو کر آں حضرت ﷺ نے یمن میں حضرت علیؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو اصلاً یمنی تھے دعوت اسلام کی غرض سے یمن بھیجا، ایک ہی سال کے اندر اندر تمام ملک مسلمان تھا، اسی سال زیاد بن ولید خزرجی یہاں عامل مقرر ہو کر آئے، عہد اسلام میں حضر موت کا آخری بادشاہ حشولا، وائل بن حجر تھا، حضر موت کی زبان حجاز کی زبان سے مختلف تھی، شاہان عالم کے سلسلہ میں وائل کو عربی میں جو خط لکھا گیا تھا، وہ حضر موتی الفاظ کی آمیزش کے ساتھ تھا۔

من محمد رسول الله الیٰ الاقیال العباهلة، والارواع المشابیب ....فی التبیعة لامقورة الالباط، ولاخناك وانطوا لثبجة وفی السیوب الخمس ومن زنامم بکم فاصفعوه مائة واستو فقوه عاماومن زنامم ثیب فضرجوه بالاضامیم ولاتو...........فی الدین.

سبا

یہ امم قحطانیہ کی سب سے مشہور شاخ ہے، ایک طرف روایات عرب، حکایات یونان اور آثار قدیمہ ہیں، دوسری طرف قرآن مجید، تورات، زبور اور انجیل میں اس کی شہرت ورفعت کی داستانیں، اور واقعات موجود ہیں، جنوبی وشمالی عرب جو تمدن کے گہوارے تھے اس کی حکومت کے مرکز ہیں، لیکن اس کی حکومت کو حقیقی وسعت واقتدار جنوبی عرب میں حاصل تھا، معین کی حکومت اب بر سرزوال تھی۔ یمن میں معین کے قلعوں کے چاروں طرف سبا نے اپنے قلعے قائم کر لئے تھے۔

نام تورات میں شبا ایک جد قبیلہ کا نام ہے، عرب روایات کے مطابق اس جد قبیلہ کا نام عمر یا عبد شمس اور لقب سبا تھا، محققین جدید بھی زیادہ تر اس کو لقب خیال کرتے ہیں، لغویین عرب کی رائے ہے کہ یہ ''سبی'' سے مشتق ہے، جس کے معنی غلام بنانے کے ہیں، چونکہ عبد شمس بہت بڑا فاتح تھا، اور اس نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے غلام بنایا اس لئے اس کا لقب سبا قرار پا گیا، تحقیق جدید یہ ہے کہ ''ابی'' اور ''سبا'' اس معنی سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم ''تجارت'' ہے کتبات میں عموماً ''سبا'' کا مادہ تجارتی سفر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے[1]۔ عربی زبان میں یہ اب تک شراب کی تجارت اور خرید وفروخت اور اس کے لئے سفر کے معنی میں مستعمل ہے، سبا چونکہ تاجر قوم تھی اس لئے اس لقب سے مشہور ہوئی۔

زمانہ سبا کا زمانہ عروج کب سے شروع ہوتا ہے؟ روایات عرب میں براہ راست اس کا کوئی ذکر نہیں، لیکن تمام مورخین اور اہل نسب نے عبد شمس سبا کو قحطان کا پوتا لکھا ہے، اور اس کی حکومت کا زمانہ ۴۸۴ برس[2] بتاتے ہیں، اس کے بعد اس کا جانشین ان کی تصریح کے مطابق حمیر ہوتا ہے، بہ قاعدہ عام عبد شمس سے اگر عبد شمس کا خاندان مراد لیا جائے تو قحطان کی تیسری پشت سے جو کم از کم ۲۵۰۰ ق م میں ہوگی، اس کا زمانہ شروع ہو کر ۴۸۰ برس کے بعد ۲۰۰۰ کے پس وپیش میں ختم ہو جائے گا حالانکہ سبا اور حضرت سلیمانؑ (۹۵۰ ق م) کی معاصرت قرآن مجید، اسفار یہود اور انجیل سے اس کے ایک ہزار

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲۳ صفحہ ۹۵۵ [2] مروج الذہب مسعودی جلد ا صفحہ ۱۹۳ مصر

برس کے بعد بھی ثابت ہے۔

اسفار یہود میں سبا کا حکومت کی حیثیت سے ذکر سب سے پہلے حضرت داوٴدؑ کی زبور میں نظر آتا ہے[۱] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۰۰ق م سے پہلے عہد عروج شروع ہو چکا تھا، اسیریا کے کتبات میں ۷۱۵ ق م میں اس کا ایک بادشاہ اسیریا کو خراج دیتا ہے، یہ سبا کی ترقی کا درمیانی زمانہ ہے، آخر میں ولادت مسیحؑ کے پس وپیش یونانی تاریخوں میں بھی اس کا ذکر ہے، اس سے سبا کا آخری زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔

یمن کی تمام قدیم حکومتوں میں سے سبا کے آثار و کتبات سب سے زیادہ ملے ہیں، یہ کتبے اکثر غیر مورخ ہیں، لیکن بعض واقعات، اشارات اور خود کتبات کے حوالوں کی مدد سے علمائے آثار نے زمانہ کی تحدید کرنی چاہی ہے، یہ متفق طور سے ثابت ہے کہ از روئے کتبات ۱۱۵ق م سبا کی آخری تاریخ ہے، ابتدائی تاریخ کی نسبت بھی یہ متفق ہے کہ وہ نویں صدی ق م سے پیچھے نہیں ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ انیسویں صدی ق م سے پیچھے نہیں ہے[۲]، ہماری رائے ہے کہ چونکہ حضرت داوٴدؑ کی زبور میں جس کا زمانہ تصنیف دسویں صدی ق م کا وسط حصہ ہے، شاہان سبا کا ذکر صریح موجود ہے، اس لئے سبا کا ابتدائی زمانہ عروج ۱۱۰۰ق م سے کسی حال میں کم نہیں ہوسکتا۔

دائرہ حکومت سبا کا اصلی مرکز حکومت جنوب عرب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا، اس کا دارالحکومت شہر مارب تھا، لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مغرب میں حضرموت تک وسیع ہو گیا تھا، اور چونکہ یہ ایک تاجر قوم تھی اس لئے بہت سے بحری اور تجارتی راستوں پر بھی اس کو قبضہ کرنا پڑا تھا اسی سلسلہ میں شمالی عرب میں سبا کی حکومت نظر آتی ہے، اور افریقہ میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں، حبشہ میں اذینہ کا ضلع سبا کے ماتحت تھا، اس ضلع پر "معاذر" کے لقب سے ایک سبائی گورنر حکومت کرتا تھا[۳]۔ یمن سے براہ حجاز شام تک جو قدیم تجارتی راستہ تھا، یہ بھی ان ہی کے قبضہ میں اس وقت نظر آتا ہے، اور اس پر جا بجا ان کی نوآبادیاں قائم معلوم ہوتی ہیں، غالباً ان مقامات پر سبا کا قبضہ واستیلاء، نویں یا آٹھویں صدی میں اہل معین کے مفتوح ہونے کے بعد ہوا ہوگا۔

اسیریا کے بادشاہ سرجون کے ایک کتبہ میں جو ۷۱۵ ق م کا ہے، شمالی عرب کے چند قبائل کا ذکر ہے ان میں ایک کا نام "یشعمر سبائی" ہے، یہ سرجون کو خراج دیتا ہے[۴]، سرجون کا یمن تک آنا آثار

---

۱ زبور داوٴد ۷۲-۱۰　۲ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲ ص ۲۶۴　۳ و ۴ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۳ ص ۴۶۶

سے ثابت نہیں ہے، اس لئے لامحالہ خود سبا کا گذر وہاں تک ہوا ہوگا، اس واقعہ سے سبا کی حکومت کا رقبہ شمالی عرب میں عراق تک ثابت ہوتا ہے اور سبا کی حکومت کا ان اطراف میں سراغ بھی ملتا ہے، سفر ایوب ۱-۱۵ میں ہے کہ سبا نے اور اہل اسیریا نے حضرت ایوب کے غلام اور جانور لوٹ لئے" ۶-۱۹ میں ہے کہ "سبا کے ساتھی تیماء کے سواروں کا انتظار کرتے ہیں" تیماء شام کے پاس شمالی عرب میں ایک شہر ہے، اس آیت سے سبا اور شام کے تعلقات ظاہر ہوتے ہیں، دیگر اسفار یہود میں بھی سبا کا بہ کثرت ذکر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک شام و فلسطین و مدین کے آس پاس بھی سبا کی نو آبادیاں تھیں۔

سبا اور اس کی شاخوں میں امتیاز عام عرب مورخین نے حمیر کو سبا کا بلاواسطہ جانشین فرض کیا ہے، اور ان تمام ملوک یمن کو جو اس سلسلہ میں اول سے آخر تک گذرے ہیں، ان کو حمیر بن سبا اور ملوک حمیر بن سبا سمجھتے ہیں، اس بنا پر مستقلاً خاص سبا کے نام سے کسی زمانہ میں بھی ان کے اصول کے مطابق کوئی حکومت نہ تھی، لیکن تصریح قرآن کے یہ بالکل مخالف ہے، اس نے حمیر کے بلاتوسط حکومت سبا کا صاف وصریح نام لیا ہے، اور تمام عبرانی، یونانی اور اثری شہادات قرآن کے ساتھ ہیں، عبرانی صحائف جن کا زمانہ آخر ۴۰۰ ق م ہے، حکومت یمن کا ہمیشہ سبا کے نام سے ذکر کرتے ہیں، یونانی مورخین نے ۲۰ ق م سے پہلے حمیر کا نام نہیں لیا ہے، آثار میں ۱۱۵ ق م کے بعد حمیر خاندان کا وجود نظر آتا ہے۔

مورخین عرب نے ایک بڑی غلطی یہ کی ہے کہ حمیری بانی حکومت سے حمیر بن سبا تک جتنے آبائے نسب تھے ان سب کو بادشاہ قرار دے کر وہیں سے حمیری حکومت قائم کردی، حالانکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک فرزند قبیلہ جو اتفاق سے ایک سلطنت کا بانی ہو جائے اس سے لے کر خود پدر قبیلہ تک اس سلطنت کی نسبت مسلسل ہو، ابوالعباس سفاح عباسی حکومت کا بانی ہے لیکن اس خاندان کے پدر اول حضرت عباسؓ اس سے پانچ چھ پشت پہلے ہیں، اس بنا پر نسب عباسی کی ابتدا بے شک حضرت عباسؓ سے کی جائے گی، لیکن ظاہر ہے کہ حکومت عباسی کی ابتدا حضرت عباسؓ سے نہیں، بلکہ سفاح سے کی جائے گی، اس طرح نسب حمیری کی ابتدا حمیر بن سبا سے ہے، لیکن حکومت حمیری اس کے سینکڑوں برس بعد قائم ہوئی اور نسب خاندانی کے لحاظ سے صحیح طور پر اس کو حمیری کہا گیا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ خود حمیر بن سبا نے اس کی بنیاد بھی ڈالی، امیر معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کی حکومت کا نام اموی ہے، لیکن کیا اس کا یہ مفہوم ہے کہ خود امیہ اس کا بانی بھی تھا۔

سبا کو چھوڑ کر سبا کی متفرق شاخوں میں جو بادشاہ گذرے ہیں، ان کے نام وتعداد و حالات کسی قدر زیادہ روشن ہیں، اس بنا پر ان کا زمانہ ۶ یا ۷ سو سے زیادہ نہیں[1]۔ اس زمانہ کی انتہائی حد معلوم ہے یعنی تقریباً سن ۶۰۰ جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے اس حساب سے ان کی ابتدائے تفرق سن ۱۱۵ ق م یا علی العموم پہلی صدی ق م ہونا چاہئے اور یہ وہی زمانہ ہے جس کو گلازر وغیرہ نے ابتدائے حمیر و انتہائے سبا کے لئے از روئے آثار مقرر کیا ہے، اس بنا پر اس زمانہ تفرق و تفرع سے پہلے فرزندان سبا کا جو مشترک زمانہ تھا، حکومت سبا سے وہی عہد مراد ہے۔

فرمان روایان سبا حکومت سبا کا نام تحریری حیثیت سے سب سے پہلے ۱۰۰۰ ق م میں حضرت داؤدؑ کے عہد میں نظر آتا ہے، اس زمانہ بعید العہد میں بھی سبا کی دولت و حشمت، ہمسایہ بادشاہوں کی نگاہوں میں قابل رشک تھی، حضرت داؤدؑ زبور میں کہتے ہیں:

> الٰہی! اپنے بادشاہ کو اپنا فیصلہ عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو راستی... شبا اور سبا کے بادشاہ اس کو نذریں دیں گے ... اور شبا کا سونا اس کو پیش کیا جائے گا[2]۔

بادشاہ (داؤدؑ) کی دعا قبول ہوئی، اور بادشاہ کے بیٹے (سلیمانؑ) کی بارگاہ میں سبا کے بادشاہ نے نذر دی اور سبا کا سونا اس کے سامنے پیش کیا۔ ۹۵۰ ق م میں جو تقریباً حضرت سلیمانؑ کا عہد ہے از روئے قرآن و توراۃ، سبا پر ایک عورت حکمراں تھی، روایات عرب اس عورت کا نام بلقیس بتاتے ہیں، لیکن بلقیس کا جو زمانہ وہ قرار دیتے ہیں، وہ صحیح نہیں مفصل بحث آگے آئے گی۔

سرجون یا شرغون شاہ اسیریا کے عہد میں جس کا زمانہ ۷۲۱ ق م و ۷۰۵ ق م ہے، ملک سبا پر یثعمر نام کا بادشاہ تھا، سرجون نے اپنے ایک یادگاری کتبہ پر لکھا ہے کہ "اس کو...... ثمود...... ثمسیہ ملکہ عرب (عربی) اور یثعمر سبائی نے خراج دیا[3]"۔ یہ متفق ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے، کہ سرجون یمن تک نہیں پہنچا، اس لئے ظاہر ہے کہ خود سبا حدود اسیریا تک پہنچ گئے تھے، اس کی تائید سفر ایوب سے بھی ہوتی ہے، جس میں کلدان (اسیریا) اور سبا کو باہم متحد اً شمالی عرب کے حدود میں ظاہر کیا گیا ہے۔

یثعمر سبا کے متعدد بادشاہوں کا نام ہے، ان ہی میں سے ایک وہ یثعمر بھی ہے، جس نے سبا کے دار الحکومت مارب میں سد عرم کی بنیاد ڈالی۔

---

[1] حمزہ اصفہانی سے ملوک غسان اور مناذرہ کے زمانوں کو جمع کر دو اور حمیر کے زمانے کی تعدیل کر کے دیکھو۔

[2] زبور ۷۲-۱۰-۱۵ [3] تاریخ بابل راجرس امریکانی جلد ۲ صفحہ ۱۶۴

عرب مورخین نے چونکہ سبا، و حمیر میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، اس لئے سلسلہ حمیر سے الگ انھوں نے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں کیا، البتہ حمیر کے انھوں نے دو ٹکڑے کئے ہیں، ملوک حمیر اور تبابعہ حمیر، ملوک وہ ہیں جو صرف یمن میں حکمراں تھے، تبابعہ وہ ہیں جن کے ماتحت یمن و حضرموت دونوں تھے، ان کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلا تبع، حارث الرائش ہے، ملوک حمیر کی تعداد ان کے ہاں بہت کم ہے، بلکہ بعضوں نے تو اس طبقہ کو بالکل حذف کر دیا ہے، وہ حمیر بن سبا کے بعد فوراً بلاواسطہ یا چند واسطہ حارث رائش کا نام لے لیتے ہیں، حالانکہ حمیر اور حارث کے درمیان کم از کم ایک ہزار برس کا فصل ہے، جس کی رخنہ پری صرف مخصوص مورخین نے کی ہے، لیکن وہ باہم اس قدر مختلف ہیں کہ نتیجتاً ان سب کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے، اس بے اعتباری کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بجز چند ناموں کے ان میں سے کوئی نام سبائی اسماء کے طرز کا نہیں ہے، حالانکہ ناموں کے اسلوب و طرز کو قومیت کی تعیین میں بہت بڑا دخل ہے، بہرحال مثالاً چند مختلف مستند روایات سے یہ درمیانی نام پیش ہیں۔

نشوان بن سعید حمیری	قلقشندی	ابوالفداء	ابن خلدون	مسعودی
سبا	سبا	سبا	سبا	سبا
حمیر	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر
الہمیسع	الہمیسع	وائل	وائل	کہلان
ایمن	ایمن	الکسک	الکسک	ابو مالک
زہیر	زہیر	یعفر	یعفر	جبار بن غالب
عریب	عریب	ذوریاش	نعمان	حارث الرائش
الغوث	قطن	نعمان	ذوریاش	......
وائل	الغوث	اشح	اشح	......
عبدشمس	وائل	شداد	حارث الرائش	......
زہیر النوار	عبدشمس	لقمان	...	....
ذو یقدم	زرعہ حمیر اصغر	ذوسدد	...	..
ذو انس	شدد	الحارث الرائش	......	......
عمرو	الحارث الرائش	......	......	......
الملطاط	......	......	......	......

نشوان بن سعید حمیری	قلقشندی	ابو الفداء	ابن خلدون	مسعودی
القلیص	......	......	......	......
سدد	......	......	......	......
الحارث الرائش	......	......	......	......

غالباً اسی اختلاف و اختلاط کی بنا پر حمزہ اصفہانی نے حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان کے نام چھوڑ دیئے ہیں، اور مجملاً لکھا ہے کہ حمیر بن سبا انتہائے عمر کو پہنچ کر مر گیا، اس کی نسل اس کے بعد وراثۃً حکومت کرتی رہی، اور ان کے خاندان سے نکل کر یمن کی مملکت دوسروں کو نہیں ملی، یہاں تک کہ صدیاں گذر گئیں، اور حکومت حارث الرائش کے ہاتھ میں آئی، یہ پہلا تبع ہے، حارث سے پہلے حکومت یمن، سبا اور حضر موت دو ٹکڑوں پر منقسم تھی، کل اہل یمن ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے، لیکن حارث الرائش جب بادشاہ ہوا تو سب اس پر متفق ہو گئے اور اس کے تابع بنے اس لئے اس کا نام تبع پڑا.... حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان پندرہ پشتیں ہیں[1]۔

اس عبارت میں آخری فقرہ کے علاوہ اور سب نہایت محتاط و قابل قبول باتیں ہیں تبابعہ زیادہ سے زیادہ ۱۰۰۰ق م سے شروع ہوتے ہیں، اس بنا پر اگر بقول صحیح، سبا کی اور بقول عرب ملوک حمیر بن سبا کی ابتدا کم از کم ۱۰۰۰ق م سے یعنی زمانہ داؤد سے ہو تو تبابعہ حمیر کے پہلے ملوک حمیر یا سبا کیلئے ۹۰۰ برس رہتے ہیں، اگر ایک ایک بادشاہ کا اوسط زمانہ ۲۵ برس بھی فرض کیا جائے تو کم از کم اس عرصہ میں ۳۶ پشتیں ہوں گی، اس لئے "حمیر بن سبا" کے معنی صرف یہ لینے چاہئیں کہ حمیر جو سبا کی اولاد در اولاد میں تھا، اور جو تقریباً ۱۱۵ ق م میں دولت حمیریہ کا بانی ہوا" اس حمیر اور حارث الرائش کے درمیان ۱۵ پشتیں ہونا ممکن ہے۔

بہر حال رواۃ عرب نے تبابعہ حمیر سے پہلے کے جو نام ملوک حمیر کے نام سے بتائے ہیں، وہ بہت کچھ محتاج نقد و تصحیح ہیں۔

آثار و کتبات نے تاریخ یمن کا جو حصہ روشن کیا ہے، نوشتہائے یونان و رومان کی مدد سے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ در حقیقت اشارہ قرآن کے مطابق حکومت یمن کے دو مستقل دور، دو مستقل ناموں سے ہیں، سبا اور حمیر، سبا کی انتہا معلوم و متفق ہے کہ وہ ۱۱۵ ق م ہے[2] اور یہی سال حمیر کی ابتدا کا

[1] حمزہ اصفہانی صفحہ ۱۰۸ کلکتہ [2] Encyclopaedia Britannica Vol II Page 264

ہے، سبا کی ابتدا ہم نے بوجود سابقہ الذکر (دیکھو سبا کا زمانہ ۱۲۰۰ ق م سے کی ہے. اس بنا پر حمیر سے پہلے حقیقی سبا کی تاریخ ۱۰۸۵ برس پر مشتمل ہوگی، جس میں کم از کم ۴۵ سے ۵۰ بادشاہوں تک کی پشتیں گذرنی چاہئیں"۔

مکارب سبا باعتبار کتبات، دور سبا کے دو طبقے نظر آتے ہیں، پہلے طبقہ میں شاہان سبا کا لقب مکارب سبا لکھا ہوا ملتا ہے، اس وقت ان کا مرکزی شہر یا قلعہ "صرواح" تھا، مکارب دو لفظوں سے مرکب معلوم ہوتا ہے "مکا" اور "رب" "مکا" کے معنی مذہبی، کے ہیں، اور "رب" بڑے کو اور بادشاہ کو کہتے ہیں، مکا کے معنی مذہبی بادشاہ یا "کاہن بادشاہ کے ہیں" الغرض مکارب سبا، حکومت سبا کے ابتدائی کاہن بادشاہوں کا لقب تھا، صرواح جوان کاہن بادشاہوں کا دارالحکومت تھا، اس کے آثار اب تک مارب اور صنعاء کے درمیان میں باقی ہیں صرواح سے عرب بھی واقف تھے، عمرو بن نعمان بن سعد بن خولان کہتا ہے:

ابو نا الذی کانت بصرواح داره	وفی جبلی نعمان عز تمکنا
ہمارا باپ، تھا جس کا مسکن صرواح تھا	اور نعمان کے دو پہاڑوں میں عزت متمکن ہوئی

شاعر جاہلی علقمہ کہتا ہے:

من یامن الحدثان بعد	ملوك صرواح ومارب
صرواح اور مارب کے بادشاہوں کے بعد	اب کون حوادث سے محفوظ رہ سکتا ہے

ابوعلکم مرائی قصور یمن کے ذکر میں کہتا ہے

براقش ومعین نحن عامرها	ونحن ارباب صرواح وروثانا
براقش و معین کے آباد کرنے والے ہم ہیں	اور ہم ہیں مالک (رب) صرواح اور روثان کے

ان شعروں میں چند نہایت کار آمد تاریخی اشارے ہیں، علقمہ، صرواح اور مارب دو دارالحکومتوں کے بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے، اور بعینہٖ یہی جدید تحقیق ہے، ابوعلکم اپنے شعر میں بجائے "ملاک" یا حکام" اور اس وزن کے الفاظ کے "ارباب صرواح" کہتا ہے، جس سے "مکارب صرواح" کی بو آتی ہے۔

مکارب سبا کا زمانہ از روئے کتبات ۹۰۰ ق م سے اور زبور کی شہادت تحریری کے رو سے ۱۰۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے، لیکن احتیاطاً ہم ۱۲۰۰ ق م سے شروع کرتے ہیں، اور اس کا اختتام ۵۵۰

ق م میں ہو جاتا ہے، ۳۵۰ سال (حسب کتابات) یا ۴۶۰ سال (حسب احتیاط) کے لئے بادشاہوں کی ایک کثیر تعداد چاہئے لیکن افسوس کہ ہم کو صرف ۱۰ مکارب سبا کے نام کتبات سے ملے ہیں اور وہ بھی کل ایک ہی باپ کے بیٹوں اور پوتوں کی چار پشتیں ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کو مکارب سبا کی بہت کم تعداد معلوم ہے، ملکہ سبا جس کا ذکر اسفار یہود (نعیم) ہیں، قرآن مجید میں اور انجیل میں موجود ہے، اس کو اسی طبقہ میں ۹۵۰ میں ہونا چاہئے لیکن جو نام معلوم ہوئے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ۸۰۰ سے شروع ہو سکتے ہیں، اس بنا پر اس ملکہ کے حالات سے اب تک علم الآثار بیخبر ہے[1]۔

مکارب سبا کے جو نام اب تک دریافت ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں[2]، جن میں بجز آخر کے کہ اس کے متعلق ہم کو علم نہیں، ہر ایک کو دوسرے سے نسبی تعلقات ہیں، الفاظ کے فصل کے لئے نقطے اصل سبائی خط کی مطابقت ہے۔

۱۔ نومر علی، مکارب، سبا
۲۔ کرب، ایل، وتار، بن، ذمر علی
۳۔ سمہ علی، ینوف، بن ذمر علی

متحد خاندان، ۱۰۔ ذمر علی، وتار، بن کرب ایل میں متفرق نام

۴۔ یثع امر، بین، بن سمہ علی، ینوف
۵۔ یدع ایل، ذرح بن سمہ علی، ینوف
۶۔ یثع امر، وتار، بن سمہ علی، ینوف

۱۱۔ یدع، ایل، ذبی، مکارب، سبا

۷۔ کرب ایل، بین، بن یثع امر، وتار
۸۔ یدع ایل، بین، بن یثع امر، وتار
۹۔ سمہ علی، ینوف، بن یثع امر، وتار

شجرہ خاندان مکارب

ذومر علی مکارب سبا

کرب ایل وتار — سمہ علی ینوف

یثع امر بین — یثع امر وتار — یدع ایل ذرح

یدع ایل بین — سمہ علی ینوف — کرب ایل بین

ذمر علی وتار

[1] مکارب سبا کی معلومات جدیدہ کے لئے دیکھو Encyclopaedia Britannica Vol II Page 264

[2] یہ فہرست ہم نے ہالوے (M J Halevy) کے شائع کردہ اصل کتبات سبا سے جو بخط عبری (JournalAsiatique) ماہ دسمبر ۱۸۷۴ء میں پیرس میں چھپے ہیں، التقاط کی ہے اور اس کی تطبیق Huart Yomcl P 56 سے کر لی ہے۔

ملوک سبا شاہان سبا کا زمانہ ۵۵۰ ق م تک نظر آتا ہے، اس عہد میں ان کا لقب ''ملک سبا'' منقوش ملتا ہے، ان کا دارالحکومت شہر ''مارب'' تھا، یہ شہر یمن کے مشرق میں واقع تھا اور اس کا دوسرا نام شہر سبا تھا، مارب کے قصر شاہی کا نام ''سلحین'' تھا، سکوں میں جائے ضرب ''بیت سلحین وحفر مارب'' (قلعہ سلحین اور شہر مارب) منقوش ملتا ہے، مارب تو مشہور مقام ہے، لیکن سلحین بھی غیر معروف نہیں، جاہلی شاعر علقمہ کہتا ہے:

وقصر سلحین قد عفاہ	ریب الزمان الذی یریب
اور سلحین کا قصر جس کو	حوادث زمانہ نے مٹا دیا ہے

یہی شاعر دوسری جگہ کہتا ہے:

اوما تریبن وکل شئی للبلیٰ	سلحین خاویۃ کان لم تعمر
کیا تو نہیں دیکھتی کہ ہر چیز فنا کیلئے ہے	سلحین اب ایسا ویران ہے گویا کہ کبھی آباد نہ تھا

ابوعلکم مرانی کہتا ہے:

وقصر سلحین علاہ وشیدہ	کھلان والدنا، احب بکھلا ل
سلحین کا قصر جس کو ہمارے باپ	کہلان نے بنایا تھا

۵۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک ۴۳۵ برس ہوتے ہیں، جو تقریباً اس عربی روایت کے مطابق ہے کہ ''سبا نے ۴۸۴ برس حکومت کی ہے''[1] اس زمانہ مدید کے لئے ۲۰ ملوک سبا کے نام ہم کو ملتے ہیں، جو تقریباً مفروضہ مدت زمانہ کے برابر ہیں، اور وہ نام یہ ہیں:

خاندان اوّل

سمہ علی، ذرح، ملک، سبا
کرب ایل، بن سمہ علی، ذرح، ملک سبا
الیشرح بن سمہ علی، ذرح، ملک سبا
سمہ علی بن الیشرح، بن سمہ علی

خاندان دوم

یثع امر، ملک، سبا
کرب ایل وتار، بن ثیمر، امر
یدع ایل، بین، یثع، امر
وہب ایل، یاحوز، ملک سبا
کرب ایل اوتار، ینعم، بن وہب ایل
ینیمن، بن وہب ایل، ملک سبا
ذمر علی، ذرح، ملک سبا
نشا کریب، ینیمین، ملک سبا

خاندان سوم

وتبردم، ینیمن، ملک سبا
یکرب ملک، وتار، ملک سبا
یارم، ایمن، ملک سبا
تبع شرجیل، ملک سبا
فرع ینہب، ملک سبا

---

[1] مروج الذہب مسعودی جلد ۱ صفحہ ۱۹۲ مصر

ان ناموں کے علاوہ کتبات میں میں نے اور نام بھی پڑھے ہیں، لیکن ان کے ساتھ کوئی لقب شاہی نہیں ہے، ممکن ہے کہ امرائے سبا ہوں، فرع۔ نہب کا نام سب سے آخر اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ایک کتبہ میں "الیشرح ملک سباو ذوریدان۔ بن فرع۔ نہب ملک سبا" منقوش ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرع۔ نہب "ملک سبا" کے لقب سے آخری شخص تھا، اس کا بیٹا "ملک سباو ذوریدان" کے نام سے تیسرے طبقہ کا بانی ہے۔

سبا کی تقسیم و تنظیم مملکت سبا کی حقیقت سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ مملکت یمن کس اصول پر منقسم تھی اور امرا کی ترتیب و تنظیم کیوں کر تھی؟ ایک قلعہ ہوتا تھا، قلعہ کے آس پاس گاؤں کی صورت میں مختلف چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوتی تھیں، ان ہی کے مجموعہ کو محفد کہتے تھے، قلعہ داران گاؤں کا حاکم ہوتا تھا، اس کا لقب اس کے قلعہ کے انتساب و اضافت سے رکھا جاتا تھا، مثلاً ذوغمدان، ذوثعلبان، ذوبوبھین، ذویمنی، ذوبان میں کلمہ اضافت ہے اور اس کے معنی آقا کے ہوتے ہیں، اسی لئے حجازی عربی میں اس کے معنی "صاحب و مالک" کے ہیں اور بغیر اضافت مستعمل نہیں ہوتا، اس "ذو" کی جمع "اذواء" قلعہ داران ہے۔

یہ قلعے یا محافد مل کر ایک مخلاف کے تابع ہوتے تھے جس کو صوبہ کا ہم معنی سمجھنا چاہئے حاکم مخلاف کا لقب "قیل" تھا، اس کی جمع اقیال ہے اور عام طور سے مشہور ہے کہ "اقیال" یمن کے بادشاہوں کو کہتے ہیں، محفد اور مخلاف کی یہ تقسیم عہد اسلام میں بھی باقی رکھی گئی تھی، دولت عباسیہ کے زمانہ میں یمن میں ۸۴ مخلاف تھے، یہ تمام اقیال ایک بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے جس کا نام باختلاف عہد مکارب سبا اور ملک سبا تھا۔

ان اذواء، اقیال اور ملوک میں امن و اطمینان اور نظام کی زندگی بہت کم قائم رہتی تھی، قوی ضعیف کے ماتحت ہوتے تھے، جو "ذو" یا "قیل" قوی ہو جاتا ہے، وہی بادشاہ بن بیٹھتا تھا، عموماً بادشاہ کسی قلعہ میں سکونت کرتا تھا، اس قلعہ کی طرف نسبت بھی القاب شاہی کا جز ہوتی تھی، مثلاً ملک سبا قلعہ ریدان میں رہتا تھا، اس کا لقب شاہی ملک سباو ذوریدان تھا۔

سبا کے تمدنی و تجارتی حالات حکومتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، صلح پسند اور فاتح، بابل، اسیریا اور مصر کی حکومتیں فاتح تھیں۔ ان کے آثار و کتبات فتوحات کی یادگاروں سے پر ہیں، لیکن سبا کی حکومت بالکل صلح پسند تھی۔ سبا کے جتنے کتبات میری نظر سے گذرے ہیں جن کی تعداد ۳۰۔۴۰ سے کم نہ ہوگی۔ وہ

تمام تر یا مقابر کی لوحیں ہیں، عمارتوں کے یادگاری پتھر ہیں یا دیوتاؤں کے ہیکل و مذبح پر نذر و شکر کے سپاس نامے ہیں۔

ہم نے پہلے بتایا ہے کہ سبا ایک تاجر قوم تھی جس کی صحیح مثال موجودہ تاریخ میں برطانی حکومت ہے، عرب میں کثرت سے سونے اور جواہر کی کانیں تھیں اور اب بھی ہیں، ہمدانی نے ان کانوں کا ایک ایک کر کے نام گنایا ہے[1]۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ان بیانات کو اپنے جغرافیہ عرب قدیم میں یکجا کیا ہے، خدیو مصر کے اشارہ سے برٹن نام ایک انگریز عرب کے شہر مدین میں صرف وہاں کے معدنیات کا پتہ لگانے کو بھیجا گیا تھا، حضرموت اور یمن کا ملک خوشبودار چیزوں کی پیداوار کے لئے طبعی طور سے مخصوص ہے، اس زمانہ میں تمام دنیا میں دیوتاؤں کی عام پرستش کی جاتی تھی، ان کے لئے بڑے بڑے ہیکل بنائے جاتے تھے، ان ہیکلوں میں شب و روز خوشبودار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں، اس لئے قدیم زمانہ میں ہر ملک میں ان کی بڑی مانگ تھی، عمان و بحرین میں موتیوں کے خزانے ہیں اور یمن کے سواحل ہندوستان و حبش کی پیداوار کی منڈی تھے، یہ تمام تجارتی اشیا اس عہد میں سبا ہی کی وساطت سے بحر احمر کے راستہ سے یا حجاز کی راہ سے شام، فینشیا اور مصر کو جاتی تھیں اور یہاں سے تمام یورپ میں پھیلتی تھیں۔

توراۃ سبا کی دولت و عظمت کے بیانات سے پر ہے۔ سب سے پہلے حضرت داؤدؑ کہتے ہیں۔ (زبور ۷۲)

"شبا اور سبا کے بادشاہ اس کو نذریں دیں گے اور..... شبا کا سونا اس کو پیش کیا جائے گا"۔

حضرت سلیمانؑ کے دربار میں سبا کی ملکہ آتی ہے۔

وہ بہت فوج اور تزک و احتشام کے ساتھ یروشلیم میں داخل ہوئی، بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لدے تھے ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمان کو دیئے، ملکہ نے جیسی خوشبوئیں دیں ایسی پھر کبھی نہ ملیں۔" (تاریخ ایام)

اشعیاء نبی کی پیشین گوئی ہے:

"حبش اور سباوالوں کی تجارت جو شریف ہیں، تیرے پاس آوے گی"۔ (۴۵-۱۴)

حزقیال نبی کہتے ہیں:

جمہور آدمیوں کے ساتھ سباوالے بیابان (عرب) سے آئے، جن کے ہاتھوں میں کنگن ہیں اور سروں پر خوبصورت تاج" (۲۳-۴۲)

[1] صفۃ جزیرۃ العرب ص ۲۵۰ لیڈن

''سبا اور عما تیرے تاجر ہیں وہ عمدہ خوشبو، جواہر اور سونا تیرے بازاروں میں بیچتے ہیں، حران، قانہ اور عدن (یہ تینوں یمن کے شہر ہیں) تیرے تاجر ہیں، سبا اور اثور اور کلماد تیرے سوداگر''۔ (۲۷۔۱۴)

اشعیا کی پیشین گوئی ہے:

''اونٹوں کی قطاریں (اے یروشلیم) تجھ پر چھا جائیں گی، مدین اور عیفا کی اونٹنیاں تمام سبا سے سونا اور لوبان لے کر آئیں گی'' (۶۰۔۶)

یرمیاہ بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں کہ'' خدا کہتا ہے جب تمہارے اعمال صحیح نہیں تو ہیکلوں میں سبا کا لوبان میرے سامنے کیوں پیش کرتے ہو'' (۶۔۲۰)

چوتھی صدی ق م سے پہلی صدی ق م تک یونانی مصر کے حکمراں تھے، ان کے عہد میں مصر کا دارالحکومت اسکندریہ تمام مشرقی اور مغربی تاجروں کا مرکز تھا، سبا اس عہد کی سب سے بڑی قوم تھی، اس بنا پر دیگر عرب قبائل کی بہ نسبت وہ سبا سے زیادہ واقف تھے اراتوستھنیس (Eratosthenes) سنہ ۱۹۴ ق م بیان کرتا ہے۔

> عرب کی انتہائی حد پر سمندر (بحر ہند و عرب) پہلو میں..... سبا کے لوگ ہیں جن کا دارالحکومت مارب (Mariaba) ہے.... یہ قطعہ ملک مصر زیرین سے بڑا ہے، گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہوتے ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں جا کر خشک ہو جاتے ہیں، اسی سبب سے زمین اس قدر سرسبز شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبار ہوتی ہے۔
>
> حضرموت سے سبا کے ملک تک ۴۰ روز کا راستہ ہے اور معین سے سوداگر ۷۰ دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں، حضرموت، معین اور سبا کے ملک خوش و خرم ہیں اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔

یونانی مورخ اگاتھرشیڈس (Agartherchides) (سنہ ۱۴۵ ق م) جس کی تصنیف کا زمانہ دوسری صدی ق م ہے، بیان کرتا ہے:

> ''سبا عرب آبادان (AabiaFlex) میں رہتے ہیں، جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں، زمین جو سمندر کے متصل ہے اس میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں، جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں، اندرون ملک

میں بخورات دار چینی اور پھوہار ے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اوران درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے، درختوں کے اقسام کی کثرت تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے، جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہوسکتی، جو اشخاص اس زمین سے دور ساحل پر سے بھی گذرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں، ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں اور کاٹ کر ان کا انبار نہیں لگاتے، لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں، اس لئے جو شخص اس ساحل سے گذرتا ہے، آب حیات کا گویا لطف اٹھاتا ہے، یہ تشبیہ بھی اس کی قوت ولطافت کے لحاظ سے ناقص ہے۔"

"سبا میں حکومت وراثتاً منتقل ہوتی ہے، ان کا بڑا شہر مارب ہے جو ایک پہاڑ پر واقع ہے (جبل ابلق) بادشاہ اسی شہر میں رہتا ہے۔ جو لوگوں کو فیصلہ دیتا ہے، لیکن اس کو کبھی اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنا قصر چھوڑ کر نکل سکے، اگر وہ اس کے خلاف کرتا ہے تو وہ حکم مذہبی کے مطابق سنگسار کر دیا جاتا ہے۔"

"سبا میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے، بُعد کے سبب سے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا ہے، اسی لئے خصوصاً ان کے دارالحکومت میں سونے چاندی کے برتن ہیں، تخت اور پیشگاہیں ہیں جن کے ستون زرنگار اور نقرئی وطلائی نقش نگار سے آراستہ ہیں، ایوان اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں، اس قسم کے زیب و زینت پر نہایت ہنرمندی اور محنت وصرف کرتے ہیں"۔

مشہور مورخ آرٹی میڈوروس (Artimidorus) ۱۰۰ ق م باشندہ شہر افسوس (Ephesus) جو سبا کے عہد آخر میں تھا لکھتا ہے:

"سبا کا بادشاہ اوراس کا ایوان مارب میں ہے، جو ایک پراشجار پہاڑ پر زمانہ خوشحالی (عیش و آرائش و مسرت) میں واقع ہے، میووں کی کثرت کے سبب سے لوگ سست اور ناکارہ ہوگئے ہیں، خوشبودار درختوں کی جڑوں میں لیٹے پڑے رہتے ہیں، جلانے کی لکڑی کے بدلے دار چینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں، کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے اور کچھ ملکی اور غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں، یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں، جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں قرب وجوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور اپنے

ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں[1]۔''

سبا کی عمارتیں ہم نے پہلے بتایا ہے کہ سبا ایک صلح پسند اور امن و مسرت کی حکومت تھی، یہی سبب ہے کہ اس نے اپنی قوت کا زیادہ تر حصہ اسلحہ کی بجائے عمارتوں پر صرف کیا، یونانی مورخین کے بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، ان میں سے بعض عمارتیں عہد اسلام تک باقی تھیں، مسلمان مورخین نے خود دیکھا اور اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں، ہمدانی نے اکلیل کا ایک باب صرف ان ہی عمارتوں کے لئے مخصوص کیا ہے، سبا کے اب تک جو کتبات ملے ہیں، وہ زیادہ تر ان ہی عمارتوں کی یادگاری لوحیں ہیں، نشوان بن سعید حمیری نے قصیدہ حمیریہ میں تقریباً ۲۵ عمارات شاہی کا ذکر کیا ہے، یورپین سیاح بھی ان عمارات کے کھنڈروں کے عجیب وغریب حالات بیان کرتے ہیں، قصر سلحسین جو قیام گاہ شاہی تھا، اس کا نشان بھی اب تک موجود ہے۔

سد مارب اسی سلسلہ عمارات میں ایک چیز بند آب ہے، جس کو عرب حجاز سد اور عرب یمن عرم کہتے ہیں عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں، صرف سلسلہ کوہستان ہے، پانی پہاڑوں سے بہہ کر ریگستانوں میں خشک ہو جاتا ہے اور ضائع ہو جاتا ہے، زراعت کے مصرف میں نہیں آتا، سبا مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے کہ پانی رک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے مصرف میں آئے، مملکت سبا میں اس قسم کے سینکڑوں بند تھے، ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مارب تھا، جو خود دارالحکومت کے اندر واقع تھا۔

شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں، جن کا نام کوہ ابلق ہے، دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادی اذینہ ہے، پہاڑوں سے اور نیز ادھر ادھر سے پانی جمع ہو کر وادی اذینہ میں ایک دریا جاری ہو جاتا ہے، سبا نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ۸۰۰ ق م میں سد مارب کی تعمیر کی تھی، یہ بند تقریباً ۱۵۰ فیٹ لمبی اور ۵۰ فیٹ چوڑی ایک دیوار ہے، اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے، تاہم اس کی ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے، ارناؤ ایک یورپین سیاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اور اس کا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا، اس دیوار پر جا بجا کتبات ہیں، وہ بھی پڑھے گئے ہیں۔

عام مسلمان مورخین چونکہ ہر قدیم عمارت کو ''بنائے سلیمانی'' کہنے کے عادی ہیں اس لئے

---

[1] تمام بیانات تاریخ قدیم کے مستند ترین مآخذ Duncher (ڈنکر) کی تاریخ قدیم سے ماخوذ ہیں۔ جلد اص ۳۱۔۳۱۳

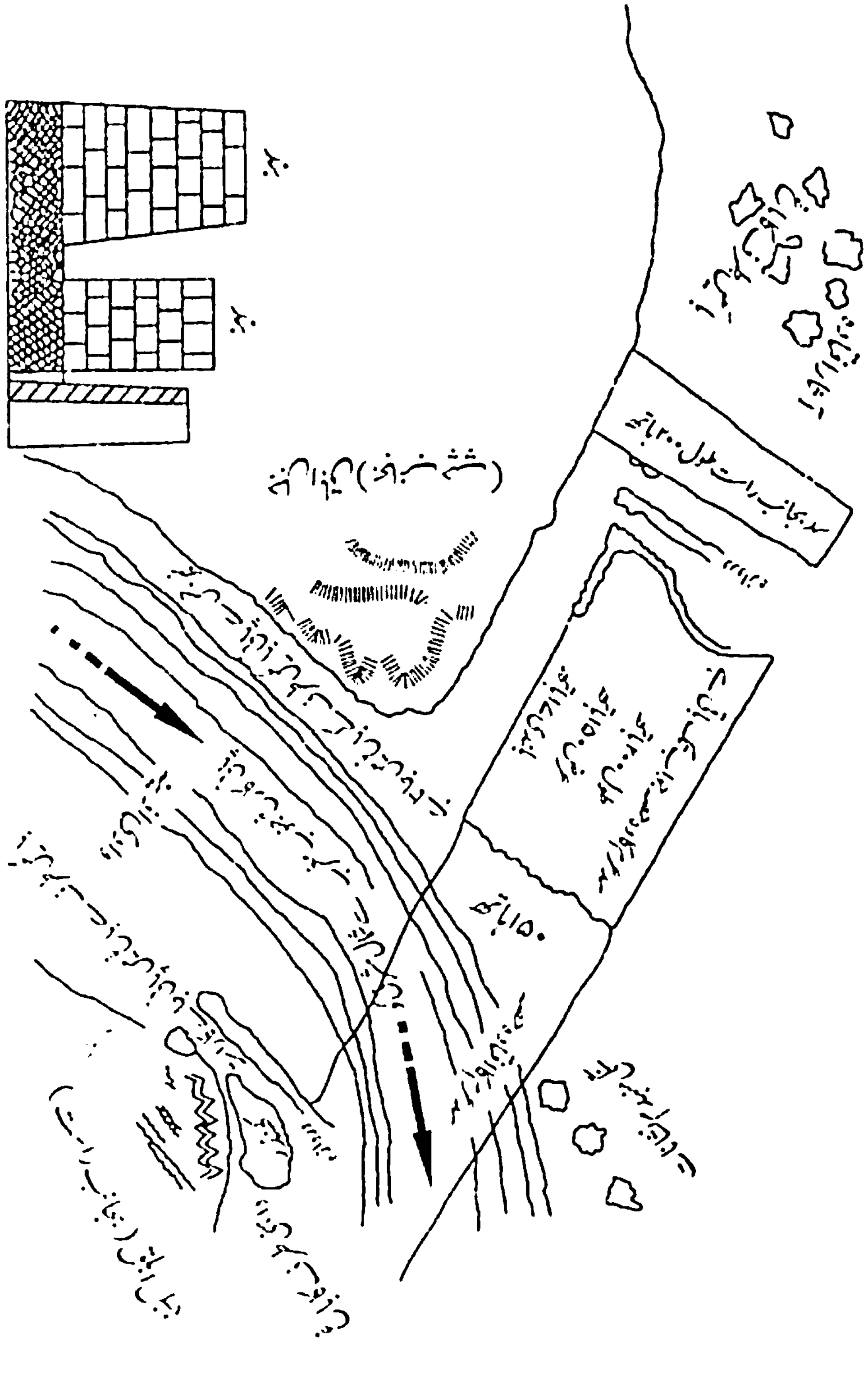

اس سد کا بانی وہ بلقیس بلکہ یمن وحرم سلیمانی کو قرار دیتے ہیں، لیکن سد مارب کے بقیہ حصہ پر جو کتبات ہیں ان میں بانیوں کے نام بھی خوش قسمتی سے باقی رہ گئے، ان میں سے شع امر بین ابن سمی علی نیوف مکارب سبا، سمی علی نیوف بن ذمر علی مکارب سبا، کرب ایل بین بن شع امر مکارب سبا ذمر علی ذرح ملک سبا اور یدع ایل وتار کے نام پڑھے گئے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سد ایک زمانہ ممتد میں مختلف سلاطین یمن کے عہد میں تعمیر ہوا ہے، اس کا پہلا بانی شع امر تھا جو آٹھویں صدی ق م میں تھا۔ اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں، اوپر سے نیچے تک کی کھڑکیاں حسب ضرورت کھولی اور بند کی جاتی تھیں، سد کے دائیں بائیں مشرق ومغرب میں دو بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ وراست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا، اس سد کے حالات ہمارے مفسرین نے جو بیان[1] کئے ہیں بعینہٖ ارناؤ کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے[2] نقشہ کے دیکھنے سے صورت حال اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔

جنتین عن یمین وشمال اس نظام آب رسانی سے چپ وراست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر ۲۰۰ میل مربع میں سیکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہوگئی تھی، جس میں انواع واقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے، ان کی خوشبو دور تک پھیلی رہتی تھی۔

جنت سبا اور قرآن مجید قرآن مجید ان آیات میں ان ہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ (سبا:۳۴:۱۵)

سبا کے لوگوں کیلئے خود ان کے گھر میں قدرت خدا کی ایک عجیب نشانی موجود تھی، دو باغوں (کا سلسلہ) داہنے بائیں سبا کے لوگو! اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور شکر کرو۔ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشنے والا۔

ہمارے پاس اس جنت زار کے قصے عربوں کی روایت سے کئی سو سال بعد کے موجود ہیں، لیکن خود ہمارے دشمنوں کے سفینوں میں اس کی معاصرانہ شہادتیں جو محفوظ ہیں ان کو ایک دفعہ پھر پڑھو۔

ارانوستھینس (Eautas thenes) جو ۱۹۴ ق م میں سبا کا معاصر تھا لکھتا ہے:

---

[1] تفسیر آیت مذکور طبری اور بغوی میں دیکھو

[2] فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ ۱۸۷۴ء۔

"... سبا کے لوگ یمن کا دارالحکومت شہر مارب ہے.... یہ قطعہ ملک مصر زیرین سے بڑا ہے، گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہوتے ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں خشک ہو جاتے ہیں، اس سبب سے زمین اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبار ہوتی ہے..... سبا کا ملک خوش وخرم ہے"۔

اغاتھارشیدس (Agartharchides) جو ۱۴۵ ق م میں سبا کے زمانہ وعصر میں تھا بیان کرتا ہے:

"سبا عرب کے حصہ سرسبز وآباد (Felix) میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بے شار میوے ہوتے ہیں، دریا کے کنارے جو زمین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں، جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں، اندرون ملک میں بخورات، دارچینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں، اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پھیلا کرتی ہے، درختوں کے اقسام کی کثرت وتنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام ووصف مشکل ہے، جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی، جو اشخاص زمین دور ساحل سے گذرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں..... وہ گویا آب حیات کا لطف اٹھاتے ہیں، اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت ولطافت کے مقابل میں ناقص ہے"۔

آرٹی میڈ روس (Artimidarus) جو سبا کے عہد آخر میں تھا، لکھتا ہے:

"سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے، جو ایک پر اشجار پہاڑ پر عیش وسرت (زمانہ خوشحالی) میں واقع ہے[1]"۔

خدائے پاک اس کے بعد فرماتا ہے:

فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ (سبا: ۳۴:۱۶) پھر انھوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند (توڑ کر اس کا) سیلاب بھیجا۔

یہ سیلاب آیا اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن اس عصر تاریخی میں جب ہر غیر معاصرانہ روایت قابل شک واشتباہ ہے، خدائے قرآن نے اپنے کلام معجز کی صداقت کا نیا سامان پیدا کر دیا، یعنی اس بند کے ٹوٹنے ہوئے کھنڈر میں واقعہ سیلاب کے مشرح حالات کا کتبہ جو ایک عیسائی فاتح یمن

[1] ان عبارتوں کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

کے ہاتھ کا لکھا ہوا بے بل گیا ہے، یہ عیسائی فاتح وہی ہے جو اپنے ہاتھیوں کے بل پر کعبہ کو ڈھانے نکلا تھا، لیکن آج اسی دشمن کعبہ کا شکستہ ہاتھ کعبہ مکرمہ کی کتاب مقدس کی تصدیق کے لئے بلند ہے۔[1]

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ سورہ سبا: ۳۴: ۱۶-۱۷

اور ان اعلیٰ میووں کے باغوں کے بدلے معمولی پھلوں یعنی پیلو جھاؤ اور کچھ بیری کے باغ دے دیئے، یہ ان کے کفران کی سزا ہے، ہم کفران نعمت کرنے والوں ہی کو سزا دیتے ہیں۔

قرآن مجید جب نازل ہو رہا تھا تو اس سزا کو جوان درختوں کی شکل میں نمودار ہوئی تھی یمن کا ہر باشندہ بچشم خود معائنہ کر رہا تھا، لیکن ۴۰۰ برس کے بعد بھی برائے العین ہر سیاح کو نظر آ رہی تھی، ہمدانی المتوفی ۳۳۰ھ جس کی صداقت بیانی کے نہ صرف سیاحین یورپ بلکہ اثریین (ارکیالوجسٹ) بھی معترف ہیں، وہ خود چوتھی صدی کے اوائل میں شہادت عینی پیش کرتا ہے کہ "ان باغوں کی جگہ یہاں پیلو کے درخت اتنے ہیں کہ کہیں اور نہیں"۔

سبا کی آبادیاں ہم نے "سبا کے دائرہ حکومت" کے تحت میں لکھا ہے کہ یمن کے علاوہ حبشہ اور شمالی عرب میں بھی سبا کی آبادیاں تھیں، توراۃ و اسفار میں متفرق خاندانوں کے نام بتائے گئے ہیں، سبا بن یقطان (قحطان) باشندہ یمن، سبا بن..... بن ابراہیم برادر زادہ مدین باشندہ عرب شمال سبا بن کوش بن حام باشندہ حبش۔ (تکوین)

نولڈیکی کے اصول کی بنا پر کہ توراۃ کے قبائل و اقوام کا مقسم صرف جغرافی نسب و تعلق ہے، ان تینوں متفرق النسب سبا کے یہ معنی ہیں کہ سبا کے تین جغرافی مرکز یا آبادیاں تھیں، یمن، حبشہ اور شمالی عرب میں، یمن میں سبا کا وجود و قیام تو محتاج اثبات نہیں روایات عرب، تاریخ اقوام، آثار قدیمہ ان سب کی شہادت قاطعہ موجود ہے، دیگر اطراف ملک میں بھی ان کا وجود واثر مخفی نہیں ہے، شمال عرب میں بطرف شام و عراق توراۃ کے متعدد دفتروں میں ان کا وجود عارضی نہایت قدیم زمانہ سے مذکور ہے اور ان کا بار بار ذکر اوپر گذر چکا ہے، (دیکھو سبا کا دائرہ حکومت اور سبا کی دولت و عظمت) یونانی مورخین نے بھی ان اطراف میں ان کا ہونا بیان کیا ہے آغا ثار سیدس (۱۴۵ ق م) کہتا ہے کہ "سب سے پہلے نبطی (جن کا مسکن عراق و شام کے درمیان تھا) اور سبائی[2] جو شام کے اوپر واقع ہیں، عرب سعید پر قابض ہوئے ہیں" ایک اور یونانی مورخ بیان کرتا ہے[3]:

---

[1] تفصیل اصحاب فیل میں دیکھو [2] گولڈ مائنس آف مدین ص ۲۲۴ [3] حوالہ مذکور صفحہ ۱۷۱

"یہاں سے اس شہر تک ایک سڑک جاتی ہے جس کا نام پڑا (رقیم)
ہے، جہاں اہل قریہ اہل معین اور وہ تمام عرب اس کے قریب رہتے ہیں جو بالائی
ملک (عرب) سے بخورات لاتے ہیں۔"

یہ پہلے گذر چکا ہے کہ اسیریا کے آثار میں بھی شیع امر سبائی کا ساتویں صدی ق م میں اسیریا سے مغلوب ہونا مذکور ہے، معلوم ہے کہ اہل اسیریا کبھی یمن نہیں آئے، اس لئے یہ بالکل واضح ہے کہ خود سبا یہاں تک پہنچ گئے تھے، جیسا کہ سفر ایوب (۱۔۱۵۔۶۔۱۹) سے بھی ثابت ہے۔

حبشہ میں اہل سبا کا وجود عہد قدیم سے تھا، حبشہ، یمن کے بالمقابل سواحل پر واقع ہے، یہ سواحل تاریخ کی ابتدا سے اس وقت، یمنی وحضرموتی عرب کے جولانگاہ ہیں، بعض کتبات سے معلوم ہوا ہے کہ سبا کا ایک گورنر معافر کے لقب سے حبشہ میں رہتا تھا[۱]۔ خود حبش بھی اپنے کو سبا کی اولاد کہتے ہیں[۲]۔ ایک یونانی مورخ کی شہادت بھی جو سبا کا معاصر تھا پہلے گذر چکی ہے کہ سبا سواحل حبشہ میں بھی تجارت کا مرکز رکھتے ہیں۔"

ملکہ سبا | توراۃ (شیبہ) انجیل اور قرآن مجید میں سبا کی ایک شہزادی کا ذکر ہے، جو حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں آئی تھی، یہ سبا کی شہزادی بہ زبان توراۃ کس سبا کے خاندان سے تھی؟ یا بہ زبان تاریخ سبا کی کس آبادی سے آئی تھی؟ توراۃ میں صرف "سبا کی شہزادی" کا لفظ بلا تعیین خاندان و جہت ہے[۳]۔ ترگوم میں ہے کہ "اس کا ملک (فلسطین کے) مشرق میں ہے[۴]۔ انجیل میں ہے کہ وہ (فلسطین کے) جنوب[۵] سے آئی تھی، یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخ میں ہے کہ وہ مصر و حبشہ[۶] کی شہزادی تھی۔ اہل حبش اس کو حبشی سمجھتے ہیں[۷]۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ کوشی خاندان کی سبا تھی، قرآن مجید نے بھی کوئی تعیین خاندان و جہت نہیں کی ہے" لیکن تمام مفسرین و مورخین اس کو عرب قحطانی اور باشندہ یمن سمجھتے ہیں، آج کل کہ اثریات کا زمانہ ہے، اس بنا پر کہ یمن کی عورت کا کوئی کتبہ نہیں ملا ہے اور شمال عرب میں متصل عراق تین چار قدیم حکمراں عورتوں کے نام ملے ہیں، ملکہ سبا کا اصل حصہ آبادی سے جانا ممکن خیال کیا جاتا ہے[۸]۔

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۲ ص ۹۵۵ [۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۲۲۰
[۳] تاریخ ملوک ا باب ۱۰ وایام ۲ باب ۹ [۴] جوئش انسائیکلوپیڈیا مضمون سبا [۵] متی ۱۲۔۴۲ و توقا ۱۱۔۳۱
[۶] جلد از ذکر سلیمان [۷] جوئش انسائیکلوپیڈیا مضمون سبا [۸] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۴۷۲

جن قدیم تحریروں میں ملکہ سبا کا ذکر ہے ان میں سے صرف تین میں تعیین جہت ہے، یوسیفوس ترگوم اور انجیل، یوسیفوس کا بیان کہ وہ مصر کی شہزادی تھی حقیقتاً غلط ہے، بقیہ بیانات میں کہ وہ مشرق جنوب یا حبشہ کی تھی، ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں کہ یہ سب سبا کے مقامات تھے، تاہم اصل مرکز کے لحاظ سے وہ یمن ہی کی کہی جائے گی، (یعنی جنوب عرب کی) جیسا کہ انجیل کی شہادت اور روایات عرب کا تواتر ہے۔

اہل حبش جو ملکہ سبا کو حبشہ کی بتاتے ہیں اور اب تک حبشہ کا شاہی خاندان تفاخراً اپنے کو اسی ملکہ سبا کی اولاد یقین کرتا ہے، اس کا نام ان کی زبان میں ماکدہ ہے، یمن کے عرب یہود میں اس کا نام بلقیس مشہور تھا اور اسرائیلیات کے ذریعہ یہی نام مسلمان مورخین اور اہل تفسیر میں مقبول ہے، لیکن لفظی دلالت کے لحاظ سے یہ عربی نہیں بلکہ یونانی الاصل نام معلوم ہوتا ہے، بعض روایات تفسیر میں بلقیس کو پری زاد کہا گیا ہے، یعنی اس کی ماں (بلتمہ) ایک پری تھی لیکن یہ روایتیں بالکل لغو اور موضوع ہیں "بلتمہ" کو ممکن ہے کہ یمن کی مشہور دیبی "المقہ" سے کوئی نسبت ہو، اسی طرح اہل تاریخ کا ملکہ سبا (بلقیس) کو بنت شرجیل لکھنا بھی غلط ہے، شرجیل حمیر کا بادشاہ اور حضرت سلیمانؑ سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس بعد تھا۔

ملکہ سبا اور قرآن مجید سبا کا نام قرآن مجید میں دوبار آیا ہے، اول حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں ملکہ سبا کے نام سے اور دوسری بار سیل عرم کے ذکر میں، سیل عرم کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے، ملکہ سبا کا قصہ سورۂ نمل میں مذکور ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ۝ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۝ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ اذْهَبْ بِكِتَابِي

سلیمانؑ نے پرندوں کا جائزہ لیا، پھر کہا مجھے کیا ہے کہ میں نے ہدہد کو نہیں دیکھا یا وہ موجود نہیں ہیں، اس کو سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا یا کوئی صاف دلیل لائے، سلیمانؑ تھوڑی دیر ٹھہرے کہ ہدہد آ کر گویا ہوا، مجھے وہ معلوم ہوا جو آپ کو نہیں معلوم، سبا سے ایک پکی خبر لے کر میں آیا ہوں میں نے ایک عورت کو دیکھا جو سبا پر حکومت کرتی ہے، اس کو ہر شے عنایت کی گئی ہے، اس کا ایک بڑا تخت ہے، میں نے اس

هٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۝ قَالَتْ
يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا إِنِّيٓ أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيمٌ ۝ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَإِنَّهُ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝
قَالَتْ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُونِي فِيٓ أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا
حَتّٰى تَشْهَدُونِ ۝ قَالُوا نَحْنُ أُولُوا قُوَّةٍ وَّأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ
وَّالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ۝ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ
إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوٓا أَعِزَّةَ أَهْلِهَآ أَذِلَّةً وَ
كَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ
يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَآ
اٰتٰنِـۧ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ۝ اِرْجِعْ
إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ
أَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُونَ ۝ قَالَ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا
قَبْلَ أَنْ يَّأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا اٰتِيكَ
بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۝
قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ أَنَا اٰتِيكَ بِهِ قَبْلَ
أَنْ يَّرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ
هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِيٓ ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ
شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ
كَرِيمٌ ۝ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِيٓ أَمْ تَكُونُ
مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيلَ أَهٰكَذَا
عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ
كُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ
إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِينَ ۝ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ
فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ
صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَ
أَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ (نمل ۲۷: ۲۰-۴۴)

عورت کو اور اس کی رعایا کو خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا، شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں اچھے کر کے دکھائے ہیں، صحیح راستہ سے ان کو باز رکھا ہے، وہ راہ نہیں پاتے کہ خدا کو وہ سجدہ کریں جو آسمانوں سے اور زمین سے چھپی ہوئی چیز کو باہر نکالتا ہے، اور جو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہے خدا ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں وہی بڑے تخت کا مالک ہے، سلیمانؑ نے کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے، میرا یہ خط لے جا ان کے پاس ڈال دے، پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، ملکہ نے خط پاکر درباریوں سے کہا میرے نام ایک نامہ مقدس آیا ہے، یہ نامہ سلیمانؑ کے پاس سے آیا ہے عبارت یہ ہے مہربان اور رحم والے خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں، مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ، ملکہ نے کہا اے سردارو! اس معاملہ میں اپنی رائے دو تمہاری حاضری کے بغیر میں کسی بات کا فیصلہ کرنے والی نہیں ہوں، سرداروں نے کہا ہم زور وقوت والے ہیں، یوں فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، دیکھئے کیا حکم دیتی ہیں۔ ملکہ نے کہا، بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہو جاتے ہیں تو اس کو ویران کر ڈالتے ہیں، اور وہاں کے معزز ترین باشندوں کو ذلیل بنا ڈالتے ہیں اور اسی طرح کیا کرتے ہیں، میں ان کے پاس ہدیہ دے کر قاصد بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔

قاصد جب سلیمانؑ کے پاس پہنچا، تو سلیمانؑ نے

کہا اس حقیر مال و دولت سے تم میری مدد کرتے ہو، خدا نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو اس نے دیا ہے، تم اپنی اس تحفہ پر شاداں ہو، سبا کو واپس جا، ہم اب لشکر لے کر آئیں گے کہ جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ملک سبا سے ذلیل کر کے ان کو نکال باہر کریں گے، سلیمان نے اپنے سرداروں سے کہا، کہ کون اس کا تخت میرے پاس اٹھا لائے گا، ایک تنومند جن نے کہا میں اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھیں میں وہ تخت لے آتا ہوں میں اس تخت کے اٹھالانے کی قوت رکھتا ہوں اور امانت کے ساتھ لاؤں گا جس کو خط کا علم تھا اس نے کہا نگاہ پلٹنے سے پہلے میں اٹھا لاتا ہوں، سلیمان نے جب تخت اپنے پاس رکھا دیکھا، کہا یہ خدا کے فضل سے ہوا، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں کہ ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو خدا بے پروا اور بزرگ ہے۔

سلیمانؑ نے حکم دیا کہ تخت کا روپ بدل دو، وہ راہ پاتی ہے، یا نہ راہ پانے والوں میں سے ہوتی ہے، جب ملکہ آئی تو اس سے کہا گیا کہ تیرا تخت کیا اسی قسم کا ہے؟ جواب دیا کہ گویا وہی ہے اور اس سے پہلے ہم کو علم دیا جا چکا تھا اور مسلمان ہو چکے تھے، ملکہ کو غیر خدا کی پرستش نے حق سے روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم سے تھی، ملکہ سے کہا گیا کہ محل کے اندر چل، جب اس نے محل کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے، دونوں پنڈلیاں کھول دیں، سلیمانؑ نے

کہا یہ تو شیشہ کا مکان ہے ملکہ نے کہا، خدایا میں
اپنی جان پر ظلم کرتی رہی، سلیمان کے ساتھ میں
بھی خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے اطاعت
گذار ہوئی۔

بعینہٖ یہی قصہ اسفار یہود میں بھی مذکور ہے گو تفصیل و اجمال میں کسی قدر اختلاف ہے سب سے پہلے جیمیم کے سفر ایام اور سفر ملوک میں یہ قصہ مذکور ہوا ہے اور یہ دونوں اسفار بیان واقعہ میں حرف حرف متفق ہیں:

''جب سلیمانؑ کا شہرہ سبا کی ملکہ تک پہنچا تو مشکل سوالوں سے وہ اس کو آزمانے آئی اور بڑی فوج اور شان و شوکت کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لدے تھے، وہ سلیمانؑ کے پاس آکر ٹھہری اور جو کچھ اس کے دل میں تھا اس کی بابت اس سے گفتگو کی، سلیمانؑ نے اس کے تمام سوالوں کا جواب دیا سلیمان سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی جو جواب نہ دیتا۔

سبا کی ملکہ نے جب سلیمانؑ کی دانشمندی اور اس کے گھر کو جو اس نے بنایا تھا اور اس کے دسترخوان کے کھانوں کو اور اس کے نوکروں کی نشست و برخاست کے طور کو اور ان کی پوشاک اور اس کے ساقیوں کو اور اس سیڑھی کو جس سے وہ خدا کے مسکن پر چڑھتا تھا، (یہ ملوک کی آیت ہے ایام میں اس کے بجائے یہ ہے اور قربانیوں کو جو وہ خداوند کے مسکن میں چڑھایا کرتا تھا) دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے، اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے تیری دانش اور تیرے کاموں کی نسبت اپنے ملک میں جو سنا تھا وہ تحقیق خبر تھی، لیکن جب تک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا، باور نہیں آتا، لیکن جو دیکھا اس کا آدھا بھی نہیں سنا تھا۔

مبارک ہیں تیرے لوگ! اور مبارک ہیں تیرے نوکر! جو ہمیشہ تیرے حضور کھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت کی باتیں سنتے ہیں، خداوند تیرا خدا مبارک ہو، جو تجھ سے راضی ہے اور جس نے تجھ کو اسرائیل کے تخت پر بٹھایا، کیوں کہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھ کو بادشاہ بنایا کہ تو عدل و انصاف کرے۔

"ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمان کو دیئے ملکہ نے جیسی خوشبوئیں پیش کیں ایسی پھر کبھی نہ ملیں..... سلیمان نے سبا کی ملکہ کو جو کچھ اس نے مانگا اس سے زیادہ تحفہ دیا اور ملکہ اپنے ملازموں سمیت اپنی مملکت کو پھر گئی۔" (۲ سفر ایام باب ۹ ملوک باب ۱۰)

ترگوم (دوم براسترا) میں جو توراۃ اور نبیم کا ترجمہ، بلکہ آرامی زبان میں ان کی تفسیر ہے یہ قصہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے، گو بعض نہایت لغو باتوں کی بھی اس میں آمیزش ہے، ترگوم کی روایات کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

سلیمانؑ عرق انگور پی کر جب نشاط میں آتے تھے تو تمام بادشاہوں کے سامنے اپنے غلاموں کو بٹھاتے تھے اور اس وقت دنیا کی تمام زندہ مخلوقوں کو حکم دیتے تھے کہ ان کے سامنے ناچیں) ایک دن سلیمانؑ نے دیکھا کہ ہدہد غائب ہے (سلیمان نے حکم دیا کہ وہ حاضر کیا جائے) جب ہدہد آیا تو اس نے بیان کیا کہ (تین مہینہ سے وہ ادھر ادھر اڑ رہا تھا کہ کوئی ایسا ملک ملے جو اب تک حضور کے ماتحت نہیں ہے، آخر مشرق میں ایک ملک ملا جس پر سبا کی ملکہ حکومت کرتی ہے۔ اس ملک کی خاک سونے سے زیادہ بیش قیمت ہے، وہاں چاندی کوڑی کی طرح گلیوں میں پڑی پھرتی ہے، درخت وہاں بدو خلقت سے ایسے ہی ہیں، پانی وہاں جنت سے آتا ہے اور وہیں سے بن کر ہار آتے ہیں جن کو لوگ پہنتے ہیں، اس ملک کے دارالحکومت کا نام "قیطور" ہے پھر پرندہ نے یہ رائے دی کہ وہ اڑ کر اس ملک کو پھر جائے گا اور وہاں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لائے گا، سلیمان نے یہ تجویز پسند کی) اور خط لکھ کر ہدہد (کے بازو میں باندھ دیا گیا، ہدہد شام کے وقت جب وہ آفتاب کی عبادت کو جا رہی تھی) پہنچا (یہ خط ملکہ کے حوالہ کیا) ملکہ نے خط پڑھ کر جس میں یہ دھمکی تھی کہ فوراً میری بارگاہ میں حاضر ہو، ورنہ اس کی فوج (جو جانوروں، پرندوں، روحوں اور رات کے دیوؤں کی ہے) اس سے لڑنے کو آئے گی' (ملکہ بہت خوف زدہ ہوئی اور اس نے بوڑھوں کی) اور سرداروں کی مجلس میں مشورہ کیا، لیکن یہ لوگ سلیمان سے بالکل واقف نہ تھے، تاہم ملکہ نے (اپنے جہازوں کو بیش قیمت لکڑیوں، گراں بہا جواہر اور موتیوں سے بار کر کے اور ۶۰۰۰ ایک ہی ساعت کی پیدائش اور ایک ہی قد و قامت اور ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی حریر سرخ کے لباس میں غلام اور لونڈیاں)

تحفہ بھیجیں۔ (خط کے جواب میں لکھا کہ اگرچہ "قیطور" اور یروشلم کے درمیان سات برس کا راستہ ہے تاہم دو تین برس میں وہاں پہنچ گی) (سلیمانؑ نے اپنے دورہ میں ملکہ سے ملنے کو ایک نوجوان کو جو صبح کی طرح خوبصورت تھا بھیجا) (ملکہ جب یروشلم پہنچی) تو ایک شیشہ کے محل میں اس سے سلیمان نے ملاقات کی، ملکہ نے یہ سمجھ کر کہ بادشاہ پانی میں بیٹھا ہے، پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا (سلیمان مسکرائے اور یہ دیکھ کر کہ اس کے پاؤں میں بال ہیں، بولے کہ شکل تو ایک عورت کی، لیکن بال مردوں کی طرح، پاؤں کے بال مردوں کی زینت ہیں، لیکن عورتوں کے لئے عیب، ملکہ سبا نے سلیمان سے بہت سی پہیلیاں پوچھیں (تفصیل میں نے چھوڑ دی ہے) سلیمان نے سب کے ٹھیک جواب دیے۔"

اس عبارت کے جو فقرے گھیر دیے گئے ہیں وہ قرآن میں نہیں ہیں، اس سے ظاہر ہوگا کہ قرآن جو گذشتہ کتابوں کی تصحیح و تحقیق کے لئے آیا تھا یہ خدمت اس نے کس حد تک انجام دی، علاوہ ازیں ترگوم نے اس واقعہ کو جس طرز و عبارت میں ادا کیا ہے وہ بالکل ایک کم پایہ انسان کے معمولی افسانہ کی حیثیت رکھتا ہے، برخلاف اس کے قرآن کا طرز ادا ایک شاہانہ پیغمبری، ایک تبلیغ دانش و حکمت، ایک روحانی جبروت و اقتدار کے اظہار پر مبنی ہے، قرآن کا بیان ترگوم کی واضح غلطیوں سے کہ سبا کا ملک مشرق میں ہے، اس کا پایہ تخت قیطور تھا وہاں سونا چاندی کوڑی کی طرح پڑی رہتی تھی، دونوں ملکوں میں سات برس کی مسافت ہے، پاک ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قصوں کی غرض و غایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ترگوم کی بنا پر ملکہ سبا کی طلب، صرف شاہانہ ملک گیری کی ہوس پر مبنی ہے، لیکن قرآن کے لحاظ سے یہ طلب دعوۃ الی اللہ، منع شرک، قمع کفر اور اصلاح نفوس انسانی ہے۔

ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے، ترگوم کے مطابق حضرت سلیمانؑ سبا سے واقف نہ تھے، اور تعجب و حیرت زائی کا سبب سبا کی دولت و حشمت کا مبالغہ آمیز بیان تھا۔

لیکن وحی قرآنی نے اس حیرت و تعجب کا سبب اسی طرح بیان کیا ہے:

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍۭ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ (نمل ۲۷ : ۲۲-۲۴)	اور ہدہد نے کہا میں سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں، میں نے پایا کہ ایک عورت ان پر بادشاہ ہے، جس کو ہر چیز دی گئی ہے، اس کا ایک بڑا تخت ہے میں نے اس کو اور اس کی قوم کو آفتاب کو سجدہ کرتے

پایا، نہ خدا کو، شیطان ان کے کاموں کو ان کی نظر
میں اچھا کر کے دکھاتا ہے، پھر ان کو راہ سے روک
دیا۔

بعض شکوک کا ازالہ

۱۔ ترگوم اور قرآن مجید دونوں میں قصہ کی ابتدا ہد ہد سے ہوتی ہے، ہمارے ان تمام مفسرین نے اس ہد ہد سے یہی معروف مرغ مراد لیا ہے، لیکن اس زمانہ کے بعض ''فطرت پرست'' کہتے ہیں کہ مرغ کا بولنا اور اس کی بولی سے مفہوم کا سمجھنا خلاف عقل ہے، اس لئے ہد ہد کسی انسان کا نام ہوگا اور اس زمانہ میں عموماً یہ نام رکھا جاتا تھا، ہم کو اس دعویٰ کی صداقت سے انکار نہیں کہ ہد ہد آدمی کے نام ہوتے تھے، خود حضرت سلیمانؑ کے عہد میں مدین کے شہزادہ کا نام ہد ہد تھا (سلاطین) اور روایاتِ عرب میں ملکہ کے باپ یا بھائی کا نام بھی ہد ہد مذکور ہے، لیکن قرآن مجید کے لفظ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ (پرندوں کا جائزہ لیا) کا کیا جواب ہوگا؟ میری رائے میں اب جب کہ جانوروں کی عاقلیت کا مسئلہ مسلم ہوتا جاتا ہے، بندروں کی بولیوں کی ابجد تیار کی جارہی ہے، تو ہد ہد کے بولنے پر تعجب کیوں ہو ''طیر'' کے معنی فوج کے لینا جیسا کہ مولوی چراغ علی نے لیا ہے، اسی طرح بے ثبوت ہے، جس طرح سرسید کا سورۂ فیل کی تفسیر میں ''طیر'' سے فال بد لینا اور اگر پرندوں کا بولنا اب بھی کھٹکتا ہے تو فرض کرلو کہ نامہ بر کبوتروں کی طرح تربیت یافتہ نامہ بر ہد ہد ہوگا اور اس کے بولنے سے مقصود اس مضمون کا خط اس کے پاس ہونا سمجھ لو، جیسا کہ خود اسی موقع پر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے خط دے کر اس کو ملکہ سبا کے پاس بھیجا، اسی طرح پہلے بھی خط لے کر آیا ہوگا۔

۲۔ دوسری چیز قابل بحث ملکہ سبا کا تخت ہے جس کی نسبت قرآن مجید میں مذکور ہے، کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کو اپنے دربار میں اٹھوا منگوایا اور اس میں کچھ ردوبدل کر کے ملکہ سے پوچھا کہ ''تم یہ تخت پہچانتی ہو؟ تمہارا ہے؟ روایات تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ تخت طلائی اور جواہرات سے مرصع تھا، یہودیوں کے اسفار (نبیم) میں سبا کے تخت کا مطلق ذکر نہیں لیکن یہ مذکور ہے کہ ملکہ سبا حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں بہت سے جواہرات، سونا اور دیگر تحائف لائی جس سے حضرت سلیمانؑ نے ایک ہاتھی دانت کا مرصع و جواہر نگار تخت بنوایا'' (۲۔ ایام باب ۹) ممکن ہے کہ یہ اسی سبائی تخت کے متفرق اجزاء کا ذکر ہو، ترگوم استرا میں بھی اس تخت کے متعلق بہت سے عجیب وغریب واقعات مذکور ہیں۔

تاریخی شہادات سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ سبا میں اس قسم کی صنعت کاری کا رواج عام تھا، اگاتھرشیدوس ایک یونانی مورخ جو اسلام سے ۸۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا، شہادت دیتا ہے کہ:

> "سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت لایا جاتا ہے، بعد کے سبب سے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا ہے، اس لئے خصوصاً ان کے پایہ تخت میں طلائی و نقرئی ظروف، تخت اور دہلیز ہیں، جن کے پائے زرنگار اور نقرئی و طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں، پیشگاہ اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں، اور اس قسم کی زیب و زینت پر وہ نہایت ہنرمندی اور محنت صرف کرتے ہیں۔

اس تحریری بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مملکت سبا میں اس قسم کی چیزوں کا خاص طور سے اہتمام تھا، ممکن ہے کہ اس بیان سے ۱۲۰۰ برس پہلے ملکہ "سبا" کا تخت بھی اسی قسم کا ہو۔

۳۔ ایک سوال یہ ہے کہ یہ تخت کس غرض سے بنایا تھا؟ اور حضرت سلیمانؑ کے دربار میں کیوں لایا گیا تھا؟ عام جواب یہ ہے کہ ملکہ کے بیٹھنے کا تخت شاہی تھا، جو یمن میں بحفاظت مقفل کمروں میں تھا، جہاں سے اظہار معجزہ کے لئے پل کے پل میں حضرت سلیمانؑ نے اپنے ملک شامؑ اٹھا منگوایا، ہم کو اس سے اختلاف ہے، ہماری رائے یہ ہے کہ ملکہ سبا نے تحفہ کے طور پر حضرت سلیمانؑ کے لئے اپنے ملک کی صنعت کاری کی ایک چیز تیار کرائی تھی اور چونکہ یہ تحفہ تھا ضرور ہے کہ ملکہ اپنے ساتھ شام لائی ہوگی، تحفہ کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ قرآن نے سبا کی پہلی سفارت میں تحفہ کا ذکر کیا اور نبیم میں بھی سبا کے تحائف کا ذکر ہے۔

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ "حضرت سلیمانؑ کے ایک درباری نے جو کتاب سے واقف تھا، عرض کی کہ میں نگاہ پلٹنے سے پہلے ملکہ کا تخت اٹھالاتا ہوں" نگاہ پلٹنے سے پہلے تخت اٹھالانے سے مقصود جیسا کہ ہماری زبان میں سرعت اور جلدی سمجھا جاسکتا ہے، اسی طرح عربی زبان میں بھی قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ سے یہی سمجھنا چاہئے، بعض تابعین اور مفسرین کبار نے بھی اس لفظ کے یہی معنی لئے ہیں اور یہ کہنا تو درحقیقت محاورات زبان سے نادانی کا ثبوت ہے کہ واقعاً اس سے نگاہ کے پلٹنے کے ساتھ کام کا ہوجانا مقصود ہے۔

۴۔ اس قصہ کے متعلق چوتھی بحث یہ ہے کہ قرآن مجید کے ان الفاظ میں کہ "وہ شخص جس کے

پاس کتاب کا علم تھا بولا کہ میں تخت کو نگاہ پلٹنے سے پہلے لا دوں گا، کتاب کے علم سے عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کیا مقصود ہے؟ عام مفسرین توراۃ مراد لیتے ہیں یا اسم اعظم، لیکن ظاہر ہے کہ توراۃ کے علم سے تخت کا جلد اور بسرعت لے آنا کیا مناسبت رکھتا ہے؟ اسم اعظم کا یہودی تخیل کہ وہ جادو منتر کی طرح کوئی سریع التاثیر مخفی لفظ ہے جس کے تکلم کے ساتھ ہر کام ہو جائے، اسلام میں نہیں، البتہ بعض اسمائے الٰہیہ کے ساتھ دعائے مستجاب سے انکار نہیں مگر اس کے لئے تو خود پیغمبر وقت سب سے زیادہ موزوں ہونا چاہئے۔

ایک مدعیِ علم کلام جدید نے کتاب سے رجسٹر اور دفتر مراد لیا ہے، یعنی بعض درباری جو حضرت سلیمانؑ کے سرکاری دفتر اور رجسٹر سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ تخت کہاں رکھا ہوا ہے انھوں نے کہا کہ ابھی اٹھا لاتا ہوں، لیکن اس عہد میں انیسویں صدی کی طرح باقاعدہ دفتر اور رجسٹر کا دعویٰ ایک مضحکہ خیز امر ہے، میری رائے یہ ہے کہ کتاب سے خط مراد ہے لفظ کتاب اسی قصہ میں اس سے پہلے دو بار اسی معنی میں قرآن مجید میں آچکا ہے۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا (نمل ۲۷:۲۸) میری یہ کتاب (خط) لے جا۔

اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (نمل ۲۷:۲۹) میرے پاس ایک کتاب (خط) آئی ہے

اس کے علاوہ لفظ کتاب کا بمعنی خط عربی میں عام طور سے استعمال ہے، بلکہ فصحاء اس کے سوا خط کے لئے کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کرتے، میری تاویل کے مطابق آیت کا مقصود یہ ہے کہ درباریوں میں سے ملکہ سبا کے مضمونِ خط کا جس کو علم تھا کہ وہ بطور تحفہ اپنے ساتھ ایک تخت لائی ہے، اس نے کہا میں ابھی لاتا ہوں۔

۵۔ قرآن مجید میں ہے کہ ملکہ حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ پر اسلام لائی اور پیغمبرانہ جاہ و جلال دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھی، اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ، لیکن بظاہر نیمیم سے اس کی تائید نہیں ہوتی، لیکن نیمیم میں ملکہ کے یہ فقرے ''خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے اور جس نے تجھ کو اسرائیل کے تخت پر بیٹھایا، کیوں کہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھ کو بادشاہ بنایا کہ عدل و انصاف کرے'' کیا اس کے ایمانِ قلب کو نہیں ظاہر کرتے؟ مسیحی احباب تو قرآن کی تائید پر مجبور ہیں کیوں کہ انجیل کا یہ درس ان کو یاد ہوگا۔

''جنوب کی ملکہ فیصلہ کے دن اس نسل کے ساتھ کھڑی ہوگی اور ملامت

کرے گی کہ وہ زمین کے انتہائی حصہ سے سلیمانؑ کی حکمت سننے آئی اور دیکھو کہ

یہاں سلیمانؑ سے بڑا ہے۔ (یعنی مسیح) (متی ۱۲۔۴۲)

سبا کا مذہب قرآن مجید نے بتایا ہے سبا کا مذہب آفتاب پرستی تھا۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (النمل ۲۷:۲۴) — میں نے سبا کی ملکہ اور اس کی قوم کو خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا۔

تیمیم اس ذکر سے خاموش ہے، لیکن ترگوم سے تصدیق ہوتی ہے، ترگوم کا فقرہ یہ ہے ''جب کہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جارہی تھی''[1]۔ یونانی مورخ تھیوفراسٹینس (۳۱۲ق م) جو اسلام سے تقریباً ۹۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا، بخورات کے ذکر میں لکھتا ہے ''یہ ملک سبا سے متعلق ہے، جو بخورات کی ملکیت کی بڑی حفاظت کرتے ہیں، ان بخورات کا ذخیرہ آفتاب کے ہیکل میں جو اس قوم میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے لایا جاتا ہے[2]''

روایات عرب سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ باقی قبیلہ سبا کا لقب ''عبدشمس'' مشہور[3] ہے، جس کے معنی پرستار آفتاب کے ہیں، اکتشافات اثریہ نے اس مسئلہ کو **اظهر من الشمس** بنادیا ہے جس کی تفصیل ''ادیان'' میں آئے گی، مجمل یہ ہے کہ سبا کے متعدد دیوتاؤں میں سے ایک ''شمس'' بھی تھا جس کی تمام جنوب عرب میں پرستش کی جاتی تھی[4]۔ مسلمانوں نے ابتدائی صدیوں میں (۲ یا ۳) یمن کی ایک عمارت کا کتبہ پڑھا تھا جو جنوبی (حمیری) زبان میں تھا، اس میں یہ عبارت منقوش تھی ''بسم الله هذا ما بناه شمر یرعش سیدة الشمس'' شمر یرعش نے سورج دیبی کے لئے یہ بنایا[5]۔

سبا کا تفرق و انتشار ہم نے اوپر کہیں بتایا ہے کہ سبا کے مقبوضات تین حصوں میں منقسم تھے، حبش، یمن اور شالی عرب، ۱۱۵ ق م میں یہ شیرازے بکھر گئے، حبش پر اکسومی خاندان (اصحاب الفیل) قبضہ کر بیٹھا، شالی عرب میں اسماعیلی عربوں نے خروج کیا، یمن میں حمیر نے ظہور کیا اور بقیہ قبائل تمام ملک میں تتر بتر ہو گئے۔

لیکن سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ اس پراگندگی، تفرق و انتشار کا کیا سبب ہوا!

---

[1] جوئیش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۶
[2] ہیرن کی ہسٹاریکل ریسرچز جلد ۱ ص ۳۵۱
[3] ملوک الارض حمزہ اصفہانی صفحہ ۱۰۷ کلکتہ
[4] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۱ صفحہ ۳۷۹
[5] ملوک الارض حمزہ اصفہانی صفحہ ۱۱۰ کلکتہ

روایاتِ نامعتبرہ، حکایاتِ تفسیر اور افسانہائے عرب کا منشا یہ ہے کہ سیل عرم کے خوف سے جس کی خبر کاہنوں کے ذریعہ سے پہلے مل چکی تھی، قبائل یمن سے نکل کر دیگر اقطاع ملک میں چلے گئے لیکن اولاً تو کاہنوں کی پیشین گوئی ایک لغو امر ہے، ثانیاً سیل تو صرف شہر مارب میں آنے والا تھا، تمام یمن میں نہ آنے والا تھا اور نہ آیا، اس لئے یہ سبب تو ترک مارب کا ہوسکتا ہے، ترک یمن کا نہیں۔

اصل یہ ہے کہ سبا کی دولت وثروت کی اساس صرف تجارت تھی، یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے سونا، بیش قیمت پتھر، مسالہ خوشبوئیں، ہاتھی دانت، یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے ٹھیک یمن میں آکر اترتی تھیں، یمن سے سبا اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی خشکی حجاز سے گذر کر شام ومصر لاتے تھے، قرآن مجید نے اسی راستہ کو ''امام مبین'' (کھلا راستہ) اور اسی سفر کا رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ نام رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا، ان تجارتی کاروانوں کی آمد ورفت کے سبب سے یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی، جہاں بےخوف وخطر سفر ہوسکتا تھا۔

چوتھی صدی ق م کے اواخر میں یونانیوں نے اور پہلی صدی ق م میں رومیوں نے علی الاتصال شام ومصر پر قبضہ کیا، یہ عربوں کے بار بار حملوں سے خوف زدہ رہتے تھے، عرب اس تجارت کو صرف اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے، اس لئے غیر قوموں کو اپنے ملک سے گذرنے نہیں دیتے تھے، انباط اور حمیر کے واقعات پڑھو کہ اس کے لئے کیا کیا خونریزیاں ہوئیں اور یونانی ورومی ان دشوار گذار پہاڑوں اور ریگستانوں کو بہ آسانی طے بھی نہیں کر سکتے تھے، لاجرم انھوں نے ہندوستان وافریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر وشام کے سواحل پر اترنے لگا، اس طریق سفر نے یمن سے شام تک خاک اڑادی اور سبا کی تمام نوآبادیاں بےنشان ہوکر رہ گئیں۔

دیکھو! مفسرین کے علی الرغم قرآن مجید ان واقعات کی کیوں کر حرف حرف تصدیق کرتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۗ
كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ
غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ
بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ
قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝

بے شبہ سبا کے لئے خود اپنے گھر میں نشانیاں تھیں، دو باغوں (کا سلسلہ) داہنے بائیں اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کرو، ستھرا شہر ہے، اور معاف کرنے والا مالک، انھوں نے سرتابی کی

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ۝ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ سبا ۳۴۔۱۵۔۱۹)

تو ہم نے ان پر بند (توڑ کر) سیلاب بھیجا اور ان کے دونوں باغوں کے بجائے بدمزہ پھلوں اور پیلو اور کچھ بیری کے جھاڑ پیدا کر دئے، یہ ان کی ناشکر گذاری کی جزا تھی اور ہم تو صرف ناشکر گذاروں ہی کو یہ جزا دیتے ہیں اور ہم نے ان کے (ملک) اور برکت والی آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں، اور ان میں سفر کی منزلیں مقرر کی تھیں، چلو ان آبادیوں کی منزلوں میں دن رات، بے خوف و خطر، انھوں نے کہا کہ خدا نے ہمارا سفر بڑا بنا دیا (اے خدا ہمارے سفر کو دور کر دے) انھوں نے خود اپنی جان پر آپ ظلم کیا تو ہم نے ان کو کہانی بنا دیا اور پارہ پارہ کر دیا" حقیقتاً اس میں عبرت کی نشانیاں ہیں، شکر گذار اور صابر بندوں کے لئے۔

دیکھو! ان آیتوں میں دو باتیں ہیں ایک تو سیلاب عرم کا ذکر ہے، جو مسکن سبا یعنی شہر مارب میں خدا نے بھیجا، اس سیلاب کے اثر سے تم کہتے ہو تمام قوم متزلزل ہوگئی، لیکن خدا کہتا ہے کہ سیلاب بھیج کر بند توڑ دیا، جس سے صرف ان کے باغ ویران ہو گئے دوسری بات یہ ہے کہ تجارت کی جو پر امن آبادیاں اور راہیں قائم تھیں، وہ اجڑ گئیں، تم کہتے ہو کہ اس کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن خدا فرماتا ہے کہ یہی وہ عذاب تھا جس سے وہ مٹ کر قصہ کہانی بن گئے اور ان کی قومیت کا شیرازہ پارہ پارہ ہو گیا۔

قرآن کی صداقت پر ایک قرآن کا منکر (مولر) شہادت دیتا ہے کہ سبا کی بربادی سیلاب سے نہیں ہوئی جیسا کہ روایتِ عرب کا بیان ہے، بلکہ تجارتی راہوں کے بدلنے سے ہوئی ہے، جس طرح کہ قرآن نے بوضاحت تمام بیان کیا ہے[1]۔

بنو کہلان کیا قحطانی ہیں؟ عام علمائے انساب سبا کے دو بیٹے قرار دیتے ہیں، حمیر اور کہلان، حمیر کو تمام تر یمن کا مالک قرار دیتے ہیں اور کہلان کو اطراف و حدود کی پاسبانی سپرد کرتے ہیں، بنو کہلان نے

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا

سالارِ خاندان خواب دیکھتا ہے، یا کسی کاہن سے اس کو معلوم ہوتا ہے کہ سد مارب ٹوٹے گا، اور سبا برباد ہوں گے، اس بنا پر وہ یمن چھوڑ کر حجاز، نجد، بحرین، عمان، یمامہ، مدینہ، عراق اور شام میں نکل جاتے ہیں، ان میں سے مشہور شاخوں کی جو متفرق صوبوں میں جا کر آباد ہو گئے حسب ذیل تفصیل ہے:

یمن	ہمدان، اشعر
نجد	کندہ، قضاعہ
حجاز	خزاعہ، (مکہ) اوس وخزرج (مدینہ)
عمان	ازد
شام	عاملہ، غسان
عراق	لخم، جذام

لیکن ہمارے نزدیک ہمدان واشعر اور بعض دیگر قبائل کا قحطانی الاصل ہونا مشکوک ہے، قضاعہ، خزاعہ اور لخم کو تو عموماً محققین انساب نے اسماعیلی وعدنانی کہا ہے، خزاعہ (اسلم) کو حدیث صحیح میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے بنی اسمٰعیل کہا[1]۔ اوس وخزرج کا اسمٰعیلی النسب ہونا بھی بخاری کی روایت سے ثابت ہے[2] اور خود اوس وخزرج کو بھی اس کا دعویٰ تھا، کندہ کے شاعر خود اپنے کو معد (بنی اسمٰعیل) کہتے ہیں، غسان کا بھی اسماعیلی ہونا شعرائے عرب کے کلام سے ثابت ہے، اصل یہ ہے کہ عام علمائے انساب کو صرف تین سلسلے معلوم تھے، عرب بائدہ، قحطانی سبا اور اسماعیلی قیدار (عدنان) اس بنا پر جب کسی قبیلہ کی نسبت یہ ثابت ہو جاتا تھا کہ وہ بائدہ اور عدنانی نہیں ہے، تو لامحالہ اس کو قحطانی فرض کر لیتے تھے، حالانکہ توراۃ اور تاریخ کے رو سے عرب میں اور بہت سلسلے ثابت ہیں۔

قحطانی اور اسماعیلی خاندانوں میں تمیز کرنا نہایت آسان ہے، جنوبی عرب عموماً بنو قحطان کا مسکن ہے اور شمالی بنو اسماعیل کا، بنو قحطان کی زبان سبائی وحمیری ہے، بنو اسماعیل کی عدنانی اور نابتی، اول کا خط تحریر مسند اور ثانی کا نابتی، دونوں کے نام کا طریقہ، مذہبی تخیل اور دیوتاؤں کے نام بالکل مختلف ہیں۔

اس نکتہ کے سمجھنے کے بعد یہ عقدہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ بعض علمائے انساب وحدیث خود قحطان کو اسماعیلی کیوں کہتے ہیں؟ امام بخاری کا میلان طبع بھی ادھر ہی نظر آتا ہے، چنانچہ صحیح میں انھوں

---

[1] صحیح البخاری باب المناقب [2] باب اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا

۔"باب نسبة اليمن الى بنى اسماعيل" ایک مستقل باب باندھا ہے، علمائے انساب میں
بیر بن بکار کی اور ابن اسحاق کی بھی یہی روایت ہے، علامہ ابن حجر بھی فتح الباری میں اسی پہلو کو راجح
ار دیتے ہیں[1]۔ اس مبالغہ میں اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ بعض قحطانی شاخیں اسماعیلی ہیں اور یمن
سکونت کے باعث یا کسی اور سبب سے ان کو قحطانی فرض کرلیا گیا ہے[2]۔

---

۱ فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۳۹۱ ۲ جامع ترمذی تفسیر سورۂ سبا، ترمذی میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ لخم،
جذام، غسان، عاملہ، ازد، اشعر، حمیر، سبا کے خاندان سے ہیں۔ یہ حدیث غریب و حسن ہے۔

حمیر
یا
سبا کا طبقہ ثالثہ ورابعہ
(۱۱۵ق م۔۵۲۵ء)
قوم تبع اور اصحاب الاخدود

ملک یمن کا نقشہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ مغربی و مشرقی دو حصوں پر منقسم ہے، قطعہ مشرقی جو اندرونی ملک سے ملحق ہے، مملکت سبا ہے، قطعہ مغربی جو ایک طرف بحر عرب اور دوسری طرف بحر احمر کو چھوتا ہے حمیر کی مملکت ہے۔

اس سے تم نے سمجھا ہوگا کہ بحری تجارتوں نے سبا کو مٹا کر حمیر کو کس حد تک چمکا دیا ہوگا، یہی سبب ہے کہ یمن کی حکومت مشرق سے منتقل ہو کر مغرب کو چلی آئی ہے اور حمیر جو مغربی قبیلہ تھا، اس نے قوت مزید حاصل کرلی، ناچار مشرقی قبائل رزق و معاش کی تلاش میں کچھ مغرب کو اٹھ آئے، کچھ یمامہ، بحرین، حجاز، عراق اور شام کو چلے گئے، یہ بھی سمجھ لو کہ حمیر سبا سے کوئی الگ شے نہیں، صرف خاندان اور موقع حکومت کا فرق ہے، زبان، مذہب طریق اور تمدن تمام چیزیں ایک ہیں، اسی لئے خود حمیر کے کتبات میں بھی بجائے حمیر کے سبا ہی مذکور ہے، البتہ مورخین یونان نے سنہ ۲۰ق م میں اور اہل حبشہ نے چوتھی صدی عیسوی میں اپنے کتبہ میں ان کو حمیر کہا ہے۔

لفظ حمیر علمائے انساب کہتے ہیں کہ حمیر سبا کے جانشین فرزند کا نام تھا، اُس لئے سبا کی تمام تاریخ میں

بجائے سبا کے ہر جگہ حمیر بولتے ہیں، لیکن اب تک جو کتبات ملے ہیں اور جن میں سے اکثر کی اعینہ عبارتیں میری نظر سے گذری ہیں، ان میں لفظ حمیر کہیں نظر نہیں[1] آیا۔ خود حمیر کے سلاطین اپنے آپ کو ملک سبا و ذوریدان'' لکھتے ہیں، ہاں اہل حبش کے بعض کتبات میں ''حمیر'' اور ''ارض حمیر'' البتہ کہیں کہیں ملتا ہے، حمیر عربی اور حبشی میں ''حمر'' سے مشتق ہوگا، جس کے معنی سرخ کے ہیں اور محاورہ میں گورے رنگ کو احمر کہتے ہیں اس کے مقابل اسود ہے، عرب ''سیاہ وسپید'' کی جگہ ''اسود الاحمر'' بولتے ہیں، چونکہ عرب اہل حبش کو اسود اور اسودان کہتے ہیں، اس کے مقابل میں حبش عربوں کو ''حمیر'' یعنی گورے رنگ کے آدمی کہتے ہونگے، ابرہہ یمن کا حبشی فاتح اپنے ایک کتبہ[2] میں لکھتا ہے کہ ''بادشاہ حبشی حمیری فوج لے کر آیا'' موجودہ محاورۂ ہند میں اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ کالی گوری دونوں پلٹنیں آئیں۔''

السنہ سامیہ اور آثار عرب کے ایک مشہور ماہر (ہالوے) نے اپنے سلسلہ مضامین ''مطالعہ زبان سبا'' میں جو فرنچ ایشیاٹک[3] سوسائٹی میں شائع ہوا ہے، اس موضوع پر ایک نہایت عجیب بحث لکھی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بربنائے کتبات؟ شاہان سبا و حمیر کا آئین تحریر یہ تھا کہ وہ کتبات میں بالفظ ملک (شاہ) کے بعد قلعہ حکومت کا اس کے بعد اپنے شہر حکومت کا یا علی العکس ذکر کرتے تھے، اس بنا پر جب ہم کو شاہ اذینہ حبشی کے کتبہ میں ''ملک حمیر وریدان وسباد سلحسین'' لکھا نظر آتا ہے، تو ہم صاف کہہ دیں گے کہ سباو سلحسین میں جو تعلق ہے، یعنی پہلا شہر ہے اور دوسرا قلعہ یہی تعلق حمیر اور ریدان میں بھی ہے، اس بنا پر حمیر قوم کا نام نہیں، بلکہ قلعہ شاہی کا نام تھا اور رفتہ رفتہ اس نے حکومت کا اور پھر تمام قوم کا نام اختیار کرلیا۔

لیکن ہم کو متعدد وجوہ سے اس تحقیق سے انکار ہے۔

(۱) اس تاریخ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ سامی قوموں میں شخص کے نام پر ملک کے نام رکھنے کا رواج عام تھا، لیکن ملک کے نام پر قوم کا نام کبھی نہیں رکھا گیا، اس کی متعدد مثالیں اوپر گذر چکی ہیں اور خود یہاں بھی دیکھ لو، سبا ایک قوم کا اصل میں نام ہے، جس کو ہالوے صاحب بھی اس مضمون میں تسلیم کرتے ہیں، بلکہ یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں، لیکن چونکہ اس قوم کا پایہ تخت شہر مارب تھا، اس بنا پر خود شہر مارب کو سبا کہنے لگے جیسا کہ اذینہ کے مذکورہ بالا کتبہ میں بھی موجود ہے۔

---

[1] جہاں جہاں ہم نے اس باب میں کتبات کے حوالے دئے ہیں وہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل ۱۸۷۴ء کے مضامین ''مطالعہ زبان سبا'' سے التقاط ہیں۔ [2] دیکھو اصحاب الفیل [3] مئی و جون ۱۸۷۳ء پیرس

(۲) قاعدہ یہ ہے کہ لفظ مذکور اگر کسی مقام کا نام ہوتا ہے تو اس کے پہلے لفظ ''ذو'' (مالک) یا لفظ ''حضر'' (شہر) یا لفظ ''بیت'' (قلعہ) آتا ہے، مثلاً خود صاحب ممدوح کے شائع کردہ کتبات میں دیکھو، ''ذوریدان ذوسلحسین'' کہ یہ دونوں مقامات کے نام ہیں ''حضر عدن و بیت ابین'' یعنی شہر عدن وقلعہ سلحسین وشہر مارب، لیکن اس قسم کا استعمال لفظ حمیر کے ساتھ کہیں نظر نہیں آتا، اذینہ کے جس کتبہ کا حوالہ دیا گیا ہے اس کی عبارت بھی یوں ہے، ''نجوس[۱] حمیر و ذوریدان و ذو سلحسین'' دیکھو کہ اس میں بوضاحت تمام مقام اور قوم کے نام میں فرق نظر آتا ہے۔

(۳) اب تک کتبات میں جس قدر شہروں اور قلعوں کے نام ملے ہیں وہ تمام تر عربی جغرافیوں میں مذکور ہیں، لیکن حمیر کا بحیثیت قلعہ یا شہر کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مملکت حمیر تمہید میں معلوم ہو چکا ہے کہ حمیر مغربی یمن میں بحر احمر و بحر عرب کے متصل آباد تھے، اس وقت اس خاندان پر ''ذو'' (امیر) حکومت کرتے تھے، قلعہ ریدان ان کا مسکن تھا اور اس بنا پر خطاب امارت ''ذوریدان'' تھا، یہ قلعہ شہر ظفار کے متصل تھا، جو شہر صنعاء کے قریب واقع ہے اور جدید حکومت کا پایہ تخت تھا، ابوعلکم مرانی اسی ریدان کے ذکر میں کہتا ہے:

وفی ظفار بنت اباؤنا غرفاً	فی کوکبان و قصر الملك ریدانا
ہمارے بزرگوں نے ظفار میں عمارتیں تعمیر کیں	نیز کوکبان میں اور ''قصر شاہی ریدان'' تھا

سبا کی تباہی وتفرق کے بعد حمیر نے مارب تک اپنی حکومت کو وسعت دی، اس وقت ان کا لقب شاہی ''ملک سبا و ذوریدان'' نظر آتا ہے، ایک مدت کے بعد ان کے القاب میں ''شاہ حضر موت'' کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے، پھر تمام یمن، نجد اور تہامہ کی بادشاہی، القاب میں نظر آتی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح رفتہ رفتہ ان کی حکومت کا رقبہ وسیع ہوتا جاتا ہے، آخر ۵۲۵ء میں آخری حمیر بادشاہ ذونواس اکسومی حبشیوں سے شکست کھاتا ہے اور تقریباً ۴۰ برس کے لئے ملک ان کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے، اس کے بعد ایرانی آتے ہیں اور ان کے چند سالوں کے بعد تہامہ کی گھاٹیوں سے خورشید اسلام یمن میں طلوع ہوتا ہے اور ایک دن تمام یمن اس نور سے منور ہو جاتا ہے،

حمیر کا زمانہ سبا کے خاندان حمیر کا زمانہ کب سے شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟ اس کا جواب فرض وتخمین کی بجائے کسی قدر واقعیت سے دیا جا سکتا ہے، سبائے حمیر کے پچھلے کتبات میں مبہود بن

---

[۱] نجوس حبشی لفظ ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں، اسی لفظ کو معرب کر کے عرب نجاشی کہتے ہیں۔

ابہد کے نام سے ایک غیر معلوم تاریخ کے سنین کا استعمال کیا گیا ہے، ۳۸۵ء، ۵۷۳ء، ۵۸۲ء، ۶۴۰ء، ۶۵۷ء، ۶۵۸ء، ۶۶۹ء، مختلف کتبات کے سنین ہیں، ان میں سے ۶۴۰ء کے کتبہ میں حبش کے حملہ یمن اور ذونواس کی موت کا ذکر ہے، یہ واقعہ عرب روایات اور رومی بیانات کے مطابق ۶۲۵ء کا ہے اس بنا پر یہ بالکل بدیہی ہے کہ ۶۲۵ء سنہ ۶۴۰ء حمیری کے مطابق ہے اور اس لئے سنہ حمیری کی ابتداء ۱۱۵ء ق م قرار پائے گی[۱]۔

یہ تحقیق ہالوے کی ہے، لیکن اس مسئلہ میں میری رائے ایک اور ہے ہالوے کی اس تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حمیری سنہ کی ابتداء ۱۱۵ء ق م سے ہوئی ہے لیکن یہ نہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حمیری خاندان یعنی "ملک سباو ذوریدان" کی بھی ابتدا اسی سنہ سے شروع ہوئی ہے، کتبات میں ایک کتبہ کی عبارت یہ ہے "**الیشرح یحضب ویثیل بیں شاھار، سبا دریدان فرزندان فرغ ینھب شاہ سبا**" رومی تاریخ میں ایک حملہ یمن کا ذکر ہے جو ۲۰ء ق م میں **الیشرح شاہ مارب** (سبا) پر کیا گیا یشرح اس عہد میں دو (چچا اور بھتیجا) کا نام تھا، **الیشرح یحضب اور الیشرح یحمل**، میں رومی تاریخ کا الیشرح، الیشرح یحمل کو فرض کرتا ہوں، کتبہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ الیشرح یحضب، سبا دریدان کا پہلا بادشاہ تھا۔ رومی تاریخ سے الیشرح یحمل کا زمانہ ۲۰ء ق م معلوم ہوتا ہے، اس بنا پر حمیری خاندان کی ابتدا پہلی صدی کے اوسط سے پہلے نہیں جاتی، مبہود بن ابہد جس کے نام کی طرف حمیری سنہ کی نسبت ہے، عجب نہیں کہ سبا کے سیاسی انقلاب کے بعد حمیر کا پہلا کاہن ہو، بابل میں یہ قاعدہ تھا کہ سنہ کی ابتدا اسلاطین کے بجائے کاہنوں سے کی جاتی تھی، یہی اصول سنہ نویسی حمیر میں بھی نظر آتا ہے[۲]۔

بہر حال اگر میری رائے درست ہے، جس کی دوسرے واقعات سے بھی تصدیق ہو چکی ہے تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ سبائے حمیر کی تاریخ پہلی صدی ق م کے اوسط سے شروع ہوتی ہے اور ذونواس کی موت پر ۵۲۵ء میں ختم ہوتی ہے اور اس بنا پر حمیر کی کل مدت حکومت تقریباً ۵۵۰ برس قرار پائے گی۔ مورخین یونان نے حمیر کا ۲۰ء ق م میں پہلی بار ذکر کیا ہے۔

حمیر کے طبقات حمیری حکومت کے ۵۵۰ برس حمیر کی مسلسل تاریخ نہیں ہے، پہلی صدی ق م سے تیسری صدی عیسوی کے اواخر تک حمیر کا طبقہ اول، یا سبا کا طبقہ ثالث فرمانروائی کرتا رہا، دوسرا طبقہ تیسری صدی عیسوی کے اواخر سے شروع ہوتا ہے اور ابھی چند ہی بادشاہ گذرتے ہیں کہ اکسومی حبشی چوتھی صدی

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۳ ص ۹۵۶ [۲] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۳ ص ۹۵۶ [۳] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۳۷۷

کے اوسط میں یمن گھس آتے ہیں، چند سال کے بعد حمیران حبشیوں کو نکال کر پھر وطنی حکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ یہ طبقہ ۵۲۵ء تک جب کہ آخری بار اہل حبش فاتحانہ داخل ہوتے ہیں قائم رہتا ہے۔

سبائے حمیر کے ان دونوں طبقات میں متعدد فروق و امتیازات ہیں، دور اول کے سلاطین کا لقب "ملک سبا و ذوریدان" ہے، دور ثانی میں یہ سلاطین ملک سبا در یدان و حضر موت کا لقب اختیار کرتے ہیں اور پھر جب کوئی نیا قطعہ ملک فتوحات میں شامل ہوتا ہے، تو لقب شاہی میں اتنا ہی اور اضافہ ہو جاتا ہے، ان القاب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دور اول میں حمیر کا رقبہ حکومت صرف یمن تک محدود تھا، دور ثانی میں حضر موت تک وسیع ہو جاتا ہے، عرب مورخین کے بیان سے بھی ان طبقات کی تصدیق ہوتی ہے۔

واول من ملك اولا دقحطان حمير بن سبافبقى مليكا حتى مات هرماً وتوراث ولده الملك بعده فلم يعدهم الملك حتى مضت قرون وصار الملك الى الحارث وهو تبع الاول فمن ملك اليمن قبل الرائش ملكان ملك بسبا وملك بحضرموت فكان لا يجتمع اليمانيون كلهم عليهم الى ان ملك الرائش فاجتمعوا عليه وتبعوه فسمّي تبعاً[1]	فرزندان قحطان میں سے پہلے، جو پہلے بادشاہ ہوا وہ حمیر ابن سبا ہے، یہ آخر وقت تک بادشاہ رہا، تا آنکہ بڈھا ہو کر مر گیا، پھر حکومت اس کی نسل میں وراثۃً جاری رہی اور ان کے ہاتھ سے نہیں نکلی، تا آنکہ چند صدیاں گذر گئیں، پھر حارث الرائش بادشاہ ہوا، جو پہلا تبع ہے، اس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے تھے، ایک سبا میں اور ایک حضر موت میں تمام یمنی ایک کی اطاعت پر متفق نہیں ہوتے تھے، لیکن جب یہ بادشاہ ہوا تو اس کی بادشاہی پر سب متفق ہو گئے اور اس کی اطاعت کر لی اس لئے اس کا لقب تبع ہوا۔

ایک اور فرق عظیم ان دونوں طبقوں میں یہ ہے کہ پہلا طبقہ عموماً ستارہ پرست ہے، ان کے تمام کتبات، ستاروں، دیوتاؤں، اور ہیکلوں کے ناموں اور یادگاروں سے مملو ہیں، دوسرے دور میں سلاطین حمیر بعض عیسائی اور اکثر یہودی المذہب ہیں، اس لئے ان کتبات میں بجائے دیوتاؤں کے رحمان کا نام نظر آتا ہے۔[2]

---

[1] حمزہ اصفہانی ص ۱۰۸ کلکتہ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا و حمزہ اصفہانی فصل حمیر، عبد کلال عیسائی تھا۔ ذونواس وغیرہ یہودی تھے۔

شاہانِ حمیر ابھی جو عبارت حمزہ اصفہانی کی تم نے پڑھی، اس سے سمجھا ہوگا کہ حارث الرائش سے پہلے کے شاہانِ حمیر کی جماعت، سبائے حمیر کا طبقہ اول ہے اور حارث الرائش سے آخر تک طبقہ ثانیہ ہے۔ شاہانِ طبقہ اول کے جو نام عربی تاریخوں میں مذکور ہیں، باہم نہایت مختلط مختلف اور متعارض ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا کے رد سے ان میں سے کسی میں بھی صحت کا شائبہ نہیں ہے۔ ان ناموں کی تفصیل ہم سبا کے ذکر میں کر چکے ہیں۔ مختلف مورخین کے بیانات ایک بار پڑھ لو اور دیکھو کہ ان ناموں کو طبقہ ثانیہ میں خود مورخین عرب نے جو نام لکھے ہیں اور جو ایک حد تک صحیح ہیں اور جو کتبات میں نام ملے ہیں ان دونوں سے زبان، جنسیت، مشارکت، یکرنگی، طریقۂ اسمیت میں کوئی مناسبت ہے؟

مؤرخین عرب کے طبقہ اول حمیر کے نام	مؤرخین عرب کے طبقہ دوم حمیر کے نام	کتبات کے سبائی حمیری نام
حمیر	ناشر نعم	فرع ینہب
الہمیسع	شمر یرعش ابوکرب	الیشرح یحضب
ایمن	ابو مالک	الیشرح یحمل
زہیر	الاقرن	ثیل بین
عریب	کلیکرب	کرب ایل یوہنعم
الغوث	اسعد ابوکرب	ذمر علی ذرح
وائل	عبید کلال	شمر یہرعش
عبد شمس	مرثد بن عبید	ملک یکرب یوہنعم
زہیر الصوار	ولیعہ بن[۱] مرثد	ابوکرب اسعد
ذو یقدم		معدی کرب
ذوانس		مرثد اللات
عمرو		ملک امر
الملطاط		سمہی کرب
القلیس		تبع کرب
سدد[۲]		یفرع ینعم

۱؎ یہ نام حمیر کے محقق ترین ماخذ نشوان بن سعید الحمیری کے قصیدۂ حمیریہ سے ماخوذ ہیں۔ ۲؎ حمزہ اصفہانی فصل حمیر سے کتبات شائع کردہ ہالوے اور فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی بخط عبری ۱۸۷۴ء

اس مقابلہ سے تم نے سمجھا ہوگا کہ سبا اور حمیر کے اصلی نام کی صحیح ہیئت کیا ہوتی ہے اور ان میں کس قسم کے جوڑ بند ہوتے ہیں، یہی سبب ہے کہ اکثر محققین تاریخ عرب نے طبقہ ثانی سے پہلے کے نام چھوڑ دئے ہیں، حمزہ اصفہانی جو عربی زبان میں تاریخ قدیم کا بہترین و محقق ترین ماخذ ہے، حارث الرائش سے پہلے کے سلاطین کا مطلق نام نہیں لیتا، کہتا ہے:

واول من ملك من اولا دقحطان حمير بن سبا فبقى ملكا حتىٰ مات هرماً وتوارث ولده الملك بعده فلم يعدهم ملك اليمن حتى مضت قرون وصار الملك الى الحارث[1]

فرزندان قحطان میں سے حمیر بن سبا پہلا بادشاہ ہوا اور آخر تک بادشاہ رہا، تا آنکہ بڈھا ہو کر مر گیا اس کی نسل میں وراثتاً حکومت قائم رہی اور یمن کی حکومت اسی نسل میں باقی رہی، یہاں تک کہ چند صدیاں گذر گئیں اور حارث بادشاہ ہوا۔

حارث سے پہلے کی یہی چند مجہول صدیاں حمیر کا طبقہ اول ہے۔

شاہان حمیر اور ان کے طبقات کی نسبت ہم نے جو کچھ لکھا، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ حمیر کے طبقہ ثانیہ میں اکسومی (سبائی) حبش کی ایک قلیل الزمانہ حکومت کی خلیج بھی حائل ہے، عرب مورخین کو عموماً گو اس کی واقفیت نہیں، لیکن شاہان حمیر کی کامل فہرست جو وہ پیش کرتے ہیں طبقہ ثانی کے بیچ میں یعنی حارث الرائش اور ناشر نعم کے درمیان ناموں کے رنگ و بو پہچاننے والوں کو صاف حبشی یا کم از کم غیر عربی و حمیری رنگ واثر چند ناموں میں نظر آئے گا۔

نام	کیفیت	نام	کیفیت
الف: ا۔ حمیر	نام	۷۔ وائل	ایک شاہی خاندان کا
۲۔ الہمیسع	مصنوعی نام		بنووائل نام ملا ہے
۳۔ الف۔ ایمن	صحیح لیکن نام کا صرف	۸۔ عبد شمس	صحیح نام
	ایک جز ہے	۹۔ زہیر الصوار	مشکوک نام
۴۔ زہیر	مصنوعی	۱۰۔ ذو یقدم	مشکوک نام
۵۔ عریب	مصنوعی نام	۱۱۔ ذوانس	مشکوک نام
۶۔ الغوث	مصنوعی نام	۱۲۔ عمرو	مشکوک نام

[1] تاریخ حمزہ اصفہانی ص ۱۰۸ کلکتہ

نام	کیفیت	نام	کیفیت
۱۳۔ السلطاط	مصنوعی	۵۔ ذو میشیان بن الاقرن	مشکوک
۱۴۔ القلیص	مصنوعی	۶۔ تبع بن الاقرن	مشکوک
۱۵۔ سدد	مصنوعی	۷۔ کلی کرب بن تبع	صحیح
۱۶۔ الحارث الرائش	صحیح نام	۸۔ اسعد ابو کرب	صحیح
ب: ۱۔ ابرہہ ذوالمنار	حبشی نام ابرہہ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے۔	۹۔ حسان بن تبع	مشکوک
		۱۰۔ عمرو بن تبع	مشکوک
۲۔ افریقس میں ابرہہ	غیر عربی نام، افریقس کے معنی شاید افریقی یعنی حبشی ہوں۔	۱۱۔ عبد کلال	صحیح
		۱۲۔ تبع بن حسان	مشکوک
		۱۳۔ مرثد بن عبید	صحیح
۳۔ العبد ذوالازعار	مشکوک	۱۴۔ ولیعہ بن مرثد	صحیح
۴۔ ہداد بن شرحبیل	ایک حبشی بادشاہ کا نام	۱۵۔ ابرہہ بن الصباح	حبشی
۵۔ بلقیس بنت ہداد	غیر عربی شاید یونانی	۱۶۔ صہبان بن محرث	مشکوک
ج: ۱۔ ناشر نعم	صحیح نام	۱۷۔ حسان بن عمرو	مشکوک
۲۔ شمر یرعش	صحیح نام	۱۸۔ ذوشناتر	صحیح
۳۔ ابو مالک	صحیح نام	۱۹۔ ذونواس	صحیح
۴۔ الاقرن بن ابی مالک	مشکوک	۲۰۔ ذوجدن	صحیح

اس طویل فہرست میں قائمہ ''الف'' طبقہ اول حمیر ہے، لیکن تمام نام اس کے صحیح نہیں ہیں، قائمہ ''ب'' ایک مختصر حبشی دور ہے یہ نام بھی غیر صحیح ہیں لیکن حبشیت کا ان میں شائبہ ہے، قائمہ ''ج'' طبقہ دوم حمیر ہے اور قرب زمانہ کے سبب اس کے اکثر نام صحیح اور محفوظ ہیں۔

طبقہ اول کے صحیح نام اور زمانے شاہان حمیر کے صحیح نام وہ ہیں جواب تک پتھر اور چاندی کے حرفوں میں یمن کے ویرانوں اور سکوں میں لکھے ملے ہیں اور جن کو بہتوں نے پڑھا ہے اور ہر شخص جا کر پڑھ سکتا ہے، ہم نے اوپر بتایا ہے کہ طبقہ ثانی کے بعض کتبوں پر تاریخیں بھی ثبت ہیں، جن کا حل ہو چکا ہے۔ بعض سلاطین کے نام رومیوں کے سیاسی و تجارتی تعلق سے یونانی رومی تاریخوں میں منقوط

ہیں اور قیاصرۂ روم کی معاصرت سے ان کی تاریخ معلوم ہے۔

اس روی تعلق سے طبقہ اول حمیر میں سے (جس کا لقب شاہی ملک سبا وذو ریدان ہے) دو بادشاہوں کی تاریخ معلوم ہے، کرب ایل (Charibael) اور الیشرح (Elisaros) کتبہ میں الیشرح یحضب اور الیشرح یحمل، دو چچا بھتیجوں کے نام ملتے ہیں، رومیوں کا الیشرح ان میں سے جو ہودہ سنہ ۲۰ ق م میں موجود تھا "کرب ایل شاہ سبا وریدان" کو بربیلرس مورخ (۸۰ء) نے پہلی صدی عیسوی کے اوسط میں ذکر کیا ہے، کتبوں میں الیشرح اور کرب ایل اور ان کے باپ اور بیٹوں کے نام بھی ملے ہیں جو ظاہر ہے کہ ترتیب میں اس کے آگے ہوں گے، بقیہ نام قیاساً اوپر نیچے ترتیب دیئے گئے ہیں، سب سے پہلا نام الیشرح یحضب قرار دیا جاتا ہے کہ کتبہ ذیل کی رو سے "ملک سبا وریدان" کے لقب سے یہ پہلا شخص نظر آتا ہے۔

"الیشرح یحضب و یئیل میں شاہان سبا وریدان ابن فرع ینہب شاہ سبا[1]"

الیشرح شاہ سبا وریدان ہے، اس سے پہلے اس کا باپ شاہ سبا ہے، طبقہ اول یعنی "شاہان سبا وریدان" کے نام حسب ذیل ہیں[2]:

۱۔	الیشرح یحضب، ملک سبا، ذو ریدان، بن فرع ینہب ملک سبا	۵۰۔۳۰ ق م (فرضاً)
۲۔	یئیل بین، ملک سبا وذو ریدان فرع ینہب ملک سبا	ایک خاندان ۳۰۔۲۰ ق م (فرضاً)
۳۔	الیشرح یحمل ملک سبا وذو ریدان بن یئیل بین	۲۰۔ ۱ء (تقریباً)
۴۔	ذمر علی بین ملک سبا وذو ریدان	۱ ۳۰ء (فرضاً)
۵۔	کرب ایل وتار یونعم ملک وذو ریدان بن ذمر علی	ایک خاندان ۳۰۔۶۰ (تقریباً)
۶۔	ملک امر ملک سبا وذو ریدان بن کرب ایل	۶۰۔۸۰ء (فرضاً)
۷۔	ذمر علی ندرح ملک سبا وذو ریدان بن کرب ایل	۶۰۔۸۰ء (فرضاً)
۸۔	یفرع ینعم، ملک سبا وذو ریدان	۱۰۰۔۱۲۰ء (فرضاً)
۹۔	ہو فعشت اشوع، ملک سبا وذو ریدان بن فرع ینعم	ایک خاندان ۱۲۰۔۱۴۰ء (فرضاً)
۱۰۔	شید دایمن فرزندان ہو فعشت	۱۴۰۔۱۶۰ء (فرضاً)

[1] بالوے فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۷۴ء، مضمون مطالعہ زبان حمیر ۱۲ [2] یہ فہرست ہوارت کی تاریخ فصل سوم اور کتبات شائع کردہ دسبر بالوے (فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۷۴ء سے ماخوذ وملتقط ہے۔

۱۱۔ وہب ایل یحز، ملک سباوذوریدان		۱۶۰۔۱۹۰ء (فرضا)
۱۲۔ لعزنوفان یہصدق، ملک سباوذوریدان	اخوان	۱۹۰۔۲۲۰ء (فرضا)
۱۳۔ یاسر یہصدق، ملک سباوذوریدان	اخوان	۱۲۰۔۲۴۰ء (فرضا)
۱۴۔ ذمرعلی یہبر، ملک سباوذوریدان	اخوان	۱۴۰۔۲۷۰ء (فرضا)
۱۵۔ یاسر یونعم، ملک سباوذوریدان	اخوان	۱۷۰۔۲۸۰ء (تقریبا)

طبقہ اول کے حالات سیاسی اس عہد میں یمن کو دو ہمسایہ حکومتوں سے تعلقات تھے، اکسومی حبش جو سبائی الاصل تھے اور جو مقابل کے ساحل افریقہ پر آباد تھے اور رومی جو مصر و شام پر حکومت کرتے تھے، اور بحری راستہ سے ہندوستان کا مال تجارت لے کر سواحل یمن پر گذرتے تھے اور خود اہل یمن سے بھی تجارتی تعلق رکھتے تھے۔

رومیوں میں بھی یہودیوں کی طرح سبا کی دولت وثروت کی اس قدر شہرت ہوگئی تھی کہ رومن لٹریچر میں سبا کی دولت ضرب المثل بن گئی، شعراء ان کی دولت کی تمثیل دیتے تھے، رفتہ رفتہ طمع و حرص نے کام و دہن میں لذت اور دست و پا میں حرکت پیدا کی، ۲۰ ق م میں آلیس گالوس Ailius (gallus) نے جو رومیوں کی طرف سے مصر کا گورنر تھا، قیصر اغسطس (Agustus) کے حکم سے یمن پر حملہ کی تیاری کی، انباط جو شمالی عرب میں ان کے زیر اثر تھے، اعانت کے لئے آمادہ کئے گئے اور بظاہر وہ بھی آمادہ نظر آئے، شاہ انباط کا وزیر سلوس یا ثالث عرب کے بے نشان کوہ و بیاباں میں رہبر بنا، آخر صحرا و کوہستان حجاز طے کر کے یمن میں داخل ہوا، الیشرح جو اس وقت یہاں کا بادشاہ تھا حملہ کی تاب نہ لا سکا اور قلعہ بند ہو گیا، رومی کئی روز تک محاصرہ کئے پڑے رہے، لیکن پانی کی کمیابی سے خود حملہ آور فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور نجران و حجاز ہو کر ۶۰ دن کے بعد بحال تباہ زار مصر واپس آئی[1]

یورپین اس مختصر اور عاجلانہ مہم کو بہت بڑی رنگا کر بیان کرتے ہیں، کوئی فوج کے راستہ کا نشان بتاتا ہے، کوئی محرف ناموں کی تصحیح کرتا ہے، کوئی اس کا جغرافیہ تیار کرتا ہے، کوئی اس مہم کی ناکامیابی کا سبب انباط کی خیانت ٹھہراتا ہے، کوئی راستہ کی دشوار گذاری کا عذر تراشتا ہے، ڈاکٹر اسپرنگر اور ریورنڈ فارسٹر، اس کہانی کے مشہور قصہ گو ہیں، بہر حال رومیوں کی اس ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر انھوں نے ادھر آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

[1] فارسٹر فصل آلیس گالوس کی عرب پر مہم جلد ۲

اکسومی حبش اس بنا پر کہ حمیر تمام تر سبا پر قابض ہو گئے ان سے جلتے تھے، حبشی کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی سے انھوں نے یمن پر حملہ شروع کیا اور یہ حملہ مسلسل قائم رہا، کبھی فاتح ہو کر بڑھے اور کبھی مفتوح ہو کر پیچھے ہٹے، آخر حضر موت اور دیگر ساحلی مقامات پر موقع کی فرصت پا کر جم گئے، شمر یہرعش نے (جس کو عرب حارث الرائش اور شمر یرعش دو شخص سمجھتے ہیں) ان سے جنگ کی ہوگی اور ان سے یہ مقامات چھینے ہوں گے کیونکہ وہ یمن اور حضر موت دونوں کا پہلا بادشاہ ہوا اور اپنا لقب اس لئے اس نے تبع اختیار کیا جس کے معنی حبشی زبان میں سلطان کے ہیں اور شاید اسی لئے قومی ہیرو کے لحاظ سے عرب اس کو زیادہ وقعت دیتے ہیں، شمر یرعش کے بعد ایک مدت تک تبع کی کڑی نہیں ملتی، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ نالائق جانشین ہوں گے، اسی بنا پر اکسومیوں نے پھر دوبارہ حملہ کیا اور حمیر کو شکست دی، تقریباً ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یہ مدعی فرمانروائی رہے[1]، گو وطنی رؤسا بھی اپنی جگہ پر ماتحت کی حیثیت سے قائم رہے، ۳۷۸ء میں ملک یکرب نے ان کو نکال کر یمن و حضر موت پر دوبارہ حقیقی حکومت قائم کی، یہ حکومت ۵۲۵ء تک باقی رہی، ۵۲۵ء میں اکسومیوں نے دوبارہ حملہ کر کے ان کو برباد کر دیا۔

۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک جو اکسومی خاندان قائم کیا گیا ہے، اس کی صحت کی متعدد دلیلیں ہیں، اولاً یہ کہ اکسوم کے کتبہ میں اس کا بہ تفصیل ذکر کیا گیا ہے، شاہ اذینہ اور اس کے جانشین جو ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک اکسوم میں بادشاہ تھے، اپنے کو "ملک اکسوم و حمیر و ریدان و اثیوبیا و سبا و زیلع" کہتے ہیں، حمیری کتبات میں اس عہد کے نام بلقب شاہی نہیں ملتے، عربی تاریخوں میں اس عہد کے سلاطین حمیر کے جو نام مابین شمر یرعش اور ملک یکرب مذکور ہیں، وہ حبشی التلفظ ہیں خود عرب مورخین بیان کرتے ہیں کہ شمر یرعش کے بعد اس بنا پر حمیر طبقہ دوم، یعنی "ملوک سبا و ریدان حضر موت" کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً دو حمیری بادشاہ ہیں پھر چند حبشی ہیں، ان کے بعد پھر سلسلۂ حمیری ہے۔

طبقۂ ثانیہ یا تبابعہ | طبقۂ ثانیہ یعنی وہ سلاطین جن کا لقب "ملک سبا و ریدان و حضر موت" ہے، عرب ان کو تبع کہتے ہیں اور اسی کی جمع تبابعہ ہے۔

لفظ تبع | لغو میں عرب کے نزدیک تبع یا متبعیت سے مشتق ہے:

فـعـار الـمـلك الى الحارث الرائش	حمیر کے بعد یمن کی حکومت حارث الرائش (ریعش)
وهـو تبـع الاول فـمـن ملك اليمن	کو ملی۔ یہی پہلا تبع ہے۔ اس سے پہلے دو بادشاہ یمن

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "سبا" و "اتھوپیاز" و "اکسوم"

فسل الرائش. ملكان ملك بسبا وملك بحضرموت فكان لا يجتمع اليمانيون عليهم الى ان ملك الرائش فاجتمعوا عليه وتبعوه فسمي تبعا (حمزہ صفحہ ۱۰۸)

میں ہوتے تھے۔ ایک سبا میں ایک حضرموت میں۔ تمام یمنی ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے۔ جب رائش بادشاہ ہوا تو سب اس کی بادشاہی پر متفق ہوئے اور اس کی بیعت اختیار کی۔ اس لئے اس کا لقب تبع ہوا۔

ممکن ہے تبع عربی لفظ بمعنی متبوع ہو یعنی جس کی لوگ پیروی اور اطاعت کریں لیکن بہ تحقیق جدید یہ حبشی لفظ ہے، حبشی میں اس کے معنی قادر، جبار اور صاحب قوت کے ہیں[1] حکومت اسلام میں ٹھیک اسی معنی میں لفظ "سلطان" (قوت وغلبہ) رواج پایا ہے، اس لفظ کے غیر عربی ہونے کی تائید علاوہ اس کے کہ حبشی زبان میں یہ لفظ موجود ہے، یہ ہے کہ عربی زبان میں اس وزن پر کوئی لفظ مصدر بمعنی مفعول نہیں آیا، "رکع" و "سجد" وغیرہ الفاظ ہیں تو جمع ہیں، مبالغہ کا یہ وزن ہے تو وہ معنی مفعول نہیں پیدا کرتا اور اگر یہ عربی صنف کا صیغہ ہوتا تو مانع الف و لام کیا ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ صرف حبشی لفظ ہے، کتبات میں ملوک معین وسبا کے عہد میں یعنی کم از کم ہزار سال قبل مسیح میں لفظ تبع نظر آتا ہے، ایک بادشاہ معین کا نام "تبع کرب بن تبع ایل" مذکور ہے، ایک سبائی کتبہ میں "تبع شرحبیل ملک سبا" منقوش دیکھا ہے، دوسرے کتبہ میں "تبع کرب" بالقب شاہی نظر سے گذرا ہے[2]۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی معنی میں یہ لفظ اصلاً سبائی وحمیری ہے۔

قرآن اور تبع قرآن مجید نے قوم تبع کا دوبارہ ذکر کیا ہے، دونوں بار قوت وزور اور جبروت عظمت کی طرف اس سے اشارہ کیا ہے، پہلی آیت میں صرف جبار قوموں میں اس کا بھی نام ہے، دوسری آیت میں قریش کی طرف روئے خطاب ہے کہ ان کو اپنی کس قوت پہ ناز ہے؟ تبع اور ان سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا اور زور مند نہ تھیں، ان کا کیا انجام ہوا؟

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۝ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ (ق۔ ۵۰ ۔ ۱۲۔۱۴)

اس سے پہلے نوح کی قوم، اہل رس، ثمود، عاد، فرعون، برادران لوط اہل ایکہ اور تبع کی قوم نے جھٹلایا۔

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ (دخان ۴۴ ۔ ۳۷)

یہ قریش بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے گذریں ہم نے ان کو برباد کیا وہ مجرم تھے۔

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون عرب [2] ہالوے کے شائع کردہ کتبات میں جن کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔

سب سے آخر اس کے غیر عربی ہونے کی دلیل یہ کہ عربی ناموں کی طرح

ان آیات کے موقع استعمال سے واضح ہوتا ہے کہ تبع کے معنی متبوع سے ''زیادہ بلیغ و پراثر قادر و توانا'' کے ہیں تبابعہ کے تاریخی و مذہبی اور دیگر حالات سے حسب ذیل فصول میں بحث کی جاتی ہے۔

تبابعہ کی تعداد عام مورخین اوران کی جمعیت میں عام مفسرین لکھتے ہیں کہ صرف تین تبع گذرے ہیں، تبع اکبر، تبع اوسط اور تبع اصغر، تبع اکبر کا نام الحارث الرائش ہے، تبع اوسط اسعد ابوکرب کا لقب تھا، اور تبع اصغر، تبع بن حسان تھا، اس کے مقابلہ میں خود حمیری مصنفین کی روایت ہے کہ تاریخ یمن میں ستر تبع گذرے ہیں شارح قصیدہ حمیریہ اورنشوان بن سعید الحمیری مصنف شمس العلوم نے روایت کے علاوہ اشعار سے اس کی تائید پیش کی ہے[1] لیکن اس سے مقصود شاید عام سلاطین یمن ہوں گے۔ کیوں کہ لفظ تبع جیسا کہ پہلے ہم نے لکھا ہے معین، سبا اور حمیر، ہر دور میں نظر آتا ہے، ورنہ تنہا اس طبقہ میں تو یہ تعداد کھینی مشکل ہے، جن عام مورخین نے صرف تین مخصوص تبابعہ کا ذکر کیا ہے شاید انھوں نے صرف مشہورترین تبابعہ کے نام پر کفایت کی ہے۔

تبابعہ کے نام اور زمانے تبابعہ جو ملوک سبا و ریدان و حضر موت ہیں، عرب ان کے نام سے دیگر تمام گذشتہ خاندانوں سے زیادہ واقف ہیں اور صحت کے ساتھ ان کے نام اوران کی باہمی ترتیب بیان کرتے ہیں اور پھر خوش قسمتی سے کتبات میں ان میں سے اکثر اشخاص کے ناموں کے ساتھ سنہ حمیری منقوش ہے اس کی اعانت سے غیر معلوم تاریخ کا استنباط بھی بقرائن آسان ہے۔

مورخین عرب کے مطابق نام	مدت حکومت	کتبات کے مطابق نام	مدت حکومت
یاسر ینعم بن شرحبیل	۸۵ برس	یاسر ینعم	۲۷۰ء۔۲۷۹ء
شمر یرعش	۷۲ برس	شمر یہرعش	۲۸۰ء۔۳۱۵ء
ابو مالک	۵۵ برس	ابو مالک؟	۳۱۵ء۔۳۴۰ء
الاقرن بن ابی مالک	۵۳ برس	× حبشی دور	۳۴۰ء۔۳۵۵ء
ذوحیشان بن الاقرن	۷۰ برس	× حبشی دور	۳۵۵ء۔۳۷۴ء
کلیکرب	۳۵ برس	ملک یکرب یہیمن	۳۷۵ء۔۳۷۸ء
عمرو بن کلیکرب	۶۳ برس	ذارامر یمن ملک یکرب	۳۷۸ء۔۴۰۰ء

[1] دیکھو شمس العلوم میں لفظ تبع اور شرح قصیدہ حمیریہ، کتب خانہ بانکی پور

مورخین عرب کے مطابق نام	مدت حکومت	کتبات کے مطابق نام	مدت حکومت
اسعد ابوکرب بن کلیکرب	۳۰ برس	ابوکرب اسعد بن ملک یکرب	۴۰۰ء۔۴۶۵ء
حسان بن تبع	×	شرحبیل یعفر بن ابوکرب	۴۲۵ء۔۴۵۵ء
عبدکلال بن شوب	۴۷ برس	عبدکلیل	۴۵۵ء۔۴۵۹ء
×	×	شرحبیل نیوف	۴۶۰ء۔۴۸۰ء
مرثد بن عبدکلال	۴۱ برس	مرثد الملات نیوف	۴۸۰ء۔۴۹۰ء
×	×	معدی کرب ینعم	×
لبیعہ بن مرثد	۳۷ برس	لبیعہ نیوف بن معدی کرب	۴۹۱ء۔۵۰۰ء
ذوشناتر	۲۷ برس	ذوشناتر	
ذونواس	۲۰ برس	ذونواس	۵۲۵ء

تبابعہ یمن کی خوش قسمتی سمجھنا چاہئے کہ بروایت عرب بھی ان میں سے اکثر کے نام محفوظ ہیں اور کتبات سے ان کی مزید تصدیق ہوتی ہے، شمر یرعش اور ملک یکرب کے درمیان کے نام نہیں ملتے، اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں اہل حبش یمن کی شاہی کا دعویٰ کرتے ہیں اور شاید صحیح ہو۔

ابو مالک پر ہم نے نشان استفہام بنایا ہے، سبب یہ ہے کہ آثار کی بنا پر جن مستشرقین نے ان تبابعہ کی فہرست بنائی ہے، ان میں یہ نام موجود نہیں، لیکن نفس ''ابو مالک'' نام بدون لقب شاہی کتبات (شائع کردہ موسیو ہالوے) میں موجود ہے، الحارث الرائش جس کے وجود وعظمت کی تمام مورخین عرب حتفقا اطلاع دیتے ہیں، حالانکہ یہ فخر حمیر وسبا کے قدیم بادشاہوں کو بہت کم نصیب ہے تاہم اس عظیم الشان بادشاہ کے نام کا کوئی کتبہ نہیں ملتا، ہماری رائے میں ''الحارث الرائش'' ''یہر عش'' کی تصحیف ہے، جو ''شمر یرعش'' کے نام کا جز ہے، اس بنا پر ''الحارث الرائش'' اور ''شمر یرعش'' دو نام نہیں ہیں۔

ہم نے جو زمانہ ترتیب دیا ہے، اس میں اکثر سنین، کتبات میں مذکور ہیں، بقیہ استنباط و قیاس ہے، جن سلاطین کے کتبات میں سنین منقوش ملے ہیں اور جو ان کے عہد کے کسی کارناموں کی تاریخ ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔	یاسر ینعم	۲۷۰ء	۲۔	شمر یہرعش	۲۸۱ء
۳۔	ملک یکرب یہمن	۳۷۸ء	۴۔	شرجیل یعفر	۴۵۱ء
۵۔	عبدکلیل	۴۵۵ء	۶۔	شرجیل	۴۸۰ء
۷۔	ینوف	۵۱۰ء	۸۔	ذونواس	۵۳۵ء

یہ یاد رہے کہ عیسوی اور حمیری سنہ میں ۱۱۵ برس کا فرق ہے، اگر ان سنین پر جو عیسوی ہیں ۱۱۵ سال کا اضافہ کر دیں تو حمیری سنہ نکل آئے گا، عبدکلیل کا سنہ جدول بالا میں ۴۵۸ء ہے اس بنا پر سنہ حمیری ۵۷۳ ہوگا۔

کتبات میں چند اور نام مجھ کو ملے ہیں جن کے پہلے لفظ ''نجرف'' یعنی بہ زمانہ...... منقوش ہے، جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ شاید سلاطین کے نام ہیں لیکن ان کے بعد لقب شاہی مذکور نہیں، اس بنا پر خیال راجح یہ ہے کہ وہ حمیری کاہن ہوں گے، جن کی نسبت دوستخط اور جن کے عہد و زمانہ کے انتساب سے تعمیروں کے کتبے عہد قدیم میں لکھے جاتے تھے، دو نام یہ ہیں جو دو الگ خاندانوں میں منقسم ہیں۔

۱۔ تبع کرب جعفر بن فائع	۱۔ دودایل بن یقہ ملک کبیر
۲۔ سمی کرب تبع کرب	۲۔ نبط ایل بن عم امر
۳۔ عم کرب بن سمی کرب	

شہر مارب کے ایک قصر پر ''تبع کرب کاہن ذات غضرن'' بھی منقوش ہے، جس سے دوسرے خیال کی تائید ہوتی ہے، اس غرض سے تاکہ نظر آئے کہ حمیری نام سلاطین و امرا کے علاوہ عام لوگوں کے بھی کس طرح ہوتے تھے، ہالوے کے شائع کردہ کتبوں سے چند نام نقل کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں، ان کو پڑھ کر معلوم ہوگا کہ عام مورخین جو حمیر قبائل کے نام نقل کرتے ہیں وہ کس قدر محتاج تنقید ہیں۔

اسعد یہمین۔ ہدی بن سہل۔ اسید۔ ارفط۔ کہنیم۔ اسعد توفن۔ ہداد۔ ثوبایل۔ ابن لہیعہ۔ دہران رباب یاثم۔ انمار بن شرت۔ مسعود۔ سرع معنین۔ سوفان۔ شمر بن قرین۔ عوام۔ عبد شمس بن خبط۔ انمار اظلم۔ ہوفشت ذنخسان۔ شمر یوکب بن دستک۔ یہفرع۔ مودد۔ عمران۔ اس

افسانہائے حمیر | رواۃ عرب تبابعہ یمن کی نسبت بڑے بڑے عظیم الشان فتوحات اور ملک گیری د

کشور کشائی کے عجیب وغریب واقعات بیان کرتے ہیں، ایک تبع براعظم افریقہ کا فاتح ہے، شمر یرعش کی تیغ کشور کشا عرب سے ترکستان تک بلند ہو کر ایک شہر کو ویران کر دیتی ہے اور اس کا نام ''سمر کند'' پڑتا ہے، یعنی شمر نے اس کی بیخ و بنیاد کھود ڈالی، ایک تبع چین تک تلوار کی کاٹ دکھاتا چلا جاتا ہے، اور تبت میں اپنی بقیہ فوج چھوڑ دیتا ہے، جہاں اب تک عرب آباد ہیں ذوالقرنین جس نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دئے تھے اور جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے، وہ یہیں کا ایک بادشاہ تھا۔

افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے، اہل حبشہ سے مسلسل جنگ قائم تھی، کبھی فاتح تھے اور کبھی مفتوح، ورنہ ترکستان اور چین کی فوج کشی جس کی ابن خلدون نے بھی کچھ کم ہنسی نہیں اڑائی ہے، صرف لفظ کا کھیل ہے ''سمر کند'' (سمر قند) کے پہلے جز کو شمر یرعش کے پہلے جز سے اتحاد تھا، اس لئے وہ سمر قند کا بانی یا مخرب قرار پایا، انھوں نے ''کند'' کو فارسی لفظ ''کندن'' سے مشتق سمجھا، حالانکہ قدیم ترکستانی زبان میں ''گند'' شہر کو کہتے ہیں۔ سمر گند، تاشکند، خوگند، یہ سب ترکستانی شہروں کے نام ہیں، ترکستان کی زبان بہ زمانہ اسلام فارسی ہو گئی تھی، لیکن شمر یرعش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی جو ''کند'' فارسی ''کندن'' سے ماخوذ ہوتا، چین و تبت کا نگار خانہ بھی، صرف لفظ کا تماشا ہے، عرب تُبّت کو تُبّت کہتے ہیں، جو تبع کے بالکل قریب قریب ہے، ذوالقرنین کو صرف لفظ ''ذو'' نے مقدونیہ سے یمن پہنچا دیا کہ ''ذو'' یمن میں اکثر امرائے حمیر کے لقب میں آتا ہے، مثلاً ذونواس، ذوشناتر، ذوریدان۔

لیکن زمانہ اسلام کے بعض عرب سیاحوں کے عینی مشاہدات کا کیا جواب ہے! ابن حوقل بغدادی (۴۰۰ھ) کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ ورود سمر قند تک شہر کے دروازہ پر شمر یرعش کا حمیری کتبہ ایک لوہے کی تختی پر کندہ موجود تھا، لیکن افسوس کہ سیاح موصوف ہی کے زمانہ قیام میں یہ نادرۂ روزگار شہر میں آگ لگ جانے سے جل کر بے نشان ہو گیا، اصل میں یہ قدیم ترکی خط (ایغوری) ہوگا، جو حمیری دمنقی وغیرہ خطوط کے مشابہ ہے، شہرت عام کی بنا پر اس کو ہمارے سیاح نے حمیری سمجھ لیا۔

اسی طرح مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ تبت میں تبع رہ گئے تھے اور چنانچہ خود اس نے عربی لباس و وضع میں اشخاص پائے لیکن چوتھی صدی میں جب مسلمانوں کا تمدن تمام دنیا پر چھا رہا تھا اور عرب تاجر، ہر کوہ و بیابان میں گذر رہے تھے ''تبت میں عربی لباس و وضع'' کے وجود سے تبع کی فتح تبت پر استدلال مسعودی کے فضل و کمال سے کس قدر فروتر ہے، اگر اس قسم کے انقلابات سیاسی حقیقتاً ظہور پذیر ہوتے تو اس عہد کی زندہ قومیں ان کے ذکر سے خاموش نہ ہوتیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے، ایران کے کیانی خاندان میں ایک مشہور بادشاہ کیکاؤس گذرا ہے، اس نے ایران سے ایک دریا (شاید خلیج فارس) کو عبور کر کے کشور ہاماوران پر فوج کشی کی، لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہوگیا، آخر رستم نے آکر کیکاؤس کو رہائی دلائی، کیکاؤس نے چھوٹ کر ہاماوران کی شہزادی سودابہ سے شادی کرلی، یہ وہی سودابہ ہے، جس کے مکر وفریب سے گھبرا کر شہزادہ عجم سیاوس توران چلا گیا اور وہاں مارا گیا اور اسی کے جوش وغضب وانتقام نے صدیوں تک ایران وتوران کو باہم معرکہ آرا رکھا، شاہنامہ میں یہ پوری تفصیل موجود ہے، ثعالبی نے اپنی تاریخ (غرر تاریخ الفرس) میں لکھا ہے، کشور ہاماوران اصل میں کشور حمیران ہے، یعنی یمن، حمیران حمیر کی فارسی جمع ہے، سودابہ صحیح عربی نام سعدی کی تصحیف ہے۔[1]

ثعالبی کے علاوہ تمام لغات فارسی میں ہاماوران کے معنی یمن ہی کے لکھے ہیں، اس بنا پر ہمیں ان روایات کے قبول میں کوئی عذر نہیں، بشرطیکہ یمن کا خاندان حمیر اور ایران کا خاندان کیانی تاریخی حیثیت سے معاصر ثابت ہوجائے ورنہ یہ سمجھنا چاہئے کہ حقیقتاً ایران کا کوئی اور بادشاہ ہوگا کیکاؤس کی طرف غلطی سے نسبت ہے۔

تبابعہ کے تمدنی وسیاسی اور مذہبی حالات ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تبابعہ سے پہلے سبا کے تمام طبقے ستارہ پرست تھے، سب سے بڑا دیوتا ان کا ''شمس'' اور ''المقہ'' تھا ''المقہ'' حمیری میں چاند کو کہتے ہیں، اس کی مزید تفصیل دوسرے حصہ میں آئے گی، یہاں سلسلہ بیان کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اولاً کواکب پرستی ان کا مذہب تھا، ۳۳۰ء میں یمن کے مقابل افریقی سواحل پر مصری رومیوں کے اثر سے عیسائیت نے پروبال پیدا کئے[2]، شامی رومیوں کے ذریعہ سے یمن کے اطراف میں شہر نجران نے بپتسمہ قبول کیا، ان گردوپیش کے اثر سے تبابعہ یمن بھی محفوظ نہ رہے۔

ستارہ پرستی نے تو شکست کھائی گو ستاروں کے ہیکل اب بھی ویران نہ تھے، تاہم اب ''شمس''''المقہ'' اور ''عشتار'' کے پہلو بہ پہلو رحمان کا نام بھی آنے لگا، جو قبل اسلام یہود ونصاریٰ کے ساتھ مخصوص تھا۔[3]

---

[1] تاریخ غرر الفرس ثعالبی مطبوعہ پیرس [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون ابی سینیا

[3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون ''سبا'' قرآن مجید کی بعض آیتوں سے (قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ) اور احادیث سے بھی (واقعہ تحریر صلح حدیبیہ) یہ ثابت ہوتا ہے کہ عام عرب خدا کے لئے رحمٰن کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔

یہودیت ونصرانیت ان اطراف میں دو ہی مہذب اور صاحب الہام مذہب تھے اور باہم میدان میں برابر کے حریف بھی تھے، گذشتہ ابواب میں معلوم ہو چکا ہے کہ رومیوں اور حبشیوں کے ساتھ سبائے حمیر کو کس قدر سیاسی کشمکش تھی، اس بنا پر تابعہ حمیر، عیسائیت سے زیادہ یہودیت کو ترجیح دیتے تھے، عبد کلیل کے علاوہ اور کسی تبع کا عیسائیت قبول کرنا ثابت نہیں ہے، عبد کلیل بروایت عرب بھی عیسائی تھا[1] اور ایک کتبہ سے بھی اس کا عیسائی ہونا ظاہر ہوتا ہے[2]۔ بقیہ تابعہ کم تر ستارہ پرست اور اکثر یہودی تھے، تاریخ طبری میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابوکرب نے یہودیت قبول کی، مذہب شاہی نے عام رعایا میں بھی فروغ پایا اور اس طرح عیسائیت اور یہودیت نے یمن میں ٹکر کھائی۔

رومیوں نے بحری راستوں کو پیدا کر کے سبا کے بازار سرد کئے تھے اور تنہا اس سے تسکین نہ ہوئی تو ۲۰ ء ق م میں یمن پر حملہ آور ہوئے اکسوی حبشی جو پہلے رومی مصریوں کے ہم خاک تھے اور اب ہم مذہب بھی ہو گئے تھے، رومیوں کے استعمال سے بار بار چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، حمیر بھی موقع سے چوکتے نہ تھے، جب موقع ملتا رومی تاجروں کو دریا میں لوٹ لیتے[3]۔ شمال عرب میں ایران وروم باہم دست وگریبان تھے اور یہ طبعی تھا کہ حمیر کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی، رومیوں کو اس سے وحشت سوا ہوتی تھی۔

رومیوں نے اس نزاع کو بہ صلح وآشتی طے کرنا چاہا، چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں رومی قیصر جسٹنین نے تبع یمن کے دربار میں سفیر بھیجا، تبع نے نہایت تزک واحتشام سے اپنی سطوت کا اظہار کیا، خود ایک گاڑی پر سوار تھا، جس میں ہاتھی جتے ہوئے تھے، بدن پر ایک چادر تھی، جو سونے کی گھنڈیوں سے اٹکی تھی، ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں دو نیزے تھے، بازوؤں میں بیش قیمت بازوبند تھے، اردگرد مسلح درباری تھے جو فخریہ رجز کے اشعار پڑھتے تھے[4]۔

اس شان وشکوہ کے منظر میں سفیر نے قیصر کا خط اور اس کی طرف سے دیگر تحائف پیش کئے خط کا مفہوم یہ تھا کہ ان اطراف میں ایرانی فروغ نہ پائیں، سفیر معمولی وعدہ وایجاب کے بعد واپس آ گیا۔

اصحاب الاخدود یہ پیام صلح تعصب کی آگ کو کچھ بھی سرد نہ کرسکا۔ اس وقت ذونواس فرمانروا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے یہودیت کے پرجوش تعصب کا سبق یثرب کے یہودیوں سے سیکھا تھا جن سے اسلام نے بھی کچھ کم دکھ نہیں اٹھایا، رومی سوداگر تاجرانہ یمن کے سواحل تک پہنچے تھے، لیکن جہاں

[1] حمزہ اصفہانی ص ۱۳۱ کلکتہ [2] Huart کی تاریخ عرب فصل سوم [3] Sharpe II Page 352-83
انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۴ ص ۲۶۴ [4] Sharpe II Page 345

جہاں گذرتے تھے۔ اسباب سوداگری کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی ساتھ ساتھ بانٹتے جاتے تھے۔ عیسائی راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے، پہلے اثر نے عدن اور دوسری کوشش نے نجران میں جہاں پہلے شجر پرستی ہوتی تھی۔ عیسائیت کے برگ وبار پیدا کئے، یورپ کے جو، اب ہتھکنڈے ہیں وہی پہلے بھی تھے، مذہبی اور سیاسی اغراض پر تجارت کا پردہ ہمیشہ ڈالا گئے ہیں، یہی پردہ اس وقت بھی ڈال رہے تھے، ان تدابیر سے نجران یمن میں عیسائیت کا مرکز قرار پا گیا تھا، یعنی رومیوں اور حبشیوں کی مذہبی وسیاسی امیدوں کا وہ ماوی بن گیا تھا، حمیری یہودی اس کو دیکھتے تھے اور دفور جوش سے بھرتے تھے۔

اتفاق وقت، اشتعال طبع کیلئے ایک عجیب حیلہ پیدا ہوگیا جو، اب بھی نہایت کثیر الوقوع ہے، نجران میں ایک راہب کا مقام تھا، ایک لڑکا اس راہ سے اکثر گذرتا تھا، راہب اس کو راستہ میں ٹھہرا کر مذہبی تعلیم کا روز کوئی نہ کوئی سبق دیا کرتا تھا، جب عام لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ طبعاً برافروختہ ہوئے اور ایک عظیم الشان فتنہ کے مواد فراہم ہو گئے۔

ذونواس نے سنا تو چراغ پا ہوگیا، نجران آگ بگولا بن کر پہنچا، لوگ قلعہ بند ہوگئے شہر کا محاصرہ کرلیا، جب شہر فتح ہوا تو گڈھوں میں آگ دھکائی اور ایک ایک کر کے عیسائیوں کو بلوایا، جس نے یہودیت کے قبول سے انکار کیا، اس کو نذر آتش کیا، قرآن میں اصحاب الاخدود کے نام سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۗ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (بروج ۸۵:۴-۸)

مارے جائیں گڈھوں والے، گڈھے بھڑکتی آگ تھے، جب وہ ان پر بیٹھے تھے اور (یہ) مومنوں کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے اس پر خود گواہ تھے، ان مومنوں میں بجز اس کے اور کچھ قصور نہ پایا کہ وہ خدائے محبوب ومحمود پر ایمان لائے تھے۔

قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے تمام لوگوں کو جلا دیا اور شہر کو بے نشان کر دیا، لیکن کتب اخبار وتفسیر کی عام روایات میں مذکور ہے کہ تمام آبادی خاکستر ہوگئی، لیکن یہ صحیح نہیں، آں حضرت ﷺ کے زمانہ میں نجران میں عیسائی آبادی موجود تھی، وہاں دعاۃ اسلام بھیجے گئے ہیں، نجران سے دو راہب آں حضرت ﷺ سے مناظرہ کے لئے آئے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں یہاں کے نصاریٰ

سے دو نے صدقات وصول ہوئے ہیں یا ممکن ہے کہ حبشی عیسائیوں کے ہفتاد سالہ عہد میں یہ شہر پھر دوبارہ آباد ہوا ہو[۱]۔

اس واقعہ کو عیسائیوں نے بھی یاد رکھا ہے، اسی عہد میں شام کے عیسائی اس قصہ کو قید تحریر میں لائے ہیں، ان کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے، جس میں یقیناً بعض تاریخی غلطیاں بھی ہیں، جاڑے کے سبب سے اہل حبش اپنا نائب یمن نہ بھیج سکے ذونواس نے حکومت غصب کر لی اور عیسائیوں کو مذہب کی خاطر بہت دکھ دیا، علاوہ ازیں نجران پر فوج کشی اور خلاف وعدہ شہر پر قبضہ کر لینے کے بعد باایمان عیسائیوں کو آگ اور تلوار سے برباد کر دیا[۲]۔

---

[۱] اصحاب الاخدود کے متعلق طبری اور کتب تفسیر میں عجیب وغریب روایات ہیں جو اصول روایت سے صحیح نہیں ہیں۔ بقیہ اس فصل کے تمام عربی روایات تاریخ طبری اور عام تفسیروں میں موجود ہیں۔ [۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اصحاب الاخدود

اصحاب الفیل

یا

سبائے حبش

کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ

گذشتہ فصل میں سبائے حمیر کے تعلق سے اہل حبشہ کا نام کئی بار آیا، اس فصل میں ان پر مفصل بحث کرنا ہے، قرآن مجید میں ان ہی کا نام اصحاب الفیل مذکور ہوا ہے، لیکن واقعہ فیل کے بیان سے پہلے خود ''اصحاب الفیل'' کی حقیقت اور قومیت سمجھ لینی چاہئے۔

حبش کی اصلیت یاد ہوگا کہ ہم نے قدیم سبا کی آبادی، افریقہ، یمن اور شمال عرب تین جگہ بتائی تھی، یمن اور افریقہ کے درمیان بحر احمر اور بحر عرب کے گوشے حائل ہیں، جن کو عرب جغرافیہ نویس بحر حبش کہتے ہیں، یمن کے مقابل افریقی سواحل پر سبا کی تجارتی نوآبادیاں تھیں، جن کے وجود کے دلائل سبا کی نوآبادیوں کے بیان میں گذر چکے ہیں، یہ نوآبادیاں بالکل یمن کے مقابل واقع ہیں اور خشکی کی راہ سے مصر وسوڈان کے ساتھ بخط مستقیم ملحق ومتصل ہیں، اس تقابل اور اتصال کی بنا پر یہ مقامات ہمیشہ مصر ویمن سے متاثر رہے ہیں، چنانچہ زمانہ قدیم سے اب تک یہ مذہبًا مصر کے ماتحت اور قومیت وتمدن کے لحاظ سے عربوں کے زیر اثر ہیں۔

اس قطعہ ارض کو یونانی، ایتھوپیا اور عرب حبش کہتے ہیں، اسی ''حبش'' کی مسخ شدہ صورت ''ابی سینیا'' ہے، جو یورپ جا کر بجائے سپید ہونے کے اور زیادہ سیاہ ہوگئی ہے عربی میں لفظ ''حبش'' کے معنی

اختلاط وامتزاج کے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کے نزدیک یہ ایک ممزوج النسل اور مختلط المنسب قوم تھی۔ اسی قسم کا ایک قبیلہ مکہ کی پہاڑیوں میں آباد تھا، عرب اس کو بھی احابیش کہا کرتے تھے۔

یہ قوم کن اقوام وقبائل کا مجموعہ تھی، تاریخ وعلم الانساب اس کے ذکر سے خالی ہے، ناچار کسی مجہول التاریخ قوم کی دریافت حال کے جو ذرائع ہیں ان سے کام لینا چاہئے یہ ذرائع علم الاقوام، علم الالسنہ اور قرائن حال ہیں۔

علم الاقوام کا جس کے ذریعہ سے دو قوموں کے جوڑ بند، چہرہ مہرہ اور خو بو کو دیکھ کر ان کے اتحاد نسل وجنسیت کا راز آشکار کیا جا سکتا ہے، بیان ہے کہ "یمنی عرب اور اہل حبش کی جسمانی ساخت میں اس قدر شدید مشابہت ہے کہ دونوں قومیں ایک ہی نسل سے متفرع نظر آتی ہیں[1]۔"

علم الالسنہ کی شہادت اس سے واضح تر ہے، جرمن مستشرق نولڈ یکی السنہ سامیہ کا جس سے زیادہ بڑا ماہر اس وقت تمام یورپ میں موجود نہیں لکھتا ہے:

> حبشی (ایتھوپی) زبان وخط، سبائی سے قریب ومشابہ ہے، اہل حبش (اکسوم) بالکل سامی نہیں ہیں، بلکہ اصلی باشندوں کے ساتھ عرب کے مختلف قبائل مختلف اقطاع کے ملے ہیں[2]۔

دائنا کا مشہور پروفیسر مولر جس کا "سبا" مخصوص مضمونِ مطالعہ وتحقیق ہے، کہتا ہے[3]:

> "سبا کی نوآبادیوں کا ذکر حبش میں ہے، حبشہ جنوبی عربوں (اہل یمن) سے آباد ہوا ہے، جیسا کہ اس کی زبان وخط سے ظاہر ہوتا ہے اور جو فرق ہے وہ صرف ایک زمانہ تک کے افتراق کا نتیجہ ہے، اہل حبشہ میں بیرونی اثر اور اجنبی اختلاط صاف نظر آتا ہے۔

ایک اور جرمن مصنف جو مشاہیر علمائے السنہ میں سے ہے یعنی بروکلمان (C. Brockelmannie) اپنی تصنیف "السنہ سامیہ" (Senitlquelinguitigue) میں شہادت دیتا ہے[4]:

> جنوبی عرب زبان سے ملتی جلتی ایک اس سامی قوم کی زبان ہے، جو جنوبی عرب (یمن) سے نکل کر ملک حبش میں آ کر آباد ہوئی، جو جنوبی عرب کے مقابل واقع ہے، یہ سامی عرب، حامی قوم سے (جو اصل افریقی قوم ہے) بالکل مختلط ہو گئے، جنوبی عربوں کے اس انتقال مکانی کی کوئی صحیح تاریخ نہیں معلوم لیکن بہر صورت وہ حضرت مسیح سے بہت پہلے واقع ہوا ہوگا۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۲ ص ۶۲۸ [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا

[4] کتاب مذکور فرنچ ترجمہ ص ۵۳ پیرس ۱۹۱۰ء

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار عرب اس مسئلہ کی نسبت لکھتا ہے:

اس زمانہ کے پچھلے حصہ میں اہل حبش جو قدیم زمانہ میں عرب سے منتقل ہو کر عرب کے مقابل افریقی سواحل پر آباد ہو گئے تھے، وہ تقریباً ۳۰۰ء میں واپس آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

شریڈر (Schrader) ایک جرمن محقق السنۂ سامیہ لکھتا ہے[1]:

"شالی عربوں کو عرب وسطی میں چھوڑتے ہوئے، یہ مہاجرین، جزیرہ نما کے جنوبی ساحل پر آباد ہوئے جہاں سے، ایک جماعت ان کی دریا کو عبور کر کے افریقہ پہنچ گئی، اور حبشہ میں خیمہ زن ہوئی۔"

ولیم رائٹ (Wright) جو کیمبرج یونیورسٹی کا عربی پروفیسر تھا، اپنے قواعد السنۂ سامیہ میں اپنا اعتقاد یہ ظاہر کرتا ہے[2]:

یمن سے دریا کو قطع کر کے افریقہ میں ہم حبزیا ایتھوپی یعنی حبش، حمیر کی ایک قدیم آبادی کی زبان سے دو چار ہوتے ہیں۔

قرائن حال یہ ہیں کہ تاریخ جب سے ملک حبش سے واقف ہے، عربوں کے اثر کے ذکر سے خالی نہیں ہے، آرٹی میڈروس (۱۰۰ ق م) ایک یونانی سیاح بیان کرتا ہے[3]:

"سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے..... بعض لوگ دیسی اور پردیسی بخورات اور مسالوں کی تجارت کرتے ہیں جو مقابل کے افریقی سواحل سے لائے جاتے ہیں، جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں پر بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں۔"

پیرپلوس (Preplus) (۸۰ء) جو آرٹی میڈروس کے تقریباً سو برس کے بعد تھا، وہ اس سے بھی زیادہ قوی تر شہادت پیش کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ "افریقہ کے بعض سواحل (طبقہ ثالثہ) کے زیر حکومت ہیں[4]۔"

علم الآثار کی شہادت کا اگر ہم اضافہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سبائی خط میں حبش کے ملک میں کتبات بھی ملے ہیں، جن کا ذکر آگے آئے گا۔

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۲۹ [2] Wright Page 9 [3] ذکر کی تاریخ اقوام قدیمہ فصل عرب

[4] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "سبا"

یہ تو اسلام سے پہلے کی شہادتیں ہیں، اسلام نے ابھی ۶ برس کی عمر بھی نہیں پائی تھی کہ ۰۷ مسلمانوں نے تمام دنیا کو چھوڑ کر صرف ملک حبش کا رخ کیا، حبش کا صوبہ زیلع جس کو آج کل شمالی لینڈ اور اریٹریا کہتے ہیں، وہ ہمیشہ تاریخ اسلام میں عرب قوت کا مرکز رہا ہے اور اب بھی حبش اور تمام افریقی سواحل صرف عربوں سے متاثر ہیں، شہر کے شہر ان کے آباد ہیں، زبان تک عربی کی نقل ہے، لباس وطعام وتمدن کی ہمرنگی تو ادنیٰ چیزیں ہیں۔

ان دلائل وشواہد کا خلاصۂ نتائج یہ ہے کہ یمن کے مقابل افریقی سواحل پر قدیم زمانہ سے سبا کی تجارتی آبادیاں تھیں، جہاں ان کی بدولت یمن کی طرح تمدن کی روشنی پھیلنی شروع ہوگئی تھی، سبا کے طبقۂ اول (مکارب سبا) وطبقہ دوم (ملوک سبا) کے بعد طبقہ سوم (سبائے حمیر) نے یمن میں مسیح سے تقریباً سو برس پہلے ظہور کیا، اس انتقال خاندان شاہی نے سبا کی افریقی نوآبادیوں میں خودسری کا خیال پیدا کر دیا، باہم معرکہ آرائیاں ہوئیں، یہ غالب ہوتے تو یہ اپنے کو بادشاہ یمن لکھتے، اگر وہ غالب ہوتے تو وہ اپنے کو فاتح حبش کہتے[1]، یہی سبب ہے کہ اس قسم کے کتبات وواقعات دونوں طرف ملتے ہیں۔

بہرحال ان سبائی عربوں نے اصل افریقی (حامی) قبائل کے اختلاط وامتزاج سے جو نئی قومیت پیدا کی، ان ہی کا نام عربی میں حبش، یونانی میں ایتھوپین، یورپین زبانوں میں ابی سینین اور خود ان کی زبان میں جینز ہے، حبش کے سبائی الاصل ہونے پر سب سے بڑی لیکن تعجب انگیز دلیل یہ ہے کہ حبشی زبان ''سبا'' کے معنی ہی انسان کے ہیں[2]۔ جس طرح آدم کے بیٹے ''آدمی'' اور انسان کو ایک سمجھتے ہیں، حبش کے ایک ابتدائی بادشاہ کا نام زوشکال[3] تھا جو بالکل یمنی طرز کا نام ہے۔

حبش وحمیر | حبش وحمیر کے سیاسی تعلقات کی کشاکش اسی وقت سے نظر آتی ہے جب کہ سبائے حبش اور سبائے حمیر بالاستقلال الگ الگ خاندان قائم کرتے ہیں، حبش کے سواحل پر شہر زیلع میں ایک کتبہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں نجاشی مدعی ہے کہ اس نے سبا کے ملک تک عرب میں جنگ کی، چوتھی صدی کے اوائل جب حبش میں مذہبی انقلاب پیدا ہوا تو مذہب عیسوی کے نئے پیرووں کے دل وفور جوش سے لبریز تھے، شاہ اذینہ جو حبش کا پہلا عیسائی بادشاہ تھا اور نیز اس کے جانشین اپنے کتبات میں اپنے نام کے ساتھ یہ القاب لکھتے ہیں، ''شاہ اکسوم وحمیر وریدان وحبشات

---

[1] تمام عربی تاریخوں میں مذکور ہے کہ افریقس، نامی ایک تبع نے افریقہ فتح کرلیا تھا۔ [2] انسائیکلوپیڈیا برنانیکا مضمون سبا [3] انسائیکلو پیڈیا برنانیکا مضمون اتھوپیا

وسباوزیلع..... "یہ طرز القاب تقریباً اس وقت سے ۳۷۸ء تک قائم رہتا ہے اور عجیب یہ ہے کہ اصل سلاطین حمیر کے سلسلہ کی چند کڑیاں یہاں سے گم ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہان حبش کا ادعا غلط نہ ہوگا۔ (دیکھو فہرست سلاطین حمیر)

۳۵۸ء میں قیصر قسطنطیوس نے ازینہ کے نام خط بھیجا تھا اور اسی عہد میں ازینہ یمن پر حملہ آور ہوتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حملہ رومیوں ہی کے اشارہ سے ہوا تھا، حبش و حمیر میں اب صرف خاندانی و سیاسی اختلاف نہ تھا، بلکہ سب سے زیادہ مذہبی تعصب اب اس نخل کی سیرابی کر رہا تھا، حبشیوں کی یمن پر یہ پہلی حکومت زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی، ۳۷۸ء میں اس کا خاتمہ ہوگیا۔[1]

اکسوم کے نجاشی ان مخلوط سبائی عربوں کا پایہ تخت شہر اکسوم تھا جو ملک حبش کے صوبہ "تجرے" میں ۱۴ درجہ ۷ دقیقہ ۳۲ ثانیہ بطرف شمال اور ۳۸ درجہ ۳۱ دقیقہ ۱۵ ثانیہ بطرف مشرق واقع تھا، اور جہاں اب تک اس کے کھنڈر باقی ہیں، اہل حبش اس کو نہایت مقدس شہر سمجھتے ہیں شاہان حبش کی تاجپوشی انقلاب حکومت کے بعد بھی اب تک یہیں ہوتی ہے۔

تقریباً اسی زمانہ میں جب کہ سبائے حمیر نے ریدان میں اپنی مستقل حکومت قائم کی، سبائے حبش نے اکسوم میں ایک خاندان شاہی کی بنا ڈالی، جو اس وقت سے چھٹی صدی ہجری تک یعنی تقریباً ۱۲۰۰ تک قائم رہا، اس کے عروج و کمال کا زمانہ چوتھی اور پانچویں صدی ہے عربوں میں شاہان حبش کا لقب نجاشی ہے جو در حقیقت "نجوس" کی تعریب ہے۔ جس کے معنی حبشی زبان میں بادشاہ کے ہیں، نجاشی جن کے عہد میں یمن فتح ہوا۔ نجاشی جن کے ملک میں صحابہؓ نے ہجرت کی، نیز جنھوں نے اسلام قبول کیا اور آں حضرت ﷺ نے جن کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھائی، وہ اسی خاندان، اسی ملک اور اسی شہر کے بادشاہ تھے۔

مصر کے تعلق و ہمسائگی سے، شاہان حبش یونان و روم کے تمدن سے بہت متاثر رہے ہیں، اکسوم اور حمیر کے اس عہد انقلاب میں مصر کے مالک رومی تھے، جن کا مذہب عیسوی اور زبان علمی، یونانی تھی، اس زمانہ کی حکومت کی واقفیت کا ذریعہ اسی شہر کے کھنڈر کے چھ کتبے ہیں جو حال میں دریافت ہوئے ہیں، پہلا کتبہ یونانی زبان میں ۵۴۵ء کا لکھا ہے، دوسرا کتبہ سبائی زبان میں یلا میدا دعلی عمیدہ بادشاہ حبش کا ہے، تیسرا کتبہ بھی اسی بادشاہ کی یادگار ہے، لیکن حبشی زبان میں ہے، چوتھا یونانی، سبائی اور

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سہاوا ایتھو پیا و الی سینا و اکسوم

حبشی تین زبانوں میں ہے، پانچواں کتبہ شاہ ازینہ بن یلا میدا کا ہے، چھٹا سب سے اخیر زمانہ کا ہے۔

یہ خاندان اولاً اہل یمن کی طرح بت پرست تھا، شاہان روم کے تعلقات نے مصر کے ذریعہ سے یہاں عیسائیت کو فروغ دیا، چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں اسکندریہ کے ایک بشپ نے اس کو اپنے مشن کا مرکز قرار دیا، ۳۳۰ء میں سب سے پہلے ازینہ نجاشی حبش نے عیسائیت قبول کی، قیصر کنسٹنٹیوس نے ۳۵۶ء میں اس کو خط لکھا، اسی سے متصل وہ زمانہ ہے، کہ رفتہ رفتہ حمیر بھی ستارہ و بت پرستی سے ہٹ کر عیسائیوں کی کوششوں کے علی الرغم یہودیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

یمن کا آخری سقوط حبش و یمن کی باہمی معرکہ آرائی گو چوتھی ہی صدی سے شروع ہو گئی تھی لیکن یمن کا آخری سقوط چھٹی صدی کے اوائل میں ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ذونواس نے جب نجران کے عیسائیوں کو آگ کے گڈھوں میں ڈھکیل کر مار ڈالا، تو اطراف کے تمام عیسائی غصہ سے جل گئے، دوس بن ثعلبان یمن کے ایک عیسائی امیر نے نجاشی کے یہاں فریاد کی، نجاشی نے قیصر روم کے اشارہ سے یمن پر فوج کشی کی اور ۵۲۵ء میں آخری بار یمن کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے، یہ عرب مورخین کا بیان ہے، اس مقدمہ کے ایک فریق عیسائی رومی بھی ہیں، ان کا بیان بھی سننے کے لائق ہو گا حبیو فانوس اسی عہد کا ایک مورخ بیان کرتا ہے:

> ''چھٹی صدی کے اوائل میں رومی جو یمن سے گذر رہے تھے، حمیر نے ان پر ظلم کئے، بعضوں کو مار ڈالا، اس واقعہ سے تجارت بند ہو گئی اہل حبش کو یہ فعل ناگوار گذرا، بادشاہ حبش کی سرداری میں اہل حبش بحر احمر کو عبور کر کے حمیر سے معرکہ آرا ہوئے اور حمیری بادشاہ دمیانوس (ذونواس) کو مار ڈالا اور قیصر جسٹینین کے ساتھ اس شرط پر معاہدہ کیا کہ تمام باشندگان اکسوم عیسائی ہو جائیں اور اسکندریہ سے ان کے لئے ایک بشپ مقرر ہو۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (طبع یازدہم) کا مضمون نگار ابی سینا لکھتا ہے:

> ''چھٹی صدی میں حمیر نے عیسائیوں کو سخت تکلیف پہنچائی، آخر جسٹینین اول نے شاہ حبش کو جس کا نام کالب الاصبح تھا لکھا کہ ان کی مدد کرے، چنانچہ اس نے حمیر کے ہاتھ سے یمن لے لیا۔

عربی اور یونانی دونوں روایتوں سے حقیقتاً یہ ثابت ہے کہ یہ حملہ قیصر روم کے اشارہ سے ہوا تھا، اس حملہ کی غرض کیا تھی؟ عرب کہتے ہیں کہ صرف مذہبی غرض تھی، رومیوں کا ظاہری بیان یہ ہے کہ

اس سے مقصود صرف تجارتی راستوں کی حفاظت تھی، لیکن صلح کے شروط خود یہ بیان کرتے ہیں کہ "تمام اکسومی عیسائی ہو جائیں گے" اور حمیر کے آخری ابواب میں گذر چکا ہے کہ حمیر چونکہ ایران کے طرفدار تھے، اس لئے بھی وہ رومیوں کی آنکھ میں کھٹکتے تھے اسی لئے اہل حبش کے مقابل میں اہل ایران امداد کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔

عرب مورخین کا بیان ہے کہ ذونواس شاہ یمن نے ان حملہ آوروں کا سواحل عدن و حضر موت میں استقبال کیا اور بقوت نہیں بلکہ بہ تدبیر وحیلہ ان کو اس قدر سخت شکست دی کہ مجبوراً ان کو حبش واپس لوٹ جانا پڑا، یونانی عیسائی کہتے ہیں کہ "وہ حمیریوں کو سزا دے کر واپس پھر گئے" ہمارے نزدیک یہ کوئی اختلاف بیان نہیں، "فرار اور بہ مصلحت کامیاب واپسی" عیسائی ڈکشنری میں اس انیسویں صدی میں بھی مرادف لفظ قرار دئے جاتے ہیں۔

اہل حبش جنگ کا ساز و سامان درست کر کے پھر دوبارہ اس زور و شور سے حملہ آور ہوئے کہ حمیر کے پاؤں اکھڑ گئے، ذونواس نے بھاگ کر گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا، لیکن ساحل تک سلامت نہ پہنچا، اس کا قائم مقام ذوجدن ہوا اور اس کا بھی یہی حال ہوا، ذوالیزن اٹھا لیکن افسردہ ہو کر رہ گیا اہل حبش اب تنہا یمن کا مالک بن گئے اور اسی طرح ۷۲ برس تک یعنی ۵۲۵ء سے ۵۹۸ء تک یا آسانی کیلئے ۶۰۰ء تک کہو، قابض رہے۔

یمن کے فاتح اور پہلے حبشی گورنر کا نام عربوں میں ارباط مشہور ہے اور بعض ابرہہ کہتے ہیں اول مشکوک ہے اور ثانی بہ تحقیق غلط ہے[1]۔ یونانی مورخ اس فاتح کا نام "اسمیفوس" اور اس عہد کے نجاشی کا نام "الیباس" بتاتے ہیں، قسطنطنیہ میں "عثمانی دار الآثار" میں یمن کے ایک کتبہ کا ٹکڑا ہے[2]،

---

[1] اصل یہ ہے کہ ابرہہ صحیح عربی و عیسائی روایت کی رو سے دوسرا گورنر ہے۔ تفصیل آگے ہے۔ ابرہہ آگے چل کر باغی ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ کے لئے ارباط آیا ہے اور ناکامیاب واپس گیا ہے۔ طبری کی ایک روایت یہ ہے کہ اول ارباط فتح یمن کے لئے آیا لیکن ناکامیاب گیا، پھر نجاشی نے ابرہہ کو بھیجا اور اس نے فتح کیا، اس کے بعد ابرہہ باغی ہو گیا، اس کے مقابلے میں حبش سے ارباط بھیجا گیا اور وہ دھوکے سے مارا گیا۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ ۵۲۵ء کا واقعہ ہے، اس کے بعد ۵۷۰ء میں واقعہ فیل پیش آیا جس میں حتماً ابرہہ موجود تھا، اس کی مدت امارت ۴۵ برس قرار پاتی ہے حالانکہ ۲۳ برس سے زیادہ نہیں، اس لئے اور روایتیں صحیح ہیں۔ جن میں ابرہہ سے ۵۴۵ء میں نجاشی کی اجازت سے نہیں بلکہ بزور یمن کا گورنر بلکہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ا مضمون "عرب" فصل "تاریخ"

جو "رحمان اور کرستوس غلبان" کے نام پر ختم ہوتا ہے "رحمان نصارائے عرب میں خدا کا نام تھا کرستوس یعنی کرائسٹ (حضرت عیسیٰ کا یونانی نام) غلبان فاتح و غالب حضرت عیسیٰ کی صفت ہے، اس کتبہ میں ایک بادشاہ یمن "سمیفع آشوع" اور "سملکان یلا ابحہ شاہ حبشیات" کا ذکر ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ حبش کا یونانی التلفظ نام "الیباس" درحقیقت "یلا ابحہ" ہے جس کو عرب الاصبح کہتے ہیں اور "اسمیفیوس" کی اصل سمیفع ہے، عدن کے قریب حصن غراب میں ایک اور کتبہ ہے جس میں سمیفع نیز اس کے لڑکوں کا نام بہ وضوح تمام مذکور ہے، اصل ترجمہ یہ ہے:

"سمیفع اشوع اور اس کے لڑکے شرجیل یکمل اور معدی کربیان نے یہ یادگاری کتبہ حصن غراب میں لکھا جب کہ انھوں نے اپنے قلعے اور شہر پناہیں درست کیں اور اس میں پناہ گزیں ہوئے، اور حبش نے یمن فتح کیا اور باشندوں پر غالب آئے اور تجارت کی راہ کھولی اور بادشاہ حمیر کو قتل کیا ماہ حجبن ۶۴۰"

۶۴۰ یمنی تاریخ ہے، حسب تعدیل سابق (دیکھو حمیر کا زمانہ) یہ ۵۲۵ء کے مطابق ہوگا، جو عین فتح کی تاریخ ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اولاً تو کتبہ کی عبارت اگر وہ صحیح پڑھی گئی ہے تو فاتح ہونا نہیں ظاہر کرتی کہ فاتح کو پناہ گزینی کی کیا ضرورت ہے؟ ثانیاً "سمیفع اشوع" "شرجیل یکمل" اور "معدی کربیان" تینوں خالص سبائی حمیری نام ہیں پھر ابرہہ کے کتبہ سدعرم میں معدی کرب بن سمیفع ایک ذوالیزنی امیر کا نام ملتا ہے، عثمانی دارالآثار کے کتبہ سے سمیفع کا عیسائی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، جو حمیر کا مذہب نہ تھا، ایک بات سمجھ میں آتی ہے، ممکن ہے کہ صحیح ہو، حسب روایت طبری ذوالیزن آخری شخص تھا جو حبش کے مقابلہ کے لئے اٹھا تھا، لیکن چاروں طرف دیکھ کر مایوس ہوگیا، ابرہہ کے کتبہ عرم کے مطابق معدی کرب اور سمیفع اسی کے خاندان سے تھے دارالآثار عثمانی کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے عیسائیت قبول کرلی تھی، حصن غراب کے کتبہ میں ان کی عیسائیت نہیں ظاہر ہوتی، لیکن خوف زدہ ہوکر قلعہ بند ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لئے قیاس یہ ہے کہ اولاً یہ اہل حبش کے غلبہ سے ڈر کر حصن غراب میں بیٹھے، پھر مجبور ہوکر عیسائی ہوگئے[1] اور یمن ان کو واپس دے کر حبش جیسا کہ کہتے ہیں پھر گئے، پھر دوسری بار حبش آئے اور خاص اپنی حکومت قائم کی، حبشی گورنروں نے اپنا پایہ تخت شہر صنعاء کو قرار دیا، جو یدان

[1] طبری کی روایت ہے کہ فاتح یمن (ابرہہ) نے ذوالیزن کی بیوی زبردستی چھین کر اپنے محل میں رکھ لی تھی معدی کرب سیف بن ذوالیزن نے اسی کے گھر میں پرورش پائی۔ ۱۲

وظفار کے پہلو میں تھا، یہ شہراب تک باقی ہے اور امرائے یمن کا دارالامارۃ ہے، جو اہل عرب میں آب و ہوا کی خوشگواری، مناظر کی دلفریبی اور محاسنِ فطرت کی دلکشی میں ہمیشہ سے ضرب المثل ہے۔

عیسائیت و یہودیت کا تصادم مسیحی فاتح، یہودی حکمرانوں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ثابت ہوئے، مورخین عرب کا بیان ہے کہ مسیحی فاتحین نے یہودیوں کو سخت تکلیفیں پہنچائیں، اشاعت مذہب میں قتل وظلم وتعذیب وتعدی کسی فعل سے احتراز نہیں کیا گیا، عیسائی ان دردناک وقائع کے بیان سے خاموش ہیں، لیکن ایک عجیب وغریب یہودی وعیسوی مناظرہ کا ذکر کرتے ہیں تمیری یہودیوں نے عیسائیوں کو چیلنج دیا کہ باہمی مناظرہ سے صحت مذہب کا فیصلہ کیا جائے، چنانچہ عیسائیوں کی طرف سے جرنجنیوس (جرتج) شہر لفار (ظفار) کا بشپ اور یہودیوں کی جانب سے ہربانوس (حرب) وکیل مقرر ہوئے، تین دن تک بادشاہ کے حضور میں مجلس مناظرہ گرم رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

ہربانوس نے کہا کہ ''شہر ناصرہ کا یسوع اگر حقیقت میں زندہ ہے اور آسمان پر اپنے ستاروں کی دعائیں سن رہا ہے تو کہو کہ اس وقت ہمارے سامنے آئے'' یہودی بھی چاروں طرف سے بیک آواز چلائے کہ ''ہاں اپنے یسوع کو دیکھاؤ ہم فوراً ایمان لائیں گے'' ناگاہ بجلی چمکی، آسمان پر کڑاکا ہوا، اور یسوع جلال کی شعاعوں میں ارغوانی بادل کے اندر ہوا میں نمودار ہوا، ہاتھ میں تلوار تھی، سر پر گراں بہا تاج تھا، مجمع کے برابر کھڑے ہوکر بڑی آواز میں گویا ہوا، ہاں دیکھو! میں تمہاری نگاہوں کے سامنے ہوں، مجھی کو تمہارے باپ داداؤں نے مار ڈالا تھا'' عیسائیوں نے گڑگڑا کر کہا'' خداوند! اے خداوند! ہم پر رحمت ہو'' تمام یہودی اندھے ہوگئے، پھر جب تک بپتسمہ نہ پایا آنکھیں نہ ملیں[1]۔

عربی روایتوں میں اس قصہ کا ذکر نہیں، لیکن اسی کے مقابل میں یہ قصہ البتہ مذکور ہے کہ جب تبع ابوکرب نے یہودیت قبول کی تو یمنی ستارہ پرستوں نے اس مذہب کی صحت تسلیم نہ کی، آخر معاملہ اس پر محول ہوا کہ فلاں غار سے ایک آگ نکلتی ہے جو ناحق کو جلا دیتی ہے اور اہل حق کا بال بھی بیکا نہیں کرتی، چنانچہ یہودیوں کے احبار اور بت پرستوں کے کاہن توراۃ اپنے ہاتھ میں لے کر گئے، وقت مقرر پر آگ نکلی، دنیا دھوئیں سے تاریک ہوگئی، جب روشنی پھیلی تو کاہن اور ان کے بت خاک کے ڈھیر تھے اور احبار صحیح وسالم غار کے دہانہ پر توراۃ پڑھتے ہوئے نظر آئے[2]۔

---

[1] سیل کا مقدمہ ترجمہ قرآن [2] تاریخ طبری

عجب نہیں کہ یہ دونوں قصے ایک ہی اصل کے دو عکس ہوں، ہر ایک فریق نے اپنے مطلب کے مطابق اس کو پھیلایا ہے۔

ابرہۃ الاشرم بقول عرب ارباط نے یمن پر بیس برس حکمرانی کی، اس اثنا میں حبشی فوج نے بغاوت کی، ابرہہ ایک حبشی سردار اس باغی جماعت کا سرعسکر بن گیا، لفظ ''ابرہہ'' لفظ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے، اور چونکہ نک کٹا تھا، اس لئے ''اشرم'' کہلاتا تھا، عرب اس کو حبش کے شاہی خاندان سے سمجھتے ہیں، بہر حال ارباط اس فتنہ میں مارا گیا اور ابرہہ تنہا یمن کا بادشاہ بن بیٹھا، ارباط کے اختتام اور ابرہہ کے آغاز حکومت کی تاریخ نہیں معلوم، لیکن ابرہہ کے ایک ابتدائی کتبہ پر سن ۶۵۷ یمنی جو مطابق ۵۴۳ ہے تاریخ ثبت ہے، اگر ہم اسی کو آغاز سال فرض کرلیں تو ارباط کی مدت حکومت ۱۸ سال ہے، جو ۵۲۵ء سے شروع ہو کر ۵۴۳ء پر ختم ہوتی ہے۔

۵۴۳ء میں ابرہہ نمودار ہوتا ہے، اسی زمانہ کے ایک عیسائی مصنف پروکوپیس کا بیان اس کے متعلق حسب ذیل ہے:

> ''ابرہہ ایک رومی غلام تھا، جو زیلع[1] میں رہتا تھا شاہ حبش یا ابصحہ کے خلاف جس فوج نے بغاوت کی تھی، اس کا سردار بن گیا، سمیفع جو بادشاہ کی طرف سے یمن کا نائب تھا، اس کو قید کرلیا، اس کے مقابل جو فوج بھیجی گئی، اس کو شکست دی، اس اثنا میں بادشاہ مر گیا، اس کے جانشین نے ابرہہ سے صلح کرلی اور اپنی طرف سے اس کو یمن کا نائب بنایا[2]''

بجز ابرہہ کے رومی غلام ہونے کی عربی روایتیں حرف حرف اس کے مطابق ہیں، بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہیں، ابرہہ کی بغاوت، ارباط نامی سردار کا آنا، ابرہہ کے غلام کے ہاتھ سے دھوکے سے اس کا قتل ہونا، نجاشی کا خاک یمن کی پامالی، اور ابرہہ کی خونریزی کی قسم کھانا، ابرہہ کا ایک شیشی میں نشتر سے اپنا خون نکال کر اور یمن کی تھوڑی مٹی بادشاہ کے پاس بھیجنا کہ بادشاہ پاؤں تلے یہ مٹی رکھ کر ابرہہ کا خون بہائے اور قسم پوری کرلے، یہ تمام واقعات عربی تاریخوں میں مفصل مذکور ہیں۔

ابرہہ کو جب ادھر سے اطمینان ہوا، تو تمام ملک میں عامل مقرر کئے عیسائیت کی ترویج کی، بڑے بڑے شہروں میں کنیسے تعمیر کئے، سب سے بڑا کنیسہ صنعاء میں تعمیر ہوا، جس کو عرب ''القلیس'' کہتے ہیں، جو یونانی کلیسا کی تعریب ہے۔

---

[1] زیلع افریقی ساحل پر یمن کے مقابل ہے، اب اس کو اریٹیریا کہتے ہیں اور اٹلی کے زیر حکومت ہے، عہد اسلام میں یہاں بہت سے مصنفین پیدا ہوئے۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ ''ابرہہ''

ابرہہ کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ سد عرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے جس سے چار نہایت اہم واقعات معلوم ہوئے ہیں۔

(۱) ۶۵۷ء یمنی مطابق ۵۴۳ء میں ابرہہ کے خلاف اہل یمن نے بغاوت کی جس میں خود ولی عہد بھی شریک تھا۔

(۲) اسی سنہ میں سد عرم آخری بار منہدم ہوا۔

(۳) ابرہہ عیسائی تھا اور مارب میں ایک بہت بڑا گرجا اس نے تعمیر کیا تھا۔

(۴) اسی سنہ میں نجاشی حبش، قیصر روم، منذر شاہ حیرہ اور حارث بن جبلہ شاہ غسان کے سفیر اس کے دربار میں آئے۔

اصل کتبہ کے اہم فقرے حسب ذیل ہیں:

(۱)

''رحمان الرحیم'' اور اس کے مسیح اور روح القدس کی مہربانی سے: ابرہہ اکسوی حبشیوں کا رئیس اور ارامیس ذبیمان شاہ حبش کا محکوم، شاہ سبا و ذوریدان و حضر موت و یمنات و تہامہ ونجد، یہ یادگار قائم کرتا ہے کہ اس نے اپنے عامل یزید بن کبشہ پر فتح پائی، جس کو اس نے کندہ اور ردی پر حاکم بنایا تھا، اور سپہ سالار مقرر کیا تھا اور روسا سبا (اقیال سبا) اس کے ساتھ تھے اور وہ مرہ، ثمامہ، حبش، مرثد، اور صف قلعہ دار (ذو) خلیل، اور آل یزن روسائے (اقیال) معدی کرب ابن سمیفع، اور ہفان، اور اس کے ہم برادر فرزندان اسلم تھے، بادشاہ نے اس کے مقابلہ میں جراح قلعہ دار (ذو) زنبور کو بھیجا، یزید نے اس کو مار ڈالا اور قصر کدار کو ڈھا دیا، اور کندہ حریب اور حضر موت کے قبائل سے اس نے جمعیت اکٹھا کی..... بادشاہ کو خبر ملی تو اپنی حمیری و حبشی فوج ہزاروں کی تعداد میں ماہ ذوالقیاظ ۶۵۷ یمنی (مطابق ۵۴۳ء) میں لے کر چلا، جب مارب (سبا) کی وادیوں میں پہنچا، تو یزید خود آیا، اور تمام سرداروں کے سامنے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ ....

(۲)

اسی اثنا میں مارب کے بند (سد) کی دیوار، حوض، اور دروازوں کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالمدرح ۶۵۷ یمنی (مطابق ۵۴۳ء) میں آئی، قبائل کو فرمان بھیجا کہ پتھر، لکڑی

اور سیسہ، بند کے درست کرنے کے لئے مہیا کریں، بادشاہ پہلے مارب گیا اور وہاں
کے کنیسہ میں نماز ادا کی، پھر موقع پر گیا، نیو کھودی گئی اور تعمیر شروع ہوئی......

(۳)

"بادشاہ حسب ذیل امراء (اقیال) سے معاہدہ کر کے واپس آیا، شہزادہ
اکسوم قلعہ دار معاہر فرزند بادشاہ، مرجرف، قلعہ دار ذرتاح، عادل قلعہ دار فانش اور
قلعہ داران شولمان شعبان، رعین اور ہمدان وغیرہ...."

(۴)

رحمان کی عنایت سے نجاشی، قیصر روم، منذر (شاہ حیرہ) اور حارث بن جبلہ (شاہ
غسان) اور دوسرے بادشاہوں کی طرف سے سفراء دوستی اور محبت کے لئے ماہ دوان
۶۵۷ یمنی (۵۴۳ء) میں آئے......

واقعۂ فیل ابرہہ کے زمانہ کا سب سے بڑا عظیم الشان واقعہ ۵۷۰ء میں مکہ پر فوج کشی ہے، اس مہم میں چونکہ حبشی ہاتھی لے کر آئے تھے اس لئے عرب اس مہم کو وقعۃ الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں، آں حضرت ﷺ کی ولادت مبارک اسی سال اس واقعہ کے چالیس روز بعد ہوئی۔

عرب مورخین کی روایت کے مطابق اس مہم کا مقصد صرف تخریب کعبہ تھی، یورپین مصنفین کہتے ہیں یہ واقعہ ضمنی پیدا ہو گیا ہو گا، ورنہ اصل غرض روم و فارس کی باہمی جنگ میں صحرائے حجاز کو عبور کر کے باہم مذہب رومیوں کی اعانت تھی، ہم کو اصل دعویٰ سے بحث نہیں، تواتر نقل سے اتنا جانتے ہیں کہ یہ واقعہ ہوا، اور بس!

ابرہہ کے کتبہ عرم کے جو فقرے ہم نے اوپر نقل کئے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ یمن کے علاوہ تہامہ کا بھی جہاں کعبہ واقع ہے اپنے کو بادشاہ سمجھتا ہے، کتبہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ایک گرجا مارب میں بنوایا تھا، اہل عرب کی روایت اس واقعہ کے متعلق یہ ہے، اور جو قرب زمانہ کی وجہ سے یقیناً صحیح ہو گی، ابرہہ نے عیسائیت کی ترویج کی غرض سے صنعاء میں ایک بڑا اور عظیم الشان کلیسا تعمیر کیا تھا اور اس کا نام کعبہ رکھا، غرض یہ تھی کہ عرب اصلی کعبہ کو چھوڑ کر ادھر جھکیں، عربوں میں کعبہ کی چونکہ بڑی عظمت تھی اور عرب کے ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگ اس کی برابر عزت کرتے تھے[1]۔

---

[1] اس کی دو دلیلیں ہیں۔ اول یہ کہ کعبہ میں ابراہیم (یہود) مسیح اور مریم (عیسائی) کی تصویریں اور تمام قبائل کے بت تھے، ثانیاً یہ کہ نصرانی شعرائے جاہلیت کے کلام میں بھی مشاعر کعبہ اور ارکان حج کی عظمت مذکور ہے۔

اس لئے اس سے ان میں برہمی پیدا ہوئی ایک عرب نے رات کو چھپ کر اس کلیسا کو نجس کر دیا، ابرہہ اپنے مقدس معبد کی بے حرمتی دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہو گیا، فوج جرار اور چند ہاتھی لے کر کعبہ ابراہیم کو ڈھانے نکلا، راہ میں عرب کے متعدد قبائل بڑھ بڑھ کر ابرہہ پر حملہ آور ہوئے، لیکن ہزیمت اٹھا کر پسپا ہو گئے، جب یہ ہاتھیوں کا دل اور آدمیوں کا جنگل وادی مکہ کے قریب پہنچا، دفعتاً کسی سمت سے پرندوں کا غول در غول نمودار ہوا، ان کے منہ اور پنجہ میں کنکریاں تھیں، یہ کنکریاں جس پر گریں اس کا بدن پھوڑ کر نکل آئیں، اعضا سڑنے گلنے لگے، ہاتھی چنگاڑ مار مار کر پیچھے ہٹ گئے، چند منٹ میں تمام لشکر زیر و زبر تھا، عرب میں چیچک کی بیماری اسی سال پیدا ہوئی[1]۔

واقعہ کے اخیر فقرہ سے مورخین یورپ نے یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ اصل واقعہ اتنا ہے کہ ابرہہ رومیوں کی مدد کو فوج لے کر نکلا، راہ میں اس کی فوج چیچک کی وبا سے برباد ہو کر رہ گئی[2]۔ حبش میں اسی زمانہ میں چیچک کی وبا کا پھیلنا، غیر اسلامی روایت سے ثابت ہے، چنانچہ حبش کے ایک سیاح نے اپنے سفرنامہ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے[3]۔ چیچک کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اس بیماری کا نشو و ارتقا تقریباً اسی زمانہ سے ہے۔

قرآن مجید نے ان ہی واقعات کو سورۃ الفیل میں بیان کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ (فیل ۱:۱۰۵-۵)	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، کیا اس نے ان کی مخفی تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے وہ پرندے پتھر مارتے تھے، پھر خدا نے ان کو کھائے ہوئے بھس کے مانند کر دیا۔

جمہور کے نزدیک ان آیات کی تفسیر تو وہی ہے جو عام روایت کے مطابق ہے، پرندوں کا پتھر برسانا اور اس سے ایک فوج کی فوج کا ہلاک ہو جانا تعجب انگیز واقعہ ہے، لیکن محال نہیں، ممکن ہے کہ ان کنکریوں میں چیچک کے وبائی جراثیم ہوں، اس واقعہ کی صحت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ یہ سورہ اس واقعہ کے تقریباً پچاس برس بعد نازل ہوئی، اس وقت بہت سے اشخاص حملہ حبش کے چشم دید گواہ موجود ہوں گے، بعض لوگ ایسے ہوں گے جنھوں نے اپنے بزرگوں سے اس واقعہ کو سنا ہوگا، تاہم کسی نے اس وحی الٰہی کی تکذیب نہ کی، سر سید نے اس سورۃ کی جو تفسیر تہذیب الاخلاق میں لکھی تھی

[1] طبری، ابن اسحق [2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اصحاب الفیل [3] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا لفظ "اسمال پاکس"

اور جس سے اس واقعہ کے اعجوبہ پن کو دور کرنے کی کوشش کی تھی وہ سرتا پا لغو اور اغلاط سے مملو ہے۔ عربی زبان میں طیر کا لفظ "بد فالی" اور کنایۃً "بلا" کے معنی میں کبھی نہیں آئے، وہ "طائر" کا لفظ ہے۔ اور اس سے مزعومات عرب کے مطابق "فال بد" مراد ہوتی ہے۔ "فال بد" کے معنی میں ارسال کے ساتھ بھی اس لفظ کا استعمال نہیں ہوا ہے۔

ان آیات کے ایک اور معنی نظام القرآن کے مصنف[1] نے اختیار کیے ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حد تک صحیح ہوں، سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عربوں کا عام بیان یہ ہے کہ جب کوئی فوج گران کسی طرف کا رخ کرتی ہے تو مردہ خور پرندوں کا غول ساتھ ساتھ ہوا میں اڑتا چلتا ہے، نابغہ کہتا ہے:

"ان کے پرچم کے ساتھ ساتھ پرندوں کا غول چلتا ہے"

ابونواس کا شعر ہے:

ہمارے ممدوح کی فوج کے ساتھ پرندے ہیں، کیوں کہ اس کے فاتح ہونے کا ان کو یقین ہے۔

۳۶ھ میں بصرہ میں جنگ جمل واقع ہوئی تھی، حجاز میں اس لڑائی کا حال اسی دن معلوم ہو گیا تھا، کیوں کہ غول در غول پرندے کٹے ہوئے اعضا چنگلوں اور چونچوں میں لیے ہوئے ادھر ادھر اڑ رہے تھے[2]۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ "ترمیہم" کا فاعل طیر نہیں ہے، بلکہ اَنْتَ ہے جو اَلَمْ تَرَ کا فاعل بھی ہے، اس تفسیر کے رو سے آیت کے معنی یہ ہوں گے۔

"تو نے دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی مخفی تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا، اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے، تو ان ہاتھی والوں کو پتھروں سے مارتا تھا، پھر خدا نے ان کو کھائے ہوئے بھس کے مانند کر دیا۔"

خدا اس سورۃ میں اپنے متعدد احسانات گناتا ہے، اول یہ کہ اس نے ان کی تدبیر بے کار کر دی، دوسرا یہ کہ اس نے ان کے ساتھ ساتھ پرندوں کے غول بھیجے کہ ان لاشوں کی نجاست سے صحن حرم کو پاک کر دیں، تیسرا یہ کہ اتنے بڑے لشکر کو صرف بد دیانہ سنگ اندازی سے شکست دے دی۔

ملّت

[1] مولانا حمید الدین صاحب فراہیؒ (مرحوم) [2] تاریخ طبری ذکر واقعہ جمل

فہرست مضامین

ارض القرآن حصہ دوم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
بنو ابراہیم	۱	مملکت ادوم	۲۳
بنو قطورا	۲	شاہان ادوم	۲۳
مدین	۲	ادوم کی تاریخ	۲۴
مدین کی تاریخ	۲	یوباب اور ایوبؑ	۲۴
مدین اور حضرت موسیٰ	۴	سفر ایوبؑ اور ایوبؑ	۲۶
مدین کی تباہی	۵	حضرت ایوبؑ کا زمانہ اور وطن	۲۸
حوباب یا شعیبؑ	۶	حضرت ایوبؑ کا قصہ	۲۸
حضرت شعیبؑ اور قرآن	۷	قرآن مجید اور حضرت ایوبؑ	۲۹
مدین اور قرآن	۹	بنو ہاجرہ	۳۲
مدین کے متعلق ایک آیت کی تفسیر	۱۰	ہاجرہ	۳۲
توراۃ و قرآن کی مطابقت	۱۴	اسمٰعیلؑ	۳۳
شہر مدین کی پچھلی تاریخ	۱۵	ذبیح اسمٰعیلؑ تھے	۳۴
اصحاب الایکہ	۱۷	فاران کی بحث	۳۵
اصحاب الایکہ کون ہیں؟	۱۷	حضرت اسمٰعیلؑ کی اولادیں	۳۹
ایکہ کی تحقیق	۱۷	بنو اسمٰعیلؑ	۳۹
اصحاب الایکہ اور قرآن	۲۰	مبشام	۴۲
بنو سارہ	۲۲	ادبائیل	۴۲
بنو ادوم	۲۲	مشماع	۴۲
عیسو	۲۲	مشا	۴۲

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حدر	۴۲	قرآن اور اصحاب الحجر	۶۰
یوطور	۴۳	شہر حجر	۶۰
نافیش	۴۳	آلِ غسان	۶۳
دوما	۴۳	غسانی نابتی ہیں	۶۳
تیماء	۴۳	آلِ غسان کی تاریخ	۶۵
قیدماہ	۴۴	الم غلبت الروم	۶۷
اصحاب الرس	۴۴	آلِ غسان اور اسلام	۶۷
اصحاب الرس اور قرآن	۴۴	اوس، خزرج یا انصار	۶۹
اصحاب الحجر	۴۵	اوس خزرج نابتی ہیں	۶۹
نبایوط یا نابط	۴۵	اوس و خزرج کی شاخیں	۷۰
انباط اور روایاتِ عرب	۴۵	اوس و خزرج کی تاریخ	۷۱
انباط، نبایوط اور نابط کا ترادف	۴۶	انصار	۷۱
انباط کا عہدِ حکومت	۴۷	قیدار	۷۳
انباط کا رقبۂ حکومت	۴۸	قیدار کا مسکن	۷۳
انباط کا دار الحکومت	۴۹	قیدار کی تاریخ	۷۴
شاہانِ انباط	۴۹	کتباتِ بابل میں	۷۵
تمدنی حالات	۵۰	توارۃ میں	۷۶
سیاسی حالات	۵۳	قیدار کی شاخیں	۷۷
یونانیوں اور رومیوں سے تعلق	۵۴	قریش	۷۸
انباط اور یہود	۵۷	سلسلۂ نسب	۷۸
انباط اور عہدِ اسلام	۵۹	لفظ قریش	۷۸
اصحاب الحجر	۵۹	قریش کی شاخیں	۷۹
انباط ہی اصحاب الحجر ہیں	۵۹	شجرۂ قریش	۸۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قریش کی ایک اور تقسیم	۸۱	السنۃ العرب قبل الاسلام	۱۰۴
قریش کا زمانہ	۸۱	سامی زبانیں	۱۰۴
قریش کی سیاسی خودمختاری	۸۲	عربی زبان ام الالسنۃ السامیہ ہے	۱۰۵
قصی کا زمانہ	۸۳	آرامی زبان کی حقیقت	۱۰۵
کوہ صفا کا کتبہ	۸۴	امم بائدہ کی آرامی زبان	۱۰۶
قریش کا نظام سیاسی واجتماعی	۸۴	ثمود کی زبان	۱۰۷
قریش کا تمدن	۸۶	بنوقحطان اور اسمٰعیل کی زبانیں	۱۰۹
قریش اور قرآن مجید	۸۶	جنوبی یا قحطانی زبانیں	۱۰۹
محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۸۷	جنوبی اور شمالی زبانوں میں فرق	۱۱۰
حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸۷	چوتھی صدی ہجری میں عرب کی زبانیں	۱۱۱
ابولہب	۸۸	شمالی یا اسمٰعیلی زبان	۱۱۲
تجارت العرب قبل الاسلام	۸۹	شمالی قبائل کی زبانوں کا فرق	۱۱۴
ملک عرب کا موقع تجارتی	۸۹	لسان عربی مبین	۱۱۷
عرب کی شاہراہِ تجارت	۸۹	قرآن مجید کی زبان	۱۱۷
اس کا ذکر قرآن میں	۸۹	ادیان العرب قبل الاسلام	۱۱۹
عربوں کے ممالک تجارت	۹۲	بت پرستی کا آغاز	۱۱۹
اندرون ملک کے تجارتی شہر	۹۲	ستارہ پرستی کا دور	۱۱۹
راستوں کی مسافت	۹۲	عاد کا مذہب	۱۱۹
سامان تجارت	۹۳	ثمود کا مذہب	۱۱۹
توراۃ اور مورخینِ یونان وروم		امم سامیہ اولیٰ کا مذہب	۱۲۰
کے بیانات	۹۴	بابل میں سامی قوم کا مذہب	۱۲۴
درآمد	۹۶	مصر میں سامی قوم کا مذہب	۱۲۵
عرب کے بازار	۹۷	قرآن کا بیان	۱۲۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
امم سامیہ اولیٰ کے پیغمبر	۱۲۵	کعبہ اور ہبل	۱۴۷
اہلِ معین کا مذہب	۱۲۷	قرآن مجید اور مذاہب عرب قبل الاسلام	۱۴۸
بنو قحطان کا مذہب	۱۲۷	قومی پرستی اور قرآن	۱۴۸
قوم سبا کا مذہب	۱۲۷	ستارہ پرستی اور قرآن	۱۴۹
مستشرقین کے بیانات	۱۳۰	عرب کے مستند مذاہب اور قرآن	۱۵۰
شمالی عربوں کے مذاہب	۱۳۸	یہودیت اور قرآن	۱۵۰
قرآن اور توراۃ کا بیان	۱۳۸	عیسائیت اور قرآن	۱۵۲
مدین کا مذہب اور قرآن	۱۳۸	عیسائیت کے مختلف فرقے اور قرآن	۱۵۳
اصحاب الایکہ کا مذہب اور قرآن	۱۳۸	عیسائیت سے قریش کا تنفر	۱۵۳
حضرت ایوبؑ کی امت کا مذہب	۱۳۸	مجوسیت اور قرآن	۱۵۴
بنو اسمٰعیل کا مذہب	۱۳۸	صابئیت	۱۵۴
اصحاب الرس اور اصحاب الحجر	۱۳۹	صابئیت کا مختصر حال	۱۵۵
اوس اور خزرج اور انکے		صابئیت کے متعلق مسلمانوں کے بیانات	۱۵۵
ہم نسب قبائل کا مذہب	۱۴۱	قدیم عیسائی بیان	۱۵۷
اصنامِ عرب جنوب	۱۴۱	علمائے یورپ کا بیان	۱۵۸
بنو قیدار یا عدنانی قبائل کا مذہب	۱۴۲	صابی عقائد	۱۵۸
اصنامِ عرب شمال	۱۴۲	تبصرہ	۱۶۰
چند اور بتوں کے نام	۱۴۴	قرآن مجید کی ایک صداقت	۱۶۱
عرب میں دیگر مذاہب کا وجود	۱۴۵	صابئیت کی لغوی تشریح	۱۶۲
مجوسیت کا وجود	۱۴۵	تنبیہ اہم	۱۶۲
عیسائیت کا وجود	۱۴۶	مذہب صابی اور قرآن مجید	۱۶۳
یہودیت کا وجود	۱۴۶	حقیقت	۱۶۶

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
لغوی تحقیق	۱۶۷	مناۃ	۱۸۱
قرآن مجید سے استدلال لغوی	۱۶۸	ودّ	۱۸۱
اعاظم پرستی اور قرآن	۱۶۸	سواع	۱۸۲
حنفیت اور عرب	۱۶۸	یغوث	۱۸۲
شرک	۱۷۲	نسر	۱۸۲
مشرکین عرب کے عقائد اور قرآن	۱۷۳	ان اصنام کی شکلیں	۱۸۲
دہریت اور قرآن	۱۷۷	ہبل	۱۸۳
بت پرستی اور قرآن	۱۷۷	عرب کے بت مؤنث تھے	۱۸۳
قرآن میں اصنام کا ذکر	۱۷۸	عرب کے بت ممالک یورپ میں	۱۸۴
ان کے پرستار قبائل	۱۷۹	لفظ رحمٰن	۱۸۴
ان کے معنوں کی لغوی و معنوی تحقیق	۱۷۹	قرآن مجید میں رحمٰن	۱۸۴
لات	۱۷۹	رحمٰن کی تحقیق	۱۸۴
اللہ	۱۸۰	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	۱۸۵
العزیٰ	۱۸۱	خاتمہ	۱۸۵

الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین و علیٰ الہ واصحابہ اجمعین

طبقۂ ثالثہ

سلسلۂ ابراہیمی

وآل ابراھیم

حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں، سارہ، ہاجرہ، اور قطورا۔

سارہ کے بیٹے حضرت اسحاق تھے، ان کے دو بیٹے تھے، حضرت یعقوبؑ جو بنی اسرائیل کے باپ تھے اور عیسو جن کا لقب ادوم تھا، اس سلسلہ میں سے ادوم اپنے بھائی سے الگ ہو کر اپنے چچا اسماعیلؑ کے پاس عرب میں متوطن ہوئے بقیہ سلسلے مصر وشام میں رہے۔

قطورا کے بطن کی تمام اولادوں کو جن میں ایک کا نام مدین تھا۔ عرب ہی میں ان کے باپ نے ان کو بسایا، ان میں سے بنو مدین اور ددان کے سوا اوروں کا حال نہیں معلوم۔

ہاجرہ کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا، حضرت اسماعیلؑ انھوں نے بھی عرب ہی میں اپنے باپ کے حکم سے سکونت کی۔

ارض القرآن کا یہ حصہ صرف ان ہی خاندانوں کی تفصیل پر محدود ہے اور ان میں سے بھی ان خاندانوں کا ذکر مفصل ہے، جن کا نام قرآن مجید میں کسی حیثیت سے مذکور ہے۔

۱۔ بنو قطورا میں سے اہل مدین اور اہل ددان (اصحاب الایکہ)

۲۔ بنو سارہ میں سے ادوم (یعنی حضرت ایوبؑ اور ان کی قوم)

۳۔ بنو ہاجرہ میں سے حضرت اسماعیلؑ، انباط (اصحاب الحجر) قیدار اور قریش۔

بنو قطورا

مدین

شعیب علیہ السلام

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا

از سنہ ۲۰۰۰ ق م تا سنہ ۱۰۰۰ ق م

اس اصول کا کئی بار بتکرار ذکر گذر چکا ہے کہ سامی قومیں عموماً اپنی آبادی اور قومیت کو اپنے بزرگان نسل کے نام سے موسوم کرتی ہیں، مدین جن کے حالات اس فصل میں بیان ہوں گے[1] اپنے بانی و موسس خاندان مدین بن ابراہیم کی طرف منسوب ہیں۔

مدین نے اپنی آبادی اپنے ہی نام سے اپنے بھائی، اسمٰعیل کے پہلو میں قائم کی[2]۔ یہ ملک طولاً خلیج عقبہ (عیلانہ) کے سواحل پر دہانہ خلیج سے ساحل بحر احمر وارض ثمود و حجاز تک جہاں ثمود جرہم و عرب اسمٰعیل آباد تھے، واقع تھا۔

مدین کی تاریخ ہم مدین کا آغاز عہد ۲۰۰۰ ق م فرض کرتے ہیں، کہ پدر مدین حضرت ابراہیم کا زمانہ ۲۱۰۰ یا ۲۲۰۰ ق م ہے، ایک خاندان کو قوم کی حیثیت پیدا کرنے کے لئے کم از کم سو دو سو برس کی

---

[1] چونکہ ارض مدین حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دارالہجرۃ ہے اور اہل مدین و بنی اسرائیل میں ہمیشہ تعلقات جنگ و صلح رہے اس لئے توراۃ میں مدین کے نہایت کثرت سے حالات مذکور ہیں، ہم انہیں کا اقتباس کریں گے۔ تاریخ یونان و روم میں مدین کا ذکر نہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یونان و روم کے عہد میں اس پر بطؔ قابض تھے جنہوں نے مدین کو چھوڑ کر رقیم و حجر کو آباد و مشہور کیا تھا۔ [2] یوسیفوس قدامت الیہود کتاب ۱ فصل ۱۱

ضرورت ہوگی، اسی لئے مدین، توراۃ میں سب سے پہلے عہد یعقوب میں (۲۰۰۰ ق م) سوداگروں کے بھیس میں نظر آتے ہیں، حضرت یوسفؑ کو جو کاروان تجارت کنعان سے مصر لے گیا تھا وہ یہی اہل مدین اور اسماعیلی عرب تھے۔ (تکوین ۳۷، ۲۷، ۲۸، ۳۶، و ۳۰۔۱) اس لئے قرآن مجید کی اس آیت پاک میں:

وجاءت سيارة فارسلوا واردهم فادلى دلوه قال يبشرى
هذا غلم واسروه بضاعة والله عليم بما يعملون
وشروه بثمن بخس دراهم معدودة وكانوا فيه من الزاهدين
(یوسف ۱۹۔۲۰)

اتنے میں ایک کارواں آیا جس نے اپنے پانی والے کو بھیجا اس نے اپنا ڈول لٹکایا تو چلایا اے خوش نصیبی! یہ ایک لڑکا ہے، کارواں والوں نے ایک سرمایہ کی چیز سمجھ کر یوسفؑ کو مخفی رکھا اور خدا ان کے کاموں سے آگاہ تھا، (مصر پہنچ کر) ان لوگوں نے معمولی قیمت پر چند درم میں بیچ ڈالا، کیوں کہ وہ یوسف کی قدر نہیں جانتے تھے۔

کارواں سے ان ہی اہل مدین کو مراد لینا چاہئے اور مسلمان مفسرین نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے۔[1]

یہ تجارت کی تاریخ کا سب سے پہلا صفحہ اور اسماعیلی اور مدیانی عربوں کی تجارت کا سب سے پہلا قافلہ اور مصر ان کے تاجرانہ سفر کی اولین منزل نظر آتی ہے، مسیح سے دو ہزار برس پہلے قدامت پرست عرب کے اس مدیانی اور اسماعیلی قافلہ کا سامان تجارت وہی تھا جو عربوں کی تجارت کا ہمیشہ سامان رہا ہے یعنی خوشبودار چیزیں، بلسان، صنوبر، لوبان۔[2]

اس واقعہ کے بعد چار سو برس تک مدین کی تاریخ پر خاموشی چھا جاتی ہے سبب یہ ہے کہ مدین کے سوانح نگار بنی اسرائیل ہیں..... اور یہ زمانہ بنی اسرائیل کے قیام مصر کا ہے ۴۰ برس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا اور دعوت حق اور حب قومی کے جرم میں ان کو مصر سے ہجرت کرنی پڑی تو اس کا ملجا اسی قافلہ کی سرزمین تھی جو ان کی قوم کو چار سو برس پہلے مصر پہنچا گئی تھی، یعنی مدین۔[3] مدین کی قوم عموماً اس وقت جس کاروبار میں نظر آتی ہے وہ وہی ہے جو تمام سامی قوموں کا ہمیشہ پیشہ رہا ہے، یعنی گلہ بانی، یہی وہ شغل ہے جو ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا پیشہ تھا اور جو حضرت موسیٰؑ کو مصر کی متمدن زندگی میں میسر نہ آتا، بنو سام کے عظیم الشان پیغمبر کے لئے ضرور تھا کہ وہ جہاں بانی سے پہلے گلہ بانی کا سبق لے، اس لئے قضائے الٰہی نے موسیٰؑ کو مصر کے تمدن زار سے عرب کے بے تکلف اور سادہ ملک میں بھیج دیا جہاں شرفائے سام نے اب تک اپنے آبائی عادات و اخلاق کو متروک نہیں کیا تھا۔

---

[1] معالم تفسیر سورہ یوسف [2] تکوین ۳۷۔۲۶ [3] خروج ۲۔۵ و قرآن مجید

تاہم مدین کے قبائل ایک منظم زندگی رکھتے تھے، شہر میں مذہبی رسوم و آداب کی تلقین و محافظت کے لئے کاہن (مذہبی عہدہ دار) ہوتے تھے، اور اکثر حالات میں یہی کاہن شہر کے قانونی حاکم بھی قرار پاتے تھے، حضرت موسیٰ کے عہد میں جو کاہن تھا، اس کا نام توراۃ میں کہیں راعویل[۱] کہیں یثرو[۲] کہیں حوباب[۳] مذکور ہے، لیکن مسلمان مفسرین کے نزدیک یہ شعیب تھے جو لفظاً "حوباب" سے بہت قریب ہے، حضرت موسیٰؑ جب مصر سے ہجرت کر کے شہر مدین آئے تو ان ہی حوباب یا شعیب کے یہاں مہمان ہوئے اور ان کے ہاں بکریاں چرانے کی خدمت قبول کی اور اس کے معاوضہ میں حضرت شعیبؑ نے اپنی ایک بیٹی حضرت موسیٰ کی زوجیت میں دی[۴]۔

قرآن پاک میں مدین کا ذکر دو سبب سے آتا ہے، اول حضرت شعیبؑ اور دوم حضرت موسیٰ کے تعلق سے حضرت موسیٰ کے تعلق کی حسب ذیل آیتیں ہیں:

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝	اہل مدین میں چند سال رہا، پھر اے موسیٰ تو ایک اندازہ پر آیا۔
وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاۗءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَاۗءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ڭ	جب موسیٰ (مصر سے) مدین کی طرف چلا، اس نے کہا شاید میرا پروردگار مجھے راہ راست دکھائے، اور جب وہ مدین کے کنوئیں پر پہنچا تو وہاں پر لوگوں کو پانی پلاتے ہوئے پایا۔
وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝	(اے محمد) تو اہل مدین میں مقیم نہ تھا ان پر خدا کی آیتوں کو پڑھتے ہوئے، لیکن ہم بھیجنے والے تھے۔

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر جب مصر سے حدود عرب میں داخل ہوئے تو مدین کے کاہن نے ان کا استقبال کیا، بنی اسرائیل غلامی کے عہد سے ابھی نکلے تھے، نظام و ترتیب سے آگاہ نہ تھے۔ بھیڑ کی طرح روز و شب پیغمبر کو گھیرے رہتے تھے اور ذرا ذرا سی بات کے لئے ان ہی کے پاس دوڑے آتے تھے۔ مدین کے کاہن نے بتایا کہ ایک قوم پر کیوں کر حکومت کرنی چاہئے اور اس کی ترتیب و تنظیم کے کیا اصول ہیں، اول ہزار ہزار پر افسر ہوں، پھر ہر سو پر اور پھر دس پر، صرف افسروں کے اختلاف رائے کے موقع پر امیر (حضرت موسیٰ) کی عدالت کی طرف رجوع کیا جائے[۱]۔

[۱] خروج ۲۔۱۸ [۲] خروج ۳۔۱ [۳] سفر العدد ۱۰، ۲۹ و سفر القضاۃ ۴۔۱۱ [۴] خروج ۱۶۔۲۲

اس واقعہ کے ذکر سے ہم کو یہ دکھانا ہے کہ اس وقت مدین کا تمدن کس حد تک ترقی کر چکا تھا ۶۰۰ یا ۷۰۰ ق م جو حضرت موسیٰ کا عہد ہے، مدین، پانچ شیوخ قبائل یا توراۃ کی اصطلاح کے مطابق پانچ بادشاہوں کے ماتحت تھا، ان کے نام یہ تھے، عوی، رقیم، ضور، حور اور ربع، یوسیفوس[2] یہودی جو پہلی صدی مسیحی میں تھا، اس کا بیان ہے کہ شہر رقیم سی، مدیانی بادشاہ رقیم کے نام سے آباد ہے عرب اب تک اس کو رقیم اور یونانی، پٹرا[3] کہتے ہیں۔ اس بنا پر بیسویں صدی کے ایک مشہور مصری عیسائی مورخ کی تحقیق کہ "الرقیم" اس شہر کے یونانی غیر مشہور نام "ارکہ" کی تعریب ہے۔ کس قدر مضحکہ انگیز ہے[4]۔ یوسیفوس خود اس عہد کا شخص ہے جب یہ رقیم یا پٹرا آباد تھا، اس لئے اس سے زیادہ موثق ذریعہ تحقیق اور کیا ہو سکتا ہے۔

بہر حال اس واقعہ سے اس نتیجہ تک پہنچنا ہے کہ اس عہد قدیم میں مدین کی شمالی حد کہاں تک وسیع تھی! پٹرا یا رقیم، ملک شام کے قریب بحر میت اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے، اس لئے مدین کے حدود شمالی کو یہاں تک وسیع سمجھنا چاہئے۔

اس زمانہ کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد شہر مدین کے چار اور بادشاہوں کا توراۃ میں ذکر آتا ہے۔ زاباح، صلمناع، عوریب[5] اور ذیب ایک وقت میں چند بادشاہوں کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ ملک متفرق قبائل یا ریاستوں پر منقسم تھا۔

مدین کی اخلاقی و مذہبی حالت اور بربادی مدین اور مدین کے قریب مواب آباد تھا، مذہباً اور اخلاقاً دونوں قوموں کی بدترین حالت تھی، تمدن کے جراثیم جن امراض کو پیدا کرتے ہیں وہ ایک ایک کر کے پیدا ہو چکے تھے بتوں کی پرستش اور ان کے لئے قربانی ان کا مذہب تھا تمام بتوں کا سردار "بعل فور" دیوتا تھا[6]۔ اخلاقی حالت اس درجہ پست تھی کہ شرفائے خاندان کی لڑکیاں انسانیت کا بدترین نمونہ تھیں[7]۔ مردوں کا یہ حال تھا کہ ظلم و ستمگری ان کی زندگی کا معمولی پیشہ تھا[8]۔

بنی اسرائیل مصر سے نکل کر مواب و مدین کے میدانوں میں خیمہ زن تھے، ان بدکاروں نے بنی اسرائیل کے لئے سازشوں کا دام پھیلانا شروع کیا۔ عورتوں نے نوجوانان بنی اسرائیل کو جو اصل میں اس فوج کے سپاہی تھے، اپنے قابو میں کر لیا، سردار سے باغی بنا دیا، بتوں کے سامنے ان کا سر جھکوایا "بعل فور" کے لئے ان سے قربانیاں کرائیں[1]۔ مردوں نے آس پاس کی قوموں سے ساز باز کیا کہ بنی اسرائیل کو

[1] خروج ۱۸ [2] سفر العدد ۸۔۳۱ [3] یوسیفوس، قدامۃ الیہود کتاب ۴ فصل ۷ [4] العرب قبل الاسلام جرجی زیدان [5] سفر القضاۃ ۶ ۲۵ و ۸۔۵ [6] سفر العدد ۲۵۔۲۔۳ [7] سفر العدد ۲۵۔۱۔۵ [8] سفر القضاۃ ۶۔۱

نیست و نابود کردیں۔ بنی عمان کے ملک سے وہاں کے پیغمبر "بلعام" کو بلوایا کہ وہ اسرائیل کے لئے بددعا کرے[۲] اس وقت

"خدا نے موسیٰ سے کلام کیا، اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لئے اہل مدین سے انتقام لے اور اس وقت تو اپنی قوم میں مجتمع ہوگا۔ (سفر العدد ۳۱۔۱)

حالات کی بنا پر بنی اسرائیل کو پھر اپنے قابو میں لانے کے لئے اور مدین کی گنہگار آبادی کی سزادہی کے لئے ضروری ہوا کہ حسب حکم الٰہی مدین اور معاونین مدین سے جہاد کیا جائے، مواب، حسبون، اور مدین کی متفقہ قوت کے مقابلے میں حضرت موسیٰ نے ۱۲ ہزار آدمی بھیجے دشمن اپنی کثرت اور سامان کے باوجود کامیاب نہ ہوئے، مدین کے پانچ سردار عوی، رقیم، صور، حور اور رلع مارے گئے تمام مرد بچے اور عورتیں قتل ہوئیں، لڑکیاں قید ہوئیں، اور ان کا سامان غنیمت میں ہاتھ آیا۔[۳]

قوم مدین کی اس تباہی کے بعد شہر مدین ہم اسماعیلی عربوں کے ہاتھ میں پاتے ہیں، اور اب اس کے بعد جس اہل مدین کا توراۃ میں ذکر ہے وہ یہی اسماعیلی ہیں، قوم مدین کی تباہی کے تقریباً ۱۵۰ برس بعد عمالیق اور دیگر عرب قبائل اسماعیلی مدین کی سرکردگی میں بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئے ہر سال جب غلہ پکنے کے قریب ہوتا، آندھی کی طرح بنی اسرائیل کے ملک میں آتے اور غلہ، گائے، بیل، گدھے جو کچھ پاتے سب لوٹ لیتے، فرزندان اسرائیل آبادی چھوڑ کر پہاڑوں اور غاروں میں روپوش ہوجاتے۔[۴]

آخر جدعون نامی ایک سردار، ان میں پیدا ہوا جس نے بنی اسرائیل کی قوت کو مجتمع کیا، اور صرف ۳۰۰ منتخب آدمیوں کو لے کر اس نے اہل مدین پر شبخوں مارا، رات کی تاریکی میں دوست[۵] و دشمن کی تمیز نہ ہوئی ایک لاکھ بیس ہزار[۶] اہل مدین خود اپنوں اور دشمنوں کے ہاتھ سے مارے گئے، عوریب اور ذیب مدین کے دو بادشاہ قید ہوئے جن کو نہایت ذلت سے قتل کیا گیا[۷]۔ اور دو بادشاہ زاباح، اور صلمناع ۱۵ ہزار آدمیوں کے ساتھ بھاگ نکلے، لیکن ان کو پناہ نہ مل سکی۔

حوباب یا شعیبؑ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ کے خسر کا نام توراۃ میں یثرد اور حوباب مذکور ہے توراۃ کے شروح عبرانی میں لکھا ہے کہ یثرد کے دس نام تھے، دس نام ہوں یا نہ ہوں، دو نام تو خود

---

۱ سفر العدد ۲۵۔۲۔۳ ۲ سفر العدد ۲۲۔۳۔۴۔۵ ۳ سفر العدد ۳۱ باب ۴ سفر القضاۃ باب ۶

۵ سفر القضاۃ باب ۷۔۲۲ ۶ سفر القضاۃ باب ۸۔۱۱ ۷ سفر القضاۃ باب ۷۔۲۵

توراۃ میں ہیں۔ایک جرمن فاضل Heinrich Ewald کہتا ہے:

"اصل نام حوباب تھا اور شیر و ایک اعزازی لقب تھا جس کے لغوی معنی "کامل" کے ہیں جس طرح یہودیوں کے ہاں "کاہن" اور مسلمانوں کے ہاں "امام" کا لفظ ہے[1]۔

دوسری جگہ لکھتا ہے:

"(حوباب) کا نام قرآن میں اور عموماً مسلمانوں میں شعیب ہے، یہ نام حوباب کی تصحیف ہے... "

مسلمان مفسرین بھی علی العموم یثرو حوباب اور شعیب کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔

حضرت شعیبؑ اور قرآن مدین اور حضرت شعیب کا باہمی ذکر قرآن مجید کی تین سورتوں میں آیا ہے، اعراف، ہود اور عنکبوت:

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۝

اور مدین کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، شعیب نے کہا اے بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں، خدا کی جانب سے گواہی آ چکی، پیمانہ اور ترازو پوری کرو، اور لوگوں کو ان کا حق کم نہ کرو، اور اصلاح کے بعد ملک میں فساد نہ مچاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم ایمان والے ہو اور ہر راستہ پر دھمکانے کو نہ بیٹھا کرو اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو مت روکو، جب تم تھوڑے تھے، تو خدا نے تم کو بڑھایا، اور بغور دیکھو کہ مفسدین کا انجام کیا ہوا، تم میں کچھ لوگ تو جو پیغام دے کر میں بھیجا گیا ہوں، اس پر ایمان لا چکے ہیں، اور بعض نہیں لائے تو اس وقت تک صبر کرو کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ سرداران قوم میں جو مغرور تھے بولے کہ شعیب ہم تجھ کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی آبادی سے باہر نکال دیں گے، یا ہمارے آبائی مذہب کو پھر قبول کرلے، شعیب نے کہا کیا ہم نہ چاہیں تب بھی، اگر تمہارے مذہب کو جس سے ہم کو خدا نے نجات دی، ہم پھر قبول کرلیں تو ہم خدا پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں، خدا کی مشیت کے بغیر ہم کو پھر تمہارے

[1] تاریخ بنی اسرائیل، ترجمہ انگریزی ج ۱ ص ۲۵ حاشیہ، مصنفہ ایوالڈ

مذہب میں جانا سزاوار نہیں ہمارا پروردگار اپنے علم سے ہر شے کو محیط ہے ہم نے اسی پر بھروسہ کیا ہے، ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کردے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۛ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۝

کفر پیشہ سرداروں نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا اگر شعیبؑ کی تم نے پیروی کی تو تم گھاٹے میں رہو گے۔ پس کپکپاہٹ نے آکر ان کو پکڑ لیا۔ پھر تو وہ اپنی اپنی جگہ پر پڑے کے پڑے رہ گئے۔ شعیبؑ کے جھٹلانے والے گویا کہ ان کے گھروں میں کبھی آبادی نہ تھے اور وہی گھاٹے والے رہے۔

فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝

شعیبؑ ان کو اسی حال میں چھوڑ کر ہٹا اور بولا میرے بھائیو! اپنے پروردگار کے پیغام کو میں پہنچا چکا اور تمہاری خیرخواہی کا فرض بھی ادا کر چکا، اب کیونکر کفر پیشہ قوم کی تباہی کا غم کھاؤں۔

اس سے زیادہ تفصیل سورہ ہود میں ہے:

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝ قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

مدین کی سمت ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا: بھائیو، خدا کو پوجو۔ اس کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں۔ پیمانہ اور ترازو کم نہ کرو، میں تم کو بھلائی کے ساتھ دیکھتا ہوں اور ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب کو تم پر ڈرتا ہوں، بھائیو پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ پوری رکھو۔ لوگوں کا حق کم نہ کرو اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو، اگر با ایمان ہو تو خدا نے جو باقی چھوڑا ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور میں تم پر کوئی نگران نہیں مقرر ہوا۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ
قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ
بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ
وَّدُوْدٌ ۝ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا
لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا
بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ
اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝
وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ
مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا
بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

لوگوں نے جواب میں کہا شعیبؑ کیا یہ تمہاری نماز تم کو کہتی ہے کہ ہمارے اسلاف جس کو پوجتے تھے اس کو چھوڑ دیں یا ہم اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں۔ تم بھی بڑے عقلمند اور نیک ہو۔ شعیبؑ نے کہا بھائیو! اگر میں اپنے پروردگار کی بتائی ہوئی دلیل پر قائم رہوں اور جو کچھ اس نے حلال روزی دے رکھی ہے، اس پر قانع رہوں تو تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کرکے وہ کروں جس سے تم کو روکتا ہوں، میں تو اپنی طاقت بھر صرف اصلاح چاہتا ہوں، مجھ کو توفیق خدا ہی کے زور سے ہے، اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔ بھائیو صرف میری دشمنی اس کا باعث نہ ہو کہ جس طرح نوحؑ اور ہودؑ اور صالحؑ کی قوموں پر عذاب پہنچا تم پر بھی پہنچے۔ لوط کی قوم تم سے دور نہیں، اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو۔ اور اس کے سامنے توبہ کرو، خدا رحمت اور محبت والا ہے۔ وہ بولے شعیبؑ! ہم تمہاری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے اور ہم اپنے میں تم کو کمزور بھی پاتے ہیں۔ اگر تمہارے خاندان کا لحاظ نہیں ہوتا تو تم کو سنگسار کر چکے ہوتے اور کچھ تم ہم پر غالب بھی نہیں۔ شعیبؑ نے جواب دیا بھائیو! کیا میرا خاندان خدا سے زیادہ تمہارے نزدیک لحاظ کے قابل ہے جو تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا ہے، میرا پروردگار تمہارے ہر کام سے واقف ہے۔ بھائیو تم اپنی جگہ پر کام کئے جاؤ، میں بھی اپنا کام کرتا ہوں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کن عذاب کس پر آئے گا اور کون جھوٹا ہے۔ انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں۔

جب ہمارا حکم آ گیا ہم نے شعیبؑ کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور جو ظالم تھے ان کو چیخ نے آلیا اور وہ اپنے گھر میں پڑے

رہ گئے گویا کہ ان میں وہ کبھی رہے نہیں۔ ثمود کی طرح مدین کے لئے بھی ہلاکت ہوئی۔ مدین کے پاس شعیبؑ کو ہم نے بھیجا، اس نے کہا بھائیو! خدا کو پوجو اور روز آخرت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ انہوں نے جھٹلایا تو کپکپاہٹ نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے، رہ گئے۔

ان آیتوں میں مدین کے حالات کی طرف تلمیح و اشارہ ہے، چونکہ مدین کی تاریخ ہمارے مفسرین کے پیش نظر نہ تھی، اس لئے بہت سے عقدے ناکشودہ رہ گئے۔ سب سے اول یہ کہ وہ اہل مدین و بنی اسرائیل کے باہمی واقعات و منازعات سے بجز واقعہ قرابت حضرت موسیٰ و شعیب علیہما السلام ناواقف ہیں۔ اس بنا پر ان آیات کی تفسیر میں ان واقعات کا وہ کوئی تعلق نہیں ظاہر کرتے۔ حالانکہ ہماری رائے میں یہ آیتیں تمام تر ان ہی واقعات سے متعلق ہیں پہلی آیت یہ ہے والی مدین اخاہم شعیبا (مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا) اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، اول یہ کہ مدین سے قوم مدین مراد ہے، ثانیاً یہ کہ شعیبؑ مدین کے خاندان سے تھے۔

مخاطبت شعیبؑ و مدین کا پہلا فقرہ یہ ہے:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف و ہود) اے قوم خدا کی پرستش کرو، اس کے سوا تیرا کوئی دوسرا معبود نہیں اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بعل فعور وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔

اس کے بعد ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ	ناپ اور تول پورا پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیز کم نہ دو پیمانہ اور ترازو کم نہ کرو، میں تم کو اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ گھیر لینے والے عذاب کا دن تم پر نہ آئے۔ لوگو! پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ رکھو لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔

آغاز فصل میں معلوم ہو چکا ہے کہ مدین ایک تاجر قوم تھی، اور غالباً دنیا کی تاریخ میں اس پیشہ کی سب سے پہلی قوم ظاہر ہوتی ہے، اس بنا پر اس میں یہ مذموم صفت ہوگی جو حالات کے لحاظ سے بالکل مناسب ہے، بنی اسرائیل جب مصر سے حدود عرب میں داخل ہوئے، تو ان کے ساتھ رسد

کا سامان نہ تھا، قرب وجوار کی قوموں سے بقیمت خریدتے تھے[1] یا بجبر چھین لیتے تھے شاید مدین کی اس وصف تجارت کا بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے بھی تعلق ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان آیات سے مراد صرف خرید وفروخت کی کمی وبیشی نہیں ہے، بلکہ سود، بٹہ اور دیگر اصناف تجارت ممنوعہ مراد ہیں، جن کے ذریعہ سے تاجر وصاحب معاملہ لوگوں کو ان کے حق جائز سے ہمیشہ کم مالیت دیتے ہیں اسی بنا پر حضرت شعیبؑ کی قوم کا جواب ہے:

اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (ھود) کیا اس سے بھی کہ اپنے مال میں جو چاہیں کریں، تمہاری نماز روکتی ہے۔

اس رائے کی تائید مفسرین کی بعض روایات سے بھی ہوتی ہے:

وقيل نهاهم عن قطع الدنا نير والدراهم وزعم انه محرم عليهم فقالوا اوان نفعل فى اموالنا مانشاء[2]	کہتے ہیں شعیبؑ نے ان کو درہم ودینار میں بٹہ لینے سے منع کیا تھا اور کہا کہ یہ حرام ہے۔ انہوں نے کہا کیا ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے موافق کام نہ کریں۔

محدث ابن جریر طبری تاریخ میں لکھتے ہیں:

عن زيد بن اسلم فى قوله عزوجل "اصلوتك تامرك ان نترك مايعبد اباؤنا اوان نفعل فى اموالنا مانشاء" قال كان عما ينها هم عنه حذف الدرا هم اوقال قطع الدراهم	زید بن اسلم سے اس آیت اصلوٰتک الخ کے ذیل میں مروی ہے کہ شعیبؑ ان کو (بٹہ) سے منع کرتے تھے۔
عن محمد بن كعب القرظى قال بلغنى ان قوم شعيب عذبوا فى قطع الدراهم وجدت ذلك فى القرآن اصلاتك تامرك ان نترك ما يعبد اباؤنا او ان نفعل فى اموالنا مانشاء[3]	محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قوم شعیبؑ کو بٹہ لینے کے باعث عذاب دیا گیا پھر مجھے قرآن مجید میں یہ آیت ملی۔

اس کے بعد ارشاد ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	اصلاح کے بعد ملک میں فتنہ نہ پا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر مومن ہو۔

[1] سفر تثنیۃ الاشتراع ۲۰-۶-۲۷ [2] تفسیر معالم التنزیل امام لغوی رکر [3] تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۷۰

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ (سورہ ہود) ملک میں فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ۔

عموماً مفسرین تا آنکہ امام رازی بھی فتنہ وفساد سے ''کفر'' اور ''اصلاح'' سے ''بعثت شعیب'' مراد لیتے ہیں حالانکہ اس سے مقصود بعد صلح واماں بنی اسرائیل کے ساتھ مخالفت ومنازعت اور سازش وخونریزی ہے، اسی لئے اس کے بعد یہ الفاظ ہیں:

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ

ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو، خدانے جو باقی رکھا ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر ایمان والے ہو۔

''بقیہ'' کا مطلب ہمارے مفسرین یہ بیان فرماتے ہیں کہ ''حرام کے بعد جو حلال چیزیں باقی رہ گئی ہیں وہ تمہارے لئے کافی ہیں، حرام کی کیوں طلب کرتے ہو'' لیکن اس حالت میں اول آیت وآخر آیت سے تعلق کیا رہے گا؟ ''ملک میں فساد نہ کرو کہ باقی حلال چیزیں کافی ہیں'' ملک میں فساد اور حلال چیزوں پر قناعت دونوں بے ربط باتیں ہو جاتی ہیں۔

ہمارے نزدیک مدین کی تاریخ کو پیش نظر رکھنے سے مطلب نہایت واضح ہو جاتا ہے مدین چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل نے مصر سے آکر ملک کا جو حصہ لے لیا ہے، واپس لے لیں، حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں کہ فتنہ وفساد سے فائدہ نہیں، خدانے جو کچھ باقی رکھا ہے اس پر قناعت کرو، اہل مدین ان کے جواب میں کہتے ہیں:

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝

شعیبؑ! کیا یہ تمہاری نماز کہتی ہے کہ اسلاف کے طریقۂ پرستش کو چھوڑ دیں یا ہم اپنے مال میں جو چاہیں وہ کرنا چھوڑ دیں تم بھی بڑے عقلمند (یا بردبار) اور نیک ہو۔

اس جنگ کی غرض صرف دو تھی، ایک یہ کہ اپنے دیوتا بعل فعور کی اہانت کا انتقام اسرائیل کے خدا کا مقابلہ، اور دوسرے یہ کہ جن طرق ممنوعہ کے ذریعہ سے بھی ہو بنی اسرائیل سے ملک ودولت کی واپسی، اہل مدین کہتے ہیں کہ کیا ہم ان دونوں چیزوں سے باز آجائیں؟ اور طعناً کہتے ہیں کہ تم بھی بڑے نیک اور بڑے عقلمند ہو، یا یہ کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے ملک وقوم کی مذہبی ومالی بربادی پر غصہ نہیں آتا ہم حقیقت میں بردبار اور نیک آدمی ہو! حضرت شعیبؑ جواب میں فرماتے ہیں:

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ

بھائیو! بتاؤ اگر میں اپنے رب کی دی ہوئی روشنی پر رہوں اور جو حلال روزی اس نے دے رکھی ہے، اسی پر قانع رہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم سے مخالفت کرکے میں وہ

کروں جس سے تم کو روکتا ہوں۔ میں تو تا حد امکان
صرف اصلاح چاہتا ہوں اور اس کی توفیق خدا کے
وسیلہ سے ہے۔

اصلاح سے مقصود اصلاح روحانی بھی ہو لیکن مدین و بنی اسرائیل کے مابین اصلاح کی کوشش کی طرف اشارہ بھی ہوسکتا ہے،

لیکن بایں ہمہ ارشاد و ہدایت مفسدین اپنے فساد و تباہ کاری سے باز نہ آئے حضرت موسیٰ کے حکم سے قوم مدین کے تمام مرد بچے اور منکوحہ عورتیں قتل کی گئیں اور ۳۲ ہزار کنواری لڑکیاں لونڈی بنائی گئیں[1]۔ قوم مدین کی زندگی کی یہ آخری تاریخ تھی۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ	ان کو ایک کپکپی نے آلیا پس وہ اپنی قیام گاہ میں پڑے رہ گئے۔
وَاَخَذَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ	جنہوں نے ظلم کیا ان کو چیخ نے آلیا پس اپنی قیامگاہ میں پڑے رہ گئے۔
فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ	ان کو ایک کپکپی نے آلیا پس وہ اپنی قیام گاہ میں پڑے رہ گئے۔

کپکپی اور چیخ سے مطلق عذاب مراد ہے:

اَلَا بُعۡدًا لِّمَدۡيَنَ كَمَا بَعِدَتۡ ثَمُوۡدُ (سورہ ہود)	ہاں ہلاکت ہو مدین کے لئے جس طرح ہلاک ہوئے ثمود

ثمود کی خصوصیت اس لئے ہے کہ پہلے اس مقام پر وہ آباد تھے:

فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ ۚ فَكَيۡفَ اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ	شعیبؑ اہل مدین سے علحدہ ہوئے اور کہا لوگو میں اپنے خدا کا پیغام تم کو پہنچا چکا تھا اور تمہاری خیر خواہی بھی کر چکا تھا پھر کس طرح میں کافر قوم پر غم کروں۔
وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا شُعَيۡبًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا	جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور جو انکے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے نجات بخشی۔

حضرت شعیبؑ کے متبع کون تھے؟ صرف ان کے اعزہ اور ہم خاندان، اس لئے کافروں نے کہا:

[1] عدد ۲۱-۱۵، ۱۶، ۱۷، ۳۵، ۴۰، ۴۶

وَلَوۡلَا رَهۡطُكَ لَرَجَمۡنٰكَ (سورہ ہود) اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے۔

حضرت شعیبؑ نے فرمایا:

اَرَهۡطِىۡۤ اَعَزُّ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِؕ (سورہ ہود) کیا میرا خاندان خدا سے زیادہ تمہارے نزدیک قوی ہے۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کا خاندان حضرت شعیب کا متبع تھا، اس لئے حضرت شعیبؑ کے ساتھ جن لوگوں نے نجات پائی وہ یہی لوگ تھے۔

مطابقت توراۃ و قرآن مذکورہ بالا سطروں میں چند باتوں کا دعویٰ ہے، حضرت شعیبؑ اور ان کا خاندان اہل مدین سے الگ ہو گیا، انھوں نے عذاب سے نجات پائی۔

حضرت موسیٰ نے مدین کی پہلی جنگ کے بعد جب کنعان کی طرف کوچ کا ارادہ کیا اس موقع کی گفتگو ہے:

"موسیٰ نے حوباب بن راعویل مدیانی اپنے خسر سے کہا: ہم یہاں سے اس مقام کو کوچ کرنے والے ہیں جو خداوند ہم کو دینے والا ہے، ہمارے ساتھ آؤ کہ تمھارے ساتھ بھلائی کریں کیوں کہ خداوند نے اسرائیل سے نیکی کا وعدہ کیا ہے، حوباب نے جواب دیا، کہ تمھارے ساتھ نہیں جا سکتا بلکہ اپنے ملک و مولد کو واپس جاؤں گا، موسیٰ نے کہا کہ ہم کو نہ چھوڑ جاؤ، تم سے التجا کرتا ہوں، کیوں کہ جیسا تم جانتے ہو کس ویرانہ میں خیمہ زن ہم ہیں، تم ہمارے لئے بجائے آنکھ کے ہو۔" (عدد ۱۰۔ ۳۰)

دوسری جگہ ہے:

موسیٰ کے سُسر قینی کے بیٹے بنی یہودا کے ساتھ قریہ نخل سے چلے اور یہودا کے ساتھ جو تیمن کا تھا، اس کے حصہ کے میدانوں میں سکونت کی،، (قضاۃ ۱۔ ۱۶)

مدین کی جنگ سے ایک باب پہلے مذکور ہے:

"حابیر قینی اپنے دوسرے قینی بھائیوں سے جو موسیٰ کے سُسر حوباب کے بیٹے تھے، پہلے ہی علیحدہ ہو گیا تھا، اس نے اپنا خیمہ اس وادی میں کھڑا کیا جس کا نام نعینم ہے، قادس کے پاس،، (قضاۃ ۴۔ ۱۱)

تالمود بابل میں ہے:

یثرو (شعیب) نے اس کی مخالفت کی اور جب اس کی نصیحت رد کر دی گئی تو اپنا عہد چھوڑ دیا اور چل دیا، اسی لئے اس کی اولاد سنہڈرنم[1] کی رکن مقرر ہوئی[2]۔

یوسیفوس یہودی جس نے پہلی صدی مسیحی میں تاریخ یہود لکھی ہے، لکھتا ہے:

''انھوں نے موسیٰ کے خسر یثرو مدیانی کے خاندان کو بھی زمین دی، جس نے اپنا ملک چھوڑ دیا تھا، اور صحرا میں ان لوگوں کے ساتھ رہا[3]''۔

قوم مدین کی تباہی عام جس کی قرآن نے خبر دی ہے، توراۃ سے اس کا ثبوت متعدد طور پر بہم پہنچا سکتا ہے، اولاً یہ کہ قوم مدین تباہی کے موقع کے توراۃ میں حسب ذیل الفاظ ہیں:

''بنی اسرائیل نے مدین سے جنگ کی اور ان پر غالب آئے اور تمام مردوں کو قتل کیا..... تمام مرد بچے اور عورتیں قتل ہوئیں[4]''۔

ثانیاً یہ کہ اس کے بعد مدین کی تباہی عبرانی صحیفوں میں ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے زبور داؤد[5] میں ہے:

''باشندگان (شہر) مدین، اسماعیلی، اہل مواب، ہاجری، عمون، اور عمالیق..... خدایا ان کو (قوم) مدین کی طرح کردے''۔

اشعیانبی کہتے ہیں:

خدائے افواج اس پر ایک کوڑا بھیجے گا، مدین کی مار کی طرح، عوریب کی چٹان پر۔ (۱۰۔۲۶)

شہر مدین کی پچھلی تاریخ لیکن بایں ہمہ شہر مدین کا وجود باقی تھا، جس کا نشان تاریخی زمانہ اسلام تک ملتا ہے، حضرت داؤدؑ جن کا زمانہ تقریباً ۱۰۰۰ ق م ہے، زبور (۸۳۔۶) میں باشندگان مدین کا ذکر کرتے ہیں، حضرت سلیمانؑ کے عہد میں ایک ادومی شہزادہ ہداد بھاگ کر مدین آیا تھا (سلاطین اول ۱۱۔۱۸) اشعیانبی جو تقریباً ۸۰۰ ق م میں تھے، مدین کی اونٹنیوں کا ذکر کرتے ہیں، جو یروشلیم تجارت کا مال لائیں گی (۶۰۔۶) حبقوق نبی ایک پر جلال پیغمبر کی آمد آمد کی خبر سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''زمین مدین کی کھال میں رعشہ پڑ جائے گا''۔ (۳۔۷)

یونانی و رومی مصنفین نے مدین کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ اس مقام کا نام وہ نباطیا بتاتے ہیں، سبب یہ ہے اس عہد میں اس ملک میں نبط آباد تھے[6] اور یہ بالکل ہماری تھیوری کے مطابق

---

[1] یہودیوں کی اعلیٰ مذہبی عدالت، اس کا رئیس ان کا کاہن اعلیٰ ہوتا تھا اور اس کے علاوہ اور ۷۰ ممبر ہوتے تھے۔

[2] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۸۸ [3] قدامۃ الیہود کتاب ۵ باب ۲ [4] سفر العدد ۳۱۔۷۔۷

[5] سفر العدد ۸۳۔۶ [6] فارسٹر جلد ۲ ص ۳۳۳

ہے، حضرت اسماعیل کی ایک اولاد کا نام نبط تھا اور توراۃ کے حوالہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قوم مدین کی تباہی کے بعد اسماعیلی عرب مدین کے مالک تھے، بطلیموس نے البتہ عرب کے ایک مقام کا نام موڈیانا......Modhana لکھا ہے، جس کو بعض لوگ مدین سمجھتے ہیں[1]۔

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے موٗما مدین کا ذکر کیا ہے، ابوالفدا نے جغرافیہ میں لکھا ہے کہ یہاں قدیم آثار پائے جاتے ہیں، حاجی خلیفہ نے اپنے ترکی جغرافیہ جہاں نما میں بیان کیا ہے کہ یہاں جو آثار و عمارات ہیں ان پر کتبات ہیں جن پر بادشاہوں کے نام مرقوم ہیں۔

مکتشفین یورپ میں سے متعدد اشخاص نے خاص مدین کے آثار کا مشاہدہ کیا ہے، جن میں ایک شخص Burton برٹن خاص طور پر قابل ذکر ہے جس نے ایک بار مکہ معظمہ و مدینہ منورہ تک سفر کیا، اور دوسری بار خدیو مصر اسماعیل پاشا کے حکم سے ۱۸۸۷ء میں سونے کی کان کی تلاش میں مدین تک گیا، یہاں بہت سے کتبات بھی ملے ہیں جن پر نبطی خط منقوش ہے، رومیوں کے عہد میں یہاں کے باشندوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی، مسلمان شعرا کے قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، کثیر کہتا ہے[2]:

رهبان مدين والذين عهدتهم ۔۔۔ يبكون من حذر العذاب قعودا

رهبان مدين لو رأوك تنزلوا ۔۔۔ والعصم فى شغف الجبال الفارد

---

[1] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۷۹ [2] دیکھو معجم البلدان یاقوت

ددان

اصحاب الایکہ

قرآن مجید میں عرب کی ایک قوم کا ''اصحاب الایکہ'' کے نام سے[1] ذکر ہے ایکہ کے لغوی معنی جنگل کے ہیں اس قوم کے پیغمبر بھی حضرت شعیب ہی تھے، جن کا ذکر مدین میں گذر چکا ہے، اس اتحاد سے بعض مفسرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی چیز ہیں، ان کا قیاس ہے کہ ملک مدین کے پاس جنگل تھا جہاں مدین کی قوم کبھی کبھی قیام کرتی تھی اس لئے اس کو ''اصحاب الایکہ'' جنگل والوں کے نام[1] سے خطاب کیا گیا۔

مسلمان جغرافیہ نویس ان اطراف میں کسی جنگل کے ذکر سے خاموش ہیں، ان کی رائے ہے کہ شہر تبوک جو مدین کے مقابل مدین سے ۶ مرحلہ پر واقع ہے، اسی کا قدیم نام ایکہ تھا اور خود اہل تبوک کو بھی اعتراف ہے، کہ اس کا پہلا نام ''ایکہ'' ہے[2]۔

قرآن کے رو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدین اور ایکہ دو چیزیں ہیں، کیوں کہ ان دونوں قوموں کا حضرت شعیبؑ سے سوال و جواب، طرز خطاب اور پھر آخر بربادی اور طریقہ بربادی بالکل مختلف ہے، اس بنا پر کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔؟

سب سے بڑے اشتباہ کی صورت یہ ہے کہ عام معلومات کے لحاظ سے ان اطراف میں جنگل کا نشان نہیں ورنہ اہل تفسیر و روایت اور اہل جغرافیہ عرب اس کا ذکر کرتے۔

اس دشوار گذار راہ کو اب ہم اپنی کوشش سے طے کرنا چاہتے ہیں۔

اتنا تو ظاہر ہے کہ مدین اور ایکہ میں کوئی شدید تعلق تھا، اور ان کا زمانہ بھی باہم ایک تھا جس کی بنا پر دونوں آبادیوں کے لئے ایک ہی پیغمبر کی بعثت ہوئی، نیز قرآن نے دونوں کے اخلاق کا نقشہ بھی ایک ہی کھینچا ہے۔

---

[1] معالم التنزیل بغوی سورہ حجر و شعراء و ق و ص [2] معجم البلدان ''ایکہ''

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدین جو حضرت ابراہیم کی بیوی قطورا کے بطن سے تھا، اس کے کئی اور بھائی تھے اور ان بھائیوں کی اولادیں تھیں، توراۃ میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

ابراہیم نے قطورا نام ایک دوسری بیوی کی، جو زمران یقشان، مدان، مدیان، یشبوق اور شوح کو جنی یقشان نے شبا اور ددان کو پیدا کیا، اور بنو ددان اشوریم لطوشیم اور لادیم تھی، مدیان کے بیٹے حافا، عوفیر، حنوخ، ابی داع اور دعا تھے، یہ لوگ بنو قطورا ہیں، ابراہیم نے جو کچھ تھا وہ اسحاق کو دیا، اور ان کنیز زادوں کو بھی کچھ دیا، اور ان کو اپنے بیٹے اسحاق سے الگ کر دیا، اور ابراہیم اس وقت پورب کی طرف پورب کے ملک میں تھا۔[1] (یعنی عرب)

توراۃ نے قطورا کی متعدد اولاد در اولاد میں سے صرف دو کی تفصیل کی ہے۔ مدین اور بنو ددان، بنو مدین کے متعلق یہ تحقیق معلوم ہے کہ بحر احمر پر خلیج عقبہ کے سامنے شہر مدین میں آباد تھے، اس لئے تسلیم کرنا چاہئے کہ بنو ددان بھی ان ہی سواحل پر مدین کے قریب آباد ہوں گے توراۃ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ انہیں اطراف میں آباد تھے۔

"تیماء، ددان، بوض، جو سر کے بال منڈاتے ہیں، اور تمام عرب کے بادشاہ"[2]

تیماء شمالی عرب میں حجاز سے شام کے راستہ پر واقع ہے، اسی کے قریب ددان کو ہونا چاہئے، یمن سے سواحل بحر احمر کے کنارہ کنارہ حجاز و مدین سے گذر کر خلیج عقبہ کے کنارہ سے نکل کر تیماء وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی ایک نہایت قدیم و مشہور تجارتی سڑک واقع ہے، جو قدیم زمانہ میں ہندوستان، یمن اور مصر و شام کے کاروانوں کا تنہا راستہ تھا، اس راستہ کا ذکر تمام قدیم جغرافیوں میں موجود ہے۔ وادی القریٰ، ثمود کا مسکن، مدین، قوم شعیبؑ کی آبادی، سدوم، قوم لوط کا مقام اور نیز تبوک تیماء اور رقیم (یونانی پٹرا) اسی سڑک پر مابین حجاز و شام واقع ہیں، توراۃ کے لحاظ سے ددان بھی یہیں تھا اور قرآن کہتا ہے کہ "اصحاب الایکہ" بھی اسی سڑک پر ہیں، قوم لوط جو سدوم میں آباد تھی اس کے ذکر کے بعد ارشاد ہے:

وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ۝ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ (سورۃ الحجر)	اور جنگل والے یقیناً حد سے گذر جانے والے تھے، ہم نے ان سے انتقام لیا، اور یہ (سدوم وایکہ والے) دونوں کھلے راستہ پر ہیں۔

یہ وہی راستہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا، اور جس کو تاریخ قدیم میں نہایت اہمیت حاصل ہے۔

---

[1] سفر خروج باب ۲۵ [2] ارمیاہ ۲۵۔۲۳

اس بیان سے قرآن و توراۃ دونوں کے رو سے ددان یا اصحاب الایکہ کا مسکن متعین ہو گیا، اب دوسرے مباحث کی طرف رخ کرنا چاہئے۔

قرآن نے ان کو اصحاب الایکہ ''جنگل والے'' کیوں کہا؟ کیا ان کا وطن جنگل میں تھا؟ ہاں جنگل میں تھا! اور ۸۰۰ برس کے بعد بھی جنگل میں تھا، اشعیانبی، بنو خذنصر (بخت نصر) کے خروج سے تمام اقوام کو متنبہ کر رہے ہیں، اس ضمن میں عرب کی طرف خطاب ہے:

''عرب پر بار (مصیبت) ہے جب کہ جنگل میں ددان والوں کی راہ میں، تم شام بسر کرو، اے تیمن کے باشندو! پیاسوں سے پانی لے کر ملو، اور شکست کھانے والوں کے لئے روٹی لے کر نکلو۔ (۲۱۔۱۳)

مسیح سے ۱۰۰ برس اور اسلام سے ۷۰۰ برس پہلے بھی یہاں جنگل موجود تھا، ایک یونانی جغرافیہ نویس مدین اور خلیج عقبہ کے آس پاس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے[1]:

اس جگہ سے متصل وہ جگہ ہے جس کو لوگ نسا کہتے ہیں یا ناقۃ البحر کہ یہ جانور وہاں پائے جاتے ہیں یہ نسا قریب ایک راس (راس محمد خلیج عقبہ؟) کے واقع ہے، جو بغایت پر از اشجار ہے، یہیں سے ایک سیدھی سڑک (شاید شال کو) اس شہر کو جاتی ہے جس کا نام پترا (رقیم) ہے اور فلسطین (شام) کو جاتی ہے، جہاں اہل قریہ (یمامہ و بحرین) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں اور بالائی ملک سے بخورات اور کہا گیا ہے کہ خوشبودار چیزوں کے بنڈل لاتے ہیں۔

۸۸ باب میں دوسری جگہ کہتا ہے:

خلیج عیلانہ (عقبہ) کے پیچھے جس کے چاروں طرف نبطی عرب رہتے ہیں، (ارض مدین یہ ہے) بوتیمانوس (بنو تیمن) کا ملک ہے جو وسیع اور مسطح ہے، اور سیراب اور عمیق ہے، وہاں اشجار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، جو تا بقد آدم ہوتے ہیں، اور جن کی وجہ سے جنگلی اونٹ (؟) ہرنوں کے گلے، بارہ سنگھے رہتے ہیں اور نیز مویشی اور بھیڑ کے گلے لیکن ان مواہب قسمت کے ساتھ شیر اور بھیڑیوں کا وجود بھی ہے، جن سے یہاں کے باشندوں کی خوش قسمتی مبدل بہ بدقسمتی ہے۔

جس تیمن کا اس جنگل کے پاس ذکر ہے بعینہ اسی کا جغرافیہ یونانی میں بھی ہے، اس سے بڑھ کر توافق یہ ہے کہ ''اصحاب الایکہ'' (جنگل والوں) کے ملک کا ایک مشہور و واضح شاہراہ امام مبین پر

[1] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۰۹-۱۸۰

ہونا قرآن مجید نے بیان کیا ہے بعینہٖ یہی بیان ایک یونانی جغرافیہ میں بھی ہے۔

"اس جگہ (خلیج عقبہ) سے متصل وہ مقام ہے جس کو لوگ نسا کہتے ہیں.... یہ ایک راس کے قریب ہے، جو نہایت پر از اشجار ہے یہیں سے ایک سیدھی سڑک رقیم اور فلسطین کو جاتی ہے[1]۔

یہ جغرافیہ قرآن سے ۷۰۰ برس پہلے لکھا گیا تھا، کیا اس سے بھی زیادہ قرآن کی صداقت کی کوئی دلیل مطلوب ہے؟ قرآن مجید میں اصحاب الایکہ کا ذکر چار سوروں میں ہے، حجر، شعراء، ص، ق، سب سے مفصل ذکر شعراء میں ہے:

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِيْنَ ۝ قَالُوْا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّيْ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

جنگل والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی جب کہ ان سے شعیبؑ نے کہا کہ کیا تم نہیں ڈرتے؟ میں تمہارا پیغمبر ہوں، خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں تم سے اس کی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت صرف خدائے پروردگار عالم پر ہے، ناپ اور تول پورا کرو اور ٹوٹا دینے والوں میں سے نہ ہو اور ٹھیک ترازو سے تولو۔ لوگوں کے حق کو کم نہ کیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور پہلی قوموں کو پیدا کیا۔

انہوں نے کہا تم پر تو جادو کیا گیا ہے، تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں، اگر سچے ہو تو آسمان سے ہم پر بادل کا ایک ٹکڑا گرا دو۔

شعیبؑ نے کہا میرا پروردگار تمہارے اعمال سے واقف ہے، لوگوں نے اس کو جھٹلایا، پس سایہ کے دن کے عذاب نے ان کو آلیا، بیشک وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا، اس میں عبرت کی نشانی ہے، ان لوگوں میں اکثر مومن نہ تھے۔

ددان بھی مدین کی طرح ایک تاجر قوم تھی، حزقیال نبی، یروشلیم کو خطاب کرتے ہیں۔

(۲۷-۲۰-۲۱)

[1] حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

''ددان تیرے تاجر ہیں، بیٹھنے کے فرش لاتے ہیں، اور عرب اور تمام رؤسائے قیدار تیرے تاجر ہیں، بھیڑ بکری

یہ بہت پیچھے کا ذکر ہے، اسی پر ددان اول کو بھی قیاس کرنا چاہئے، اس لئے ناپ تول کے درست رکھنے کا حکم ہوا۔

ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ بلا استثنا تمام اصحاب۔ الایکہ ہلاک ہو گئے لیکن قرآن مجید میں اس قسم کا کوئی لفظ نہیں ہے، اور نہ کوئی حدیث مرفوع وصحیح اس کی مثبت ہے، اور نہ یہ تفصیل ہے کہ یہ عذاب مہلک تھا یا مکلّف، اس بنا پر مفسرین کی زیادت قابل تسلیم نہیں، اگر یہ صحیح ہوتا تو مدین وغیرہ کے ذکر میں جس طرح اس کی تشریح قرآن مجید نے کردی ہے یہاں بھی ضرور ہوتی۔

یہاں ایک نکتہ لحاظ کے قابل ہے، مدین کے موقع پر خدا نے فرمایا وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا اور یہاں فرمایا اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت شعیب مدین کے خاندان سے تھے، دوسرے بھائی ددان کے خاندان سے نہ تھے۔

زیادت تبصرہ کے لئے اصحاب الایکہ کی تین اور آیتیں بھی پڑھو:

وَاِنْ کَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ لَظٰلِمِیْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝	اور جنگل والے یقیناً حد سے گزر جانے والے تھے اور یہ دونوں مقام (سدوم وایکہ) کھلے راستے پر ہیں

یہ سورہ الحجر کی آیت ص اور ق میں اقوام ظالمین کی ضمن میں صرف نام ہے

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝	ثمود، قوم لوط، جنگل والے، یہ بڑی جماعتیں ہیں، ان میں سے ہر ایک نے انبیا کی تکذیب کی پس میرا عذاب حق ہوا
وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ ۝	اور عاد اور فرعون اور برادران لوط اور جنگل والے اور قوم تبع ہر ایک نے انبیاء کی تکذیب کی، پس میری وعید سچ ہوئی۔

ان آیات سے بھی عذاب ہلاک یا ہلاک کلی کا ثبوت نہیں ہوتا، اسی لئے ہم اس قوم کا ذکر ۶۰۰ برس ق م میں بنوخذنصر (بخت نصر) کے عہد تک پاتے ہیں، تا آنکہ اس کی تلوار نے دیگر اقوام کی طرح ان کو بھی محو کر دیا: جیسا کہ حزقیال نبی نے پیشین گوئی کی تھی:

اسی لئے خداوند کہتا ہے کہ میں اپنا ہاتھ ادوم پر دراز کروں گا، اور اس سے انسان وحیوان چھین لوں گا، اور اس کو جنوب (تیمن) سے ویران کر دوں گا اور اہل ددان تلوار سے گریں گے۔ (۲۵-۱۴)

بنو سارہ

بنو ادوم

حضرت ایوبؑ علیہ السلام

ادوم جس خطہ ملک میں آباد ہوئے، یونانی میں اب تک اس کو "ایدومیا" (Idumia) کہتے ہیں بحر میت (بحر لوطؑ) اور خلیج عقبہ (عیلانہ) کے بیچ میں واقع ہے[1]۔ اس کے شمال میں بحر میت اور فلسطین، جنوب میں شمالی خلیج عقبہ اور مدین، مغرب میں جزیرہ نمائے سینا، اور مشرق میں ارض مواب اور جوف عرب شمال ہے، شام و فلسطین کی جانب جنوبی و مغربی گوشہ میں مملکت عرب کی یہ آخری حد ہے۔ ملک میں کوہ سعیر یا کوہ سراۃ طولاً شمال سے جنوب تک وسیع ہے، اسی لئے توراۃ میں ادوم کا مقام سعیر بتایا گیا ہے۔

عیسو معروف بہ ادوم یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت یعقوبؑ اور عیسو دونوں سگے بھائی تھے اور حضرت اسحاقؑ[2] کے بیٹے تھے، عیسو فرزند اول تھے لیکن پہلوٹے ہونے کی برکت حضرت یعقوبؑ نے بلطائف الحیل[3] حاصل کی۔ عیسو روٹھ کر اپنے عم مکرم حضرت اسماعیلؑ کے پاس چلے گئے[4] اور ان کی صاحبزادی سے جن کا نام باسمہ[5] یا محالات[6] تھا شادی کر لی، پھر اور چند شادیاں کیں، جن سے متعدد اولادیں اور اولادوں کی اولادیں (جن میں عمالق اور عوض مشہور ہیں) ہوئیں اور ان سب کو لے کر کوہ سعیر[7] (سراۃ) میں اپنا مسکن بنایا، جو ملک شام سے انتہائے یمن تک طولاً وسیع ہے، عیسو کا نام عرف عام

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم ج ۱۴ ص ۲۹۰ و ج ۸ ص ۹۴۹ [2] تکوین ۲۵-۲۵ [3] تکوین ۲۷

[4] تکوین ۲۸-۹ [5] تکوین ۳۶-۳ [6] تکوین ۲۸-۹ [7] تکوین ۳۶-۹

ادوم (سرخ) تھا[۱]، اسی لئے اس خاندان اور اس ملک کا نام ''ادوم'' پڑ گیا، جدید تحقیق جو یقینی نہیں ہے یہ ہے کہ ادوم کا نام ملک کی زمین کے سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے[۲]۔

مملکت ادوم | چند صدیوں کے بعد یہ خاندان ایک کثیر التعداد قوم بن گئی، جس نے ۷۰۰ ق م سے پہلے ایک عظیم الشان حکومت قائم کی، اسی عہد میں بنی اسرائیل جب مصر سے آئے ہیں تو ادوم کی حکومت سعیر میں قائم تھی[۳]۔ ساؤل (طاؤت) جو بنی اسرائیل کے پہلے بادشاہ تھے اور جن کا زمانہ ۱۰۰۰ ق م ہے ان سے پہلے ادوم میں متعدد بادشاہ یا شیخ گذر چکے تھے[۴]۔ ان شیوخ یا بادشاہوں کی حکومت موروثی نہ تھی بلکہ انتخابی تھی، ان کا انتخاب ملک کی مختلف آبادیوں سے ہوتا تھا۔

توراۃ میں ادوم کی حسب ذیل مختلف آبادیوں کے نام مذکور ہیں، ونہابہ، بصریٰ، تیمان، عویث، شریقا، رحبوت، اور فاعو (تکوین ۳۶۔۳۱) ادوم کے دار الحکومت کا نام بعد کو عبری میں سلاع ہے اور یونانی اس کو پیٹرا کہتے ہیں، (ان دونوں کے معنی پتھر کے ہیں) لیکن عرب اس کو ''رقیم'' کہتے ہیں یہ اصل میں مدیانی شہر تھا، مدین کے بعد ادوم نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، سلاطین ادوم کے نام یہ ہیں جو شاید پچھلے زمانہ کے ہیں، اور غیر مرتب ہیں لیکن توراۃ نے ان کو بہ ترتیب و تسلسل ایک کے مرنے کے بعد دوسرے کو بادشاہ ظاہر کیا ہے۔ (تکوین ۳۶۔۳۱)

نمبر شمار	نام	مقام
۱۔	بالع بن باعور	ونہابہ
۲۔	یوباب بن زارح	بصریٰ
۳۔	حوشام	تیمان
۴۔	ہداد بن بداد	عویث
۵۔	کلا	شریقا
۶۔	شاؤل	رحبوت
۷۔	بعل حنان بن عکبور	
۸۔	ہدار	فاعو

۱ تکوین ۳۶۔۱ ۲ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم ج ۱۴ ص ۲۹۰ ۳ حدد ۲۔۱۴

۴ تکوین ۳۶۔۳۱

ادوم کی تاریخ ادوم کی سب سے پہلی تاریخ یہ ہے کہ ہداد، شاہ ادوم نے باشندگان مدین سے جنگ کی اور ان کو شکست دی، تیرھویں صدی ق م میں منفیط اور عمیس سوم فراعنہ مصر نے ادوم پر حملہ کیا، مصری کتبہ میں اس ملک کا نام ادومہ بتایا گیا ہے اور ادوم کو شاسو کا ہم قبیلہ کہا گیا ہے[1]۔ شاؤل شاہ اول اسرائیل نے جن کو قرآن مجید نے برعایت حالت جالوت، طالوت کہا ہے، سب سے پہلے ادوم پر حملہ کیا (سموال ۱۴-۴۷) حضرت داؤدؑ بادشاہ ثانی اسرائیل نے ادوم کو فتح کر کے مملکت اسرائیل میں شامل کر لیا، (سموال ۸-۱۴) ہداد جو ادوم کا شہزادہ تھا بھاگ کر مدین آیا، اور یہاں سے مصر چلا گیا۔ (سلاطین ۱۱-۱۶) حضرت داؤدؑ کے مرنے کے بعد وہ اپنے ملک کو واپس آیا (سلاطین ۱۱-۲۲) اس کے بعد مختلف سلاطین بنی اسرائیل کے عہد میں بنوادوم نے پرزور بغاوتیں کیں۔ (۲ سلاطین ۸-۲۲) نویں صدی ق م کے نصف اول میں وہ یہودیہ کے ماتحت تھے، (سلاطین ۸-۲۰-۲۲) موسیا شاہ یہودیہ نے بحرمیت کے ساحلی میدان میں ادوم پر ایک زبردست حملہ کیا، دس ہزار ادومی مارے گئے، ادومیوں کے پایہ تخت سلاع (پٹرا) پر شاہ یہودیہ نے قبضہ کر لیا اور اس کا نام بدل کر یقتائیل رکھا۔ (۲-سلاطین ۱۴-۷)

اس کے بعد اسیریا کا دور شروع ہوتا ہے تغلات پلاسر رابع، شاہ اسیریا کے عہد (۷۰۱ ق م) میں اسیری کتبات میں ادومی حکومت کا بحیثیت خراج گزار ریاست کے ذکر ہے، اس وقت اس کے بادشاہ کا نام "کوز ملک" تھا ساتویں صدی ق م میں جو بادشاہ تھا اس کا نام کوز گیری تھا، ساتویں صدی ق م کے وسط میں مواب اور ادوم دونوں، قبائل بادیہ کے نشانہ تھے، آخری تاریخ یہ ہے کہ بنوخذ نصر شاہ اسیریا کے مقابلہ میں بغاوت کی۔ (یرمیاہ ۲۷-۳) اور ناکام رہے، بنوخذ نصر نے دیگر اقوام کے ساتھ ان کو بھی پامال کر دیا۔

چھٹی صدی ق م میں اسیریا، میڈیا کے ہاتھ سے تباہ ہوا، اسی عہد میں موقع پا کر انبدوی اسمٰعیلی عربوں نے اس پر قبضہ کر لیا، جن کا نام تاریخ نبط ہے، ادومی مجبور ہو کر بحرمیت کے پار چلے گئے یہی سبب ہے کہ یوسیفوس اور بطلیموس کی تصنیفات اور نیز تالمود میں "ادومیا" اسی قطعہ کا نام بتایا گیا ہے۔

یوباب اور ایوبؑ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ادوم کی ایک نسل کا نام "عوض" تھا، حضرت ایوب علیہ السلام جن کا قرآن مجید اور اسفار یہود دونوں میں ذکر ہے، اور جن کے نام سے "سفر ایوب" مجموعہ تورات کا ایک جز ہے، اسی عوض بن ادوم کی نسل سے تھے۔ (سفر ایوب ۱-۱) سفر ایوب عبری میں

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۸ ص ۹۴۹ و ج ۱۴ ص ۲۹

حضرت ایوبؑ کا نام ''اوب'' ہے، لیکن عرب ان کو ایوب کہتے ہیں۔

ادوم کے شیوخ یا سلاطین کی جو فہرست اس سے پہلے نقل کی گئی ہے اس میں تیسرا نام ''یوباب بن زارح'' ہے، قدیم وجدید، مسلم وغیر مسلم دونوں تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ ''یوباب'' اور ''اوب'' یا ''ایوب'' ایک ہی نام ہے، اور یہ اختلاف محض تغیر لہجہ کا نتیجہ ہے۔

ایک قدیم مذہبی کتاب جس کی اصل زبان، عبری عربی ہے، جو ادوم کی زبان ہونی چاہئے کیوں کہ وہ عبری عربی ممالک کے وسط میں رہتے تھے، اس کتاب کا ایک جرمن فاضل میخائیل (Michaill) نے لاطینی میں ترجمہ کیا ہے اس کا عنوان یہ ہے[1] Colloquia لیکن اس کتاب کا ایک قدیم عربی ترجمہ بھی ہے، جس میں حسب ذیل عبارت ہے جو قواعد عربی کے رو سے جا بجا غلط ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی غیر عرب نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

وایوب کان ساکناً فی ارض عوض فی	ایوب عوض کی سرزمین میں ادوم کی سرحد میں رہتے
اتخم ادوم وعربیاً ومن قبل اسمه	تھے، تو نا عرب تھے اور پہلے یوباب نام تھا، ایوب
یوباب......وایوب کان ابن زارا ابن بنی	زارا کے بیٹے اور خاندان عیسو سے تھے اور حضرت
عیسو......وهو کان السادس من ابراهیم	ابراہیم کی چھٹی پشت میں تھے اور جو سلاطین پہلے
والملوك الذی ملکوا فی ادوم الذی	ادوم پر حکمراں ہوئے تھے وہ بالق بن باعور تھے
کان ملك علی تلك الارض من قبل	اوران کے پایہ تخت کا نام دنابہ تھا، ان کے بعد
بالق بن باعور واسم مدینته دناباو من	یوباب بادشاہ ہوئے جو ایوب ہیں۔
بعده یوباب هذاالذی یسمی ایوب	

ریورنڈ فارسٹر نے اس بحث پر کئی صفحے سیاہ کئے ہیں کہ ایوب عرب تھے، اور نسل ادوم سے تھے، یہاں تک تو صحیح ہے۔ آگے وہ ثابت کرتے ہیں کہ ایوبؑ کا شہر دنابا تھا، اور یہ غلطی اس لئے ان کو ہوئی کہ عربی عبارت مذکورہ میں واسم مدینتہ دنابامیں مدینتہ کی ضمیر یوباب کی طرف راجع کی ہے، حالانکہ اولاً تو یہ صریحاً غلط ہے جس کو ہر عربی داں سمجھ سکتا ہے، ثانیاً یہ خود تورات کے مخالف ہے۔ (تکوین ۳۶-۲۳) ایک دوسرے یورپین فاضل (شاید انگریز) Calmet نے ثابت کیا ہے یوباب اور ایوب ایک ہی شخص ہیں[2]۔

[1] حواشی بہ تاریخ روم گبن شائع کردہ ایوری مینس لائبریری ج ۵ ص ۲۴۰ [2] عربی عبارت اوران اقوال کے لئے دیکھو فارسٹر ج ۲ ص ۷۳

مسٹر گبن (Gibban) مصنف ڈکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر، عرب و اسلام کی فصل میں جوان کی کتاب کا چالیسواں باب ہے، قرآن مجید پر ایک غیر واقفانہ نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں[1]:

''اس عرب مبشر (قرآن یا محمد ﷺ) کے خیالات خدا کے متعلق گو اعلیٰ و لطیف ہیں تاہم اس کا بلند سے بلند خیال سفر ایوب کی پر جلال سادگی کے مقابلہ میں کم ہے جو عہد قدیم میں اسی ملک اور اسی زبان میں لکھی گئی ہے۔''

ہمارے ہاں تفسیروں میں جو روایات اسرائیلیہ ہیں وہ بھی اسی کی تصدیق کرتی ہیں کہ یوباب اور ایوب ایک شخص ہیں:

کان ایوب رجل من الروم (ادوم) وھو ایوب ابن امرص (خطأ) بن زارح بن روم (ادوم) ابن عیص (عیسو) بن اسحاق بن ابراھیم......	ایوب روم (ادوم) کا ایک آدمی تھا، ایوب بن امرص ابن زارح بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم.........
وکانت له ابنية من ارض الشام کلها سھلھا وجبلھا وکان له فیھا اصناف المال کله من البقر والابل والغنم والخیل والحمر	اس کے قبضہ میں شام کے تمام میدان اور کوہستان تھے اور ان میں ہر قسم کی دولت تھی یعنی گائے بیل، بھیڑ، بکری، گھوڑے، گدھے.........

ان تمام روایات میں ایک عجیب تصحیف لفظی ہے ''ادوم'' کی جگہ ''روم'' بیان کیا گیا ہے، ادوم چونکہ غیر معروف اور روم مشہور لفظ تھا اور تشابہ خط و لفظ بھی ہے، اس سبب سے راوی یا ناسخ نے ''ادوم'' کی جگہ ''روم'' کر دیا ہے، دوسری غلطی اس میں ایوب اور زارح کے درمیان ''امرص'' کے نام کی زیادت ہے، مورخ ابن واضح یعقوبی المتوفی ۲۸۰ھ کا بیان زیادہ صحیح ہے، ملوک شام کے ذکر میں لکھتا ہے:

یوباب ھو ایوب بن زارح الصدیق	یوباب وہی ایوب صدیق بن زارح ہیں۔

سفر ایوبؑ اور ایوب یہ مسئلہ کہ حضرت ایوبؑ ادومی عرب تھے، خود سفر ایوب سے ثابت ہے:

''عوض کی زمین میں ایک مرد صالح، راست گو، خدا سے ڈرنے والا اور بدی سے دور تھا۔''

---

[1] گبن جلد ۵ ص ۲۴۰

عوض توراۃ میں دو آدمیوں کا نام ہے، ایک تو نہایت قدیم عوض بن ارم بن سام بن نوح (تکوین ۱۰۔۲۳) دوسرا عوض بن دیسان بن عیسو بن اسحاق بن ابراہیم (تکوین ۳۶۔۲۹) باتفاق اہل کتاب اس سے عوض ثانی مراد ہے، عوض کے بنی ادومی عرب ہونے پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سفر ایوب میں رفقائے ایوبؑ کے جو مسکن بتائے ہیں، وہ تیمن نعمان اور شوحان ہیں۔ (۲۔۱۱) اول کے متعلق تو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ مملکت ادوم کا ایک مشہور شہر تھا (تکوین ۳۶۔۳۵) اس سے پہلے حضرت ایوبؑ کی تعریف میں ہے:

اس لئے وہ تمام فرزندان مشرق میں سب سے زیادہ بڑا تھا۔ (ایوب ۱۔۳)

اس کتاب کے جغرافیہ عرب میں معلوم ہو چکا ہے کہ اصطلاح یہود میں مشرق سے کیا مراد ہے؟ حضرت ایوبؑ کا بادشاہ یا شیخ قبیلہ ہونا بھی خود سفر ایوبؑ سے ثابت ہے:

''اے دو جیسا کہ میں گذشتہ مہینوں میں تھا، ان دنوں میں جب کہ خدا میری حفاظت کرتا تھا جب کہ اس کا چراغ میرے سر پر تھا، اور میں تاریکی میں اس کی روشنی میں چلتا تھا، میں اپنی نوجوانی کے دنوں میں جب کہ اس وقت تک خدا کا راز میرے مسکن میں تھا، جب کہ قادر مطلق (خدا) میرے ساتھ تھا اور میرے بچے میرے قریب تھے''۔

''جب میں اپنے پاؤں مکھن سے دھوتا تھا، اور جب چٹان میرے لئے تیل کے چشمے بہاتی تھی، جب میں شہر کے دروازہ پر جاتا، یا جب بازار میں اپنی نشست تیار کرتا، نوجوان مجھ کو دیکھ کر ٹل جاتے، اور بوڑھے میرے لئے کھڑے ہو جاتے، بڑے بڑے لوگ مجھ سے بات کرنے میں جھجھکتے، اور ہاتھ سے اپنا منہ بند کر لیتے، امرا اپنی آواز بند کر لیتے، اور زبان تالو میں لگا لیتے''۔

''کیوں کہ جس کان نے مجھ کو سنا میری تعریف کی، اور جس آنکھ نے مجھ کو دیکھا میری گواہی دی کیوں کہ جس مسکین نے بھی فریاد کی اور جو بھی بے یار و مددگار یتیم تھا میں نے اس کی مدد کی، ہر قریب مرگ کی دعا مجھ کو ملی اور ہر بیوہ کے دل کو خوشی کا گانا مجھ سے نصیب ہوا''۔

''راستی میری پوشاک تھی، جو مجھ کو پہنائی گئی، میرا فیصلہ خلعت اور تاج ہوتا تھا، میں اندھوں کی آنکھ تھا، لنگڑوں کو پاؤں، اور غریبوں کا باپ تھا اور وہ دلیل جس کو میں نہیں جانتا تھا لیکن میں جس کی تلاش میں تھا، میں نے شریروں کے دانت توڑ دیئے، اور ان کے دانتوں کے اندر سے غصب کی چیز چھینی''۔

میری عظمت مجھ میں تازہ تھی، اور میری کمان میرے ہاتھ میں نئی کی گئی تھی، میری بات کو لوگوں نے سنا، اور خاموشی سے میری نصیحت کا انتظار کیا، میری گفتگو کے بعد وہ کچھ نہ بولے، میرے الفاظ کے قطرے ان پر ٹپکتے تھے، اور وہ ان کا اس طرح انتظار کرتے تھے، جیسے بارش کا اور وہ ان کے لئے اس طرح منہ کھولتے تھے جیسے پچھلے مینہ کے لئے۔"

"میں ان پر ہنسا، لیکن انھوں نے یقین نہ کیا، اور نہ میرے چہرے کی چمک زمین پر گری، میں نے ان کے لئے راستہ چن دیا اور میں سردار بن کر بیٹھا اور اس طرح رہا جس طرح بادشاہ اپنی فوج میں اس آدمی کی طرح جو غمزدوں کو تسلی دیتا ہے"۔ (سفر ایوب ۲۹)

اس پر جلال روحانی بیان کو سن کر کون انکار کرسکتا ہے کہ یہ کسی شاہانہ پیغمبر کی زبان نہیں۔

حضرت ایوبؑ کا زمانہ اور وطن جب کہ ہم نے تسلیم کرلیا ہے کہ "ایوب" اور "یوباب" ایک ہی شخص ہیں، تو ہم کو حضرت ایوبؑ کے مکان و مسکن کے متعلق زیادہ کاوش کی حاجت نہیں رہی، یوباب کا مسکن توراۃ میں مذکور ہے کہ وہ بصریٰ تھا، جو اب تک شمال عرب میں فلسطین کے قریب معروف شہر ہے، آں حضرت ﷺ نے بھی سفر شام میں وہاں قیام کیا تھا، وہی شہر حضرت ایوبؑ کا بھی مسکن ہوگا بصریٰ، قدیم زمانہ میں ایک تجارتی شہر تھا، توراۃ میں اس کا ذکر متعدد مقامات میں ہے، اشعیا نبی بنو خذ نصر کے خروج کی خبر دیتے ہیں "خداوند" کی تلوار خون آلود ہے............ خداوند نے بصریٰ میں قربانی کی اور ادوم کے ملک میں قتل عام (۳۴۔۶) "وہ ادوم سے آرہا ہے، رنگے کپڑے کے ساتھ بصریٰ سے"۔ (۶۴۔۶) اس درس میں بصریٰ سے کسی آنے والے کی بشارت ہے۔

زمانہ کے متعلق بھی فیصلہ اس لئے آسان ہے کہ "کلدان" (ایوب ا۔۱۷) اور "سبا" (ایوب ۱۰۔۱۵) کا اس میں ذکر معاصرت ہے، سبا کا عروج ۱۰۰۰ ق م میں ہوا ہے، اور کلدانیہ کا اختتام ۷۰۰ ق م میں، ان دونوں کا مشترک عہد ۱۰۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک ہے، اس لئے ان دونوں زمانوں کے حدود میں کہیں حضرت ایوبؑ کا عہد قرار دینا چاہئے۔

حضرت ایوبؑ کا قصہ قرآن مجید میں حضرت ایوبؑ کا ذکر ہے، لیکن چند مجمل اشارات کے سوا کوئی تفصیل نہیں ہے، مفسرین نے جو تفصیل نقل کی ہے، وہ وہب بن منبہ اور دیگر اسرائیلی مسلمانوں سے جو قرن اول میں موجود تھے منقول ہے، اور یہ اسرائیلی روایات تھوڑے تغیر اور اضافہ کے ساتھ تمام تر سفر ایوب سے ماخوذ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت ایوبؑ ایک مالدار، کثیر الاولاد، صاحب عزت اور تندرست آدمی تھے۔ خدا کی رضا کے ہمیشہ طالب اور ہر معصیت کے وقت صابر تھے۔ مساکین اور فقرا کی اعانت، یتیموں اور بیواؤں کی اور مظلوموں کی فریادرسی ان کی عادت تھی۔

آخر خدا نے ان کو ابتلا میں ڈالا اور (بروایت سفر) شیطان کو ان کی جان و مال پر استیلا دیا گیا، دولت جو اس عہد میں اونٹ، بھیڑ، بکری اور گدھوں سے عبارت تھی، کلدانی لوٹ کر لے گئے، غلاموں کے دستہ پر سبائی قابض ہو گئے، اولادیں ایک چھت کے نیچے دب کر رہ گئیں۔ لیکن ان مصائب میں بھی کلمہ شکر و رضا کے سوا زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا، آخر تندرستی بھی زائل ہو گئی، اور تمام بدن خراب ہو گیا، عزیز و اقارب نے کنارہ کشی کر لی، ایک بیوی رفیق حال تھی، اس نے بھی بالآخر صلاح دی کہ غیر خدا کے سامنے جھکو، اور خدا کو برا کہو۔

اس حالت کی خبر حضرت کے تین دوستوں کو ہوئی، اور یہ تینوں حضرت ایوب کی تعزیت کو آئے، پورا صحیفہ، حضرت ایوبؑ اور ان تین مومنین صادقین کے باہم مناظرہ و مکالمہ پر مشتمل ہے، یہ تمام مناظرہ لطیف تمثیل میں نہایت اعلیٰ فلسفیانہ اور شاعرانہ جذبات روحانی سے پر ہے، جن کا ماحصل یہ ہے کہ ان مومنین ثلاثہ کا دعویٰ ہے کہ ''انسان پر کوئی مصیبت بغیر گناہ کے نہیں آتی، اس لئے جو مبتلائے مصیبت ہے وہ گنہگار ہے، اور اس کو اعتراف و توبہ کرنا چاہئے'' حضرت ایوبؑ فرماتے ہیں کہ ''میں نے کوئی معصیت نہیں کی ہے، جس کی یہ خدا کی طرف سے جزا ہے، بلکہ یہ عالم قدر و قضا ہے جس کے لئے کوئی سبب درکار نہیں، خدا کے اسرار و مصالح لامحدود ہیں، اور ان کی معرفت سے انسان عاجز ہے، آخر وحی الٰہی نے فیصلہ کیا کہ ''ایوب! گو تو حق پر ہے تاہم بندہ کو کسی حال میں اپنے اعتراف و ندامت میں قصور نہ کرنا چاہئے'' یہ سنتے ہی حضرت ایوبؑ نے قربانی کی اور تندرست ہو گئے، تمام اعزہ و اقارب بھی جمع ہو گئے، خدا نے از سر نو دوسری دو چند دولت اور اولاد عطا کی۔

قرآن مجید اور حضرت ایوبؑ قرآن مجید میں حضرت ایوبؑ کا نام چار سورتوں میں آیا ہے۔ ''نساء، انعام، انبیاء اور ص'' نسا اور انعام میں صرف نام ہے وعیسیٰ وایوبؑ (نساء) وایوبؑ و یوسفؑ (انعام) سورہ انبیاء اور سورہ ص میں کسی قدر تفصیل ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۞ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۞	ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد کرو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو شیطان نے تکلیف اور عذاب

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ۝ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ۝

کے ساتھ چھوا۔ (اے ایوب) اپنا پاؤں مار یہ غسل کرنے کی ٹھنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے اور ہم نے اس کو اپنے اہل وعیال دیئے اور ان ہی کے برابر اور اپنی رحمت سے اور عقلمندوں کی یادگاری کے لئے (ایوب) اپنے ہاتھ میں تنکوں کا مٹھا لو اور اس سے مارو اور اپنی قسم نہ توڑو، ہم نے ایوب کو صابر پایا، کیا اچھا بندہ توبہ کرنے والا ہے۔

اس موقع پر شیطان سے کیا مراد ہے؟ دوسری آیت کریمہ نے اس کی تفصیل کردی ہے:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ۝

اور ایوب کو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو بیماری نے چھوا اور تو مہربانوں میں بڑا مہربان ہے، ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کی بیماری دور کی اور اس کو اس کے اہل وعیال دیئے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اور اپنی رحمت سے عبادت گزاروں کی یادگاری کے لئے۔

ان آیات پاک کے متعلق تین امور قابل ذکر و بحث ہیں:

اول وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ — اپنے ہاتھ میں جھاڑ لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔

اس آیت میں اس کا ذکر نہیں کہ کس کو مارو؟ اہل تفسیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب کی بیوی نے جب خدا کی شان میں گستاخی کی تو انھوں نے غضبناک ہو کر قسم کھائی تھی کہا اگر اچھا ہوا تو تم کو سو لکڑی ماروں گا، بیوی صادق الایمان تھی، اور یہ لغزش ایک وسوسہ شیطانی تھا اس لئے معاف کی گئی، اور قسم پوری کرنے کے لئے سو تنکوں یا تیلیوں کی جھاڑو سے ان کو ایک بار مار لینے کا حکم دیا گیا۔

سفر ایوب میں اس گستاخی اور کلمہ کفر کا ذکر ہے (سفر ایوب ۲۔۹) لیکن اس سزا اور اس سزا کی نوعیت کا بیان رہ گیا ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ خدا کے نیک و صالح بندے اپنے اعزہ سے کلمہ کفر سن کر بے تاب کیوں کر نہ ہو جائیں اور کیوں کر سزا نہ دیں؟ اس نقص کی تکمیل قرآن نے کردی جو دنیا میں صرف تکمیل ہی کے لئے آیا ہے:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ۝ — اپنے پاؤں سے مارو، یہ نہانے کی ٹھنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے۔

سفرِ ایوبؑ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت ایوبؑ کس طرح اور کس علاج سے صحتیاب ہوئے، قرآن بتاتا ہے کہ خدا نے ان کو ایک چشمہ کا نشان بتایا، جس میں نہانے سے اور اس کے پانی کے پینے سے بیماری جاتی رہی، یہ طریقہ علاج بالکل مطابق فطرت ہے، طبعی چشمے جو طبقات ارضی یا پہاڑوں سے بعض اجزائے کیمیاوی کے مخزن سے سے گذر کر ابلتے ہیں، مخصوص خواص رکھتے ہیں، اور دنیا کے اکثر ممالک واکناف میں اب بھی خدا نے اپنا یہ چشمہ جاری کر رکھا ہے، جس سے اس کی ہزاروں مخلوق ہر موسم میں مستفید ہوتی ہے۔

بنو ہاجرہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام

اصحاب الرس، اصحاب الحجر، اصحاب الایکہ، انصار اور قریش

ہاجرہ اصل میں عبرانی لفظ ''ہاغار'' ہے جس کے معنی بے گانہ اور اجنبی کے ہیں، اصل میں ان کا وطن مصر تھا، حضرت ابراہیمؑ اور سارہ جب مصر گئے تھے، تو فرعون نے دیگر انعام واکرام کے ساتھ یہ لڑکی بھی ان کے ساتھ کر دی تھی، اسی ہاجرہ سے اسماعیلؑ پیدا ہوئے تھے اور سارہ سے اسحاق جن سے بنی اسرائیل کی نسل قائم ہوئی۔

ہاجرہ

بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہاجرہ، سارہ کی لونڈی تھیں، اس لئے بنی اسماعیل، بنی اسرائیل کے برابر نہیں، اولاً تو یہ اصول خود غلط ہے، ثانیاً ہاجرہ کا لونڈی ہونا زیر بحث ہے، ناظرین کو اس وقت عرب سامیہ اولیٰ کی تاریخ کا پھر اعادہ کرنا چاہئے، اس سے معلوم ہوگا کہ اس وقت مصر میں حکمران قوت عرب کی ایک سامی قوم تھی، جس سے حضرت ابراہیمؑ کے نہایت قریب نسبی تعلقات تھے، لفظ ''ہاجرہ'' کا عبرانی ہونا بھی اس دعوے کی ایک مستحکم دلیل ہے، اس بنا پر فرعون کا ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں دینا، خود اس بات کی قوی شہادت ہے کہ درحقیقت اس ازدواج سے نسبی تعلق کا استحکام مقصود تھا، اس تاریخی قیاس کی، یہودی روایات سے کماحقہ تصدیق ہوتی ہے[1]، سفر الیشار میں جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے، مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ، حضرت کا ہم وطن تھا، ربی شلوم، توراۃ کا ایک

[1] اس موضوع پر مولانا عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی کا رسالہ ''النصوص الباهرة فی حرية هاجرة'' دیکھنا چاہئے

مفسر تکوین (۱۶۔ا) کی تفسیر میں لکھتا ہے:

"ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی، فرعون نے جب سارہ کی کرامات دیکھی، تو کہا کہ اس کے گھر میں لونڈی بن کر رہنا دوسرے کے گھر میں بی بی بن کر رہنے سے بہتر ہے۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ سارہ کی خدمت گذار تھیں، اور یہ خود ہماری حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے[1]۔

سارہ حضرت ابراہیم کی پہلی بیوی تھیں، مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی، الیعزر نام ایک دمشقی خانہ زاد گھر کا مالک تھا، حضرت ابراہیم نے فرزند کے لئے خدا سے دعا مانگی، دعا مقبول ہوئی اور حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں، سارہ کو دیکھ کر رشک ہوا اور وہ ہاجرہ کو ستانے لگیں، ہاجرہ نے گھر چھوڑ کر کہیں اور جانے کا ارادہ کیا وہ ایک چشمہ تک جو شور کی راہ میں واقع ہے، آکر ٹھہر گئیں، اس وقت ایک فرشتہ نے ہاجرہ کے سامنے آکر کہا:

"ہاجرہ اپنی "بی بی[2]" کے گھر واپس جا، میں تیری نسل کو اتنا بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی، تو حاملہ ہے، تو ایک بیٹا جنے گی، تو اس کا نام اسمٰعیل رکھنا، کہ خدا نے تیرا دکھ سنا وہ ایک وحشی (بدوی) آدمی ہوگا، اس کا ہاتھ سب کے خلاف، اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے سکونت کرے گا۔ (تکوین ۱۶)

یہ مقام جہاں کنواں واقع تھا، قادش اور بیر کے درمیان ہے، ہاجرہ نے اس کنوئیں کا نام "زندہ نظر آنے والا کا کنواں" رکھا، گھر واپس آکر ہاجرہ کے بیٹا ہوا، اور حسب تعلیم الٰہی اس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا، اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس تھی۔

اسمٰعیلؑ

اسمٰعیل عبرانی میں "شماع ایل" ہے، شماع (سماع) سننا، اور ایل (اللہ) لفظی معنی، خدا کا سننا، خدا نے چونکہ ابراہیم کی دعا اور ہاجرہ کی فریاد سنی، اس لئے بچہ کا نام شمائیل پڑا، ۹۹ برس کی عمر میں حضرت ابراہیم کو سارہ کے بطن سے بھی ایک فرزند کے تولد کی بشارت ملی، لیکن حضرت ابراہیم کو اس بشارت سے کوئی خوشی نہ ہوئی، اس بشارت کے جواب میں انھوں نے خدا سے یہ دعا کی:

اے کاش اسمٰعیل تیرے حضور زندہ رہے۔ (تکوین ۱۸۔۱۸)

[1] صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے واخدمہا ہاجرۃ [2] یہ یہودیوں کا ترجمہ ہے۔

خدا نے فرمایا:

> اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا، اور اسے برومند کروں گا، اور اس کو بہت بڑھاؤں گا، اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا۔ (۱۸۔۲۰)

تیرہ برس کے سن میں باپ نے بیٹے کا ختنہ کر دیا، اسی سال اسحاق بھی پیدا ہوئے، آٹھویں دن ان کا ختنہ ہوا، اسحاق جب کچھ بڑے ہوئے (۲۱۔۸) تو سارہ نے اس ڈر سے کہ باپ کی جائداد کا اسماعیل وارث نہ ہو، (۲۱۔۱۰) ابراہیم کو مجبور کیا کہ وہ اسماعیل اور ہاجرہ کو علیحدہ کر دیں، حضرت ابراہیم کو اس بات سے نہایت رنج ہوا (۲۱-۱۱) لیکن خدا نے فرمایا:

> ابراہیم غم نہ کر، سارہ کی بات مان لے، تیری نسل اسحاق سے کہی جائے گی، تیرے بیٹے خادمہ زادہ (اسماعیل) کو بھی میں ایک قوم بناؤں گا کہ یہ بھی تیری ہی نسل ہے۔ (۲۱۔۱۳)

صبح اٹھ کر ابراہیم نے روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ دے کر اور لڑکے کو حوالہ کر کے ہاجرہ کو رخصت کر دیا، اس سیاق عبارت سے ظاہر ہوگا کہ اسماعیل کی اس وقت عمر ۱۵۔۱۶ برس سے کم نہ ہوگی، لیکن مسلمانوں میں عام طور سے مشہور ہے اور بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت شیر خوار بچہ تھے، اصل یہ ہے کہ خود توراۃ میں اس موقع پر جو فقرہ ہے وہ نہایت مشتبہ ہے، اصل فقرہ یہ ہے:

> ''ابراہیم صبح کو اٹھا، اور روٹی لی اور پانی کا مشکیزہ، اور ہاجرہ کو دیا اس کے کندھے پر رکھ کر اور اسماعیل کو۔'' (تکوین ۲۱۔۱۴)

''کندھے پر رکھ دینے'' کا لفظ ''مشکیزہ'' اور ''اسماعیل'' دونوں سے متعلق ہو سکتا ہے، مترجمین مختلف معنی سمجھے ہیں، اگر اسماعیل سے متعلق سمجھا جائے تو ان کا شیر خوار ہونا لازم آئے گا، لیکن توراۃ کے نص اور تمام گذشتہ سیاق کے خلاف ہوگا، قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیل ناپیدگی سے پہلے، سن تمیز کو پہنچ چکے تھے، حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۝ ------ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ

پروردگار! مجھ کو نیک فرزند عطا کر، ہم نے اس کو ایک متحمل مزاج فرزند کے تولد کی بشارت دی، لڑکا جب اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑے، باپ نے کہا فرزند من! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ دیکھو تم کیا سمجھتے ہو۔ بیٹے نے کہا، میرے

باپ! جو حکم کیا گیا ہے کر گزرو، مجھے صابر پاؤ گے۔

.... اور ابراہیم کو اسحٰق کی بشارت دی کہ پیغمبر ہوگا اور نیکوں میں سے۔

ان آیات میں حضرت ابراہیم کو دو بیٹوں کی بشارت دی گئی ہے، پہلے بیٹے کا نام مذکور نہیں ہے، دوسرے کا نام اسحاق مذکور ہے، اس لئے پہلی بشارت میں لامحالہ اسمٰعیل مراد ہوں گے، اس بنا پر نص آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیل باپ ہی کے زیر سایہ اسحاق سے بہت پہلے سن رشد کو پہنچ چکے تھے، دوسری جگہ قرآن میں (سورہ ابراہیم میں) جہاں وہ دعا مذکور ہے جو اسماعیل کو مکہ میں آباد کرتے ہوئے انھوں نے کی تھی رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ

اس کے آخر میں ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ شکر ہے خدا کا جس نے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق مجھ کو بخشے۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیل کے مکہ آنے کے وقت اسحاق پیدا ہو چکے تھے، توراۃ سے ثابت ہے کہ اسماعیل، اسحاق سے تیرہ برس بڑے تھے، بخاری کی کتاب الرؤیا اور کتاب الانبیاء میں حضرت ابن عباسؓ کی جو حدیث اسماعیلؑ کی شیر خوارگی کے متعلق ہے وہ مرفوع نہیں ہے، یعنی اس کا سلسلہ آں حضرت ﷺ تک نہیں پہنچتا، (بجز چند خاص ضمنی فقروں کے) اس لئے وہ حضرت ابن عباسؓ کے اسرائیلیات میں سے ہے، اور اس کا ثبوت آج بھی موجود ہے، بخاری میں اس کے متعلق جو طویل حدیث ہے، وہ بجز جرہم اور مکہ کے ذکر کے مدراش اور تالمود میں بعینہ حرف بحرف مذکور ہے، اصل عبارت آگے آتی ہے۔

صبح کا وقت تھا کہ ''ایک بوڑھے باپ نے جو تقدس اور نیکی سے بھرا ہوا تھا، اپنے ایک معصوم کم سن بچہ اور عزیز بیوی کو چند روٹی اور پانی کا مشکیزہ دے کر گھر سے نکال کر فاران کے بے آب و گیاہ بیاباں میں چھوڑ دیا، اور پھر کبھی اس کے دیکھنے کے لئے مضطرب نہ ہوا'' یہ بظاہر موجودہ توراۃ کی تصویر ہے، اسلام کا بیان یہ ہے کہ ''ابراہیم نے خدا کے حکم سے اپنے عزیز بیٹے کو خدا۔ کے نام کے اولین عبادت گاہ کعبہ کی خدمت گذاری کے لئے شہر بکہ میں آکر بسایا جو عرب (بیاباں) میں واقع تھا'' توراۃ کی عبارت یہ ہے:

''وہ روانہ ہوئی اور بیر شبع کے میدان میں بھٹکتی رہی، مشکیزہ کا پانی چک گیا، بچہ کو ایک جھاڑی میں ڈال دیا، اور بچہ سے تھوڑی دور ایک تیر کے برابر ہٹ کر غمزدہ بیٹھ گئی اور اس نے کہا کہ بچہ کو اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھوں گی، اور الگ ہٹ کر گریہ وزاری کرنے لگی، خدا نے بچہ کی آواز سنی، اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکار کر کہا، ہاجرہ ڈر نہیں، خدا نے بچہ کی آواز جہاں وہ پڑا ہے سن لی، اٹھ اور بچے کو اٹھا اور اپنے ہاتھ سے اس کو سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا خدا نے ہاجرہ کی آنکھ کھول دی، اس کو پانی کا ایک کنواں نظر آیا، وہ گئی اور مشکیزہ کو پانی سے بھر لیا اور بچہ کو پلایا۔

خدا اس بچہ کے ساتھ تھا، وہ بڑا ہوا، بیاباں میں رہا، اور ایک تیر انداز ہوا، وہ فاران کے بیابان میں رہا، اس کی ماں نے ملک مصر کی ایک بیوی اس کے لئے لی۔ (تکوین ۲۱)

روایات اسلام میں صحیح تر روایت اس کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی ہے جو غیر مرفوع طریقہ سے بخاری میں مذکور ہے:

ابراہیم اور ان کی بیوی (سارہ) کے درمیان جو واقع ہوا، اس کے بعد ابراہیم، اسمٰعیل اور اسمٰعیل کی ماں کو لے کر نکلے، ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا، ام اسمٰعیل مشکیزہ سے پانی پیتی تھیں اور اس سے دودھ بچہ کے لئے ہوتا تھا، یہاں تک کہ ابراہیم مکہ پہنچے اور ایک جھاڑی کے نیچے اس کو رکھ دیا، پھر ابراہیم اپنے گھر واپس آنے لگے، ام اسمٰعیل ان کے پیچھے پیچھے کداء (مکہ کا ایک مقام) تک آئیں، ام اسمٰعیل نے پکار کر کہا ابراہیم تم مجھے اس وادی میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ اور کوئی چیز ہے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ (اختلاف روایت) کیا تم خدا کے حکم سے مجھے یہاں چھوڑتے ہو، ابراہیم نے کہا ہاں، ام اسمٰعیل نے کہا، تو پھر خدا ہم کو ضائع نہیں کرے گا، لوٹ کر آئیں، اور مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں، اور بچہ کے لئے دودھ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پانی چک گیا، دل میں کہا جا کر دیکھوں، شاید کوئی نظر آ جائے، کوہ صفا پر چڑھیں، کوئی نظر نہ آیا، وادی میں پہنچیں تو دوڑ کر کوہ مروہ پر آئیں، اسی طرح چند بار دوڑیں، پھر بولیں چل کر بچہ کو دیکھوں، آ کر دیکھا تو قریب الموت پایا، مضطرب ہو کر پھر صفا پر چڑھیں کہ کوئی نظر آئے، کوئی نہ نظر آیا، یہاں تک کہ سات پھیرے ہو گئے، پھر دل میں آیا کہ دیکھوں کہ ناگاہ ایک آواز آئی، ام اسمٰعیل نے کہا، اگر نیکی تمہارے پاس ہو تو میری فریاد رسی کرو، ناگاہ جبریل تھے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ جبریل نے اپنی ایڑی کو زمین پر مارا، پانی

بہنے لگا، ام اسماعیل متحیر ہو کر پانی جمع کرنے لگیں، ابن عباسؓ نے کہا کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ام اسماعیل اگر پانی کو اس کے حال پر چھوڑ دیتیں تو پانی کھلا ہوتا، ام اسماعیل نے پانی پیا، پھر دودھ ہونے لگا۔

اتفاقاً جرہم کے کچھ آدمیوں کا ادھر سے گذر ہوا، پرندوں کو منڈلاتے دیکھ کر بولے کہ پانی یہاں ہے، ایک آدمی کو تحقیق کیلئے بھیجا، تو پانی پایا، آ کر خبر کی، وہ لوگ بھی آئے اور ام اسماعیل سے یہاں رہنے کی اجازت چاہی، ام اسماعیل نے کہا رہو، لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق نہیں، ابن عباسؓ نے کہا کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ام اسماعیل کو یہ بات پسند آئی، کہ وہ آبادی اور معیت چاہتی تھیں، وہ لوگ بھی رہنے لگے، اور چند گھرانے وہاں ہو گئے لڑکا جوان ہوا، اور ان سے عربی زبان سیکھی، جب جوان ہوا تو ان لوگوں کو بہت پسند آیا، بالغ ہونے پر اپنی ایک لڑکی اسے بیاہ دی۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

توراۃ اور بخاری کی اس روایت میں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے، بخاری میں جو تفصیل ہے وہ بالکل فطری ہے، توراۃ میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیم بھی ساتھ آئے تھے، لیکن کون شقی ہوگا جو اپنے عزیز بچہ کو جس کی پیدائش کی اس نے خود دعا کی ہو، جس کے لئے زندگی اس نے خدا سے مانگی ہو، اس کو تنہا بے آب و گیاہ مقام میں ہمیشہ کے لئے جانے دے، اس کے بعد دوسری تفصیلیں، رخصت کے وقت ابراہیم کو بیتابی سے پکارنا، حضرت ابراہیم کا تسکین دینا، ہاجرہ کا مضطربانہ پانی کے لئے دوڑنا، یہ سب فطری باتیں ہیں، اور ایسے وقت میں ہر شخص سے اسی طرح صادر ہوں گی، حضرت اسماعیل کی بیوی کا جرہمی یا مصری ہونا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے، اس عہد میں یہی عرب مصر کے حکمراں قبائل تھے، اس بنا پر وہ عورت جرہمی بھی ہو سکتی ہے اور مصری بھی، نیز مسلمانوں (بخاری) اور یہودیوں (تالمود) کی روایت میں مذکور ہے کہ اسماعیلؑ نے دو بیویاں کی تھیں، ممکن ہے کہ ایک مصری اور ایک جرہمی ہو۔

ہاجرہ اور اسماعیلؑ نے جس مقام کو اپنا مسکن قرار دیا توراۃ میں اس کے متعلق یہ الفاظ ہیں:

"خدا اس بچہ کے ساتھ تھا، وہ بڑا ہوا، بیاباں میں رہا، اور ایک تیر انداز ہوا، وہ فاراں کے بیاباں میں رہا،، (تکوین ۲۱-۲۰-۲۱)

قرآن مجید میں بھی اس مقام کا نام صرف وادغیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) بتایا گیا ہے

جو بیت اللہ (کعبہ) کے پاس واقع ہے، اس بنا پر اس سے وہ بیابان مراد ہوگا جو سلسلۂ کوہ سعیر (یا سراۃ) کے ساتھ ساتھ بحر احمر کے کنارہ حدود شام سے حدود یمن تک وسیع ہے، جس کو بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زمانہ سے مدین کہتے ہیں، اور عرب ایک مدت سے اس کو حجاز کہتے ہیں، فاران اور حجاز کے اتحاد پر مسلمان اور عیسائی مصنفین میں معرکۃ الآرا بحثیں ایک مدت سے جاری ہیں، عیسائی مصنفین کو حقیقی طور سے نہیں معلوم ہے کہ فاران کس مقام کا نام ہے، بعض مصنفین جزیرہ نمائے سینا کے مغرب میں مصر سے متصل فاران کا موقع قرار دیتے ہیں بعض کوہ سینا کے دامن میں اس کو جگہ دیتے ہیں، بہر حال اجمالی طور سے ہمارے مخالفین کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سینا میں واقع ہے، اس رائے کی غلطی اور دعوائے اسلام کی صحت متعدد طرق سے واضح ہوتی ہے:

۱۔ سب سے اول یہ سمجھنا چاہئے کہ عرب، حجاز، مکہ، کعبہ، یہ جتنے الفاظ و اسماء ہیں اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، لفظ عرب دسویں صدی ق م میں پیدا ہوا ہے۔ (دیکھو جغرافیہ) حجاز کا لفظ اس سے بھی زیادہ مستحدث ہے، مکہ کا نام دوسری صدی مسیحی میں بطلیموس کے ہاں سب سے پہلے مکاربا کی شکل میں نظر آتا ہے، اسی لئے توراۃ نے اس مقام کا نام اولاً صرف ''مدبار'' یعنی بادیہ بتایا ہے اور قرآن نے اسی کو وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا کہ اس کے سوا اس کا اس وقت کوئی دوسرا نام نہ تھا، مدت کے بعد یہی لفظ بادیہ و صحرا اور وادی غیر ذی زرع اس ملک کا نام قرار پا گیا، لفظ عرب کے لغوی معنی بادیہ اور صحرا کے ہیں، مدبار (بادیہ) وادی غیر ذی زرع اور عرب ہم معنی لفظ ہیں اس لئے توراۃ کا یہ کہنا کہ اسمٰعیل نے بادیہ میں سکونت کی اس کے بالکل یہ معنی ہیں کہ اس نے عرب میں سکونت کی۔

۲۔ ممالک عرب میں سے سب سے پہلا نام توراۃ میں مدیان (مدین) نظر آتا ہے، (تکوین ۳۷۔ ۲۸) فاران کی طرح مدین غیر معروف نہیں ہے، شہر مدین تحقیقی اور یقینی طور سے حجاز میں ساحل بحر احمر و عقبہ کے سرے پر واقع تھا اور اب تک اسی نام سے وہیں موجود ہے، قدیم تاریخ میں جہاں کہیں بھی مدیانی لوگوں کا ذکر ہے، ساتھ ہی اتحاد نام کے ساتھ اسمٰعیلیوں کا ذکر ہے، بلکہ توراۃ نے اکثر دونوں کو ایک سمجھا ہے (تکوین ۳۷۔ ۲۸۔ ۳۶) یہ اتحاد حضرت ابراہیم کی ایک ہی پشت کے بعد توراۃ میں نظر آتا ہے:

انھوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد (شام) میں ایک پہاڑ کی طرف سے آیا جو اونٹوں پر بخورات، بلسان، اور مسالہ لاد کر مصر کو لے جارہا تھا......انھوں نے کہا کہ یوسف کو ان اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالو..... ......اتنے میں مدیانی تاجروں کا قافلہ گذرا، جنھوں نے یوسف کو کنویں سے نکال لیا، اور اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا..........یہ اسماعیلی یوسف کو مصر لائے...... ......مدیانیوں نے یوسف کو مصر میں فروخت کیا..........ایک مصری امیر نے یوسف کو اسماعیلیوں کے ہاتھ سے جو یوسف کو مصر لائے تھے، لے لیا۔ (تکوین ۳۷۔۳۹)

اس عبارت میں اسماعیلی اور مدیانی ناموں میں جو اختلاط اور تشابہ ہے، کیا اس کا حل بغیر اس کے ہوسکتا ہے کہ قافلہ کو نسلاً اسماعیلی، اور وطناً مدیانی یعنی حجازی فرض کیا جائے، یہ واقعہ حضرت اسحاق کے بیٹے کے زمانہ کا ہے، اس بنا پر یہ اسماعیلی کارواں بھی حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے اور پوتے ہوں گے، جن کو ابھی تک باپ کے مسکن کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہوئی ہوگی، اس واقعہ کے پانچ سو برس کے بعد حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی یہی اختلاط نظر آتا ہے، حضرت موسیٰؑ خود مدت تک مدین میں رہے تھے، تاہم خلفائے موسیٰؑ اسماعیلیوں میں اور اہل مدین میں کوئی فرق نہیں کرتے، اہل مدین نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں جب شکست پائی، (غالباً ۱۲۰۰ق م میں) اور بنی اسرائیل کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا، تو بنی اسرائیل کا سردار جدعون کہتا ہے۔

میں تمھارے مال غنیمت میں صرف یہ سونے کے بالے مانگتا ہوں، کیوں کہ یہ لوگ مدیانی اسماعیلی ہیں۔ (قضاۃ ۸۔۲۴)

ان آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ فاران سے مراد ملک حجاز ہی ہے، ان کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں جو ہندوستان کے مسلمان مناظرین کی کتابوں میں موجود ہیں ہم نے ان سے تعرض نہیں کیا۔

حضرت اسماعیلؑ کی اولادیں حضرت اسماعیل کی تیرہ اولادیں تھیں، ۱۲ بیٹے اور ایک بیٹی، خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دی تھی:

"اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا، اور اسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا، اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا۔ (تکوین ۱۷۔۲۲)

آخر یہ بشارت استجابت کو پہونچی اور اسماعیل کا گھرانا آباد ہوا، بیٗی کا نام توراۃ میں ایک جگہ باسمہ[1] اور دوسری جگہ محالاۃ[2] لکھا ہے، خدا جانے ان میں سے صحیح کون ہے؟ یہ صاحبزادی اپنے عم زاد بھائی ادوم ابن اسحاق سے بیاہی گئی تھیں، ادوم اپنے باپ (اسحاق) سے ناراض ہوکر اپنے چچا (اسماعیل) کے پاس چلے آئے تھے، اور ان ہی کے ساتھ یہیں بادیہ میں رہتے تھے۔

حضرت اسماعیلؑ کے ۱۲ بیٹوں کے نام یہ تھے، نبایوط، قیدار، ادبائیل، مبشام، مشماع، دوما، مشا، حدر، تیما، یطور، نفیش، قیدماہ، یہ بارہوں بیٹے حسب بشارت ربانی اپنے خاندان کے بارہ رئیس[3] تھے، ان میں سب سے بڑے نبایوط اور ان سے چھوٹے قیدار تھے، اور یہی دونوں پچھلی تاریخ میں سب سے نمایاں نظر آتے ہیں، یہ تمام بھائی، باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے، اور چچازاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزندان مدین کے ساتھ مل کر یمن و حجاز سے شام و مصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے اور دیگر عرب تاجروں کی طرح خوشبودار چیزوں کی تجارت کرتے تھے[4]۔

خوشبودار چیزیں یمن سے حجاز کی راہ سے مصر اور شام کو جاتی تھیں، شام اور یمن کے بیچ میں درمیانی منزل شہر مکہ تھا، اس لئے بنو اسماعیل بہت جلد تجارت میں فروغ حاصل کر سکے ہوں گے، بنو اسرائیل، اسماعیلیوں کو کبھی اسماعیلی اور کبھی ماں کی نسبت سے ہاجری کہتے ہیں، اور توراۃ میں ان ہی ناموں سے ان کا ذکر ہے، بنو اسماعیل کا توراۃ میں سب سے پہلے، حضرت ابراہیم کے پوتے یعقوب کے زمانہ میں (تقریباً سن ۲۰۰۰ ق م) تجارت کی حیثیت سے نام آتا ہے، حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسف کو بھائیوں نے ایک کنویں میں ڈال دیا تھا، اتفاقاً ایک کارواں کا گذر ہوا جس نے یوسف کو کنویں سے نکالا اور مصر میں ایک امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا، یہ کارواں اسماعیلی اور مدیانی[5] تھا، تاریخ میں تجارت کا یہ سب سے پہلا قافلہ نظر آتا ہے۔

حضرت موسیٰ کے عہد میں (تقریباً ۱۵۰۰ ق م) بنو اسماعیل تمام حجاز میں یمن (حویلہ) سے شام (شور) تک پھیل گئے تھے[6]، حضرت موسیٰ کے بعد قضاۃ بنی اسرائیل کے زمانہ میں (تقریباً سن ۱۳۰۰ ق م) وہ عمالیق و اہل مدین کے پہلو بہ پہلو، سپاہیانہ جوہر کے ساتھ بنی اسرائیل پر چھاپہ

---

[1] تکوین ۳۶-۳ [2] تکوین ۲۸-۹ [3] تکوین ۲۵-۱۴-۱۵
[4] تکوین ۳۷-۲۶ [5] تکوین ۳۷ [6] تکوین ۲۵-۱۸

مارتے ہوئے نظر آتے ہیں، سات برس تک متصل بنی اسرائیل، اسماعیلیوں کے پنجہ میں گرفتار رہے، سال میں جب فصل تیار ہوتی، اسماعیلی برق و باد کی طرح آتے اور سب کاٹ کے لے جاتے، آٹھویں برس بنی اسرائیل میں جدعون نامی ایک پہلوان پیدا ہوا، اس نے اسماعیلیوں کو شکست[1] فاش دی۔ (تفصیل مدین میں گذر چکی)

اس زمانہ میں بنی اسماعیل کا نہایت دولت مند قوموں میں شمار تھا، کانوں میں مرد سونے کے زیور پہنتے تھے، اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلادے ڈالتے تھے، اس جنگ میں بنی اسرائیل کو جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس میں صرف کان کے زیور کے سونے کا وزن سترہ سو مثقال تھا۔[2]

شاؤل (طالوت) کے عہد میں (غالباً ۱۰۵۰ ق م میں) بنو اسماعیل حجاز سے نکل کر بادیہ شام اور بادیہ عراق تک پھیل گئے تھے، عموماً مورخین عرب کا بیان ہے کہ مکہ اور حجاز میں جب اسماعیل کی اولاد بہت زیادہ ہوگئی تو نجد و حدود عراق وغیرہ ممالک میں پھیل گئی[3]، اس کی تائید روایات یہود سے بھی ہوتی ہے، اسی زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک ٹکڑا بھی نہر فرات کے قریب بادیہ عراق میں آکر آباد ہوگیا تھا، آخر بنو ہاجرہ سے سامنا ہوگیا، بنو اسرائیل نے لڑ کر بنو ہاجرہ کو نکال دیا اور ان کے خیموں میں جاکر خود آباد ہوئے[4]۔

اس واقعہ کے چالیس برس کے بعد بنو اسماعیل و بنو ہاجرہ، شمالی عرب و حدود شام کے قبائل سے متحد ہو کر حضرت داؤد کے عہد میں (غالباً ۱۰۰۰ ق م میں) بنی اسرائیل پر حملہ کی تیاریاں اور مشورے[5] کر رہے ہیں، ۷۰۰ ق م میں جلعاد اور دیگر حدود شام میں جنگ آزمودہ اسرائیل، دوبارہ بنو ہاجرہ سے برسر مقابلہ ہوتے ہیں، اور ان کو شکست دیتے ہیں، مال غنیمت میں ان کو پچاس ہزار اونٹ ڈھائی لاکھ بھیڑ دو ہزار گدھے، اور ایک لاکھ قیدی ہاتھ آئے[6]، اس کے بعد ۶۰۰ ق م میں وہ زمانہ آتا ہے، جب بنوخذ نصر (بخت نصر) آندھی کی طرح اسیریا سے اٹھتا ہے، اور تمام شام و عرب کی خاک اڑا دیتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے بنو اسرائیل اور آل اسماعیل کی مخاصمانہ حوصلہ مندیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے، یہ بنو اسماعیل کی اجتماعی تاریخ تھی، اب تفرق و انتشار کے بعد ہر ایک اولاد اور نسل کی تاریخ کے متعلق ہم کو جو کچھ معلوم ہے علیحدہ علیحدہ بہ ترتیب اہمیت و امتیاز لکھتے ہیں:

---

[1] قضاۃ ۶، ۷، ۸　[2] قضاۃ ۸-۲۶　[3] معارف ابن قتیبہ ص و الاخبار الطوال دینوری ص ۱۱ مسعودی سیرت ابن ہشام ذکر اصنام العرب　[4] ۱-ایام ۵-۱۰　[5] زبور ۸۳-۶، ۵　[6] ۱-ایام ۵-۲۰، ۲۱

۱۔ مبشام

اس خاندان کے متعلق ہم کو کچھ نہیں معلوم۔

۲۔ ادبائیل

عرب مورخین کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہے، توراۃ میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے فارسٹر کا بیان ہے کہ یہودی مورخ یوسیفوس نے لکھا ہے کہ ''یقینا اسماعیلی آبادیوں (یعنی نیل و فرات) کے درمیان یہ خاندان آباد تھا[1]''

۳۔ مشماع

عرب مورخین نے بنومسا نام ایک خاندان کا نجد میں سکونت پذیر ہونا بیان کیا ہے، یوسیفوس نے مساؤس اور بطلیموس نے مسی مانیس کے نام سے ان ہی اطراف میں ایک عرب قبیلہ کا ذکر کیا ہے[2]۔

۴۔ مشا

یونانی اور عرب جغرافیہ نویسوں کی شہادت کی بنا پر حدود عراق میں اس خاندان کے آثار نظر آتے ہیں، پلینی نے مسیا (Misaie) اور بطلیموس نے مسانی (Masani) کے نام سے ان اطراف میں بعض قبائل کا ذکر کیا ہے[3]، عرب جغرافیہ نویسوں میں سے زکریا قزوینی، مشان نام ایک مختصر آبادی کا یہیں پتہ دیتا ہے[4]، یاقوت حموی اسی مقام پر واسط و بصرہ کے مابین، میسان نام ایک شہر کا ذکر کرتا ہے، یہودی اس شہر کا نہایت احترام کرتے ہیں، اور اس کو حضرت عزیر کا مدفن قرار دیتے ہیں، عہد اسلام میں بھی زیادہ تر یہاں یہودیوں کی آبادی تھی[5]، سفر الایام نے جن بنو ہاجرہ کا بادیہ عراق میں ذکر کیا ہے[6] شاید وہ یہی خاندان ہو۔

۵۔ حدر یا حدد

سفر تکوین میں اس کا املا حدر اور سفر ایام میں حدد ہے، حدر کے آثار عرب میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں، یمامہ کے پاس حدد نام ایک پہاڑی ہے، نجد میں بھی ایک قطعہ زمین کا نام حدد ہے[7]، جوہری، عرب کے ایک قبیلہ کا نام بھی مدد بتاتا ہے، نیبوہر انیسویں صدی کا ایک یورپین

۱؎ فارسٹر ج ۱ ص ۶۸ ۲؎ فارسٹر ج ۱ ص ۲۴۷ ۳؎ فارسٹر ج ۱ ص ۲۸۵ ۴؎ آثار البلاد قزوینی ص ۱۳۰۸ مطبوعہ یورپ ۵؎ معجم البلدان ج ۸ ص ۲۲۴ مصر ۶؎ ایام ۵-۱۲ ۷؎ معجم البلدان ج ۳ ص ۲۲۰ مصر

سیاح، عرب شہر حدید ہ واقع یمن کو اسی حدد سے متعلق سمجھتا ہے[1] لیکن مشرقی نگاہ میں حدد اور حدیدہ میں بہت بڑا فرق ہے۔

۶۔ یطور

یطور ساؤل کے زمانہ میں (۱۰۵۰ ق م میں) حدود شام کے صوبہ حوران میں نظر آتے ہیں، بنی اسرائیل کی ایک جماعت سے برسر پیکار ہوتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں[2] لیکن یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو (۲۴ ق م) تک ان کی آبادی قائم رہتی ہے، لکھتا ہے[3]:

"وہ تمام سلسلہ کوہ جو لبنان اور بصریٰ کے درمیان نظر آتا ہے عربوں سے اور یطوریوں سے آباد تھا۔"

یونانی میں یطور جطور ہو گیا ہے، اس بنا پر برکبارڈ ایک یورپین سیاح شام کے شہر جدور کو اسی جطور سے نسبت دیتا ہے[4] یہ شہر مشرقی جغرافیہ نویسوں سے بھی مخفی نہیں[5] لیکن اگر جدور ہی کو یطور کا مسکن قرار دینا ہے تو یہی نام ہم کو حجاز میں مدینہ سے چھ میل کی مسافت پر نظر آتا ہے[6] لیکن عام فہم مشرقی بھی جانتا ہے کہ یطور کی شکل کسی صورت میں بھی جدور نہیں ہو سکتی۔

۷۔ نافیش

سفر ایام ثانی (۵۔۱۲) سے ثابت ہوتا ہے کہ یطور کے ساتھ یہ خاندان بھی حوران ہی میں آباد تھا، اور بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک جنگ تھا۔

۸۔ دوما

اس خاندان کا مسکن اب تک اسی نام سے مشہور ہے، دومۃ الجندل، شمالی عرب میں مدینہ اور شام کے درمیان ایک مشہور مقام ہے، عرب جغرافیہ نویسوں نے تصریح کی ہے کہ دومۃ الجندل اسی دومہ کی طرف منسوب ہے، پچھلے زمانہ میں یہاں نصاریٰ آباد تھے[7]۔

۹۔ تیماء

حدود عرب و شام میں اس خاندان کے انتساب سے ایک قدیم آبادی ہے، ایوب نبی کے زمانہ میں اس خاندان کو کسی قدر فوجی اہمیت بھی حاصل تھی، سفر ایوب (۶۔۱۹) میں تیماء کے سواروں کا ذکر

[1] فارسٹر ج ۱ ص ۲۸ [2] سفر ایام ۵-۱۲ [3] سفر ایام ۵-۱۲ [4] فارسٹر ج ۱ ص ۳۱۰

[5] معجم البلدان یاقوت ج ۳ ص ۶۲ مصر [6] معجم البلدان ج ۳ ص ۶۲ مصر [7] معجم البلدان ج ۱ ص ۱۰۶ مصر

ہے، اشعیا نبی نے بھی (۸۰۰ ق م میں) سرزمین تیما، کا نام لیا ہے۔ (۲۱-۱۴) زمانہ اسلام میں یہاں یہود آباد تھے[۱]۔

۱۰۔ قید ماہ

اصحاب الرس

فارسٹر صاحب نے قید ماہ کو، کاظمہ (واقع خلیج فارس) کا مترادف سمجھا ہے اور اس لئے اس کو خلیج فارس پر جگہ دیتے ہیں، کاظمہ، یقیناً انگریزی لب ولہجہ میں ''کیڈ ما'' ہو جائے گا، لیکن ہر مشرقی لب ولہجہ کا واقف کار اس تحقیق پر ہنس دے گا کہ قید ماہ اور کاظمہ ایک چیز ہے، قرآن مجید ایک قبیلہ کا نام اصحاب الرس مذکور ہے بعض مورخین کا بیان ہے کہ قید ماہی کا نام اصحاب الرس تھا، ہمارے ہاں مفسرین اصحاب الرس کی تعیین میں نہایت مشکوک الرائے ہیں، امام طبری نے ارباب روایت کی تین روایتیں نقل کی ہیں:

(۱) رس کنویں کو کہتے ہیں، ایک امت نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا، اس لئے اس کو اصحاب الرس کہتے ہیں۔

(۲) رس ملک آذربیجان کے پار ایک آبادی کا نام ہے (شاید روس سے مقصد ہو)

(۳) رس غار کو کہتے ہیں اور اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں۔

لیکن مورخ مسعودی بالتزلزل رائے لکھتا ہے:

''اصحاب الرس، اسماعیل کی اولاد میں سے تھے، وہ دو قبیلے تھے، ایک کا نام قدمان تھا اور دوسرے کا یامین اور کہا گیا ہے کہ رعویل تھا اور یہ یمن میں تھے[۲]۔''

قیدمان، قید ماہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، اصحاب الرس کا اس کے علاوہ کوئی اور حال نہیں معلوم، قرآن مجید نے اصحاب الرس کا دو مقام پر ذکر کیا ہے، لیکن کوئی حال بیان نہیں کیا، بلکہ صرف گنہگار قوموں کی فہرست کے ضمن میں اس کا نام لیا ہے:

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ	عاد، ثمود اور اصحاب الرس کو
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ	اس سے پہلے نوح کی قوم کو اصحاب الرس اور ثمود نے جھٹلایا۔

[۱] معجم البلدان ج ۲ ص ۳۴۲ مصر [۲] مروج الذہب

۱۱۔ نبایوط یا نابت یا نبط

اصحاب الحجر

نبایوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں، ان کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیلؑ کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصہ میں آئی[۱]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوط نے حجاز ہی میں قیام کیا، لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزندان نبایوط عراق میں موجود تھے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔

تحریری حیثیت سے نبایوط کا نام ساتویں صدی ق م میں نظر آتا ہے، حزقیال نبی پیشین گوئی کرتے ہیں کہ "نبایوط کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی۔" (۶۰۔۷) اشور بانیپال، اسیریا کا بادشاہ جس کا بھی تقریباً یہی زمانہ ہے، اپنے مفتوحین کی فہرست میں نباطی قوم کا نام لیتا ہے، یوسیفوس یہودی، جو پہلی صدی مسیحی میں تھا، لکھتا ہے:

> "ملک بحراحمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسماعیلؑ کے ۱۲ بیٹوں کے قبضہ میں ہے، جن کے سبب سے اس کا نام نباطیہ پڑ گیا ہے۔ (حوالہ آتا ہے)

اسی زمانہ میں جب رومی، شام پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، تو نبطی عربوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوتی ہے، اور شام و عرب کے حدود پر ان کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے، اہل عرب بھی ان نبطیوں سے واقف تھے، اسی لفظ "نبط" کی جمع عربی میں انباط ہے۔

انباط اور روایات عرب مورخین عرب، فرزندان نبایوط یا انباط سے زیادہ واقف نہیں ہیں وہ صرف انباط کے نام اور ان کے مسکن تخمینی سے البتہ واقف ہیں، ان کا نام کبھی نبط اور کبھی آرامی بتاتے ہیں اور ان کا مسکن شام و عراق ظاہر کرتے ہیں، ابن خلدون نے لکھا ہے:

واول الملك للعرب بالشام فيما علمناه للعمالقة ثم لبنى ارم بن سام ويعرفون بالارمانيين (۲۷۸ ج ۲)	جہاں تک ہم کو معلوم ہے عربوں کی پہلی حکومت شام میں عمالقہ کی تھی پھر ارم بن سام کی جو ارمانی کے نام سے مشہور ہیں۔

اس عبارت کے ساتھ حمزہ اصفہانی کی عبارت ضم کرو:

الارمانيون نبط الشام والاردوانيون نبط العراق	ارمانی شام کے نبطیوں کے نام ہیں اور اردوانی عراق کے نبط کا۔

---

[۱] اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ ص ۱۶ مصر

انباط نے چونکہ ایک متمدن اور غیر بدوی زندگی اختیار کر لی تھی، اس لئے عربوں کے محاورہ میں:

اما النبط فکل من لم یکن راعیا او جندیا عند العرب من ساکنی الارضین	نبط، عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔

(یاقوت ۲۳ عرب)

اہل عرب عموماً نبط کو قوماً و اصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک عرب و عجم جس طرح دو متقابل نام ہیں، اسی طرح نبطی و عربی کو بھی باہم متقابل سمجھتے ہیں، اس کا سبب صرف معاشرت، طرز زندگی، اور زبان کا اختلاف ہے، ورنہ درحقیقت نبط بھی اسماعیلی عرب ہیں، لیکن چونکہ انھوں نے عموماً حدود عرب اور حدود عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن بنایا اس لئے وہ نسب محفوظ نہ رکھ سکے،

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

تعلموا النسب و لا تکونوا کنبط السواد اذا سئل احدهم عن اصله قال من قریة کذا (عقد الفرید ج ۲ ص ۴۷)	نسب نامہ سیکھو، عراق کے نبط کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب ان میں سے کسی سے پوچھا جائے کہ تم کس خاندان سے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔

ہمارے مورخین کے معلومات انباط کے متعلق صرف اسی قدر ہیں، لیکن انباط کی خود معاصر قوموں نے ان کے حالات کو سیاسی تعلقات کی بنا پر بہت کچھ محفوظ رکھا ہے، اور اب اکتشافات اثریہ نے بھی ان معلومات میں کسی قدر اضافہ کر دیا ہے۔

انباط اور نبایوط و نابت کا ترادف سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ انباط جن کی تاریخ کا مفصل تذکرہ یونانی و رومی مورخین نے کیا ہے، اور نبایوط پسر اسماعیل جن کا توراۃ میں ذکر ہے اور نابت بن اسماعیل جن سے عربوں کو ہم نسبی کا دعویٰ ہے کیا درحقیقت ان مختلف الفاظ سے ایک ہی مفہوم مراد ہے؟ ہمارا جواب اثبات میں ہے، اہل عرب انباط کو عربوں سے الگ ایک بیرونی قوم سمجھتے ہیں، لیکن یہ درحقیقت ایک مدت تک کے تباعد اور تفریق کا نتیجہ ہے جن یونانی اور رومی مورخین نے انباط کا ذکر کیا ہے، انھوں نے حقیقتاً ان کو عرب لکھا ہے، سب سے بڑی معتبر شہادت، یہودی مورخ یوسیفوس کی ہے، جو انباط کا معاصر اور نسل و وطن کے لحاظ سے بھی ان سے قریب تھا، اس لئے یقین ہے کہ ان کے متعلق اس کی شہادت پایۂ اعتبار سے ساقط نہ ہوگی، وہ تصریح تمام لکھتا ہے کہ ”انباط اسماعیلی عرب از نسل نبایوط

ہیں[۱]، مورخین اسلام بھی اس رائے کے ساتھ ہیں، مورخ طبری نے لکھا ہے:

ومن نابت و قیدار نشر اللہ العرب (ج ۱-ص ۲۱۵۲ طبع یورپ) عرب کو نابت اور قیدار کی نسل سے خدا نے پھیلایا۔

یاقوت حموی نے (لفظ عربہ کے تحت میں) ایک نئی بات لکھی ہے کہ "عرب، ہر اس قوم نبط کہتے ہیں جو گلہ بان اور سپاہی نہ ہو"، دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نبط نے عراق کے تاثر سے متمدن زندگی اختیار کر لی تھی، اس لئے بادیہ نشینان عرب نے ہر غیر بدوی قوم کو نبط کا مرادف سمجھ لیا۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان کا نسب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ "ہم کوثی (واقع عراق) کے نبط ہیں اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ وہ اسماعیلی قریشی عرب تھے، اس سے ثابت ہوگا کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں، جو عراق تک پھیلے تھے۔

نابت کی بقیہ اولادیں، خود اندرون ملک میں بھی تھیں اور متعدد وجوہ سے ہماری یہ رائے ہے کہ عرب شمالی کی وہ اکثر قومیں جو غلطی سے قحطانی کہلاتی ہیں، وہ دراصل نابتی ہیں، من جملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس و خزرج کے متعلق تو بتصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں، تفصیل آتی ہے۔

انباط کا عہد حکومت انباط ایک مدت تک دیگر عرب قبائل کی طرح بحر احمر سے بحر فرات تک مستقل وادیوں میں بدویانہ زندگی کے ساتھ آوارہ پھرتے رہے، اس بدویت کا زمانہ ۲۰۰۰ ق م (عہد اسماعیل) سے ۷۰۰ ق م تک قرار دیا جا سکتا ہے، توراۃ نے نبایوط کا فرزندان اسماعیل کے ضمن میں ۲۰۰۰ ق م میں پہلی بار نام لیا ہے، اور آخر حزقیال نبی نے جو کم و بیش ۷۰۰ ق م تھے، نبایوط کا ذکر کیا ہے کہ "نبط، نبایوط کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی" (۶۰-۷) کتبات میں نبط کا نام اشور بانیپال شاہ اسیریا کے کتبہ میں تقریباً اسی عہد یعنی ۷۰۰ ق م[۲] میں نظر آتا ہے، وہ اپنے مفتوحین کی فہرست میں ناتان شاہ نبط کا ذکر کرتا ہے، حزقیال کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبط اس وقت چوپانی کی بدوی زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن یہ اسیری کتبہ ایک نبطی حکومت کی اس عہد میں خبر دیتا ہے، ممکن ہے کہ بادشاہ سے مقصود ایک نبطی بدوی شیخ ہو، بہر حال نبطی حکومت کی تاریخ از روئے تاریخ تاریخ یونانی و کتبات نبطی ۳۰۰ ق م سے پہلے روشن نظر نہیں آتی آخری تاریخ ۱۰۶ء ہے، جب کہ رومی حکومت ان کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔

۱؎ حوالہ آتا ہے۔ ۲؎ تاریخ بابل راجرس امریکانی ج ۲ ص ۲۷۶

انباط کا رقبہ حکومت انباط کی حکومت کے حدود اولاً وہ قطعہ ملک تھا جس کو یونانی، عرب سنگستان (عربیا پٹرا) کہتے ہیں، اور عبرانی ادوم اور سعیر (سراۃ) یعنی خلیج عقبہ سے بحر میت تک، ڈائیڈ روس (۸۰ ق م) بیان کرتا ہے[1] کہ "انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں" اسٹرابو[2] (۲۴ء) ایک ضمنی تذکرہ میں کہتا ہے کہ "اہل ادوم انباط ہیں" لیکن ادوم سے آگے بڑھ کر اب وہ عرب آبادان پر بھی قابض ہو گئے تھے، مصنف مذکور لکھتا ہے "..... اور اہل ادوم و سبائی جو شام کے اوپر واقع ہیں پہلی قوم ہیں جنھوں نے عرب آبادان (عربیا فلکس) پر قبضہ کیا ہے۔" یوسیفوس جو پہلی صدی مسیحی میں تھا بیان کرتا ہے کہ اس عہد میں وہ عرب ریگستان (عربیاذ زرٹا) تک پھیل گئے تھے، اس کے خاص الفاظ یہ ہیں[3]:

> "ملک بحر احمر سے نہر فرات تک اسمٰعیل کے ۱۲ بیٹوں کے قبضہ میں ہے جن کے سبب سے اس کا نام ملک نباطینہ Nabatena پڑ گیا ہے، اس کی سرحد (مغرب میں) مصر اور عرب سنگستان Petra سے مل گئی ہے، اور بہت سے بیابانوں اور بلند و فراز زمینوں کو شامل ہے، جو مشرق کی طرف خلیج فارس تک منتہی ہوتی ہے، عموماً اس ملک کے باشندوں کا نام Nebayoth عرب ہے۔"

ان شہادتوں سے ظاہر ہوگا کہ انباط کا ملک مغرب میں بحر احمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا، اور اس کے درمیان کے تمام ممالک یعنی عرب سنگستان و عرب ریگستان و بعض قطعہ عرب آبادان پر قابض تھے، لیکن اس طویل و عریض ملک میں انباط کی اصل آبادی خلیج عقبہ (ایلہ) کے اطراف میں تھی، ڈائیڈ روس کا بیان ہے[4]:

> "اوپر گذرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) Laiarites Gulf میں داخل ہو گے جس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ نبط Nabataisi کہتے ہیں، یہ لوگ نہ صرف سواحل کے بڑے حصے پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں، کیوں کہ زمین آباد اور نہایت سرسبز ہے۔"

تخصیص کے ساتھ ملک انباط کے شہروں کے نام یوسیفوس[5] میں مذکور ہیں، لیکن یونانی تلفظ نے عربی رنگ و روغن ان کے چہروں سے اتار دیا ہے، وہ شہر یہ ہیں، میدابہ، بنالولیمیس، ثرابسہ، غالہ، اثون، صور، اوروں، مریسہ، ردہ، لوسہ، عروبہ، ان کے علاوہ رقیم (پٹرا) اور حجر مشہور شہر تھے۔

---

[1] گولڈ ہانس آف مدین ص ۲۲۵ [2] گولڈ ہانس آف مدین ص ۲۲۵ [3] ایضاً ۱-۱۲

[4] گولڈ ہانس آف مدین ص ۱۸۲ [5] ایضاً کتاب ۱۴ باب ۱

انباط کا دارالحکومت انباط کا ملک جن حدود پر مشتمل تھا وہ درحقیقت تین قدیم ممالک کا مجموعہ تھا، ملک ثمود (وادی القریٰ) جس کا دارالحکومت حجر تھا، ملک مدین جس کا پایہ تخت خود شہر مدین تھا اور ملک ادوم جس کی حکومت کا مرکزی شہر رقیم (پٹرا) تھا، انباط کا پایہ تخت پہلے شہر رقیم (پٹرا) تھا، جہاں ان کے آثار اب تک باقی ہیں، لیکن پہلی صدی ق م میں جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کیا، تو رفتہ رفتہ پٹرا (رقیم) پر بھی قابض ہو گئے۔ اسٹرابو (۲۴ء) بیان کرتا ہے کہ "اب (۲۴ء) انباط اور شامی دونوں رومیوں کی رعایا ہیں[1]، اس مفتوحی سے مقصود پٹرا یعنی رقیم کی مفتوحی ہے، ورنہ نفس حکومت تو ۱۰۶ء تک باقی تھی، پٹرا (رقیم) سے ہٹ کر انباط نے اب حجر کو اپنا مرکز قرار دیا تھا جو ملک ثمود میں واقع تھا، اسی لئے قرآن مجید نے ان کو "اصحاب الحجر" کے نام سے یاد کیا ہے، تفصیل آگے آتی ہے۔

"حجر" جس صوبۂ ملک میں واقع ہے، عربوں کے ہاں اس کا نام وادی القریٰ ہے، اس کے لفظی معنی آبادیوں کی وادی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ میدان عہد قدیم میں نہایت کثرت سے آباد تھا، اس کی تصدیق اب معاصر مورخین کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے، ابھی ذائیڈ روس کا بیان گذر چکا ہے کہ حدود ایلہ پر انباط کی بہت سی آبادیاں ہیں،.... اور وہ نہایت کثرت سے آباد ہیں اسٹرابو بھی انباط کی نہایت گنجان آبادی کا ذکر کرتا ہے[2]"

شاہان انباط اشوری کتبہ کی شہادت کی بنا پر گو شاہان نبط کا ابتدائی سلسلہ ۷۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے جب کہ "ناتان" شاہ نبط، بادشاہ اسیر یا اشور بانیپال کی خدمت میں نذر پیش کرتا ہے[3] لیکن یونانی تاریخ اور موجودہ نبطی آثار اور سکے ۲۰۰ ق م سے پہلے کسی نبطی بادشاہ کا ذکر نہیں کرتے اس کے اسباب بھی واضح ہیں، یونانیوں کو اس سے پہلے انباط سے سروکار نہ تھا، ورنہ خود انباط اس عہد سے پہلے متمدن زندگی بسر کرتے تھے، بہر حال تاریخ و آثار نے اب تک جو انکشاف حال کیا ہے، اس کی اعانت سے اب تک ڈوسے Dussaud نام ایک فرنچ مستشرق نے بادشاہوں کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی ہے[4]، یہ فہرست ۱۶۹ ق م سے شروع ہو کر ۱۰۶ء پر ختم ہو جاتی ہے، اس میں ایک نام "مالک اول" کا اضافہ ہم خود یوسیفوس[5] کے حوالہ سے کرتے ہیں:

---

[1] گرافز ماٹس آف مدین ص ۲۲۵ [2] کتاب مذکور ص ۱۸۴ [3] تاریخ بابل و اشور، از راجرس ایم یکالی ج ۲ ص ۲۷۶ [4] فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۹۰۷ء [5] قدامت یہود کتاب ۱۳ باب دہم

مدت حکومت	نام
سنہ ۱۶۹ ق م	حارث اول
سنہ ۱۴۶ ق م	زید بائل
سنہ ق م	مالک اول
سنہ ۱۱۰ ق م - سنہ ۹۶ ق م	حارث ثانی
سنہ ۹۰ ق م	عبادہ اول
سنہ ۸۷ ق م	ربیال اول بن عبادہ اول
سنہ ۸۷ ق م - سنہ ۶۲ ق م	حارث ثالث بن ربیال
سنہ ۶۱ ق م - سنہ ۴۷ ق م	عبادہ ثانی بن حارث ثالث
سنہ ۴۷ ق م - سنہ ۳۰ ق م	مالک دوم بن عبادہ ثانی
سنہ ۳۰ ق م - سنہ ۹ ق م	عبادہ ثالث بن مالک دوم
سنہ ۹ ق م - سنہ ۴۰ء	حارث رابع بن مالک دوم
	خلدو (خالدہ) زوجہ حارث، شقیلہ زوجہ حارث
سنہ ۴۰ء - سنہ ۷۵ء	مالک سوم بن حارث شقیلہ زوجہ مالک
سنہ ۷۵ء - سنہ ۱۰۱ء	ربیال ثانی بن مالک ثانی جمیلہ زوجہ ربیال
سنہ ۱۰۱ء - سنہ ۱۰۹ء	مالک چہارم

تمدنی حالات ہر شائستگی کی ابتداء عہد بداوت ہے، انباط کی ابتدائی زندگی عام قبائل عرب کی سادہ و غیر مصنوع زندگی تھی، جن کی دولت کا تنہا خزانہ مواشی تھے (حزقیال ۲۰ـ۷ـ۶) لیکن جب مغربی قوموں نے انھیں اپنے تمدن و شائستگی کے بل پر شکست دینا چاہا تو ان کو بھی مجبوراً متمدن بننا پڑا، مورخین یونان میں سے ڈایوڈ روس (سنہ ۸۰ ق م) اور اسٹرابو (سنہ ۲۴ء) نے انباط کے آداب معیشت تمدن کو سب سے بہتر بیان کیا ہے، ڈایوڈ روس کہتا ہے

وہ یعنی انباط کھلی ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں، اور نا قابل سکونت ہوا میں رہتے ہیں، ان کے ملک میں نہ کوئی دریا ہے اور نہ چشمہ۔ جس سے حملہ آور دشمن فائدہ اٹھا سکیں، ان کا قومی آئین یہ ہے کہ وہ نہ غلہ کی زراعت کریں، اور نہ درخت اگائیں، نہ شراب پئیں، اور نہ گھر بنائیں جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے، اس کو سزائے موت دی جاتی ہے۔

بعض لوگ اونٹ کے گوشت پر گذر کرتے ہیں، اور بعض بکری اور بھیڑ کے گوشت پر...... صحرا میں بہت سے قبائل رہتے ہیں لیکن دولت میں انباط سب سے زیادہ ہیں، اور اپنے ہمسایوں میں ان کو امتیاز حاصل ہے، گو کہ ان کی تعداد دس ہزار آدمی سے زیادہ نہیں ہے، ان کا ملک پانی سے خالی ہے، اپنے لئے پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کھود کر بناتے ہیں، جن کا منہ باہر تنگ اور اندر چوڑا رہتا ہے، اور ان کی لمبائی ۲۵۰ فیٹ تقریباً ہوتی ہے، ان حوضوں میں بارش کا پانی جمع کر کے ان کو چھپا دیتے ہیں، اور ان پر کوئی نشانی بنا دیتے ہیں، جب سفر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جانوروں کو تین روز کا پانی پلاتے ہیں، انباط گوشت، دودھ، اور بعض جنگلی سبزی کھاتے ہیں..... جنگلی شہد (من) بھی ان کو ملتا ہے، جس کو پانی میں گھول کر پیتے ہیں، ان میں عرب کے غیر نبطی قبائل بھی شامل ہیں جن میں سے بعض شامیوں کے ساتھ گھروں میں رہنے کے علاوہ اور تمام عادات میں مماثل ہیں[1]۔

یہی مصنف لکھتا ہے:

"آگے بڑھ کر تم خلیج ایلانہ (عقبہ) میں داخل ہوگے، جو ان عربوں کے بہت سے گاؤں سے محدود ہے، جن کو لوگ "نباطیہ" کہتے ہیں، یہ لوگ نہ صرف ساحلی مقامات کے بڑے حصے پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیلے ہیں، کیوں کہ یہ زمین آباد اور نہایت شاداب ہے، زمانہ سابق میں اپنے قوانین انصاف کے مطابق اپنے گلوں اور جانوروں پر مطمئن رہ کر زندگی بسر کرتے تھے، لیکن جب اسکندریہ (مصر) کے (یونانی) بادشاہوں نے خلیج کو تجارت کے لئے جہاز رانی کے قابل بنایا تو ان نبطیوں نے شکستہ جہازوں کے ملاحوں کو جمع کیا اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر بحری ڈاکہ زنی کرنے لگے..... آخر کار ان پر حملہ کیا گیا اور ان کے استحقاق کے مطابق ان کو سزا ملی[2]۔"

اسٹرابو (۲۴ء) جو ڈائیڈ روس کی طرح انباط کا معاصر تھا، ان کے متعلق دلچسپ واقعات

[1] فارسٹر ج ۱- ص ۲۲۶   [2] گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۸۳

بیان کرتا ہے:

(شہر) پنرا، رقیم) جو عمدہ قوانین رکھتا ہے، اس پر شاہی خاندان میں سے ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے، وزیر ہمیشہ اس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے، اسی لئے اس کو ''بھائی'' کہہ کر پکارتے ہیں، انباط کنایت شعارانہ ذخیرہ ملکیت کے شائق ہیں، جماعت ان پر جرمانہ کرتی ہے جو اپنی دولت ضائع کرتے ہیں، اور جو اپنی دولت بڑھاتا ہے اس کو انعام دیتی ہے، انباط کے پاس غلام کم ہیں، اکثر ان کی خدمت ان کے متعلقین کرتے ہیں، یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں، یا ہر شخص اپنا نوکر آپ ہوتا ہے، یہ طریقہ بادشاہوں تک میں جاری ہے جو جمہور کی رضا مندی کے اس قدر آرزو مند ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں، بادشاہ کو انتظام ملکی کے متعلق بیانات لوگوں کو دینے ہوتے ہیں، اور وہ اکثر اپنے بادشاہ کے ذاتی حالات وعادات بھی دریافت کرتے رہتے ہیں۔

لوگ غیر سرکاری صحبتوں میں تیرہ تیرہ آدمی مل کر کھاتے ہیں، بادشاہ بھی لوگوں کو بڑی بڑی عمارتوں میں عام دعوت جشن دیتا ہے، مہمانوں کی ہر جماعت میں دو مغنی رہتے ہیں ہر مہمان کو گیارہ جام سے زیادہ شراب نہیں ملتی ہے، یہ جام سونے کے ہوتے ہیں۔

جبہ (یا کرتہ) پہننا یہ لوگ نہیں جانتے، کمر میں تہبند لپیٹتے ہیں، اور پاؤں میں چپل پہن کر چلتے ہیں شاہی پوشاک بھی اس قسم کی ہوتی ہے۔

مکانات عالی شان اور سنگین ہیں، آبادیوں میں شہر پناہیں نہیں ہوتیں، ملک کا بڑا حصہ سرسبز ہے، تاہم وہاں زیتون نہیں ...... (جانوروں کی پیداوار کا بیان ہے) گھوڑے نہیں ہوتے، ان کی بجائے اونٹ مصرف میں آتے ہیں، بعض اشیائے تجارت کی درآمد بھی یہاں ہے، اور بعض چیزیں خود ملک میں ہوتی ہیں، جیسے سونا چاندی اور بہت سے خوشبو مسالے لیکن لوہا، تانبا، ارغوانی کپڑے، زعفران، عود، قسط، سنگتراشی اور تصویروں کی چیزیں جیسے ملک میں نہیں پائے جاتے۔ انباط مردوں کی لاش کھاد کے لئے بہتر سمجھتے ہیں، اسی لئے وہ بادشاہوں تک کی لاشوں کو بھی زمین میں دفن کرتے ہیں مذہباً یہ سمائی دیوتا ''آفتاب'' کی پوجا کرتے ہیں اور اس دیوتا کا ہیکل یا قربان گاہ مکانات کی چھتوں پر بناتے ہیں، اور اس پر شراب چڑھاتے ہیں اور اندر ہر روز بخور جلاتے ہیں[1]۔

[1] گولڈ مائنس آف مدین ص ۲۲۸

سیاسی حالات انباط ہم کو سب سے پہلے ۷۰۰ ق م میں سیاسی میدان میں نظر آتے ہیں، اسیریا اور بنی قیدار (برادران انباط) کے مابین اس عہد میں جنگ برپا ہوتی ہے، بنی قیدار کا شیخ شکست کھا کر ''انباط کی چھوٹی سی ریاست'' میں پناہ لیتا ہے، پھر بنی قیدار اور انباط.... کی متحدہ فوج اسیریا کے مقابلے میں آتی ہے، لیکن سوء قسمت سے ناتاں شاد انباط گرفتار ہو جاتا ہے۔[1]

بابل کے بعد ایران و یونان کی قوت دنیا کی تاریخ میں جلوہ گر ہوتی ہے، انباط جہاں آباد تھے، یہ وہ مقامات تھے جو اہل فارس اور یونان کی دائمی جنگ کے طبعی راستے تھے، اس بنا پر ہر دو فریق ان نبطی عربوں کی دوستی و ہمدردی کے طالب تھے، جنگی اعانت کے بغیر ان خشک و بے آب ریگستانوں کو طے کرنا ناممکن تھا۔

سکندر سے پہلے جو چوتھی صدی ق م کے اواسط میں تھا، عموماً اہل فارس کا پلہ یونانیوں سے بھاری تھا، اس بنا پر شمالی عرب (جو اس عہد نبی لحیان میں تھے) میدان جنگ میں اہل فارس کے دوش بدوش تھے۔

۳۳۲ ق م میں سکندر نے ایرانیوں کو شکست فاش دی اور عراق سے لے کر مصر و شام تک اس کے فتوحات کا جولانگاہ بن گیا، ہندوستان سے واپس آکر عرب کی فتح کا عزم تھا کہ وہ خود موت کے ہاتھ مفتوح تھا، سکندر کے بعد ممالک مفتوحہ سکندر کے مختلف سرداروں میں منقسم ہو گئے، بطلیموس نے مصر و شام پر قبضہ کیا، انٹی گونس نے ایشیائے کوچک لیا، سیلوکوس نے بابل و فارس و ترکستان پر استیلا حاصل کیا، یہ تینوں بادشاہیاں بیچ میں حدود عرب پر آکر ملتی تھیں، انٹی گونس ایک بلند حوصلہ بہادر تھا، اس سے اپنی قسمت پر قناعت نہ ہو سکی، سب سے زرخیز اور قریب تر شام کا ملک تھا، اس نے شام پر حملہ کرنا چاہا، لیکن درمیان میں نبطی عرب حائل تھے، ان کو اپنا شریک بنانا ضرور تھا، وہ بطلیموس کے طرفدار پہلے ہی بن چکے تھے، نتیجہ جنگ وپیکار یہ تک پہنچ گیا۔

انٹی گونس نے ۳۱۲ ق م میں اپنے ایک سردار اتھینا وس Athenaeus کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی، جس نے گو بجبری میں رقیم (پترا) کو برباد کر دیا، لیکن اس کا ایک سپاہی بھی دشمنوں کے ہاتھ سے بچ کر واپس نہ آیا، ناچار انٹی گونس نے خود اپنے بیٹے ڈیمیٹر یوس Demmetrius کے زیر قیادت ایک دوسری جمعیت روانہ کی، بے سروسامان نبطی عرب میدان میں مقابلہ نہ کر سکے اور تاہ۔

[1] تاریخ بابل ج ۲ ص ۲۶ ۱۲۷ از راجرس

بند ہو گئے، یونانیوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اس قید سے تنگ آ کر ایک دن ایک نبطی عرب نے ڈیمیٹر یوس کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:

''اے بادشاہ ڈیمیٹر یوس! تم کس غرض سے اور کس کے حکم سے مجھ سے لڑتے ہو؟ ہم صحرا میں رہتے ہیں، جہاں پانی ہے، نہ غلہ ہے، نہ شراب ہے، نہ اور ضرورت کی کوئی چیز ہے، ہم نے صرف اپنی آزادی کی خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہیں، اور ہم نے اس حیوانی زندگی پر قناعت کی ہے، تمہیں ہم نے ستایا نہیں، تم ہمیں کیوں ستاتے ہو؟

ہمیں اپنا دوست سمجھو، ورنہ یاد رکھو کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن تک نہیں ٹھہر سکتے تم کو پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہوگی، اور تم ہم کو اپنے طرز زندگی کے بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتے، اگر تم نے قلعہ پر قبضہ بھی پالیا، تو ترپتی لاشوں اور چند ٹمردہ قیدیوں کے سوا جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے، تم کچھ نہیں پاؤ گے۔

ڈیمیٹر یوس اس گفتگو سے بے حد متاثر ہوا، اور صلح قبول کر لی، اس اچانک حملہ نے ان نبطی عربوں کو ایک منتظم سیاسی جمعیت کے قالب میں بدل جانے پر مجبور کر دیا، چنانچہ اس انقلاب نے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی کہ یونان عظمیٰ، رومۃ الکبریٰ، اور خاندان اسرائیل کی گردنیں بھی ان کے آگے کبھی کبھی جھک جاتی تھیں۔

آگے کے واقعات سمجھنے کے لئے یونان و روم اور یہود کی تاریخ کے بھی چند فقرے پڑھ لینے چاہئیں، انٹی گونس کی حوصلہ مندی کو اس شکست سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا، اس نے رفتہ رفتہ بطلیموس سے شام اور سلوکیوس سے بابل (عراق) لڑ کر چھین لیے، ناچار سلوکیوس اور بطلیموس دونوں نے متحدہ طاقت سے ۳۰۱ ق م میں انٹی گونس کی مملکت مقبوضہ کے حصے بخرے کر کے آپس میں بانٹ لئے اس تقسیم کی رو سے شام سلوکیوس کو، اور مصر و قبرص بطلیموس کو ملا، مورخین عرب خاندان سلوکیوس کو ''سلوقیین'' اور خانوادہ بطلیموس کو بطالسہ یا بطالمہ (جمع بطلیموس) کہتے ہیں، سلوقیین اور بطالمہ نے ان ممالک پر ایک مدت تک حکومت کی۔

شام میں بنی اسرائیل کی پہلی حکومت کو شاہان بابل نے برباد کیا، بابل پر فارس کی حکومت نے جب غلبہ حاصل کیا، تو ان کو ۵۵۰ ق م میں، پھر آزادی نصیب ہوئی، اور فارس کے زیر اقتدار بنی اسرائیل کے ایک خاندان یہود نے جس سے یہودیہ کی بنیاد پڑتی ہے، ایک نیم آزاد حکومت پھر قائم

کی، لیکن ۳۳۳ ق م میں اسکندر نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا، اس کے بعد مملکت یہودیہ (یروشلم یعنی بیت المقدس) بطلیموس، انٹی گونس، اور آخر سلوقیین کی ماتحت ہو کر فنا ہو گئی، دوسری صدی ق م میں جب یونانیوں کی پیرسال قوتیں، نوجوان رومی خون سے ہر جگہ شکست کھا کر اس کے لئے جگہ خالی کر رہی تھیں، یہود کی ابدی الموت زندگی نے آخری بار بدن کو جنبش دی، اور مکابیین کے نام سے رومیوں کے بل پر ۱۶۸ ق م میں ایک حکومت، یہودیہ میں قائم ہوئی۔

مکابیین[۱] اولاً مذہبی کاہن کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن آخر بادشاہ بن بیٹھے، حصول تخت کے لئے ہمیشہ اس خاندان کے ارکان باہم نبرد آزما رہے، رومی آہستہ آہستہ ان کی آزادی سلب کرتے جاتے تھے، پہلے یہود سے ادوم میں حکومت منتقل کر دی اور اس کے بعد پامپی رومی نے ۶۳ء میں ہمیشہ کے لئے اس تماشا گاہ پر پردہ ڈال دیا۔

یہ تاریخ تمام تر نبطی عربوں سے گوناگوں تعلق رکھتی ہے، ملک یہودیہ، نباطیہ سے ہم سرحد تھا، دونوں صوبوں میں تقریباً ایک ہی قسم کے سیاسی حالات رونما ہوتے تھے۔

سلوقی خاندان[۲] ابھی صرف سو برس شام پر حکومت کرنے پایا تھا کہ ۱۶۶ ق م میں یہودا مکابی بانی خاندان یہود نے بغاوت کی، یہود خود عرب گئے اور نبطی عربوں سے شرکت و اعانت کی درخواست کی کہ ہم لوگ متحدہ طاقت سے ان بیرونی قوموں کو نکال دیں (قد، ج ۲ کتاب ۲۲، باب ۸، فقرہ ۳) سلوقیوں نے جب یہ دیکھا کہ تو انھوں نے بھی ان عربوں کی طرف ہاتھ پھیلایا (فقرہ ۴) اس وقت غالباً حارث اول انباط کا بادشاہ تھا، جس کا زمانہ ۱۶۹ ق م ہے۔

زید بائل نبطی کے عہد میں سکندر سلوقی اور ڈیمریوس سلوقی کے مابین دعوائے تخت کی بنا پر منازعت پیدا ہوئی، ڈیمٹریوس کے طرفدار نبط تھے، اور یہود سکندر کے حامی تھے سکندر نے شکست

---

۱ مکابین اور بنوادوم میں سے حسب ذیل اشخاص یہودیہ کی ریاست پر ممتاز ہوئے: ۱۔ یہودا مکابی بانی خاندان، ۲۔ یاناتان مکابی، ۳۔ سمول مکابی، ۴۔ یحیٰ ہرکینوس مکابی، ۵۔ سکندر مکابی اول، ۶۔ ارسطو بولوس مکابی، اسکندر مکابی دوم، ۷۔ ہرکینوس دوم، اس کے بعد رومیوں نے انٹی پیٹرادومی کو یہ ریاست عطا کی، اس کے بعد ہیراڈ ادومی رئیس یہودیہ مقرر ہوا، بعد ازیں ریاست کو تین ٹکڑے کر کے اگرپا ادومی کو رئیس الحکم بنایا گیا، اگرپا کے بعد یہ مستقل رومی صوبہ بن گیا۔ ۲ یہ تمام واقعات تاریخ یوسیفوس سے التقاط کئے گئے ہیں، ہر واقعہ کا کتاب، باب، فقردی تقسیم سے حوالہ دیا گیا ہے، یوسیفوس کی تاریخ اسی ترتیب پر منقسم ہے۔ (قد سبت یہود) کے حصری طرف اشارہ ہے۔

فاش کھائی۔ اس وقت عرب کی آزاد زمین کے سوا اس کو کوئی مامن نظر نہ آیا لیکن درحقیقت اس کی روح اس وقت حقیقی مامن کی تلاش میں نکل چکی تھی۔ زید بابل نے سکندر کا سر کاٹ کر بطلیموس کے پاس بھیج دیا۔ (قد ج ۲، ۱۳، ۴، ۸)

زید بابل کے بعد مالک اول تخت نشین ہوا، سکندر سلوقی کا بیٹا، انطیاخوس اسی معرکہ میں انباط کے ہاں قید ہو کر پرورش پا رہا تھا، یونانیوں نے جو سکندر کے طرفدار تھے، مالک سے درخواست کی کہ انطیاخوس کو باپ کی جگہ حکومت کے لئے آزاد کیا جائے، شدید اصرار کے بعد مالک نے یہ درخواست قبول کی۔ (قد، ج ۲، ۱۳، ۵، ۱)

یونانیوں کی اس خانگی منازعت نے، یہود و انباط میں کشمکش پیدا کر دی، یاناتاں مکابی رئیس یہودیہ جس کی قوت یونانیوں کے ضعف سے نشو و نما پا رہی تھی، اس نے اچانک نبطیوں پر حملہ کیا، اور ان کو نقصان پہنچایا۔ (قد، ج ۲، ۵، ۱)

حارث دوم کے زمانہ میں یونانیوں نے غزہ کے یہودیوں پر حملہ کیا، حارث جو اس وقت انباط کی قوت کا مالک تھا، اپنے عہد کا ممتاز بادشاہ تھا، اس نے یونانیوں سے اعانت کا وعدہ کیا، لیکن اس سے پہلے کہ عربوں کی کمک پہنچے یونانی خود خانگی منازعات میں مبتلا ہو گئے۔ (قد، ج ۲، ۱۳، ۱۳، ۳)

حارث دوم کے بعد عبادہ اول مملکت انباط پر تخت نشین ہوا اس کے عہد میں اسکندر مکابی جو یہودیہ کا ایک مجنون رئیس تھا، انباط پر حملہ آور ہوا، اور گو جنگ میں نبطیوں کے ہاتھ سے بمشکل جانبر ہو سکا تاہم صوبہ مواب اور جلعاد کے ۱۲ شہر ان سے چھین لے گیا۔ (۱۳، ۱۳، ۵ نیز ۱۴، ۱، ۴) لیکن یہود اس فتح سے خوش نہ ہوئے اور انھوں نے سکندر کو مجبور کیا کہ وہ مواب وجلعاد کے صوبے عربوں کو واپس کر دے کہ وہ دشمنوں کے شریک نہ بن سکیں۔ (۱۳، ۱۴، ۲)

حارث سوم (۸۷ تا ۶۲ ق م) حکومت انباط کا سلطان اعظم ہے، انطیاخوس ڈیانیسیوس سلوقی اس وقت ملک عرب پر حملہ آور تھا، حارث کی فوج خالص عرب شجاعت کے ساتھ یونانیوں کے مقابل تھی، پہلے حملہ میں وہ پسپا ہو رہی تھی کہ دفعتہ حارث دس ہزار سواروں کے ساتھ میدان جنگ میں نمودار ہوا، انطیاخوس بہادری سے لڑتا رہا، اور عین اس وقت جب کہ بودی فتح اس کے سامنے تھا، لڑائی میں کام آیا اس کے مرنے کے بعد فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حارث کے لئے اب یہاں سے دمشق تک جو سلوقین کا پایہ تخت تھا کوئی روک نہ تھی اور خود بطلیموس وسلوقی خاندان باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے،

چنانچہ خود اہل دمشق کی دعوت پر حارث دمشق پہنچا، اور سکندر اعظم کے جانشینوں (سلوکیوں) کا تخت اس کے پاؤں کے نیچے تھا۔ (۱،۱۵،۱۳،۱)

پہلی صدی ق م کے اواسط میں اسکندر مکابی کے دو بیٹوں میں تخت یہود یہ کیلئے منازعت ہوئی ایک نے بھاگ کر حارث کے دامن میں پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ تخت نشین کر دیا گیا تو جن ۱۱ نبطی شہروں پر اس کا باپ قابض ہو گیا تھا، وہ واپس کر دے گا[1]، حارث پچاس ہزار سپاہ کے ساتھ رقیم (پٹرا) سے نکلا، یہودیوں نے میدان میں شکست کھائی اور یروشلیم میں قلعہ بند ہو گئے، حارث یروشلیم کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا کہ نوشباب رومیوں کی فوج نمودار ہوئی، جس نے ۳۰۰ ٹالنٹ (۲۵ لاکھ روپے) پر یہودیوں سے یہ جنگ خرید لی، ناچار حارث کو پیچھے ہٹ آنا پڑا[2]، لیکن رومیوں نے پیچھا نہ چھوڑا، خود پامپی اور اس کے سپہ سالار سکاروس (Seaurus) نے پہلی صدی ق م کے اواسط میں بار بار رقیم (پٹرا) پر حملہ کیا، لیکن راستہ کی دشوار گذاری ہمیشہ انباط کے لئے قلعہ ثابت ہوتی رہی، ناچار سکاروس نے ادھر ادھر شہروں کو جلانا اور برباد کرنا شروع کر دیا، آخر ۳۰۰ ٹلنٹ یعنی تقریباً ۲۰ لاکھ روپے ایک ادومی سردار انٹی پیٹر کی دلالی سے اپنے وحشیانہ اعمال کی قیمت لے کر واپس پھر گیا[3]۔

یہ واپسی رومیوں کے تخیل میں عظیم الشان فتح تھی، اس کی یادگار میں ایک سکہ جاری کیا گیا، جس میں دکھایا گیا کہ حارث سرنگوں ایک ہاتھ میں اونٹ کی مہار اور دوسرے میں ایک خوشبودار درخت کی ٹہنی (جو ملک عرب سے شاید عبارت ہے) لئے کھڑا ہے[4]، سکاروس کے بعد گلبیوس (Galbieus) اس کی جگہ پر آیا، اس نے یہود یہ رومیوں کی خیر خواہی کے معاوضہ میں انٹی پٹر ادومی کے حوالہ کیا اور خود انباط کی فتح کے ارادہ سے نکلا، اور کہتے ہیں کہ میدان میں غالب آیا[5]۔

عبادہ ثانی کے عہد کا کوئی واقعہ نہیں معلوم۔

مالک ثانی (۴۷ تا ۳۰ ق م) کا زمانہ بعض حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ ہے، انٹی پیٹر مر چکا تھا، اور اس کی بجائے ہیرود یہود یہ کا رئیس تھا، روم میں سیزر اعظم (قیصر) کے قتل کا واقعہ پیش آ چکا تھا، اور انٹونی اپنے حریف (قاتلین قیصر) پر غالب آ رہا تھا، مصر میں خاندان بطلیموسی کی آخری شہزادی کلیو پٹرا تخت نشین تھی، ہیرود ڈروپیوں کی تھیلی دے کر رومیوں سے ''بادشاہ یہود'' کا لقب خریدنا چاہتا تھا

---

[1] قد ج ۲-۱۴،۱،۲۰ [2] بحوالۂ سابق باب ۲ فقرہ ۱۱،۱۲ [3] قد کتاب ۱۴ باب ۳ فقرہ ۴۸۰
[4] قد کتاب ۱۴ باب ۵ فقرہ اومحاربات کتاب ۱ باب ۵ فقرہ ۱۰ [5] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم ج ۲۰ ص ۳۰۵

اور اسی ضرورت سے مالک کے پاس جانا چاہا کہ اس سے کچھ رقم بطور قرض یا دوستانہ حاصل کرے، لیکن مالک نے ملاقات سے انکار کر دیا کہ فارس کی ہمسایہ حکومت اس تعلق کو پسند نہیں کرتی، ہیرودڈ رنجیدہ ہو کر روم چلا گیا[1] لیکن عرب جن کی ضرورت ہر قدم پر ہمسایہ حکومتوں کو ہوتی تھی، ان سے کب تک اعراض ہو سکتا تھا، چنانچہ چند ہی روز کے بعد ایک فوج کشی میں پانی کے لئے نبطی عربوں کی اعانت کی حاجت محسوس ہوئی[2]، روم سے چل کر انٹونی اب مصر و شام کا فرمانروا تھا، عرب گو میدان میں مفتوح نہیں ہوئے تھے، تاہم رومیوں کی سیاسی فوقیت کو تسلیم کرتے تھے، انٹونی سب کچھ جو اس کا تھا کلیوپٹرا کو نذر کر چکا تھا، وہی ان ممالک سے خراج وصول کرتی تھی، یہودیہ اس کے لئے تیار تھا لیکن عرب نبط اس محکومی کے لئے تیار نہ تھے، شاہ یہود کے توسط کے بعد بھی مالک خراج دینے پر آمادہ نہ ہوا آخر الامر یہود نے رومیوں کی محبت اور کلیوپٹرا کی ناز برداری میں عربوں پر حملہ شروع کیا، بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں جن میں طرفین سے ہزاروں آدمی کام آئے، اور یہودی مورخ یوسیفوس کے بیان کے مطابق اکثر عربوں کو شکست ہوتی رہی[3]۔

عبادہ ثالث (۳۰ تا ۹ ق م) گو ایک سست طبع اور ناکارہ تھا، لیکن اس کا وزیر نہایت ہوشمند اور چالاک تھا، یونانی تلفظ میں اس کا نام سائیوس (Sylleus) مذکور ہے (اصل شاید سائل، یا سئیل ہو) سائیوس ہمیشہ اپنی دانشمندانہ سازشوں سے، یہودیوں اور رومیوں دونوں کو زک دیتا رہا[4] ۱۸ ق م میں رومیوں کو جو فتح عرب کے خواب دیکھ رہے تھے، عرب کے بے آب صحرا میں جس طرح ان کی ہمت کو شکست دے کر واپس چھڑا لیا، وہ اب تک ہر آدمی اور یورپین مورخ کے قلم کے لئے سرمایہ غم و ندامت ہے، واقعہ کی تفصیل ''حمیر'' کے ذکر میں اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

حارث رابع (۹ ق م تا ۴۰ء) حضرت یحییٰ بن زکریا، اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا معاصر تھا، اس کا پہلا نام انیس تھا، عبادہ کی وفات کے بعد جب یہ بادشاہ ہوا تو اپنے لئے شاہی نام حارث اختیار کیا۔

ہیرودڈ شاہ یہودیہ حارث کا داماد تھا، یہ شخص نہایت بدکار اور ستم دوست تھا، اپنے بھائی کے مرنے پر اس نے بھاوج سے جو اس کی علاتی بھتیجی تھی، دوسری شادی کر لی، حضرت یحییٰ ان دنوں پند و

[1] قد ۱۴-۱۴ و محاربات ۱،۱۴،۱ [2] قد ۱۵ باب ۶،۵،۴ [3] قد ۱۵ باب ۶،۵،۴

[4] قد ۱۶-۷،۶ باب ۹ و محاربات ۶،۲۴،۱

دموعظت کے پیغمبرانہ اثر سے قلوب کو مسخر کر رہے تھے، ان کی محبوبیت یہودیہ میں جتنی ترقی کرتی جاتی تھی، ہیرودڑ اسی قدر کانپتا جاتا تھا، حضرت یحییٰ نے ہیرودڑ کو اس شادی پر ملامت کی، خون آشام بادشاہ سے ضبط نہ ہوسکا، حضرت یحییٰ کا سر کاٹ کر دوسری بیوی کے نذر کیا۔

ہیرودڑ کی پہلی بیوی باپ کے پاس عرب چلی گئی، حارث اپنی اس خاندانی اہانت پر غصہ سے بیتاب ہوگیا، فوراً یہودیہ پر فوج کشی کی تیاری کردی اور اس زور وشور سے حملہ آور ہوا کہ ہیرودڑ تاب نہ لا سکا اور سخت ہزیمت اٹھا کر واپس آیا، یہودی معتقد تھے کہ شکست حضرت یحییٰ کے قتل کا پاداش عمل تھا[1]، حارث سیدھا دمشق پر قابض ہوگیا، رومی ہیرودڑ کی مدد کے لئے آئے، لیکن اتفاقاً اس اثنا میں (۳۷ء) میں خود قیصر مرگیا حارث کئی برس تک دمشق پر قابض رہا، پولوس (سینٹ پال) موجودہ عیسائیت کا بانی اسی حارث کے ہاتھ میں قید ہوا تھا، آخر ڈوری لٹکا کر اس کے سہارے قید خانہ سے نکل کر بھاگا[2]۔

حارث کے بعد دولت انباط رومی اقتدار کے پردے میں بالکل چھپ گئی، گویا حارث کا وجود اس چراغ کا آخری سنبھالا تھا، گو بجھنے کے بعد بھی چراغ کا دھواں ۱۰۶ء تک نظر آتا رہا۔

انباط کے مٹنے کے بعد بہت سے عرب قبائل اندرون ملک سے خالی جگہ کو بھرنے کے لئے نکل آئے جن میں زیادہ مشہور آل غسان ہیں، جو انباط کے ہم نسب تھے۔

تقریباً ۵۳ برس کے بعد جب اسلام آیا تب بھی انباط دنیا سے معدوم نہ تھے، ملک شام میں ان کا پیشہ غلہ اور روغن فروشی رہ گیا تھا[3]، اوپر کے شہر، تدمر، معان، بصریٰ، وغیرہ آل غسان کے ہاتھ میں اور حجر، تیماء، خیبر، وغیرہ جو نبطیوں کے گھر اور قلعے تھے، ان سب پر یہود قابض تھے[4] نبطیوں کی بقیہ آبادی قومی حیثیت کھو کر یہودیوں، یونانیوں اور رومیوں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ عہد اسلام میں ان اطراف میں جب عرب پھیلے، تو کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکا، عربوں نے ہمیشہ ان کو ایک اجنبی قوم سمجھا، اور یہ خود بھی اپنے کو نبطی کہتے تھے، ان ہی میں سے حسان نبطی ہے جو ہشام بن عبد الملک کا ایک درباری تھا[5]۔

اصحاب الحجر اس عظیم الشان قوم کا عروج وزوال، حیات وموت، زندگی وفنا ہم قوم عرب کیلئے کس درجہ سبق آموز ہوسکتی تھی، تعجب ہوتا اگر قرآن مجید اس عبرتناک تاریخ سے خالی ہوتا۔

---

[1] حارث وہیرودڑ کے تمام واقعات کے لئے قد ۱۸، ۵ پڑھو [2] نامۂ پال ۲ بنام قرنیتون ۱۲، ۳۲ [3] زرقانی بر مواہب لدینہ ج ا صحیح بخاری غزوۂ تبوک [4] معجم الیاقوت میں ان شہروں کے حالات پڑھو۔ [5] ابن خلکان ذکر خالد القسری

تم نے اوپر پڑھا ہے کہ انباط کے مرکز حکومت دو تھے، رقیم (پٹرا) متصل شام اور حجر (اجرا) اندرون عرب، قرآن مجید نے ان کو اسی قریب تر شہر کے مالک کہہ کر ان کو پکارا ہے:

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

اہل حجر نے پیغمبروں کو جھٹلایا (یعنی گزشتہ اور معاصر پیغمبروں کی ہدایات قبول نہ کیں) ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں، ان سے منہ پھیر لیا، یہ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے تھے جن میں امن و آرام کے ساتھ رہتے تھے، ان کو عذاب نے صبح کرتے ہوئے لے لیا، پھر ان کے کارناموں نے ان کو کوئی فائدہ نہ بخشا۔

تمام مفسرین نے ''اصحاب الحجر'' سے ثمود مراد لیا ہے، اس میں شک نہیں کہ ثمود کا دار الحکومت بھی کبھی یہی شہر تھا لیکن قرآن مجید کا عام طرز ادا بتاتا ہے کہ اصحاب الحجر سے ثمود کے علاوہ ان کے بعد کی آبادی مراد ہے، قرآن مجید نے ثمود کا ۲۶ جگہ ذکر کیا ہے، لیکن ہر جگہ ان کا نام لیا ہے، اس اجمال کے ساتھ یعنی ''حجر والے'' کہہ کر کہیں نہیں بیان کیا ہے، ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، ثمود کی تعمیر وسنگتراشی کا قرآن مجید میں جہاں ذکر ہے وہاں مقام کا نام بھی بتا دیا ہے، یعنی وادی القریٰ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ثمود جنہوں نے وادی القریٰ میں پتھر تراشے، یہاں ''حجر والے'' کہہ کر ان کی تعمیر وسنگتراشی کا ذکر کیا ہے، اس سے اشارہ یہ ہے کہ ان کی سنگی عمارتیں حجر میں واقع تھیں، ان کے نشان اور آثار اب تک موجود ہیں، ان پر جو کتبات منقوش ہیں، ان میں بانی اپنا نام ''نبطیو'' بتاتے ہیں، جس کو ہر نبطی خط وزبان کا عالم ہر وقت پڑھ کر تصدیق کر سکتا ہے، اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے، کہ اصحاب الحجران ہی انباط کا لقب تھا، صحیح بخاری اور احادیث وسیر کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ آں حضرت ﷺ تبوک کو تشریف لے جاتے ہوئے مقام حجر سے گذرے تھے، اس موقع پر بھی اکثر روایتوں میں ثمود کا نام نہیں، یہ فقرہ مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا لاتدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسھم الا ان تکونوا باکین ان یصیبکم مثل ما اصابھم ان اپنی جان پر آپ ظلم کرنے والوں کے گھروں میں روتے ہوئے چلو، ایسا نہ ہو کہ جو مصیبت ان پر آئی ہے تم پر بھی آئے، یہ روایت امام بخاری نے، باب غزوہ تبوک تفسیر سورہ حجر، اور ثمود کے ذکر میں درج کی ہے، اس میں ثمود کا مطلق نام نہیں، ایک روایت میں یہی حدیث بزیادت الفاظ اس طرح مروی ہے، ان الناس مع رسول اللہ نزلوا ارض ثمود الحجر اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حجر ثمود کا ملک بھی تھا اور اس سے ہم کو انکار نہیں۔

"اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کم از کم ۱۶۰ ق م سے ۱۰۶ء تک انباط ان مقامات پر قابض تھے،
اب ڈائیڈ روس اور پلینی کی شہادتوں کو باہم پیش نظر رکھو، ڈائیڈ روس ۸۰ ق م کہتا ہے:

"اوپر گذرتے ہوئے تم خلیج ایلہ (عقبہ) میں داخل ہو گے، جس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ "نبط" کہتے ہیں، نہ صرف سواحل کے بڑے حصہ پر بلکہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں[1]۔"

مورخ پلینی (۷۹ء) اسی خلیج ایلہ کے ذکر میں کہتا ہے:

"خلیج کے اندرونی گوشہ میں ایلانی لوگ بستے ہیں، جن کے سبب اس خلیج کا نام ایلہ ہوا (یہ تحقیق بالکل غلط ہے، واقعہ برعکس ہے، یعنی خلیج ایلہ کی سکونت کے سبب سے ان کو ایلی کہتے ہیں) اور جوا گرا (حجر) اپنے شاہی شہر میں بھی رہتے ہیں[2]۔"

ان دونوں شہادتوں کی تطبیق سے تاریخی طور سے بھی ظاہر ہوگا کہ "حجر" کے باشندے اس عہد میں انباط تھے، اور قرآن مجید کے نسق عبارت سے جس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک شاہی دار الحکومت ہوگا، یونانی تاریخ جو خود انباط کے عہد وجود میں لکھی گئی ہے، اس کی تصدیق کرتی ہے۔

قرآن مجید نے ان کی سنگی عمارتوں کا ذکر کیا ہے، گو ان کے آثار اب تک رقیم، حجر، تیماء، اور علا، وغیرہ میں موجود ہیں، لیکن انباط کی معاصر تاریخ بھی اس کے ثبوت سے خالی نہیں، اسٹرابو لکھتا ہے:

"ان کے مکانات عالی شان اور پتھر کے ہوتے ہیں۔" (طلاۓ مدین ص ۲۲۸)

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے ان عمارتوں کو تیسری چوتھی صدی میں دیکھا تھا اصطخری بیان کرتا ہے:

الحجر قرية صغيرة قليل السكان وهو من وادي القرى على يوم بين جبال وبها كانت منازل ثمود، ورأيت تلك المساكن مثل بيوتنا في اضعاف جبال	حجر وادی القریٰ سے ایک دن کی راہ پر، پہاڑوں کے بیچ میں ایک کم آباد گاؤں ہے۔ یہیں ثمود کے گھر تھے، ہم نے اپنے گھروں کے برابر ان گھروں کو پہاڑوں کے سلسلوں میں دیکھا۔

(یاقوت "الحجر")

حجر میں اب تک یہ عمارتیں موجود ہیں، ان میں اکثر مقبرے ہیں، جو پہاڑوں کو کاٹ کر

---

[1] دیکھو فصل "انباط کا رقبۂ حکومت"۔ [2] طلاۓ مدین یعنی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۲

بنائے گئے ہیں، ان عمارتوں پر نبطی خط اور آرامی زبان میں مذہبی کتبے ہیں، ان میں انباط کے بتوں کے نام بھی مذکور ہیں، جن میں قیس، ذوالشریٰ، مناۃ، مشہور دیوتا ہیں، موجودہ عمارات میں ایک عمارت ''قصرالبنت'' کے نام سے مشہور ہے۔[1]

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مضمون ''عرب''

آل غسّان

نابت بن اسماعیلؑ کی ایک اور شاخ

غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۝ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ

انباط کے مٹنے کے بعد حدود شام میں ایک اور عرب خاندان نے ظہور کیا، جس کو عموماً آل غسان یا غساسنہ اور کبھی بانی خاندان کے نام سے آل جفنہ کہتے ہیں۔

آل غسان کا نسب عام علمائے انساب کی تشریح کی بنا پر، آل غسان، قحطانی سبا کے خاندان کہلان سے تھے، کہلان کے سالار خاندان عمر مزیقیا کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ سد عرم ٹوٹے گا اور سبا برباد ہو جائیں گے، اس لئے وہ یمن سے نکل کر حجاز کی راہ سے شام آیا، بعض حجاز و تہامہ میں رہ گئے، اور وہ اوس و خزرج وغیرہ ہیں، اور بقیہ حصہ شام و عراق چلا گیا، لیکن اصول تحقیق کی رو سے یہ تمام تر افسانہ ہے، گذشتہ ابواب میں قحطانی و اسماعیلی خاندان کی تشخیص، تمیز کی اتنی علامتیں بیان کی جا چکی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے بآسانی دونوں سلسلوں میں امتیاز کیا جا سکتا ہے، جس سے کلبی اور ابن ہشام (علمائے انساب) کے اکاذیب کا انبار دفعۃً جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔

(۱) سبا و حمیر کے بیان میں قحطانی، اور انباط کی فہرست میں اسماعیلی، ناموں کی طویل فہرست گذر چکی ہے، آل غسان کے ناموں کو دونوں کے درمیان رکھ کر دیکھ لو، تم فوراً کہہ دو گے کہ یہ یقیناً اسماعیلی تھے، اور اسماعیلیوں میں بھی نابتی۔

(۲) آل غسان کی زبان اور خط تحریر دونوں اسماعیلی ہیں، زبان شمالی عربی زبان ہے اور خط تحریر نبطی ہے، اگر یہ قحطانی خاندان ہوتا تو زبان و خط دونوں حمیری ہوتے۔

(۳) خود عرب مورخین کی شہادت ہے کہ آل جفنہ پہلے تہامہ میں نہر غسان کے پاس آباد تھے اور اسی لئے ان کو غسانی کہتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ تہامہ خاص اسماعیلی عربوں کا مرکز تھا، عربوں کے مآباد و بیانیوں نے بھی دوسری صدی عیسوی کے وسط میں تہامہ اور سواحل بحر احمر پر ان کی سکونت

بیان کی ہے۔

(۴) یہ وہ دلائل ہیں جو مستشرقین یورپ اس موضوع کے متعلق پیش کرتے ہیں، لیکن ہم اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کرتے ہیں، ابو طاہر مقدسی، مصنف کتاب البدء والاخبار جو ایک قدیم مصنف ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے:

وقال المنذر بن حرام جد حسان بن ثابت بن المنذر فی الجاھلیة العمیاء یذکر نسبھم الی غسان ثم الی نابت بن مالك ثم الیٰ نابت بن اسمعیل بن ابراھیم	حسان بن ثابت کا دادا منذر بن حرام جو خالص زمانۂ جاہلیت میں تھا ان کا (اوس وخزرج کا) نسب غسان تک اور غسان سے نابت بن مالک تک اور نابت بن مالک سے نابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) تک پہنچاتا ہے۔

ورثنا من البھلول عمرو بن عامر — وحارثة الغطریف مجد امؤثلا

موارث من انباء نبت بن مالك — ونبت بن اسمعیل ما ان تحولا

شاعر خود غسانیوں کا ہم نسب ہونا ظاہر کرتا ہے، اور خود غسانیوں کے زمانہ وجود میں یہ قصیدہ لکھا گیا، اس بنا پر آل غسان کے متعلق اس سے موثوق تر شہادت نہیں مل سکتی، اگر یہ شعر غلط بھی ہوں تب بھی کم از کم اتنا تو بے شبہ ثابت ہوگا کہ ابتدائی صدیوں میں غسانیوں کا نابت ابن اسماعیل کی نسل سے ہونا زیر بحث تھا۔

آخری فیصلہ کے لئے ہم قحطانی حمیری اور اسماعیلی نبطی بادشاہوں کے نام غسانیوں کے پہلو بہ پہلو لکھتے ہیں، اس مقابلہ سے قومیت کا راز خود بخود فاش ہو جاتا ہے۔

قحطانی	غسانی	اسماعیلی نبطی
نرع ینہب	جفنہ	حارث اول
ذمر علی بین	تعلبہ	زید ایل
الیشرح یحمل	حارث اول	حارث دوم
کرب ایل وتار	جبلہ اول ودوم	عبادۂ اول
یاسر انعم	حارث دوم	حارث سوم

شمر یرعش	منذر	ریبال
ملیکرب یوہنعم	نعمان	عبادۂ دوم
شرحبیل یعفر	حارث سوم	مالک اول و دوم و سوم
ذونواس	حارث چہارم	حارث چہارم

آل غسان کی تاریخ

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ دوسری صدی کے وسط میں غسانی، تہامہ میں اقامت گزین تھے، اس کے بعد وہ حدود شام میں منتقل ہوئے ہیں، ان اطراف میں غسانیوں کی انتہائے حکومت کا زمانہ ۶۳۳ء (عہد فاروقی ہے) ابتدائے عہد کی تاریخ نامعلوم ہے، اب قرائن سے اس کی تعیین کرنی چاہئے، عرب مورخین کی تفصیل کی بنا پر غسانیوں کی مدت حکومت میں اختلاف ہے، حمزہ اصفہانی نے ۶۰۰ برس لکھی ہے، اس بنا پر ان کا ابتدائی زمانہ پہلی صدی مسیحی ہوگا، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، کیوں کہ یہ قطعی طور سے معلوم ہے کہ انباط کی حکومت رومیوں کے زیر اقتدار ۱۰۶ء تک باقی تھی، نیز بطلیوس کے عہد تک یعنی دوسری صدی عیسوی تک آل غسان، تہامہ میں موجود تھے۔

ابوالفدا نے ان کی مدت ۴۰۰ قرار دی ہے، اور قرائن مذکورہ بالا کے لحاظ سے یہ تقریباً صحیح ہے، اس بنا پر ان کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تیسری صدی مسیحی کا اوائل ہوگا، عرب مورخین کا بیان ہے کہ غسان سے پہلے یہاں مشہور عرب قبیلہ قضاعہ کی شاخ تنوخ اور سلیح (ضجعم) برسر اقتدار تھی، اس بنا پر ان کا زمانہ ۱۰۶ء (زوال انباط) سے ۲۰۰ء (عروج غسان) تک ہوگا۔

عرب و شام کے درمیان جو حدود ہیں، ان کو حواران کہتے ہیں، اور ان ہی کا اذرعات بھی نام ہے، یہ قدیم زمانہ میں موآب، عمان اور ادوم سے متعلق تھا اور اس عہد سے پہلے یہاں انباط کی حکومت تھی، موآب گو یہ رومیوں کے زیر اقتدار تھا، تاہم اصلاً آل غسان کی حکومت تھی، تدمر، رقیم، عمان، معان وغیرہ شہر اس میں آباد تھے، مشہور شہر بصریٰ اس کا دارالحکومت تھا، آں حضرت ﷺ قبل بعثت اسی حکومت کے زمانہ میں بغرض تجارت شام اس شہر میں وارد ہوئے تھے، بحیرا راہب کا جو قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ بھی یہیں کا واقعہ ہے۔

اس خاندان کے بادشاہوں کی تعداد حمزہ نے ۳۲ بیان کی ہے، لیکن اس تعداد میں عموماً بعض معاصر حکمران غسانی شہزادوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے، حقیقی اور مستقل بادشاہوں کی تعداد مسعودی نے ۱۹

اور ابن قتیبہ نے ۱۰ لکھی ہے، لیکن چار سو برس کی مدت کے لئے یہ تعداد کم ہے۔

اسکندر کے بعد ایران میں ۳۲۴ ق م میں جو طوائف الملوکی پیدا ہوئی، اس کا خاتمہ ۲۲۶ء میں اردشیر بن بابکان ساسانی کے ظہور پر ہوا، اسی نئی طاقت نے جو جوش سے بھری ہوئی تھی، عرب کے شمالی حدود پر رومیوں سے ٹکر کھائی اور تین صدیوں تک برابر باہم زور آزمارہی

یہی مواقع تھے جن میں ایران و روم دونوں عربوں کی اعانت کے طالب تھے، شاہان حیرہ (عراق) ان معرکوں میں ایرانیوں کی طرف تھے، غسانی جنھوں نے عموماً عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا رومیوں کے ساتھ تھے، اس تعلق سے رومیوں کی تاریخ میں جن غسانی بادشاہوں کے نام آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ جبلہ	۵۰۰ء	۵۔ حارث اصغر بن حارث اکبر	۵۸۳-۶۱۴ء
۲۔ حارث اکبر بن جبلہ	۵۶۹ء	۶۔ حارث اعرج بن حارث اصغر	
۳۔ ابوکرب منذر بن حارث اکبر	۵۸۲ء	۷۔ نعمان بن حارث اصغر	
۴۔ نعمان بن منذر		۸۔۹۔ عمرو بن حارث اصغر و حجر بن عمر	
		۱۰۔ جبلہ بن ایہم	۶۳۶ء

آل غسان کی تاریخ تمام تر ایران و روم کی تاریخ کا خلاصہ ہے اور اسی تعلق سے غسان ہمیشہ حیرہ کے بادشاہوں سے لڑتے رہتے تھے (ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں کو اگر کبھی کامیابی ہوئی تو وہ ہمیشہ غسانیوں کی امداد کا نتیجہ تھا اور خود رومی بھی شکر گذاری کے ساتھ اس نتیجہ کا احساس کرتے تھے۔

رومیوں کی تاریخ میں سب سے پہلے جبلہ کا نام آتا ہے ۴۹۷ء کی ملکی بغاوت میں اس نے رومیوں کی بڑی مدد کی تھی، جبلہ کے بعد حارث بن جبلہ رومیوں کی نظر میں عرب کا سب سے بڑا ہیرو ہے، یہ نہایت مہیب شجاع اور پردل بادشاہ تھا، ۵۲۸ء میں حیرہ کی اور ۵۳۱ء میں رومیوں کے ساتھ ایرانیوں کی لڑائی میں اس نے نہایت ناموری حاصل کی ۵۶۳ء میں قیصر روم کی ملاقات کو قسطنطنیہ گیا، اسی کی وساطت سے کندہ کا شہزادہ اور عربی کا مشہور شاعر امراء القیس قیصر تک پہنچا تھا، حارث نے ۵۶۹ء میں وفات پائی۔

حارث کے بعد منذر تخت نشین ہوا، بہادری اور رومیوں کی اعانت میں یہ بھی اپنے پیشرو سے کم ثابت نہ ہوا، ۵۸۰ء میں قسطنطنیہ گیا، رومیوں نے اس کے سر پر تاج رکھا، حارث کے بعد اور بھی

ایک دو بادشاہ رامیوں کی تاریخ میں مذکور ہیں، لیکن انھوں نے کوئی بڑی ناموری حاصل نہیں کی۔

چھٹی صدی کی ابتدا سے ربع صدی تک (۶۰۱ء سے ۶۲۵ء تک مشرق و مغرب میں یا مجوسیت اور عیسائیت میں جوزور آزمائیاں ہوئیں، ان سے غسانیوں کی یہ چھوٹی سلطنت بھی مستثنیٰ نہ تھی، خسرو پرویز کی اولوالعزمیوں نے پندرہ برس میں، دامن فرات سے وادی نیل اور ساحل باسفورس تک ہر جگہ خاک اڑادی، شام میں رومیوں کی شکست نے ۶۱۳ء میں غسانیوں کی بساط الٹ دی، قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی جو سورہ روم میں ہے، اسی موقع کے متعلق ہے۔

رومی اپنی شہنشاہی کا تمام مشرقی حصہ کھو چکے تھے، آرمینیہ، شام، مصر، ایشیائے کوچک ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا، ایرانی قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے، ہرقل (ہرکلیوس) قیصر روم، قسطنطنیہ سے فرار کا سامان کر چکا تھا کہ مکہ کا پیغمبر نبوت کی پرجلال آواز میں مترنم ہوا:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ	الم۔ رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہو گئے۔ وہ مغلوبی کے بعد عنقریب چند سالوں کے اندر غلبہ پائیں گے۔

دفعتہً ہوا کا رخ بدل گیا، ۶۱۶ء تک رومیوں نے ایک ایک کر کے اپنا ملک واپس لے لیا، غسانیوں نے سنبھالا لیا، حارث بن ابی شمر ایک پرزور شخص غسانیوں میں بادشاہ ہوا۔

لیکن اب خود اسلام کا نیر تاباں شعاع افگن تھا، ۷ھ (۶۲۹ء) میں آں حضرت ﷺ نے شاہان عالم کے نام اسلام کی دعوت بھیجی، دحیہ کلبیؓ ہرقل کے اور شجاع بن وہبؓ اسدی جبلہ غسانی کے دربار میں پہنچے، لیکن بدبختوں نے نہ صرف یہ سعادت قبول نہ کی بلکہ بعض دعاۃ اسلام کو تکلیف دی یا قتل کر ڈالا، اور گذشتہ فتوحات سے بدمست ہو کر، اب خود مدینہ پر حملہ کی تیاری کرنے لگے۔[۱]

انباط جو اب رومیوں کی رعایا تھے، دونوں طرف کے جاسوس تھے، دمبدم مدینہ میں خبر پہنچتی تھی کہ غسانی گھوڑوں کی نعلبندی کرا رہے ہیں، اور اب آتے ہیں۔[۲]

آخر آں حضرت ﷺ نے پیش قدمی مناسب سمجھ کر، ۸ھ (۶۳۰ء) میں تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت حدود شام کی طرف روانہ فرمائی، ادھر سے رومی بے شمار رومیوں اور عربوں کی فوج

---

۱ بخاری باب ایلاء النبی ﷺ ۲ بخاری باب ایلاء النبی ﷺ

لے کر بڑھے، مقام موتہ میں دونوں کا تصادم ہوا، اور ایک غیر منفصل جنگ کے بعد مسلمانوں نے مدینہ کی طرف مراجعت کی، ۹ھ (۶۳۱ء) میں خبر پہونچی کہ ہرقل غسان لخم، جذام، عاملہ وغیرہ عرب قبائل کو لے کر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے، اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ تمام سپاہیوں کو تقسیم کر چکا ہے، ناچار خود آں حضرت ﷺ نے بہ نفس نفیس تیس ہزار جان نثاروں کے ساتھ شام کا رخ کیا، تبوک کے مقام پر پہنچ کر بیس روز تک رومیوں اور غسانیوں کا انتظار کیا، لیکن وہ مقابل نہ آئے، آں حضرت ﷺ نے حوران کے بعض زمینداروں سے صلح کر کے مراجعت فرمائی، سنہ ۱۰ھ (۶۳۲ء) میں اسامہ کی زیر قیادت ایک بڑی جمعیت شام کی طرف جانے کو تیار تھی کہ آں حضرت ﷺ نے وفات فرمائی[1]۔

۱۴ھ (۶۳۶ء) میں جو فاروق اعظم کا دور خلافت تھا، مسلمانوں نے شام پر مسلسل حملے شروع کئے، غسانی شہزادہ جبلہ بن ایہم مطیعانہ اسلام لایا اور نہایت تزک واحتشام کے ساتھ مدینہ آیا، حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی عزت کی، اتفاق سے حج کا موسم پیش آیا، طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک بدوی عرب کے پاؤں کے نیچے دب گیا، نومسلم شہزادہ نے غصہ سے اس کو ایک طمانچہ مارا، بدوی نے حضرت عمرؓ سے فریاد کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو اس کا قصاص دینا ہوگا، شہزادہ نے کہا کہ کیا ایک عامی شخص کے مقابلہ میں بادشاہ کی کوئی عزت نہیں ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ہاں اس بارگاہ میں شاہ وگدا کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

جبلہ نے ایک شب کی مہلت طلب کی، رات کو چھپ کر شام چل دیا، اور وہاں عیسائی بن کر قسطنطنیہ چلا گیا، لیکن اب وہ نادم تھا، اور جب تک جیتا رہا ندامت کے آنسو بہاتا رہا[2]۔

---

[1] یہ واقعات تمام سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ [2] اغانی ذکر حسان بن ثابتؓ

اوس وخزرج

نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ

انصار

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اوس وخزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کے نام ہیں، جو اسلام کے پہلے سے مدینہ میں سکونت پذیر تھے، اسلام آیا تو وہ اس کے پرزوردست وبازو تھے اور انصار ان کا خطاب تھا۔

اوس وخزرج کا نسب عام طور سے ان کو بھی قحطانی الاصل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحت سے تہی مایہ ہے، زبان، مذہب اور اخلاق قومی کے علاوہ روایات سے بھی ان کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔

(۱) بخاری میں روایت ہے کہ ابو ہریرہؓ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہؑ کا قصہ سنایا، آخر میں کہا تلک امکم یا بنی ماء السماء اے پاک نسبو لیہ تمہیں تمھاری ماں، محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں نہایت دقتیں تھیں لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل واشتباہ کا پردہ چاک کر دیا۔

(۲) تمام علمائے انساب اس پر متفق ہیں کہ اوس وخزرج، غسان کے ہم نسب ہیں، اور خود اوس وخزرج کا بھی بجائے خود یہی دعویٰ ہے، اس بنا پر اگر ہمارے دلائل غسان کے نابتی الاصل ہونے پر صحیح ہیں تو وہی بعینہٖ اوس وخزرج کے نابتی ہونے پر بھی ثبوت ہیں۔

(۳) اوس وخزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ قریش سے ان کے رشتے ناتے تھے، ہر سال پابندی کے ساتھ وہ حج کو آتے تھے۔

(۴) منذر بن حرام (حضرت حسان بن ثابت کا دادا) جو زمانہ جاہلیت میں اور خزرج کے قبیلہ سے تھا، اپنا نسب نابت بن اسماعیل تک پہنچاتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔

ورثنا من البهلول عمرو بن عامر وحارثة الغطريف مجد امؤثلا
موارث من ابناء نبت بن مالك ونبت بن اسمعیل ما ان تحولا

عمرو بن عامر اور حارثہ، دونوں غسانی اور اوس و خزرج کے پدر اعلیٰ تھے، غسان نے شام کا رخ کیا، اور اوس و خزرج نے حجاز کے شہر یثرب (مدینہ) میں سکونت اختیار کی، یثرب نہایت قدیم شہر تھا، یونانیوں نے اس کا اتبریا کے نام سے ذکر کیا ہے[1]، اسلام آیا تو طیبہ اور مدینۃ النبی (پیغمبر کا شہر) نام قرار پایا، اور مختصر ہو کر صرف مدینہ رہ گیا، پہلے یہاں عرب سامیہ اولیٰ آباد تھے، ان کے بعد یہاں یہود آئے، اور آخر میں اوس و خزرج کے قبیلے آکر بسے۔

اوس و خزرج کی شاخیں تو الدومر درزمانہ سے یہ دو قبیلے متعدد فروع اور شاخوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

۱۔ اوس

اوس کے صرف ایک اولاد تھی، مالک جس کی اولادوں کی حسب ذیل شاخیں ہیں:-

عمرو بن مالک، نبیت، عبدالاشہل، بنوظفر (کعب بن خزرج بن مالک بن اوس)

عوف بن مالک بنوعمرو بن عوف (اہل قبا) بنوجحجبی، مرہ بن مالک (جعادرہ اور اوس اللہ بھی اسی کا نام ہے)

سالم بن مالک (بنو واقف)

سالم بن مالک قبیلہ سعد بن خیثمہ

عبداللہ بن مالک بنوخطمہ

۲۔ خزرج

جشم بن خزرج بنوتزید، سلمہ بنوبیاضہ

عوف بن خزرج بنوالحبلی (قبیلہ عبداللہ بن ابی بن سلول راس المنافقین) بنوقوافل، بنوسالم

حارث بن خزرج

....

عمرو بن خزرج بنونجار (آں حضرت ﷺ کے ننہالی لوگ)

کعب بن خزرج بنوساعدہ (جن کا سقیفہ مشہور ہے یہی سعد بن عبادہ کا قبیلہ ہے)

[1] دیکھو جلد اول میں جغرافیہ عرب ص ۲۷

اوس وخزرج کی تاریخ اوس وخزرج کی تاریخ، ان کے ہم وطن یہودیوں کے ساتھ مخلوط ہے۔ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے یہود، اصلاً بنی اسرائیل تھے، یا یہودی المذہب عرب تھے، تاہم شمالی عرب میں نہایت کثرت سے اصل یہود آباد تھے، مدینہ کے اطراف میں بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع پرزور یہود خاندان آباد تھے، تجارت، زرگری، مہاجنی، لین دین، قرض دینا، رہن رکھنا، سود پر روپیہ لگانا، یہ ان کے پیشے تھے، بدوی عربوں سے حفاظت اور ملک میں سیاسی رعب پیدا کرنے کے لئے ہر تجارتی گودام پورا جنگی قلعہ تھا جنوب میں مدینہ ان کی آخری سرحد تھی، مدینہ سے لے کر حدود شام تک، خیبر، فدک، تبوک تیما، مدین، وادی القریٰ، حجر، وغیرہ میں ان کے قلعے اور برابر برابر آبادیاں تھیں[1]، مدینہ میں بنو قریظہ، اور نضیر کے مضبوط و مستحکم قلعے تھے، اسلام آیا تو یہی ان کا مایۂ غرور تھا، قرآن نے ان ہی قلعوں کی نسبت کہا ہے:

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ (احزاب:۳)	خدا نے ان یہودیوں کو جنہوں نے کفار قریش کی مدد کی تھی، ان کے قلعوں سے اتارا۔
لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (حشر)	اے مسلمانو! یہ یہود تم سے صرف قلعہ دار شہروں میں یا فصیلوں کے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔

ان جنگی اسباب و تدابیر کے ساتھ ان کے مالی کاروبار کا جو جال تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا، زنجیریں تھیں جو تمام باشندوں کے پاؤں میں انھوں نے ڈال رکھی تھیں[2]۔

غرض یہ اسباب تھے کہ اوس وخزرج یہاں آکر ابھی نکلے بھی نہ تھے کہ وہ ان کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے، اوس خزرج گو بدویانہ زور و قوت میں ان سے زیادہ تھے، لیکن سامان، دولت، ہنر، اور دیگر قوائے معنوی میں ان سے فروتر تھے، اس بناپر وہ یہودیوں سے نہایت متاثر ہونے لگے، یہاں تک کہ اس سے مذہبی اثر بھی پیدا ہونا شروع ہوگیا، اوس وخزرج نذر مانتے تھے کہ بچہ جیتا رہا تو یہودی بنادوں گا[3]۔

بالآخر اوس وخزرج نے تنگ آکر بنو غسان سے جو ان کے ہم نسب تھے، مدد کے طالب ہوئے، غسانیوں نے آکر یہودیوں کا زور توڑا، تاہم مالی تعلقات ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تلوار سے کاٹ دی جاسکیں، یہودی حقیقت میں جن اسلحہ سے لڑتے تھے، ان کا جواب فوجوں سے نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے ظہور اسلام تک ان کی زبردستی قائم رہی پھر بھی وہ پہلے سے اچھی حالت میں تھے۔

---

[1] کتب جغرافیہ اور مغازی میں مقامات مذکورہ کے حالات پڑھو۔ [2] کتب حدیث میں کتاب الاستقراض، ابواب بیوع و تجارت قصہ کعب اشرف پڑھو۔ [3] دیکھو تفسیر "لا اکراہ فی الدین"

ادھر یہودیوں سے کسی قدر فراغت ملی، تو خود آپس میں لڑنا شروع کیا، جس کا سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا، ان کی مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم الربیع، یوم البقیع، حرب قارع، یوم بعاث، [1] اس متواتر جنگ میں اوس وخزرج کے اکثر اہل ادعا کام آئے [2] آخر فریقین نے تھک کر مصالحت کر لی، اور قبیلہ عوف بن خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو متفقاً اپنا بادشاہ اور یثرب کا "تاجدار" تسلیم کرلینا چاہا [3] کہ اس اثنا میں خورشید اسلام طلوع ہوا، اوس وخزرج کے بارہ آدمیوں نے موسم حج میں داعی اسلام کا وعظ سنا، اور ایمان وبیعت سے مالا مال ہوکر گھر واپس آئے، دوسرے سال اسی موسم میں ستر آدمی اور فروغ اسلام سے منور ہوگئے، اور آخر نبوت کے تیرھویں سال ۶۶۲ء میں رحمت عالم ﷺ کو یثرب کی شہنشاہی کے لئے لے آئے۔

سرور عالم ﷺ نے مدینہ آکر سب سے پہلے یہودیوں سے چند شروط پر مصالحت کی، اوس وخزرج کے باہمی فتنوں کو سرد کیا، عبداللہ ابن ابی جو بادشاہی کا دعویدار تھا ڈر کر خاموش تھا، تاہم فتنہ پردازیوں سے باز نہ آتا تھا، اس کے ساتھ چند کمزوردل کے افراد بھی شامل تھے، یہی لوگ منافقین تھے، اور عبداللہ ان کا سردار راس المنافقین تھا۔

اوس وخزرج نے انصار کے نام سے اسلام میں زندگی جاوید پائی، دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں قرآن کا کوئی صفحہ اور مسلمانوں کا کوئی گھرانہ ہے، انصار کا نام زندہ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ	اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں، ان کے لئے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔

---

[1] کامل ابن اثیر ج۱۔ ص ۳۰۲، ۳۱۲ مصر [2] بخاری کتاب الجاہلیۃ

[3] بخاری السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر

۱۲۔ قیدار

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرٰهِيمَ

قیدار، حضرت اسماعیلؑ کا دوسرا بیٹا تھا، شہرت اور اعزاز میں اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ ممتاز تھا، لفظ "قیدار" کے عبری میں معنی سیاہی اور غم کے ہیں، عربی میں بھی لفظ "کدر" وکدورت ہے، شاید حضرت اسماعیلؑ نے یہ نام باپ سے جدائی اور صحرا نوردی کے غم کی یادگار میں رکھا ہو، قیدار بر بنائے روایات توراۃ وعرب، حجاز میں آباد تھا، فارسٹر صاحب جن کی موافقت نہ شہادت نہایت مشکل سے میسر آسکتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "اشعیا نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے، اس کو ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہے، فوراً کہہ دے گا کہ "وہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے، جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔..... عربوں کی قومی روایت بھی تاریخی رتبہ حاصل کر لیتی ہے، جب ایک طرف اس کی تصدیق کتب مقدسہ سے ملتی ہے جس سے قیدار کا اسی حصہ ملک میں ہونا ثابت ہوتا ہے، اور دوسری طرف اریانوس بطلیموس اور پلینی کے بیان سے ملتی ہے جو کیداری قوم کی اسی صوبہ میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت دیتے ہیں۔

قیدار کی اہمیت وعظمت کے لئے یہ دلائل کافی ہیں کہ اس کا نام توراۃ کے صفحات میں، اسیریا کے کتبات میں اور یونان کے جغرافیہ میں ہر جگہ موجود ہے، لیکن اس سے بھی عظیم الشان عزت اس کو یہ حاصل ہے کہ وہ نور الٰہی جو آدمؑ و ابراہیمؑ کو ودیعت ہوا تھا، وہ اسماعیلؑ کے بیٹے قیدار کی پشت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوا، یعنی پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نسل قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے۔

ایک قوم ہونے کی حیثیت سے قیدار کا نام سب سے پہلے ۱۱۰۰ ق م میں حضرت داؤد کی زبور میں نظر آتا ہے، بنو قیدار اس زمانہ میں خیموں میں رہتے تھے، حضرت داؤدؑ بادشاہی سے پہلے بہت دنوں تک بنو قیدار کے خیموں میں رہے تھے، (۱۲۰۔۵) سنہ ۱۰۰۰ ق م میں حضرت سلیمانؑ بھی اپنی غزل

میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کالے رنگ کے ہوتے ہیں اور میں قیدار کے خیموں کے مانند سیاہ ہوں یہ سیاہ خیمے کالے کملوں کے ہوتے تھے، جواب تک بدوی عربوں کے لئے صحرا میں قصرو کاشانہ ہیں، خود مکہ آں حضرت ﷺ سے چند پشت پہلے صرف خیموں کا شہر تھا، کوئی پتھر یا مٹی کی عمارت موجود نہ تھی۔

تحریری حیثیت سے دو سو برس کے بعد پھر قیدار کا نام اسیریا کے کتبات میں ملتا ہے، ملک عرب کا نام ان کتبات میں ''عربی'' ہے، اول ''زبیبی'' اور ''سمسی'' دو شاہزادیوں کا ذکر ہے، زبیبی کی اصل شاید زباء اور ''سمسی'' کی شمسیہ'' ہو، ذیل کی سطروں میں ہم ان کتبات کا اقتباس ایک نہایت معتبر کتاب سے کرتے ہیں[1]:

''ملکہ زبیبی (یا زباء) تغلات پلاسر سوم، شاہ اسیریا (۷۴۵ ق م تا ۷۲۷ ق م) کی معاصر تھی، تغلات پلاسہ پہلی بار ''زبیبی ملکہ عربی'' کو صرف مفتوحین اور باجگذاروں کی فہرست میں ذکر کرتا ہے (ص ۱۲۱) اس کے بعد ''زبیبی ملکہ عربی'' کا ذکر آتا ہے زبیبی نے ۷۳۸ ق م میں خراج ادا کیا تھا، اس کے بعد سے پھر عرب سے خراج وصول نہیں ہوا، اب بجائے ''زبیبی'' کے ملکہ ''سمسی'' یعنی شمسیہ تخت نشین تھی، سمسی نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور اسیری سپاہ کو ناکامیاب واپس کر دیا، ناچار وہ لڑنے پر مجبور کی گئی، اسیری غالب آئے اور سمسی کی ملکیت کے اونٹ اور بیل لوٹ لئے گئے، ایک اسیری سردار تحصیل خراج کے لئے متعین ہوا، اس فتح کا یہ اثر ہوا کہ سبا نے شاہ اسیریا کو نذریں پیش کیں، (ص ۳۰۔۱۳۱)

''۷۱۳ ق م میں سرجون ثانی شاہ اسیریا نے شمالی عرب پر فوج کشی کی، خیفہ ایک قبیلہ تھا جس نے سرتابی کی تھی، ثمود، عبادیدی، (عباد) اور سبئی (؟) خیفہ کے طرفدار تھے خیفہ انتہائی شمال میں موجودہ شہر مدینہ کے متصل، اور بقیہ قبائل کی طرف مکہ سے نیچے آباد تھے، پیغمبر سبا اور سمسی ملکہ عرب نے جس کا ملک انتہائے شمال میں واقع معلوم ہوتا ہے، نذریں پیش کیں۔ (ص ۱۶۴)

''اشور بنا پال شاہ اسیریا کے عہد حکومت (۶۷۵ تا ۶۲۶ ق م) میں یوتع ابن ہزائیل عربی کا بادشاہ تھا اور عادیہ بادشاہ بیگم تھی، یوتع نے اپنے حدود حکومت میں عرب، ادوم، بیرود، بیت عمون، حوران، مواب، سعیر.....داخل کر لئے تھے اور ان مقامات کے حدود میں عربوں کی چوکیاں مقرر کیں، یوتع نے بنی قیدار کی ایک فوج دو

---

[1] تاریخ بابل واسیریا ج ۲ مصنفہ راجرس امریکانی صفحات کے حوالے جابجا دے دئے گئے ہیں۔

عرب شیخ ابی تیع اور ابا مو کے ماتحت روانہ کی، بنی قیدار کی یہ فوج بابل سے پیچھے ہٹا دی گئی، اور کم از کم ان میں سے ایک شیخ گرفتار کر لیا گیا، عرب جو اسیریا میں آباد تھے، جبراً اس فوج کی شرکت سے باز رکھے گئے تھے، اس لئے ستو تیع تک عربوں کو نہیں پہنچ سکی۔''

''یوتع نبطیوں (نابتیوں) کی چھوٹی سی ریاست میں پناہ گزیں ہوا، یویط (Uaita) یوتیع کا بھتیجا تخت پر قابض ہو گیا، اور بہادری کے ساتھ اسیری قوت کی مدافعت کرتا رہا آخرالامر اسیریا کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا، اور پا بزنجیر اسیریا لایا گیا، اور دروازہ پر نگہبان کتے کی طرح پاسبانی کی خدمت اس کے لئے مقرر کی گئی، اسی سلسلہ میں قیدار کا ایک اور سردار عم العدی بھی قابل مواخذہ سمجھا گیا، وہ فلسطین جا کر پناہ گزیں ہوا، لیکن وہاں بھی اس کو امان نہ ملی فلسطین فتح کر لیا گیا، اور وہ قید ہو گیا، ملکہ عادیہ بھی گرفتار ہوئی اور اب ابی یثع عربی کا بادشاہ ہوا، ابی یثع کی مدت حکومت بہت کم معلوم ہوتی ہے، اور یکا یک تخت عویط بن بیرودا کو دے کر تاریخ سے غائب ہو جاتا ہے اور پھر ایک زمانہ کے بعد ''شیخ بنی قیدار'' کی صورت میں نظر آتا ہے، اب نتنو (ناتان) رئیس انباط، یوتی، رئیس عربی، اور ابی یثع شیخ قیدار حلقاً اسیریا کے مقابلہ میں اٹھتے ہیں لیکن سوء قسمت سے ناتان گرفتار ہو جاتا ہے اور سب بچ کر نکل جاتے ہیں۔

(ص ۵۷۵-۵۷۶)

کتبات مذکورہ کے بیانات سے یہ صاف صاف نہیں واضح ہوتا کہ زیبی اور سمی، بنی قیدار سے تھیں یا نہیں، بلکہ آخری فقروں سے قیاس غالب یہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان قیدار ہی تھا، ان کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نابت اور قیدار کی اولادیں اس وقت الگ الگ ہو گئی تھیں، اور شمالی عرب کے مختلف گوشوں میں ان کی متفرق ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔

اشعیانبی جو تقریباً اسی زمانہ میں تھے، یعنی آٹھویں صدی ق م میں، وہ بیان کرتے ہیں کہ ''قیدار ایک شاندار اور بہادر قوم ہے (۲۱-۱۶) گاؤں میں ان کی بہت سی آبادیاں ہیں''، (۴۲-۱۱) بھیڑ، بکری، ان کی دولت ہے، اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں۔'' (۶۰-۷)

قیدار کے متفرق روساء میں سے عربوں کے نزدیک، سب سے زیادہ مشہور عدنان ہے، قیدار کی نسل کی تمام شاخیں شجرہ انساب میں اسی عدنان تک منتہی ہوتی ہیں، چھٹی صدی ق م میں بنوخذ نذر

(۶۰۵ ـ ۵۶۲ ق م) جس کو عرب بخت نصر کہتے، اسیریا کے تخت پر جلوہ نما ہوتا ہے، اور عراق سے لے کر شام، مصر اور عرب تک کی خاک اڑا دیتا ہے، اہل عرب کا بیان ہے کہ اس وقت عربوں کا رئیس کل معد بن عدنان تھا۔

اشعیا (۷۵۰ ق م) حزقیال (۵۹۷ ق م) اور یرمیاہ (۵۸۶ ق م) نبیوں نے خانوادۂ قیدار کو اس خونخوار اور سفاک بادشاہ کے خروج سے ہشیار کیا ہے، سب سے پہلے اشعیا نبی کہتے ہیں (۲۱،۱۶،۱۷)

"قیدار کا تمام جاہ وجلال مٹ جائے گا، تیر انداز اور بہادر فرزندان قیدار کی تعداد گھٹ جائے گی۔"

باب ۴۲، درس ۱۱ میں ہے:

"ان دیہاتوں میں آواز دو جن میں قیدار رہتے ہیں۔"

باب ۶۰ درس ۷ میں ہے:

"قیدار کے گلے اور نبایوط کی بھیڑیں اکٹھی کی جائیں گی۔"

یرمیاہ نبی نے کہا (۴۹ ـ ۲۸)

"قیدار پر اور حضور اکی حکومتوں پر افسوس ہے، جن کو بابل کا بادشاہ بنوخذ نذر تباہ کرے گا۔
اسی طرح خدا کہتا ہے، اٹھو اور قیدار کے پاس جاؤ، اور اہل مشرق کو برباد کردو۔"

اہل عرب کی روایت ہے کہ بنوخذ نذر حملہ کرتا ہوا حجاز تک پہونچ گیا تھا، معد بن عدنان بر سر مقابلہ ہوا، اور ایک غیر منفصل جنگ کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے، بعض روایتوں میں ہے کہ یرمیاہ نبی نے معد کو بچا لیا، اور شاید اس شکست سے بنو قیدار کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہنچا، حزقیال نبی جو بنوخذ نذر کی ان جہاں سوزیوں کے زمانہ میں موجود تھے، اور فلسطین سے قیدار ہو کر (۵۹۷ ق م؟ میں) بابل گئے تھے، قیدار کے شہزادوں کا ذکر کرتے ہیں:

"عرب اور قیدار کے تمام شہزادوں نے بھیڑ بکری کا تجھ سے بیوپار کیا، (۲۷ ـ ۲۱)

ان انبیاء کی معاصرانہ شہادتوں سے بنو قیدار کی معاشرت یہ ظاہر ہوتی ہے، کہ وہ خیموں اور گاؤں میں آباد تھے، بہادر اور شجاع تھے، قبائل کے سردار تھے، بدویانہ جاہ وجلال اور شان وشکوہ ان کو حاصل تھا، تجارت ان کا پیشہ تھا، اور بعینہٖ یہی نقشہ ان کا زمانۂ اسلام تک موجود تھا۔

معد کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام نزار تھا، نزار کے پانچ بیٹے تھے، یا نزار کی پانچ مشہور شاخیں ہیں، انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ، مضر، عرب کے تمام قیداری قبائل ان ہی کے فروع ہیں، میلاد مسیح سے

پس و پیش زمانہ میں طول میں یہ یمن سے شام تک اور عرض میں حجاز و نجد سے بحرین عراق تک پھیلے ہوئے تھے، اور زمانہ اسلام تک ان کا یہی نقشہ باقی تھا۔

یہ پانچوں شاخیں پھر چھوٹے چھوٹے مختلف خاندانوں پر منقسم ہیں، ان کا مجموعی نام مورث اول کے انتساب سے عدنان، معد اور نزار ہے، حیرہ کے بادشاہ امراء القیس بن عمرو المتوفی ۳۲۸ء کی قبر کی لوح شام کے حدود میں ملی ہے، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

"یہ امراء القیس بن عمر بادشاہ عرب، صاحب تاج کی قبر ہے، جو اسد اور نزار اور ان کے بادشاہوں کا بادشاہ تھا..... اس نے معد پر بادشاہی کی اور اپنے بیٹوں کو تمام قبائل کے درمیان اتارا[1]"

اس کتبہ سے معد اور نزار کی شخصیت کا تاریخی ثبوت اس قدر قدیم عہد میں ثابت ہوتا ہے، نزار کے پانچ خاندانوں میں سے انمار اور ایاد نے کوئی بڑی وقعت حاصل نہیں کی، ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے کثرت تعداد، دنیاوی اعزاز اور سیاسی اقتدار میں بڑی ناموری حاصل کی، اور حجاز و نجد و عراق میں ان کی عظیم الشان حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں، بنو عبد القیس بحرین میں، بکر و تغلب اور کندہ[2] کی نجد میں اور آل منذر کی عراق و حیرہ میں۔

[1] انسائیکلوپیڈیا مضمون "عرب"۔ [2] علمائے انساب نے کندہ کو عموماً حمیر کی شاخ بتایا ہے لیکن ہمارے نزدیک حکومت کے لحاظ سے تو بیشک کندہ حمیر کے ماتحت تھا، لیکن نسباً وہ عدنانی اور قبائل معد میں تھا، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کندہ کا آخری شہزادہ امراء القیس، جو عرب کا بہترین شاعر شمار ہوتا ہے، اس کے کلام کا مجموعہ اب تک محفوظ ہے، اس میں حمیریت کا شائبہ تک نہیں، وہ فصیح عدنانی عربی زبان ہے، اس بڑھ کر یہ کہ امراء القیس خود مدعی ہے کہ اس کا نسب خاندان معد سے جا کر ملتا ہے، اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے:

خیر معدٍّ حسباً و نائلا — و خیر هم قد علموا شمائلا

دوسری جگہ اپنی مدح میں کہتا ہے:

وانا الذی عرفت معدّ فضله

حمیر کا بھی متعدد اشعار میں اس نے ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسبی ظاہر نہیں کرتا ہے:

ولو شاء کان الغز و من ارض حمیر — ولکنه عمدا الی الروم انفرا

تبصر خلیلی هل تری حنو بارق — یضئی الدجی باللیل عن سرو حمیرا

قریش

مضر بن نزار بن عدنان بن قیدار بن اسماعیل کا ایک خاندان

سلسلۂ نسب

مضر کی شاخ متعدد وسیع خاندانوں میں منقسم ہوگئی، جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے، بانی خاندان کا نام فہر تھا، عدنان تک اس کا سلسلہ نسب یہ ہے، فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ..... بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان تک سلسلہ نسب حرف بحرف صحیح اور ناقابل شک ہے، صحیح روایات سے ثابت ہے، احادیث میں مروی ہے، اشعار عرب میں مذکور ہے، آں حضرت ﷺ کا سلسلہ نسب بھی ان ہی واسطوں سے عدنان تک پہنچتا ہے۔

لفظ قریش

فہر کا لقب قریش تھا، اس بنا پر اس کی نسل نے "قریش" اپنا خاندانی علم قرار دیا، لہٰذا قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں، اس کا ایک ماخذ تقریش و تقرش ہے جس کے معنی "اکتساب، تحصیل" ہیں، خیال ہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصلی پیشہ تجارت تھا، اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہے، قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے، جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے، فہر نے اپنے استیلاء وقوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا، حضرت ابن عباسؓ نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے۔

مستشرقین یورپ جن کو ہماری تاریخ سے خود غرضانہ محبت ہے وہ بھی دوسری رائے کو پسند کرتے ہیں، لیکن اس لئے نہیں کہ وہ روایۃً صحیح تر ہے، بلکہ اس لئے کہ ٹوٹم کے ثبوت کے لئے ایک

سند ہاتھ آتی ہے[1]، حالانکہ اس کی تردید کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اس خاندان میں قریش کے نام کی نہ پوجا ہوتی تھی، نہ اس نام کا دیوتا پوجا جاتا تھا۔

قریش کی شاخیں

قریش بھی کوئی ایک قبیلہ نہ تھا، چھوٹے چھوٹے دس مختلف خاندانوں پر منقسم تھا، ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم، ان کا باہمی سلسلۂ نسب اس شجرہ سے جو صفحہ ۸۰ پر ہے واضح ہوگا۔

1. لائف آف محمد ﷺ، مارگولیوتھ

قریش (فہر)

حارث — غالب — محارب

بنو حارث ہی کے خاندان سے ابو عبیدہؓ بن جراح فاتح شام اور عقبہ بن نافع فاتح افریقہ تھے۔

یدر بنو محارب، ضحاک بن قیس، ضرار بن الخطاب، کرز بن جابر وغیرہ صحابیؓ اس خاندان سے تھے۔

لوی — تیم الادرم، عبداللہ بن خطل اسی خاندان سے تھا۔

عامر — کعب — قرنیہ — سعد — جشم

بنو معیص — بنو حسل — حصص — مرہ ابن وائل بو بعض — عدی

خاندان بسر بن ارطاۃ صاحب امیر معاویہؓ

خاندان عابن عبداللہ والی افریقہ دمعم وکتاب رسول اللہ ﷺ

خاندان عاصی

کفار قریش

خاندان زید بن عمرو بن نفیل موحد، سعیدؓ بن زید احد عشرہ مبشرہ وحضرت عمر فاروقؓ صحابہ دیگر

تیم — کلاب — یقیظہ

خاندان عبداللہ بن جدعان وحضرت ابو بکر صدیقؓ وحضرت طلحہؓ

خاندان حضرت ارقم ان کا گھر قریش کی مخالفت کے زمانے میں مسلمانوں کا دار الملاقات تھا، ابو سلمہ شوہر اول ام المومنین ام سلمہؓ وابو جہل وخالد بن ولید

زہرہ — قصی

آمنہ بنت وہب آنحضرت ﷺ کی ماں کا خاندان، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح عراق بھی اسی خاندان سے تھے۔

عبدالدار — عبد مناف — عبدالعزی

خاندان نضر بن حارث

عثمان بن طلحہ وغیرہ صحابہ کا خاندان تھا خانۂ کعبہ کی کلید برداری اسی خاندان میں تھی۔

بنو عبد شمس — ہاشم — نوفل

خاندان بنو امیہ دمشق واندلس حضرت عثمانؓ ابو سفیان وامیر معاویہ

عبدالمطلب

جحل — قثم — ابولہب — حضرت عباسؓ — عبداللہ — حضرت حمزہؓ — ابو طالب — زبیر — مقوم — فرار

حضرت عباسؓ: خاندان عباسیہ

عبداللہ: محمد رسول اللہ ﷺ — حضرت فاطمہؓ

ابو طالب: حضرت علیؓ — علویین

حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ ..... بنو فاطمہ

قریش کی ایک اور تقسیم

قریش کی جن شاخوں کا اوپر ذکر ہوا، وہ طرز زندگی کے لحاظ سے دو جماعتوں میں منقسم تھے، قریش الظواہر، قریش البطائح، قریش ظواہر دیگر بادیہ نشین قبائل کی طرح مکہ کے آس پاس صحرا میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے، قریش البطائح، شہری زندگی کے عادی تھے، اور چونکہ ان کا خاص پیشہ تجارت تھا، اطراف کے متمدن ممالک میں ان کا گذر ہوتا رہتا تھا، اس لئے ایک منتظم آبادی کی حیثیت انھوں نے پیدا کرلی تھی، ذیل کی فہرست سے قریش کے ان خاندانوں کی تقسیم ظاہر ہوگی:

قریش الظواہر	قریش البطائح
۱۔ بنو محارب	۱۔ بنو قصی بن کلاب
۲۔ بنو تیم الادرم	۲۔ بنو کعب بن لوی
۳۔ خزیمہ بن لوی	
۴۔ سعد بن لوی	
۵۔ جشم بن لوی	
۶۔ بنو حارث	

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو قصی اور بنو کعب بن لوی کے سوا، قریش کی اور تمام شاخیں قریش ظواہر تھیں، اصل یہ ہے کہ تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ قریش کی سیاسی عظمت وجلال کا بانی قصی تھا، قصی سے پہلے قریش میں کسی قسم کا نظام قومی نہ تھا، مکہ ایک مرکز تھا اور اس کے دائرہ میں قریش کے تمام خاندان چکر لگاتے تھے، قصی سب سے پہلا شخص ہے، جس نے قریش میں قومی ہیرو کی حیثیت پیدا کی۔

قریش کا زمانہ

قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے، اور اس خاص خاندان کی کب بنا پڑی، تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں، اس قدر معلوم ہے، کہ عبد المطلب چھٹی صدی عیسوی کے اواسط میں موجود تھے،

عبدالمطلب سے فہر تک دس پشتیں ہوئیں ایک پشت کیلئے ۲۵ برس کا زمانہ اگر فرض کیا جائے تو ڈھائی سو برس کی مدت قرار پاتی ہے، اس بنا پر قریش کے اعاظم رجال کیلئے حسب ذیل تقریبی سنین ہم متعین کر سکتے ہیں۔

نام	سنہ وجود تقریبا	نام	سنہ وجود تقریبا
۱۔فہر و قریش	۳۲۵ء	کلاب	۴۵۰ء
۲۔غالب	۳۵۰ء	قصی	۴۷۵ء
۳۔لوی	۳۷۵ء	عبدمناف	۵۰۰ء
۴۔کعب	۴۰۰ء	ہاشم	۵۲۵ء
۵۔مرہ	۴۲۵ء	عبدالمطلب	۵۵۰ء

قصی کی نسب بعض ارباب تاریخ نے لکھا ہے وہ منذر بن نعمان شاہ حیرہ (۴۳۱ء ۔ ۴۷۳ء) کا معاصر[1] تھا، قیاس بالا کی رو سے بھی یہی تاریخ ظاہر ہوتی ہے۔

قریش کا استقلال سیاسی

حجاز کا صوبہ جو قریش کا وطن تھا گو ہمیشہ بیگانہ اقتدار سے محفوظ رہا لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمسایہ حکومتوں کو اس کی مفتوحی کی ہمیشہ آرزو رہی، یمن کی حمیری وحبشی، حکومت ایران کی شہنشاہی اور رومیوں کی دولت عظمیٰ نے عرب کے اس حصہ پر مختلف اوقات میں فوجکشیاں کیں، ہمیشہ ان کا اختتام ناکامیابیوں پر ہوا۔

اندرون ملک کے عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں کے مقابل، یمن کی وطنی حکومت کی طرف فطرۃً زیادہ کشش ہوسکتی تھی، شاہان حیرہ بھی گو ایرانیوں کے زیر اقتدار تھے، لیکن نسباً قریش کے قریب تر تھے کہ دونوں عدنانی النسل تھے، اس بنا پر ان دونوں حکومتوں کی، حجاز کی فرمان روائی کا دعویٰ تھا، امراء القیس بن عمرو (۲۸۸ء ۔ ۳۲۸ء) شاہ حیرہ کے ایک کتبہ کی عبارت پہلے لکھی جاچکی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "تاجدار" حیرہ کو اسد نزار اور عرب کی بادشاہی کا دعویٰ تھا،

شاہان یمن نے رؤسائے کندہ کو حجاز کے قبائل معد پر حکمراں مقرر کیا تھا، حجر بن عمرو اس

---

[1] معجم یاقوت لفظ "مکہ"

خاندان کا پہلا رئیس تھا، عمرو بن حجر دوسرا اور حارث بن عمرو تیسرا، حارث نے اپنی ریاست کے حدود اپنے بیٹوں پر تقسیم کر دیئے، یہ نظام کچھ زیادہ دنوں تک نہ چل سکا، حبشیوں نے حمیر کا خاتمہ کر دیا، جس کے ساتھ گویا کندہ کا خاتمہ ہو گیا، شاہان حیرہ کی رقیبانہ جنگ۔ اور قبائل معد کی سرکشی نے کندہ کو بے نشان کر دیا۔ جن حبشیوں نے یمن کو فتح کیا تھا اور اتنۂ حجاز و تہامہ کو بھی اپنا مملوکہ قرار دیا، چنانچہ ابرہہ کا جو کتبہ سد مارب پر منقوش ہے، اس میں وہ اپنا نام ان الفاظ کے ساتھ لکھتا ہے:

"ابرہہ... سبا، ریدان، حضرموت، یمن، اور اعراب نجد و تہامہ کا بادشاہ۔"

عجب نہیں کہ ابرہہ کے ارادہ فتح مکہ کا ایک سبب اس دعائے غیر واقع کو عملاً ثابت کرنا بھی ہو، قیاصرہ روم کو بھی اس غیر مفتوح خطہ کی حکومت کی کچھ کم ہوس نہ تھی، ابوالبختری خانوادہ عبدالعزیٰ کا رئیس تھا، وہ قیصر کی طرف سے یہاں کی حکومت پر مامور ہوا، قریش نے تسلیم نہ کیا، اور اس کو شام واپس جانا پڑا، وہاں پہنچ کر شام میں جس قدر قریش تھے، سب کو قید کر دیا، آخر قریش نے غسانیوں کی اعانت سے اس کو زہر دلوا دیا۔

ان ہمسایہ حکومتوں سے ان خاندانوں میں سب سے پہلے قبیلہ بکر بن وائل نے استقلال حاصل کیا، کلیب سب سے پہلا شخص ہے جس نے حمیر و کندہ کے مقابلہ میں آزادی کا علم بلند کیا، اسی کے بعد ہی قریش کے خاندان میں قصی نام ایک دوسرا نامور پیدا ہوا، جس نے قریش کی ایک مستقل ہستی پیدا کر دی۔

بچپن ہی میں باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا تھا، ماں نے بنی عذرہ کے قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا، بنو عذرہ شمالی عرب کے حدود میں شام کے پاس آباد تھے، قصی نے بھی ماں کی آغوش میں یہیں پرورش پائی، جوان ہو کر نسل و وطن کی جستجو کی تو حجاز میں سراغ پایا، بچپن ہی سے عالی حوصلہ اور بلند نظر تھا، مکہ میں دوسرے قبائل نے قریش کو دبا لیا تھا اس نے مکہ آ کر قریش کے منتشر اجزا کو فراہم کیا، اور چھوٹی چھوٹی چند لڑائیوں کے بعد مکہ کی سرزمین میں قریش کی ایک مختصر سی حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔

مورخین کو اتفاق ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ قریش نے حجاز کی سرزمین میں سیاسی اہمیت حاصل کی، قصی کے وجود کی جو تخمینی تاریخ مقرر کی گئی ہے گر وہ صحیح ہے تو قریش کے ظہور سیاسی کی تاریخی غالباً ۴۰۵ء ہے، یعنی اسلام سے سوا سو برس پیشتر۔

قصی کا زمانہ تاریخ حمزہ اصفہانی میں قاضی وکیع سے مروی ہے:

کان قصی بن کلاب فی زمن فیروز ابن یزدجرد (ص ۱۱۷)	قصی بن کلاب فیروز بن یزدگرد (شاہ ایران) کے زمانے میں تھا۔

قدیم مورخ ابو طاہر مقدسی کتاب البدو التاریخ میں راوی ہے:

قصی اول من اصاب ملکا من العرب من قریش من بعد ولد اسمٰعیل فی زمن المنذر بن النعمان علی الحیرة و الملك بھرام جور فی الفرس فقطع مکة رباعاً وبنی بھا دار الندوة (ص ۱۲۶)	قصی عرب قریشیوں میں پہلا شخص جو فرزندان اسمٰعیل کے بعد بادشاہ ہوا، اس وقت منذر بن نعمان حیرہ میں اور شاہ بہرام گور ایران میں بادشاہ تھا، قصی نے مکہ منقسم کیا اور وہاں دار الندوہ بنایا۔

حمزہ نے قصی کو فیروز بن یزدگرد کا اور مقدسی نے منذر بن نعمان اور بہرام گور کا معاصر ٹھہرایا ہے، لیکن یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے، بہرام گور کا زمانہ ۴۲۰ء سے ۴۳۸ء تک ہے اور اس کے بعد یزدگرد دوم ۴۵۷ء تک حکومت کرتا ہے، اس کے بعد فیروز بن یزدگرد ۴۸۴ء تک حکمراں رہتا ہے، منذر کا زمانہ ۴۳۱ء سے ۴۷۳ء تک ہے، اس بنا پر یہ سمجھنا چاہئے کہ حمزہ نے قصی کا ابتدائی زمانہ اور مقدسی نے انتہائی زمانہ متعین کیا ہے، اور اس کی دلیل منذر کی معاصرت سے ملتی ہے جو ۴۳۱ء سے ۴۷۳ء تک قائم رہتی ہے، اس بنا پر تقریباً قصی کا جو زمانہ ہم نے متعین کیا ہے، وہ بالکل ٹھیک ہے، یعنی پانچویں صدی عیسوی کا عہد اواسط۔

کوہ صفا یہ اوپر لکھا جا چکا ہے، کہ قصی نے حدود شام میں بیت پائی تھی، قریشی عرب اس وقت تک بدوی تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصی نے تہذیب زندگی، نظم حکومت اور تاسیس قومیت کے اصول شام ہی کے ملک میں سیکھے، اور جوانی کے بعد حجاز آ کر اسی اصول پر قریش کے منتشر اجزاء کو یکجا کیا اور ان میں سے ایک چھوٹی سی جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالی۔

حدود شام میں صفا ایک پہاڑی ہے، مستشرقین یورپ نے اس پہاڑ کی سنگی لوحوں پر عربی زبان کے چند کتبات پائے ہیں، گو ان کتبات سے کسی نئے تاریخی باب کا افتتاح نہیں ہوتا، تاہم ان میں اشخاص کے جو نام پڑھے گئے ہیں، مثلاً قصی، مالک، مروح، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا بانی کوئی عدنانی قبیلہ تھا، کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس یادگار کا بانی قصی رئیس قریش ہے؟ سوچنے کی بات ہے۔

قریش کا نظام سیاسی و اجتماعی قصی نے مکہ میں جو چھوٹی سی ریاست قائم کی تھی اس کی حیثیت ایک شہری جمہوریت کی تھی، یونان کے شہر اتھنز اور اسپارٹا کے طرز حکومت کا ایک دھندلا سا خاکہ قریش

کی سرزمین میں نظر آتا تھا، اس شہری حکومت میں کل چودہ عہدے تھے جو دس عہدہ داروں پر منقسم تھے، دس عہدہ دار قریش کے دس قبائل سے منتخب ہوتے تھے، ظہور اسلام کے وقت ان عہدوں کی حسب ذیل تقسیم تھی۔

مذہبی

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار
۱۔	سقایہ	حاجیوں کے کھانے پینے کا سامان	بنو ہاشم	عباسؓ بن عبدالمطلب
۲۔	عمارہ	خانہ کعبہ کا انتظام	بنو ہاشم	عباسؓ بن عبدالمطلب
۳۔	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل	حارث بن عامر
۴۔	سدانہ	خانہ کعبہ کی دربانی و کلید برداری	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۵۔	ایسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح	صفوان
۶۔	اموال محجرہ	بتوں کے نذرانوں اور جائیدادوں کا انتظام	بنو سہم	حارث بن قیس

عدالتی

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار
۷۔	ندوہ	عدالت خانہ اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۸۔	مشورہ	امور مہمہ میں مشورہ لینا	بنو اسد	یزید بن زمعہ
۹۔	اشناق	خوں بہا، جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنو تیم	ابوبکر صدیقؓ
۱۰۔	حکومۃ	مقدمات کا فیصلہ	بنو سہم	حارث بن قیس

جنگی

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار
۱۱۔	عقاب	نشان قومی کی علمبرداری	بنو امیہ	ابوسفیانؓ
۱۲۔	قبہ	فوجی معسکر (کیمپ) کا نظم	بنو مخزوم	خالد بن ولیدؓ
۱۳۔	اعنہ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری	بنی مخزوم	خالد بن ولیدؓ
۱۴۔	سفارت	سفارت	بنو عدی	عمر بن الخطابؓ

اسی چھوٹی سی شہری جمہوریت کا ایوان حکومت دارالندوہ کے نام سے موسوم تھا، اس کا بانی قصی تھا، ہر قسم کے اجتماعی، تجارتی، عدالتی، اور سیاسی احکام اور فیصلے قریش اسی عمارت میں بیٹھ کر صادر کرتے

تھے، یہاں تک کہ شادی بیاہ، بلوغ کے مراسم، قافلوں کی روانگی و داخلہ وغیرہ جملہ امور یہیں انجام پاتے تھے[1]، قریش نے داعی اسلام کے قتل کا مجرمانہ فیصلہ بھی اسی ایوان عدالت میں بیٹھ کر صادر کیا تھا۔

قریش کا تمدن عرب کے قبائل کی دو قسمیں تھیں، ایک وہ جو کسی مقام پر متعین بود و باش رکھتے تھے اور مکانات بنا کر کوئی متصل آبادی قائم کر لیتے تھے، ان قبائل کو لوگ حضری کہتے تھے، عرب کے بڑے بڑے شہر مکہ، یثرب، طائف، صنعاء، یمامہ، عدن، وغیرہ ان قبائل کے وطن تھے، ان کے علاوہ عرب کے اکثر قبائل بدوی تھے، یعنی خانہ بدوشانہ زندگی رکھتے تھے، خیموں میں رہتے تھے مویشی کے لئے جہاں عمدہ چراگاہ نظر آتی تھی وہاں اتر پڑتے تھے، پھر کسی اور مقام پر جا کر ڈیرے ڈالتے تھے، یہی قبائل جرائم پیشہ بھی تھے۔

قریش حضری تھے، مکہ ان کا وطن تھا، بدوی قبائل کی طرح پر یا دوسرے قبائل کے مال و دولت کی چھین جھپٹ پر ان کا گذارہ نہ تھا، بلکہ پورا قبیلہ تجارتی کاروبار پر زندگی بسر کرتا تھا، عرب سے نکل کر حبشہ، عراق، ایران، شام، بلکہ ایشیائے کوچک تک ان کے تاجر گذرتے تھے، غیر ملکی تاجر جو ان کے شہر میں داخل ہوتے تھے ان سے یہ عشر[2] لیتے تھے۔

قریش اور قرآن مجید قریش کے تلمیحی اور ایمائی اشاروں سے اگرچہ تمام قرآن بھرا ہوا ہے، لیکن نام کے ساتھ ان کا ذکر ایک ہی دفعہ قرآن میں آیا ہے اور وہ سورہ ایلاف ہیں، جس کو سورہ قریش بھی کہتے ہیں:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۠

تعجب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر سے کس قدر الفت ہے، ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا دیا اور خوف سے بچا کر دامن امان بخشا۔

اس سورہ کی تفسیر اور قریش کی تاجرانہ اولوالعزمیوں کی تفصیل آئندہ باب میں آتی ہے۔

قریش کے افراد اور اشخاص کے ایمائی تذکرے بھی قرآن میں کثرت سے ہیں، لیکن نام کے ساتھ قریش اور موالی قریش میں سے صرف تین اشخاص کا ذکر ہے، ایک تو خود ذات رسالت مآب محمد ﷺ دوسرے حضرت زید بن حارثہ، اور تیسرا ابولہب، اسم نبوی تو وحی الٰہی کا اصل مخاطب ہے، اس لئے یہ اسم گرامی چار موقعوں پر قرآن میں مذکور ہوا ہے۔

---

[1] ابن سعد جلد اول ص ۳۹ میں ان تمام مراسم اور امور کی تفصیل ہے۔ [2] ابن سعد جلد اول ذکر قریش

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ　　محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کا باپ نہیں لیکن خدا کا رسول ہے۔

یہ اس موقع کی آیت ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہؓ کو آپ کا بیٹا کہتے تھے، تو خدا نے اس کی ممانعت کی، اس آیت سے یہ پیشین گوئی بھی سمجھی جاتی ہے کہ آپ کے کوئی لڑکا پیدا نہ ہوگا۔ دوسری آیت یہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ　　محمد ﷺ خدا کے پیغمبر

تیسری آیت:

اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ　　محمد ﷺ پر جو کچھ اترا اس پر ایمان لاؤ۔

چوتھی آیت:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ　　محمد ﷺ صرف خدا کے رسول ہیں۔

دوسرا نام زید بن حارثہ کا ہے۔ زید قریشی النسل نہ تھے، وہ کلب کے قبیلہ سے تھے، لڑکپن میں چند ڈاکو ان کو چرا کر عکاظ کے بازار میں لائے، اور غلام بنا کر ان کو بیچا، حضرت حکیم بن حزام ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ماموں نے خریدا اور اپنی بھانجی کی خدمت گذاری میں دیا، حضرت خدیجہؓ نے ان کو آں حضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے آزاد فرما کر اپنی تربیت میں لیا، اور اس درجہ ان سے محبت کرنے لگے کہ لوگ ان کو زید بن محمد کہتے تھے، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ　　ان کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو۔

تو لوگ ان کو زید بن حارثہ کہنے لگے

حضرت زید بن حارثہؓ ایک لاکھ صحابہ میں صرف وہی ایک خوش قسمت ہیں جن کا اسم گرامی ناموس اکبر کی زبان سے ادا ہو کر قرآن کے صفحات میں زندگی جاوید حاصل کر سکا، ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کا نام قرآن میں مذکور نہیں ہوا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا　　(احزاب: ٣٧)　　جب زید نے اس کو طلاق دے دی۔

حضرت زیدؓ کو آں حضرت ﷺ نے پالا تھا، اس لئے وہ خاندان کے ایک ممبر ہو گئے تھے آنحضرت ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے ان کو بیاہ دیا تھا، لیکن میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا۔ حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی، اسی سلسلہ کلام میں حضرت زید کا نام قرآن میں آ گیا۔

تیسرا نام ابولہب ہے جو حضرت ﷺ کا حقیقی چچا اور عبدالمطلب کا بیٹا تھا، چچا نے بھتیجے کی نبوت پر گواہی نہ دی، بھتیجے نے وحی آسمانی کی زبان سے اس کے دائمی خسران وہلاکت کا اس کو پیغام سنایا:

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ؕ سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚ	ابولہب کے دونوں ہاتھوں کی ہلاکت ہو اور وہ ہلاک ہو بھی گیا، اس کے مال و دولت نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا، وہ آتش دوزخ میں بیٹھے گا۔

ابولہب کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا، ابولہب کنیت تھی، ابولہب کے معنی ''آگ والے'' کے ہیں، اس سے لوگوں نے یہ قیاس کیا ہے کہ مسلمانوں نے ضد سے اس کا نام آگ والا یعنی دوزخی رکھا تھا لیکن اصل یہ ہے کہ عربی میں آگ والے سے مراد صاحب حسن و جمال ہے چونکہ یہ خوبصورت تھا اس لئے قریش نے اس کو ابولہب کا خطاب دیا تھا، یہ دوسری بات ہے کہ اس خطاب نے جو اسلام سے پہلے مل چکا تھا دوسرے معنی میں ایہاماً اسلام کے بعد اس کی تقدیر کا سرنوشت ہو گیا۔

یہ قریش کا سردار تھا، اور اسلام کا سخت دشمن، ہجرت کے بعد قریش کے حملہ آورانہ ارادوں کا آلۂ تحریک ایک یہ بھی تھا، ۲ھ میں مکہ میں غزوۂ بدر کے بعد اس نے انتقال کیا۔

اس آیت میں ابولہب کی ہلاکت سے اس کی ذاتی ہلاکت نہیں، بلکہ اس کی قومی ہلاکت مراد ہے، جو غزوۂ بدر میں واقع ہوئی، جس طرح دیگر انبیاء کے زمانہ میں ہمیشہ ایک طاغی اور سرکش ان کا مقابل رہا ہے، اور جس نے اپنی گمراہی سے قوم کو ہلاک کیا ہے، مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں نمرود، حضرت موسیٰؑ کے عہد میں فرعون، اسی طریقہ سے اس امت محمدیہ کا نمرود یا فرعون ابولہب تھا، اور قرآن نے اسی حیثیت سے تمام رؤسائے قریش کو چھوڑ کر صرف اسی کا نام لیا۔

تجارات العرب قبل الاسلام

یعنی

اسلام سے پہلے عربوں کی تجارت

رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ

ملک کی دولت کا دار مدار دو چیزوں پر ہے، زراعت، اور تجارت، سرسبز اور شاداب ملک پیداوار کو پیدا کرتے ہیں اور سنگستانی اور ساحلی ممالک ان کا بیوپار کرتے ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں۔

ملک عرب کا زیادہ تر حصہ غیر آباد اور سنگستانی ہے، اس لئے طبعًا وہاں زراعت سے زیادہ تجارت کے کاروبار کو فروغ ہونا چاہئے، اس کے آباد حصے تمام تر ملک کے تین طرف بحری سواحل پر واقع ہیں، مغرب سے چلئے، بحرین اور عمان خلیج فارس پر، شمال میں حضرموت اور یمن بحر عرب پر، اور مشرق میں حجاز و مدین بحر احمر پر واقع ہیں۔

اندرون ملک میں عرب کا جو حصہ زرخیز ہے، مثلاً یمامہ، نجد، اور یثرب و خیبر وغیرہ، یہاں کاشتکاری ہوتی تھی۔

عرب کے یہ ساحلی صوبے دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے آمنے سامنے واقع ہیں، عمان و بحرین ایران و عراق سے متعلق ہیں، یمن اور حضرموت کو افریقہ اور ہندوستان سے تعلق ہے، حجاز کے سامنے مصر ہے اور شام کا ملک اس کے بازو پر واقع ہے، اس جغرافی تحدید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طبعی سہولتوں کے لحاظ سے عرب کے کس صوبہ کو دنیا کے کس زرخیز خطہ سے تجارتی تعلقات حاصل ہو سکتے تھے، چنانچہ تاریخی سندوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے ان تجارتی صوبوں کو اپنے ان ہی ہمسایہ ملکوں سے زیادہ تر تعلق تھا، گو کبھی کبھی کسی ضرورت کی بنا پر ان کو آگے پیچھے بھی ہٹ جانا پڑتا تھا۔

بحرین کے پاس کچھ عرب تاجروں نے انتقال مکان کر کے بحر روم (بحر ابیض و بحر متوسط)

کے سواحل پر جو شام و کنعان کے بحری مقامات تھے، سکونت اختیار کر لی تھی، بنی اسرائیل ان کو آرامی اور کنعانی اور اہل یونان ان کو فنیقین (فنیشین) کہتے تھے، ان فنیقی عربوں نے یورپ اور افریقہ کے انتہائی ملکوں تک اپنے تجارتی سلسلے پھیلا رکھے تھے یونان میں تہذیب و تمدن کا آغاز ان ہی بیوپاریوں کے ذریعہ سے ہوا اور رفتہ رفتہ یہ چنگاریاں دور دور تک اپنی روشنی کی شعاعیں ڈالتی چلی گئیں۔

یمن اور حضرموت کے عرب ایک طرف تو بحر افریقہ کو عبور کر کے ملک حبش میں اپنی نو آبادی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور دوسری طرف ہندوستان کے ساحلی صوبوں تک وہ دھاوا مارتے ہوئے چلے آئے وہ جو کچھ ان ممالک میں پاتے، وہ کشتیوں پر لاد کر اپنے وطن لاتے، اور وہاں سے اپنی سرحدوں کو عبور کر کے حجازی عربوں کے سپرد کر آتے اور یہ اس کو شام اور مصر کی منڈیوں تک پہنچا آتے۔

عربوں کے تجارتی حالات کسی قدر توراۃ کے صفحوں سے اور زیادہ تر یونانی تاریخوں سے واضح ہوتے ہیں۔ ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب تاجر دو ہزار برقبل مسیح سے برابر ان خدمات کو ادا کر رہے ہیں اور مشرق و مغرب کے تجارتی تعلقات میں بیچ کی لڑی ہمیشہ یہی رہے ہیں۔ افریقہ اور ہندوستان سے سامان تجارت بحری راستوں سے آ کر یمن اور حضرموت کے سواحل پر اترتا اور یہاں خشکی کے راستے سے بحر احمر کنارے کنارے حجاز و مدین اور وادی القریٰ کو قطع کر کے شام پہنچتا اور وہاں سے بحر روم ہو کر یورپ کو چلا جاتا یا شام کی سرحد سے مصر پہنچتا اور وہاں سے اسکندریہ کی بندرگاہ سے یورپ کو روانہ ہو جاتا۔

عرب کی شاہراہ تجارت یا امام مبین ہم نے کئی دفعہ لکھا ہے کہ یہ تجارتی شاہراہ جو حجاز ہو کر یمن سے شام کو جاتی تھی، قرآن مجید نے اسی راستہ کو امام مبین (ظاہر راستہ) کہا ہے، اور عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اسی کے دائیں بائیں واقع تھیں، اصحاب الایکہ اور موتفکہ یعنی حضرت لوطؑ کا گاؤں جو بحر میت کے قریب تھا، اسی راستہ پر آباد تھے، قرآن کہتا ہے:

وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ — یہ دونوں گاؤں کھلے راستہ پر ہیں۔

سبا کے تجارتی قافلوں کے ذکر میں ہے:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ۝ — ہم نے ان کے ملک اور بابرکت آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور ان میں سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں کہ ان میں دن رات بے خوف و خطر چلیں۔

یہ ان ہی آبادیوں کی طرف اشارہ ہے، حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ایک قافلہ تجارت کے

جس راہ سے گذرنے کا ذکر ہے وہ یہی راستہ ہے، توراۃ کے الفاظ یہ ہیں:

''ناگاہ (یوسف کے بھائیوں نے) دیکھا کہ اسماعیلیوں کا قافلہ جلعاد کی طرف سے آرہا ہے،...... اور مصر کو جارہا ہے (تکوین ۳۷۔۲۵)

قرآن میں یہ الفاظ ہیں:

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ (یوسف) — ایک قافلہ آیا۔

یہ قافلہ جو تجارت کا مال عرب سے مصر لئے جاتا تھا، اسی شاہراہ سے گذر رہا تھا، اصحاب الایکہ یعنی ددان کا قرآن نے اسی راستہ پر ہونا بیان کیا ہے، توراۃ بھی اس کی تائید سے خالی نہیں ہے:

جب کہ جنگل میں ددان والوں کی راہ میں تم شام بسر کرو، (اشعیا ۲۱۔۳۱)

یونانیوں کی تاریخ میں بھی اس راستہ کا ذکر ہے، ایک یونانی مورخ لکھتا ہے:

''یہیں سے ایک سیدھی سڑک اس شہر کو جاتی ہے جس کا نام پترا (رقیم) ہے اور فلسطین (شام) کو جاتی ہے، جہاں اہل قریہ (یمامہ و بحرین) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں[۱]۔''

قدیم مورخ آرٹی میڈروس جو ۱۰۰ ق م میں موجود تھا بیان کرتا ہے:

''سبا قرب و جوار کے قبیلوں سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں۔''

یونان کے اکثر مورخوں نے اس راستہ کا ذکر کیا ہے، مصر پر جب یونانی بطلیموسیوں نے قبضہ کیا، انھوں نے تجارت کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لینا چاہا یمن سے مصر تک خشکی کا راستہ ان کے لئے پر امن نہ تھا، اس لئے ہندوستان سے مصر تک انھوں نے براہ راست بحری سفر اختیار کیا، اس طریق سفر نے عربوں کی بحری تجارت کو بالکل ڈبو دیا[۲]۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱ کا مضمون نگار ''عرب'' لکھتا ہے:

''جنوبی مغربی عرب (حضر موت اور یمن) کی خیر و برکت کا سب سے بڑا سبب اس زمانہ میں یہ تھا کہ مصر اور ہندوستان کے درمیان کا تجارتی سامان پہلے سمندر کی راہ سے یہاں آتا تھا اور خشکی کے راستہ سے مغربی ساحل پر جاتا تھا، یہ تجارت اب اس عہد میں مسدود ہوگئی، کیوں کہ مصر کے بطلیموس بادشاہوں نے ہندوستان سے اسکندریہ تک براہ راست ایک راستہ[۳] بنالیا۔

---

۱ برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۷۹، ۱۸۰ ۲ یہ حالات بہ تفصیل تمام ارض القرآن جلد اول میں گزر چکے ہیں۔
۳ برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین ج ۲ ص ۲۶۴

اسی کتاب میں "سبا" کے تحت میں ایک دوسرا مضمون نگار لکھتا ہے:

خشکی کی تجارت جب زوال پذیر ہوئی اور ساحلی آبادیوں کے درمیان جو تجارتی سفر ہوتے تھے جب وہ جاتے رہے اور ان کی جگہ بحری راستہ اختیار کیا گیا تو ناچار یہ آبادیاں نیست و نابود ہوگئیں[1]۔

آرٹی میڈروس سنہ ۱۰۰ ق م کہتا ہے:

"سبائی یہ چیزیں مقابل کے حبشی سواحل سے لاتے ہیں جہاں یہ لوگ چمڑے کی کشتی پر بیٹھ کر چلے جاتے ہیں[2]۔"

اشعیا نبی بابل کے ذکر میں کہتے ہیں:

"ہرگز عرب لوگ اب وہاں خیمے استادہ نہ کریں گے۔" (باب ۱۳۔۲۰)

غیر ممالک سے تجارت الغرض ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ عربوں کے خارجی تجارتی تعلقات ہندوستان، حبش، ایران، بابل (عراق) شام مصر اور یونان سے تھے، یہ تمام ممالک عرب کے چاروں طرف اس طرح واقع ہیں کہ عرب اس دائرہ کا نقطہ بن گیا ہے، اندرون ملک میں جو شہر اور مقامات تجارت کے مرکز تھے، یونانی اور اسرائیلی بیانات کے مطابق وہ حسب ذیل تھے:

اندرون ملک کے تجارتی شہر قریہ یعنی بحرین یا یمامہ، حضر موت، شبوہ حضرموت کا پایہ تخت، قانہ، حضر موت کا بندرگاہ مارب، سبا کا پایہ تخت معین، عدن اوزال، اوفر، مدین، ایلہ یعنی عقبہ کا نقشہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام آبادیاں ملک عرب کے کنارے کنارے خلیج فارس سے لے کر خلیج عقبہ تک ساحلی مقامات ہیں، ان کے نام یہودی اسفار اور یونانی تاریخوں کے حوالے سے اسی مضمون کے اثنائے کلام میں آئیں گے۔

راستوں کی مسافت ایک یونانی مورخ نے ان میں سے بعض مقامات کے درمیان سفروں اور راستوں کے دن بھی مقرر کر دیے ہیں کہتا ہے:

"حضر موت سے سبا کے ملک تک ۴۰ روز تک کا راستہ ہے اور معین سے ۷۰ دن میں سوداگر ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں[3]۔"

گویا حضر موت سے لے کر عقبہ تک تقریباً ۱۱۰ دن کا سفر تھا، مسلمان جغرافیہ نویسوں میں ابن الحائک الہمدانی نے اپنی کتاب صفۃ جزیرۃ العرب میں عرب کے تمام راستوں کی تفصیل لکھی ہے اور میلوں کی تعداد میں اس کی حد مقرر کی ہے[4] ابو الفدا نے تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ کل ملک کے

---

[1] برٹش کی گولڈ مائنس آف مدین ج ۲۴ ص ۹۵۶ [2] ڈنکر کی تاریخ قدیم ج ا ص ۳۱۰۔۳۱۲ [3] ڈنکر کی قدیم تاریخ ص ۳۱۰۔۳۱۲ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱ جلد ۲۳ صفحہ ۹۵۵ [4] صفۃ جزیرۃ العرب از صفحہ ۱۸۵۔۱۹۰ طبع لیڈن

چاروں طرف پھرنے میں سات مہینے گیارہ دن لگیں گے۔

سامان تجارت سب سے اہم اور اقدم سوال یہ ہے کہ عرب کا ملک ایک بنجر اور بے آب وگیاہ زمین ہے، وہاں تجارت کا کیا سامان ہاتھ آتا ہوگا، وہاں کس چیز کی پیداوار ہوتی تھی، اور کیا کیا چیزیں عرب سوداگر کا سرمایہ تجارت تھیں، خود عربوں کے پاس تو معلومات کا مسالہ کچھ نہیں ہے، لیکن جن قوموں کے ہاتھ وہ ان چیزوں کو فروخت کرتے تھے، انھوں نے ان کے تحفوں کی ایک ایک چیز یاد رکھی ہے۔

اس تجارت کا سرمایہ عموماً تین چیزیں ہوتی تھیں:-

۱۔ کھانے کا مسالہ اور خوشبودار چیزیں

۲۔ سونا، جواہرات، اور لوہا

۳۔ چمڑا، کھال، زین پوش، بھیڑ، بکری

دو ہزار برس قبل مسیح میں جو عرب تاجر بار ہا مصر کو جاتے دکھائی دیتے ہیں، ان کا سامان تجارت یہ تھا "بلسان، صنوبر، لوبان، اور دیگر خوشبودار چیزیں"[۱]، حضرت داؤد ایک ہزار ق م میں سبا کا سونا مانگتے ہیں[۲]۔ ۹۵۰ ق م میں حضرت سلیمانؑ کے دربار میں ملکہ سبا جو تحفہ لائی تھی وہ یہ تھا "خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا، بیش قیمت جواہر"[۳]۔ حضرت سلیمان کی کشتیاں یمن کی بندرگاہ اوفر سے سونا لاتی تھیں[۴]، اوفر کے سونے کا اسفار یہود میں بکثرت ذکر ہے، ان کے حوالے ارض القرآن جلد اول صفحہ ۲۲۷ میں گذر چکے ہیں۔

اشعیاء نبی کے وقت میں (۷۰۰ ق م) اوزال سے جو صنعا کا قدیم نام ہے، فولاد، تیز پات، اور مسالہ[۵] ملک شام کو جاتا تھا، اسی زمانہ میں سبا یعنی شہر مارب سے یہ چیزیں بھی شام کو آتی تھیں، عمدہ خوشبو، جواہر اور سونا، حاران، قانہ اور عدن کی راہ سے یہ چیزیں آتی تھیں[۶]، مدین اور عیفا کی اونٹنیاں سبا کے ملک سے سونا اور لوبان لے کر آتی تھیں[۷]، شام کے ہیکلوں میں عرب ہی سے آیا لوبان جلتا تھا، ددان یعنی اصحاب الایکہ بیٹھنے کے فرش یا زین پوش، بدوی عرب اور دیگر شیوخ قیدار جانور بیچنے کو یروشلم لاتے تھے[۸]، حزقیال نبی کے ستائیسویں باب سے عرب کی تجارت کے متعلق بہت سے مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، یروشلم کو خطاب کر کے کہتے ہیں:

---

۱ تکوین ۳۷-۲۶ ۲ زبور ۷۲ ۳ ۱۲ ایام ۹-۹ ۴ ملوک ۹-۲۷

۵ اشعیا ۲۷-۱۹ ۶ اشعیا ۲۷-۱۴ ۷ اشعیا ۶۰-۶ ۸ برمیا ۶-۶۰

دوان اور یاوان اوزال سے تیرے بازار میں آتے تھے، آبدار فولاد، تیز پات اور خالہ تیرے بازار میں بیچتے تھے دوان تیرا سوداگر تھا، کہ سواری کے چار جامے تیرے ہاتھ بیچتا تھا، عرب اور قیدار کے رؤسا، تیرے تاجر ہیں، وہ بکری اور مینڈھے لے کر تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے، سبا اور رعما کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے، وہ ہر قسم کے نفیس وخوشبودار مسالے اور ہر طرح کے قیمتی پتھر اور سونا تیرے بازار میں لاتے تھے، حاران اور قانہ اور عدن اور سبا کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے۔ (۲۴،۱۹،۲۷)

یونانی مورخین کا بیان اس سے زیادہ مفصل نہیں ہے، وہ بھی زیادہ تر ان ہی چیزوں کی سوداگری کا ذکر کرتے ہیں، یعنی سونا، اور خوشبودار مسالہ اور جلانے کی خوشبودار لکڑیاں، یہ بیانات اس کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۵۱ و ۲۵۲ پر موجود ہیں، ان شہادتوں پر یہاں صرف ایک سند کا اور اضافہ کرتے ہیں، جو کتاب کی اس دوسری جلد میں اصحاب الایکہ کے ذکر میں گذر چکی ہے:

"یہ سڑک فلسطین کو جاتی ہے، جہاں اہل قریہ (یمامہ یا بحرین) اور معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں، اور بالائی ملک سے بخورات، کہا گیا ہے کہ خوشبودار چیزوں کا بنڈل لاتے ہیں[1]۔"

ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ عرب میں یہ خوشبودار مسالہ، سونا، لوہا، جواہرات، اور موتی وغیرہ کہاں سے آتے تھے کیا یہ خود عرب کی پیداوار تھیں، یا سب مال باہر سے لایا جاتا تھا، اس سوال کا جواب یہودیوں سے نہیں مل سکتا، یونانی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ اکثر خوشبودار چیزوں کی خود یمن میں کاشت ہوتی تھی، یا ان کے وہاں باغ موجود تھے، اگاتھر شیدس (۱۴۵ ق م) بیان کرتا ہے:

"سمندر سے متصل زمین میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہیں، اندرون ملک میں بخورات (یعنی جلانے کی خوشبوئیں، دارچینی، چھوہارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں سبا میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے۔"

تھیوفراسٹس بیان کرتا ہے کہ لوبان اور عود وغیرہ بخورات سبا اور حضرموت کے عرب اضلاع میں پیدا ہوتے ہیں۔ (یونانی بیانات کیلئے ارض القرآن جلد اول صفحہ ۲۲۳، ۲۲۷، ۲۵۰، ۲۵۱، دیکھو)

---

[1] گولڈ مائنس آف مدین صفحہ ۱۷۹-۱۸۰

اسی قسم کا بیان آرٹی میڈروس کا ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ "یہ مسالے مقابل کے حبشی سواحل سے لائے جاتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں خود ملک میں پیدا ہوتی تھیں، چنانچہ ہمدانی نے نہایت تفصیل سے ان بیانات اور درختوں کا حال لکھا ہے، لوبان اور زعفران کی نسبت لکھا ہے کہ "یہیں سے تمام دنیا میں جاتا ہے قسم قسم کے پھول اور نباتات یمن اور نجد میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن مسالہ یعنی لونگ، سیاہ مرچ، الائچی، ڈلی، اور چینی ناریل، املی وغیرہ ہمارے نزدیک یہ چیزیں جنوبی ہند اور جزائر ہند کے سواحل سے عرب آتی تھیں، علاوہ گذشتہ تاریخی بیانات کے خود آج تک یہ چیزیں یہیں سے تمام دنیا میں جاتی ہیں، اور ایک بڑا ثبوت اس دعوے کا یہ ہے کہ مسالہ اور خوشبو کی اکثر چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آئے ہیں، مثلاً مشک، فلفل، کافور، زنجبیل، صندل، نارجیل، قرنفل، بعض چیزوں کے نام میں "ہندی" کا لفظ نام کا جزء ہو گیا ہے، مثلاً عود ہندی، قسط ہندی، تمر ہندی، لوہے کی تلواریں ہندوستان ہی سے بن کر جاتی تھیں، اسی لئے عربی میں ہندی اور مہند تلوار کے وصف کے طور پر آتا ہے، خوشبودار مسالوں میں لونگ، الائچی، سیاہ مرچ، دارچینی، ہلدی سب داخل ہیں، یہ سب جنوبی اور جزائر ہند کی پیداوار ہیں۔

موتی تو خاص سواحل عرب کی چیز ہے بحرین عمان کے دریاؤں میں موتی کے خزانے ہیں اور اب تک بمبئی وغیرہ میں موتی کے بڑے بڑے تاجر خاص عرب ہیں، قرآن مجید میں ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (رحمٰن)

خدا نے ان دو دریاؤں کو ملایا کہ وہ مل گئے اور (پھر) ان کے بیچ میں پردہ ہے کہ وہ حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ تم اپنے پروردگار کی کن کن باتوں کا انکار کرو گے۔ ان دونوں سے موتی اور مونگا نکلتے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت لوگوں کو اس بات سے ہوئی کہ غریب اور مفلس عرب کے جس سونے کی یروشلم اور اسکندریہ کے بازاروں میں شہرت تھی وہ خاص عرب کی کانوں سے نکلتا تھا، عرب میں سونے کی بہت بڑی بڑی کانیں ہیں، ہمدانی نے صفۃ جزیرۃ العرب میں ایک ایک کان کا نام لکھا ہے، صرف یمامہ اور نجد میں سونے کی چھ کانوں کا پتہ دیا ہے (صفحہ ۱۵۴) سونے کے علاوہ چاندی، تانبا اور عقیق کی کانیں بھی بتائی ہیں، در عدن اور عقیق یمن کی شہرت غالباً یہیں سے ہے، کل کتاب میں ۱۷ کانوں کا ذکر ہے، مدین کے سونے کی کانیں انگریزوں کو بھی عرب کھینچ کر لے گئیں اور خدیو مصر کے حکم سے برٹن ایک

انگریز اس کی تحقیقات کے لئے بھیجا گیا، اس نے گولڈ مائنس آف مدین نام ایک کتاب لکھی۔

عرب کی کھالیں بھی سامان تجارت میں نظر آتی ہیں، یمن کی کھال پہلے بہت مشہور تھی، یہاں تک کہ فارسی شعرا کے کلام میں بھی اس کی تلمیحات ملتی ہیں، اور سبب اس کا یہ بیان کرتے ہیں کہ ستارہ سہیل جو یمن کے مقابل طلوع ہوتا ہے، اس کی روشنی میں کھال کی دباغت بہت عمدہ ہوتی ہے، طائف میں بھی یہ فن بہت کمال کو پہنچ گیا تھا، چنانچہ اس کا نام ہی "بلد الدباغ" پڑ گیا ہے، (ہمدانی صفحہ ۱۲۰) مسلمانوں نے مکہ سے بھاگ کر جب حبش میں پناہ لی تھی، اور قریش نے ایک شخص کو کچھ نذر تحفہ دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو وہ اپنے ملک سے نکال دے، اس وقت بھی قریش کا شاہانہ تحفہ یہی کھال تھی[1]، اسلام سے بہت پہلے طرفہ کہتا ہے:

كسبت اليماني قده لم يحرد   یمن کی کھال ہے جس کی کاٹ ٹیڑھی نہیں۔

درآمد بہر حال اس بحث کو ختم کر کے اب ہم اس مسئلہ پر آتے ہیں کہ عرب سوداگران چیزوں کو اپنے ملک سے باہر لے جا کر فروخت کرتے تھے، لیکن ان ملکوں سے خود اپنے اہل وطن کے لئے کیا تحفے لے کر واپس آتے تھے؟ تاریخ کے ہزاروں صفحات الٹنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ غیر ملکوں سے وہ حسب ذیل چیزیں لاتے تھے، کپڑا، غلہ، شراب، ہتھیار، اور آئینہ وغیرہ آرائش کی چیزیں، کپڑے گو یمن میں بھی بنے جاتے تھے "برد یمانی" یمنی چادریں تو بہت مشہور ہیں، امراء القیس جو اسلام سے چالیس پچاس برس پہلے گذرا ہے، کہتا ہے:

والقى بصحراء الغبيط بعاعه   نزول اليماني ذى العباب المحمل

ابر نے غبیط کے میدان میں اپنا بوجھ اس طرح ڈال دیا تھا   جس طرح یمنی سوداگر اپنے کپڑے کی گٹھریاں پھیلاتا ہے۔

مارب جو سبا کا پایہ تخت تھا، روئی اور کپڑے کا کاروبار وہاں زمانہ اسلام تک تھا، چنانچہ آں حضرت ﷺ نے یہاں کے باشندوں پر نقد جزیہ کے بجائے کپڑا ہی مقرر کیا تھا[2]۔

یمن کا کاروبار زیادہ تر ہندوستان کے ساتھ تھا، اس لئے بہ تحقیق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کپڑے یمن ہی میں سب بنتے تھے، یا ہندوستان سے آتے تھے، عربی میں بعض کپڑوں کے نام ہندی الاصل ہیں، مثلاً شاس (ململ) فوط (چارخانہ دار تہبند) اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید کچھ کپڑے ہندوستان سے آتے ہوں، آغاز اسلام میں کپڑوں کی آمد شام سے تھی، یہودی تاجر مدینہ میں کپڑا لے کر آتے تھے،

---

[1] مسند احمد: مسند اہل البیت وسیرت ابن ہشام: ذکر ہجرت حبش [2] ابوداؤد: کتاب الخراج اخذ الجزیہ

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے کپڑا خریدا ہے[1] مسلمان سوداگر بھی شام ہی سے کپڑا لاتے تھے[2]۔

غلہ یمن سے آ سکتا تھا لیکن زیادہ تر شام ہی سے آتا ہے، اس لئے لوگ غلہ کے بیوپاریوں کی آمد کے بے حد منتظر رہتے تھے، سورہ جمعہ کی آیتوں میں جس واقعہ کا ذکر ہے یعنی یہ کہ آں حضرت ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ان بیوپاریوں کی آمد کا شور ہوا اور لوگ اٹھ کر چلے گئے، وہ اسی شام کے غلہ کے بیوپاری آئے تھے:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ	جب یہ لوگ کسی تجارت یا کھیل تماشہ کو دیکھ پاتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور تم کو کھڑا تنہا چھوڑ دیتے ہیں، کہہ دے کہ جو خدا کے پاس ہے وہ کھیل تماشہ یا تجارت سے زیادہ بہتر ہے۔

شراب زیادہ شام سے آتی تھی، عمرو بن کلثوم کہتا ہے:

الا ھبی بصحنک فاصبحینا	ولا تبقی خمور الاندرینا
ہاں اٹھ اور صبح کی شراب پلا	"اندرین" کی شراب کچھ چھوڑنا نہیں

اندرین شام میں ہے۔

کاغذ بھی ملک شام سے آتا تھا، طرفہ کہتا ہے:

و خد کقرطاس الشامی	گال، شامی تاجر کے کاغذ کی طرح

عرب کے بازار اہل عرب کو جو تجارت کا شوق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حیرہ کے بادشاہ عکاظ کے سالانہ میلہ میں اپنا تجارتی سامان بھیجا کرتے تھے، اس کو لطیمہ کہتے تھے، قریش میں حرب فجار کے نام سے جو آخری جنگ ہوئی، جس میں آنحضرت ﷺ شریک تھے، اسی لطیمہ کے لٹ جانے پر برپا ہوئی تھی:

خود عرب میں بڑے بڑے بازار تھے، جہاں سال میں ایک دفعہ میلا لگا کرتا تھا، اور دور دور سے سوداگر یہاں اسباب لاتے تھے اور فروخت کرتے تھے، عرب کے نقشہ کو غور سے دیکھو تو نجد کے سوا تمام آبادی عرب کے کنارے کنارے دریا سے متصل ہے، یہ میلا شام کے پاس دومۃ الجندل سے شروع ہو کر عراق کے حدود بحرین اور عمان سے ہوتا ہوا، بحر ہند کے مقابل حضر موت و یمن سے گذرتا ہوا حج کا زمانہ مکہ میں گذار کر حجاز سے ہو کر پھر شام میں آ کر ختم ہو جاتا تھا۔

---

[1] ترمذی ص ۱۵۵ مطبع العلوم دہلی [2] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۰۹ بحوالہ مسند احمد

عرب کے ان بازاروں کے حالات بہت سے مورخین نے قلم بند کئے ہیں، یعقوبی نے اپنی تاریخ کے خاتمہ میں ایک پورا باب اس پر لکھا ہے، لیکن ان کے متعلق سب سے کار آمد اور مفصل حالات امام مزروقی نے کتاب الامکنہ میں لکھے ہیں، ہم ان کا خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

عرب کے ۱۳ مقامات میں بڑے بڑے میلے لگتے تھے، دومۃ الجندل، مشقر، صحار، دبا، شجرہ، عدن، صنعاء، حضر موت، عکاظ، ذوالمجاز، منی، خیبر، یمامہ، سب سے پہلے دومۃ الجندل میں میلہ لگتا تھا، دومۃ الجندل شام کے پاس حجاز کی آخری سرحد پر واقع ہے، یکم ربیع الاول سے ۱۵ تک تو بڑا جمگھٹا رہتا تھا، ۱۵ کے بعد سے گھٹنا شروع ہوتا تھا، کلب اور جدیلہ دو قبیلے اس کے پڑوس میں آباد تھے، ان میں سے جس کا رئیس قابو پاتا، اس بازار کا حاکم ہو جاتا، عرب کے علاوہ عراق اور شام کے تاجر بھی اسی کی اجازت سے اپنے بازار لگاتے تھے، رئیس خود بھی تجارت کرتا تھا اور جب تک اس کا مال نہ بک جاتا کسی اور خرید و فروخت کی اجازت نہ تھی، یہاں خرید و فروخت اس طرح ہوتی تھی کہ جس کو جو مال پسند آتا اس پر ایک کنکر ڈال دیتا۔

دومۃ الجندل سے میلہ اکھڑ کر مشقر و بحرین میں آکر جمتا تھا، جمادی الاولیٰ بھر پورے ایک مہینہ رہتا تھا، یہ ایران کے قریب تھا، اس لئے یہاں ایران کے تاجر بھی آتے تھے، عبدالقیس اور تمیم یہاں کے باشندے تھے، تمیم کا رئیس بازار کا حاکم ہوتا تھا، یہاں تمام ملک عرب سے لوگ آتے تھے، یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ بائع و مشتری دونوں خاموش رہتے، اور صرف اشاروں سے بات چیت ہوتی۔

اکیسویں رجب سے صحار (عمان) میں سوداگر جمع ہونے شروع ہوتے، اگلے بازاروں میں جو لوگ نہیں آسکتے تھے، وہ اس میں آتے تھے، یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ سامان قرینہ سے لگا ہوتا، گاہک پتھر پھینکتے جس پر جا پڑتا اٹھا لیتے، یہاں سے ہٹ کر رجب کی آخری تاریخ کو عمان کی بندرگاہ دبا میں جہاں ملک ملک کے سوداگر آتے تھے لوگوں کا میلہ لگتا تھا، یہاں ہندوستان سے، سندھ سے، چین سے، اور افریقہ سے سوداگر آتے تھے، عرب کی چیزیں اور دریا کی چیزیں یہاں بکتی تھی، یہاں سے اٹھ کر تمام سوداگر شحر میں جمع ہوتے تھے، جو بحر عرب کے ساحل پر حضر موت اور عمان کے بیچ میں واقع ہے، نصف شعبان سے یہاں میلہ شروع ہوتا تھا، چمڑا، کپڑا، اور دیگر عام ضرورت کی چیزیں یہاں بکتی تھیں اور کچھ نباتاتی دوائیں لوگ یہاں سے خرید کے لے جاتے تھے۔

شحر سے چل کر عدن میں ان کے ڈیرے لگتے تھے، یہاں دریائی سوداگر زیادہ تر جمع ہوتے تھے، یکم سے ۱۰ رمضان تک میلہ رہتا تھا، جو کچھ بچا کھچا مال رہتا تھا وہ یہاں فروخت ہوتا تھا، سلاطین یمن نہایت خوش اسلوبی سے یہاں کا انتظام کرتے تھے، یہاں قسم قسم کے عطر اور خوشبو کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں، عربوں کا دعویٰ تھا کہ اس کے سوا دنیا میں خوشبو بنانا کوئی نہیں جانتا، براہ دریا ہندوستان اور سندھ تک اور براہِ خشکی ایران اور روم تک یہیں سے یہ چیزیں جاتی تھیں۔

عدن کے بعد صنعاء کے میلہ کا زمانہ آتا تھا، صنعاء یمن کا پایہ تخت ہے، یہاں روئی، زعفران اور رنگوں کی تجارت ہوتی تھی، کپڑا اور لوہا خرید کر یہاں سے لوگ لے جاتے تھے، ۱۵ سے ۲۰ رمضان تک یہاں چہل پہل رہتی تھی، یہاں سے کچھ لوگ لوٹ کر حضر موت چلے جاتے تھے وہاں بھی میلہ لگتا تھا، اور زیادہ تر لوگ عکاظ آتے تھے، عکاظ کا میلہ نجد اور عرفات کے بیچ میں لگتا تھا، دونوں مقامات میں ایک ہی وقت میلہ شروع ہوتا تھا، یعنی ۱۵ ذیقعدہ سے۔

عکاظ ایام جاہلیت کا سب سے بڑا بازار تھا، یہاں قریش، ہوازن، غطفان، خزاعہ، حارث ابن عبدمناۃ، عقل، مصطلق وغیرہ جمع ہوتے تھے، شعراء یہاں اپنے قصائد سناتے تھے، خطباء تقریریں کرتے تھے، حکام اپنے فیصلے سناتے تھے، شیوخ معاہدے کے دفعات طے کرتے تھے ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر یہ میلہ چھوٹ جاتا تھا اور سب لوگ ذوالمجاز کے بازار میں اٹھ کر آتے تھے، اور ۹ تاریخ تک جمتے تھے، بعد ازیں حج کر کے لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے تھے، پھر نئے سال سے نیا پھیرا شروع ہوتا تھا۔[1]

قریش کی تجارت

قدیم عرب کی تجارت کی تاریخ لکھنے کے بعد اب مخصوص قریش کی تجارت پر ہم کو روشنی ڈالنا ہے، یہ مسلم امر ہے کہ قریش ایک تاجر قبیلہ تھا، نہ صرف اسی قدر بلکہ زراعت اور کاشتکاری ان کے نزدیک ذلیل ترین پیشہ تھا، چنانچہ اہل مدینہ جو کاشتکار تھے، قریش ان کو اسی لئے آنکھ نہیں لگاتے تھے۔[2]

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تجارت اور سوداگری عرب کا قدیم پیشہ ہے، لیکن چونکہ اسلام سے سوا سو برس پہلے سے یمن اور شام کے ملک میں سیاسی انقلابات پے در پے ہو رہے تھے، اس لئے قریش کے خاندان میں جب قصی اور ہاشم پیدا ہوئے تو انھوں نے قریش کے کاروانِ تجارت کو منظم کیا، اہل حبش یمن پر قابض ہو گئے تھے، شام بہت پہلے سے رومیوں کے ہاتھ میں تھا، ہاشم نے نجاشی اور قیصر سے

[1] کتاب الامکنہ والازمنہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ حیدرآباد [2] صحیح بخاری جلد ۲ ذکر قتل ابوجہل

فرمان حاصل کئے کہ قریش کو ان ملکوں میں بے روک ٹوک آمد ورفت کی اجازت رہے، سال کی دو فصلیں مقرر کیں، جاڑا، اور گرمی، جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام، بلکہ ایشیائے کوچک تک قریشی سوداگر جاتے تھے۔

یہ تعجب انگیز امر ہے کہ ملک عرب میں جو عام بدامنی اور لوٹ مار جاری تھی اس کے باوجود قریش کا کاروانِ تجارت بے خطر آیا جایا کرتا تھا، حالانکہ اوپر گذر چکا ہے کہ بادشاہوں کا تجارتی مال بھی عام خطرہ سے خالی نہیں رہتا تھا، اصل یہ ہے کہ چونکہ قریش کا وطن مکہ تھا، جہاں کعبہ تھا، کعبہ کی جو عام عظمت اہل عرب کے دل میں تھی، اس کی بنا پر وہ ''جیران اللہ'' خدا کے پڑوسی سمجھے جاتے تھے اور لوگ ان کو نہیں ستاتے تھے، ان کا خیال اور لحاظ کرتے تھے، اس لئے قریش کے تجارتی قافلے بے دھڑک ادھر ادھر پھرا کرتے تھے، اسی لئے خدائے پاک نے آں حضرت ﷺ کو خطاب کرکے دوبار فرمایا:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ	ان کافروں کا ملک ملک پھرنا تم کو دھوکا نہ دے۔
فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ	ان کا ملک ملک پھرنا تم کو دھوکا نہ دے۔

اس تفصیل کے بعد سورہ قریش کی آیتوں پر نظر ڈالئے:

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ	قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفر میں اپنے تجارتی عہدو پیمان کے لئے چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا دیا اور خوف سے بچا کر امن وامان بخشا۔

قریش کو چونکہ خشک اور بنجر زمین میں کھانے کی چیز اور نعمت ملتی ہے اور اس عام بے امنی کے زمانہ میں بھی ان کو امن حاصل ہے، شہر کے اندر بھی کہ حرم میں کوئی قتل اور خونریزی جائز نہ تھی اور حرم کے باہر وہ خدا کے پڑوسی تھے، لیکن یہ تمام نعمتیں صرف اس انتساب کی بنا پر ان کو حاصل تھیں جو ان کو خانہ کعبہ سے تھا، اس لئے رب کعبہ یعنی خداوند تعالیٰ کا شکریہ ان پر واجب ہے۔

یہ قافلے ذیقعدہ میں لوٹ[1] آتے تھے، شاید اسی لئے اس مہینہ کا نام ''ذیقعدہ'' رکھا تھا یعنی بیٹھنے کا مہینہ، اس کے بعد ذی الحجہ آتا تھا جس میں ان کا موجود رہنا ضرور تھا۔

اس امن وامان کے معاوضہ میں قریش ان قبائل کے ساتھ یہ سلوک کرتے تھے کہ ان کی ضرورت کی چیزیں لے کر وہ خود ان کے پاس جاتے تھے اور خرید وفروخت کرتے تھے، درحقیقت یہ

[1] اسباب النزول سیوطی صفحہ ۲۶۲ مصر

بھی قریش کی تجارت کے فروغ کا ایک سبب تھا، قریش کی تاجرانہ ترقی کی انتہا یہ تھی کہ بیوہ اور لاچار عورتیں تک اپنا سرمایہ اس میں لگاتی تھیں اور دوسروں کو اپنا روپیہ دیتی تھیں کہ وہ اس سے تجارت کریں اور نفع میں شریک ہوں، چنانچہ حضرت خدیجہؓ جو قریش کی ایک بیوہ خاتون تھیں اسی طریقہ سے تجارت کرتی تھیں، ان کا سامان تجارت ہر سال شام کو جایا کرتا تھا۔

ابو طالب حضرت علیؓ کے والد بھی تاجر تھے، اور بڑے بڑے امرائے قریش، مثلاً ابو جہل و ابوسفیان وغیرہ بھی تجارت پیشہ تھے، آں حضرت ﷺ بھی نبوت سے پہلے تجارت کرتے تھے اور حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر کئی دفعہ بصریٰ تشریف لے گئے جو شام کی سرحد پر واقع ہے محدثین نے تصریح کی ہے کہ آپ یمن کے بازار جرش میں بھی دوبار تشریف لے گئے، بحرین بھی آپ کا جانا ثابت ہے، جب اسلام کا ظہور ہوا اور ناچار مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا، تو مسلمانوں نے قریش کو عاجز کرنے کے لئے اس سے بہتر صورت نہ دیکھی کہ ان کے شامی قافلہ کے راستوں کو پرخطر کر دیا جائے، چنانچہ غزوۂ بدر اسی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ — خدا وعدہ کرتا ہے کہ دو جماعتوں یعنی فوج اور کاروان تجارت میں سے ایک تم کو ملے گا۔

اسی کارواں کے متعلق ہے:

وَالرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ — کارواں تم سے ادھر تھا۔

اس غزوۂ بدر کے قافلہ میں قریش کی ایک ایک بڑھیا تک کا سرمایہ[1] تھا، قریش نے جب مسلمانوں کو حج کرنے سے روک دیا تھا تو انھوں نے سب سے موثر دھمکی ان کو یہ دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت کا قافلہ روک دیں گے،[2] آخر اسی سے دب کر ۶ھ میں انھوں نے مقام حدیبیہ میں صلح کر لی، اس صلح کے زمانہ میں قریش کا قافلہ بدستور شام اور ایشیائے کوچک تک پہنچنے لگا، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ کئے ہیں ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جب مسلمان قاصد خط لے کر ایلیا (بیت المقدس) پہنچا ہے، تو وہاں قریش کے سوداگر موجود تھے۔[3]

اہل عرب کے سامان تجارت کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، قریش بھی غالباً ان ہی چیزوں کی تجارت کرتے ہوں گے، مگر بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے، چنانچہ اوپر گذر چکا ہے کہ قریش نے حبش کے نومسلموں کو پکڑ لے کے لئے تحفہ تحائف

[1] ابن سعد غزوۂ بدر [2] صحیح بخاری جلد ۲ اول مغازی [3] صحیح بخاری کتاب الایمان

دے کر نجاشی کے پاس جو وفد بھیجا تھا، اس کا سرمایہ یہی چمڑا تھا، طبری میں ہے کہ وکان اعظم تجارتهم الفضة، قریش کی تجارت کا بڑا حصہ چاندی کا سامان تھا۔[1]

اسلام کے بعد بھی قریش کی تجارتی سرگرمی افسردہ نہ ہوئی، بلکہ اور زیادہ تیز ہوگئی اور وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ: ۱۰) کے حکم نے تو اس کو واجب کا درجہ دے دیا، حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، مدینہ میں بھی مقام سنخ میں ان کے کپڑے کا کارخانہ تھا،[2] بھی خود بہ نفس نفیس اسلام کے بعد بصریٰ سوداگری کا مال لے کر جاتے تھے،[3] حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے[4] اور شاید ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا،[5] حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی خرید و فروخت کرتے تھے،[6] عبدالرحمان بن عوفؓ پنیر بیچتے تھے،[7] حضرت زبیرؓ بھی کپڑے کے تاجر تھے اور شام سے ان کا بیوپار تھا،[8] دیگر عام مہاجرین بھی مدینہ میں تجارتی زندگی بسر کرتے تھے۔[9]

انصار زراعت پیشہ تھے،[10] اس لئے یہاں تجارتی کاروبار تمام تر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا، مدینہ سے شام تک ان کی بہت سی گڑھیاں تھیں جن کو گودام سمجھنا چاہئے، ابن ابی الحقیق ایک یہودی تھا، جس کو لوگ "تاجر الحجاز"[11] کہا کرتے تھے، لیکن آخر کار مسلمانوں نے ان کی جگہ لینی شروع کر دی اور آخر ۷ھ میں ملک کو ان کے پنجہ سے آزاد کیا۔

عرب میں جو بڑے بڑے تجارتی میلے لگتے تھے قریش ان سے زیادہ عکاظ اور ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے۔ عکاظ کے بعد ذوالمجاز کے میلے کے دن آتے تھے۔ یہ میلہ عین مکہ میں آکر لگتا تھا اور حج تک قائم رہتا تھا۔[12]

اسلام آیا تو لوگوں نے ان میلوں میں شرکت اور ایام حج میں خرید و فروخت کو برا جانا اس پر یہ آیت اتری:[13]

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔	تمہارے لئے کوئی حرج نہیں اگر (حج کے زمانہ میں)
(البقرہ: ۱۹۸)	اپنے پروردگار کی مہربانی تلاش کرو۔

۱ طبری واقعہ بدر ۲ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ ۳ ابن ماجہ باب المزاح ۴ مسند احمد جلد ۱ ص ۶۲
۵ مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۴۷ ۶ مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۰ ۷ صحیح بخاری باب الاخاء بین المہاجرین والانصار
۸ کتب السیر ذکر ہجرت ۹ صحیح بخاری ما جاء فی الغرس ۱۰ صحیح بخاری باب ما جاء فی الغرس وابواب المزارعہ
۱۱ صحیح بخاری واقعہ قتل ابن ابی الحقیق ۱۲ یعقوبی ج ۱ ص ۳۱۴ ۱۳ صحیح بخاری کتاب الحج - التجارۃ فی ایام المواسم

اس کے بعد ان میلوں میں پھر وہی رونق اور تجارتی دھوم دھام شروع ہوگئی اور تقریباً سو اسو برس تک یہ زمانۂ اسلام میں قائم رہے، سب سے پہلے عکاظ کا بازار سرد ہوا، ۱۲۹ھ میں خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوگیا[۱]، اس کے بعد اور بازار بھی کچھ دنوں تک چلتے رہے، بصریٰ اور اذرعات میں بنوامیہ کے اہتمام سے بڑا بازار لگتا تھا[۲]۔

[۱] فتح الباری ج ۳ ص ۴۷۲ [۲] حوالہ سابق

السنۃ العرب قبل الاسلام

یعنی

اسلام سے پہلے عرب کی زبانیں

لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ

ہمارے ناظرین کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ کتاب نسل آدم کے جس خانوادہ کی تاریخ ہے، اس کا نام بنو سام یا امم سامیہ ہے، اس لئے ملک عرب کی زبان بھی شجرۂ السنۂ سامیہ کی ایک شاخ ہے، وہ تمام قطعہ زمین جو بنو سام کی آبادی کہلاتی ہے، اور حبش سے لے کر یمن، نجد اور حجاز کو طے کرتی ہوئی بابل اور شام کے کناروں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، عرب اس کے بیچ میں ہے، یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ حبش کوئی مستقل آبادی نہیں بلکہ وہ یمن کا ایک ٹکڑا ہے، اس بنا پر جغرافی حیثیت سے سامی زبانیں تین مرکزوں پر منقسم ہوتی ہیں، عربی، بابلی، اور شامی، ان میں ہر ایک کی متعدد شاخیں ہیں۔

۱۔ عربی

آرامی، ثمودی، مدیانی، نبطی، عدیانی، سبائی، حمیری، حبشی، وغیرہ

۲۔ بابلی

آرامی، کلدانی، سریانی،

۳۔ شامی

آرامی، فینیقی، عبرانی، تدمری،

جس زمانہ میں یہ تمام قومیں صرف ایک خاندان یا قبیلہ تھا، ظاہر ہے کہ ان کی کوئی مشترک

زبان ہوگی، جس کا نام ہم سامی رکھتے ہیں، سیکڑوں ہزاروں برس کے بعد جب یہ ایک خاندان سیکڑوں قبائل اور یہ قبائل مختلف قوموں میں منقسم ہوگئے تو آب وہوا، خصائص وعادات، رسوم، عوائد، مذاہب، اخلاق اور دیگر ضروریات کے اختلاف سے بنوسام کی مادری زبان، چند بچوں کی ماں بن گئی، لغویین کا اختلاف ہے کہ ان بچوں میں پہلوٹا کون ہے۔

ہم نے امم سامیہ کی حقیقت اور ان کے اصل مسکن کی نسبت پہلی جلد میں جو بحثیں کی ہیں ان سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ بنوسام کا اصل مسکن عرب تھا، اس لئے اصل زبان سامی کا جو کچھ نام بھی ہو لیکن جغرافی اور ملکی حیثیت سے اس کا نام عربی ہی ہوگا[1]، اس کے بعد یہ بحث بھی فیصل ہوچکی ہے کہ سامی قبائل میں سب سے پہلا نامور اور ممتاز قبیلہ بنوارم پیدا ہوا، جس کا سراغ عرب، عراق، (بابل) اور شام[2] میں ہر جگہ ملتا ہے، اس بنا پر عربی زبان کی پہلی شاخ آرامی[3] ہوگی، آرامی قبائل جس جس ملک میں جاجا کر رہ گئے اس کے انتساب سے بعد کو ان کا الگ الگ نام پڑ گیا۔

اس بیان کے بعد مطابق آل سام کی قدیم ترین زبان کو ملکی حیثیت سے عربی اور قومی حیثیت سے آرامی کہنا چاہئے، اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عبرانی زبان سب سے قدیم زبان ہے، اور یہی حضرت ابراہیم کی زبان تھی، لیکن یہ بالکل غلط ہے، حضرت ابراہیم کی زبان آرامی عربی تھی، چنانچہ ایک عیسائی فاضل قس جبرائیل قرداحی نائب پٹریارک و پروفیسر عربی وسریانی مدرسہ مارونیہ، واقع رومیہ، اپنی کتاب متعلقہ سریانی میں لکھتا ہے[4]:

> علمائے سریانی نے آرامی زبان کی قدامت میں بہت مبالغہ کیا ہے، یہاں تک کہ ان کا بیان ہے کہ حضرت آدم کی زبان یہی تھی، لیکن اہل تحقیق اس سے زیادہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ عبرانیوں کے پدراعلیٰ ابراہیمؑ کی زبان ہے۔

اس بنا پر حضرت اسمٰعیلؑ کی اصلی زبان عبرانی نہیں، بلکہ آرامی عربی تھی، جرہم جن میں آکر وہ عرب میں بسے ان کی زبان بھی وہ عربی نہ تھی جو ظہور اسلام کے وقت قریش بولتے تھے، اس لئے نسل اسمٰعیل کو "مستعربہ" کہنے کی یہ وجہ کہ عربی ان کی اصلی زبان نہ تھی، بلکہ جرہم کے ساتھ رہ کر انھوں نے سیکھی تھی، صحیح نہیں ہے، مورخین نے عرب کی تمام قوموں کو تین طبقوں پر منقسم کیا ہے، بائدہ، جن کو ہم نے

---

[1] یہاں ایک شبہ واقع ہوتا ہے اس کو دور کرلینا چاہئے۔ عربی زبان سے وہ بعینہ زبان مراد نہیں ہے جو ظہور اسلام کے وقت بولی جاتی تھی اور جواب تک محفوظ ہے۔ [2] دیکھو ارض القرآن جلد اول ص ۱۲۶-۱۲۷ [3] اس سے مراد وہ آرامی زبان نہیں ہے جس میں یہودیوں کی تالمود لکھی گئی ہے، وہ تو ابعد کی زبان ہے۔ [4] الہلال مصر ۲۴-صفر ۱۳۲۰ھ

نے امم سامیہ اولیٰ کا لقب دیا ہے، عرب عا، یعنی بنو قحطان، اور عرب مستعربہ یعنی بنو اسماعیل، عرب کے یہ تینوں طبقے جو تین مستقل خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں الگ الگ تین زبانیں بولتے تھے، یہ تینوں زبانیں گویا اپنی اصلیت کے رو سے ایک ہی ماں سے پیدا ہوئی تھیں لیکن چونکہ مختلف خاندانوں میں ان کی پرورش اور نشو ونما ہوئی تھی اس لئے ان میں باہم خاص امتیازات پیدا ہو گئے تھے۔

امم بائدہ کی زبان: آرامی جلد اول میں امم بائدہ کے حالات بتفصیل گذر چکے ہیں، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے لئے امم سامیہ اولیٰ کی اصطلاح مناسب تر ہے، یہ بھی اسی مقام میں طے ہو چکا ہے کہ امم سامیہ اولیٰ کی سب سے طاقتور اور نامور قومیت بنو ارم کی تھی، توراۃ سے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ بابل (عراق) اور شام یہ دونوں ملک قدیم زمانے میں آرامی تھے، قرآن مجید اور عرب کے بیانات اور اشعار سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ عربوں کی پہلی آبادی بنو ارم کی تھی، اس لئے عاد ارم کو عاد اور ثمود ارم کو ثمود کہتے تھے، یہ بھی وہیں گذر چکا ہے کہ بنو ارم کی حکومت ابتدائی زمانہ میں تمام عرب عراق، شام اور مصر میں پھیلی تھی، اس بنا پر یہ نتیجہ لازمی ہے کہ ان ممالک کی زبان قدیم آرامی ہو، جس کو اس بنا پر کہ ان کا اصلی وطن عرب تھا عربی بھی کہنا چاہیے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع ۱۱) نے آرامی زبان کی حسب ذیل تفصیل کی ہے:

> آرامی زبانیں زبانوں کی ایک صنف کا نام ہے جس کو آرامی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آرام کی طرف منسوب ہے، آرم ایک جغرافی اصطلاح ہے جو توراۃ کے محاورہ میں تقریباً اسی مقام پر اطلاق پاتا ہے جس پر یونانی لفظ سیریا (شام) اطلاق پاتا ہے، اس میں فلسطین شامل نہیں ہے، بلکہ میسوپٹیمیا عبرانی: دو دریاؤں[1] کا ارم) یعنی وہ مقام جس کو یونانی اکثر سیریا خاص سے الگ کرتے ہیں، اس بنا پر ارامی زبانوں کی جغرافی حیثیت سے اسی طرح تحدید کی جا سکتی ہے کہ وہ سامی بولیاں ہیں جو اصلاً میسوپٹیمیا اور فرات کے جنوبی مغربی مقامات سے فلسطین تک[2] جاری ہوئی۔

غلطی سے اس جغرافی تحدید میں مضمون نگار نے ان مقامات کو نہیں لیا ہے جو عرب میں واقع تھے اور جو بنو ارم کا خاص مولد و منشا تھا، اسی بنا پر ''السنہ سامیہ'' کے مضمون میں یورپ کے سرمایہ ناز محقق تھیوڈر نولڈیکی کو حیرت سے کہنا پڑا:

---

[1] ارض القرآن اسی لئے عرب اس کو ما بین النہرین کہتے ہیں۔ [2] جلد ۲ صفحہ ۳۱۷

آرامی زبان کے اصلی وطن کے متعلق یقینی طور سے کوئی بات نہیں معلوم ہے،
توراۃ میں 'ارم' قدیم زمانے میں، ارم ودمشق وغیرہ شام کے کئی مقامات کو کہا گیا
ہے۔ نیز عراق کو ارام بین النہرین کہا ہے[1]۔

اس کے بعد پورے مضمون میں نولڈیکی نے تفصیل کی ہے کہ "یہ زبان عراق، شام اور عراق عرب میں بولی جاتی تھی بلکہ مصر اور ایران کی زبانوں میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں، ہم اس بیان کی تشریح اپنے نظریہ امم سامیہ اولیٰ کی بنا پر، جن کی عراق شام، مصر اور ایران وغیرہ میں حکومتیں ثابت کی جا چکی ہیں[2]، یہ کرتے ہیں کہ حکومت کے سایہ میں یہ زبان بھی ان ممالک میں پھیلتی چلی گئی۔

ثمود کی زبان اس تشریح کے بعد یہ دعویٰ قابل قبول ہونا چاہئے کہ عاد وثمود وغیرہ امم بائدہ کی زبان عربی ارامی تھی، ثمود کے متعلق ایک اور بات بھی غور کے لائق ہے، شمالی عرب کے جن مقامات میں ثمود کی سکونت ثابت ہوتی ہے، وہاں ایک خاص خط کے بہت سے کتبات پائے گئے ہیں، جن کی زبان آرامی عربی ہے، العلاء کے کتبات اسی قسم کے ہیں، اس خط کا نام پہلے "پروٹو عربک" (ابتدائی عربی) تھا، بعض لوگ اس کو لحیانی کہتے ہیں کہ یہاں کے چند کتبات میں لحیانی نامی ایک قبیلہ کا ذکر ہے، لیکن زیادہ تر لوگ اس کو ثمودی کہتے ہیں تھیوڈر نولڈیکی ان کتبات کو ثمودی کہنا پسند نہیں کرتا، کہتا ہے:

> بہت قدیم زمانہ میں .... شمالی عرب اپنی زبان کو قید تحریر میں لائے کیوں کہ سیاحوں نے ابھی کچھ دن ہوئے شمالی حجاز علاء میں ایسے کتبات جو ایک مجہول خط میں جو سبائی سے ماخوذ معلوم ہوتا تھا پائے، جس کا زمانہ بظاہر سنہ عیسوی سے پیشتر معلوم ہوتا ہے... ان کتبات کا نام ثمودی ہے، کیوں کہ وہ ثمود کے مقامات میں پائے گئے ہیں لیکن یہ وصف بمشکل مناسب معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ جس زمانہ میں ثمود پوری ترقی پر تھے، اور وہ مکانات جن کو قرآن نے بیان کیا ہے کہ پہاڑوں کو کاٹ کر بنا رہے تھے، اس ملک کی زبان نبطی تھی[3]۔

اس کی دلیل غالباً نولڈیکی کے پاس یہ ہوگی کہ حجر جو عام طور پر ثمود کا دارالحکومت سمجھا جاتا ہے وہاں کے عمارات کے کتبات کی زبان نبطی ہے، اس سے وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ علاء کے کتبات اگر ثمودی ہوتے تو حجر کی طرح نبطی ہوتے کیوں کہ حجر ہی کی زبان ثمود کی زبان ہوتی، لیکن اس خیال کی غلطی ہم انباط کے ذکر میں بہ تفصیل بیان کر چکے ہیں ہم نے اس کو نہیں تسلیم کیا ہے کہ حجر کے کتبات جو

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۴ ص ۶۲۳ [2] ارض القرآن جلد اول [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۴ ص ۶۲۴

نبطی میں ہیں وہ ثمود کے ہو سکتے ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، اور نولدیکی نے سمجھنا چاہا ہے بلکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ انباط کی یادگار ہیں، اس کو کون صاحب عقل تسلیم کر سکتا ہے کہ ایک طاقتور قوم اپنے شباب اور ترقی کے عہد میں اپنی یادگاروں کے لئے غیر قومی زبان اختیار کرے گی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "ثمود جب اپنی پوری ترقی پر تھے، تو ملک کی زبان نباطی نہ تھی۔"

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں (Achoade) نے "عربی زبان" پر جو مضمون لکھا ہے اس میں وہ ان کتبات کے متعلق لکھتا ہے۔

> "ایک بظاہر بعد کے نمونہ کا خط ان کتبات میں پایا گیا ہے، جن کا نام پہلے "پروٹو عربک" تھا اور اب ثمودی کہلاتا ہے، یہ کتبات اول یوٹنگ نے اسی مقام پر پائے، جہاں لحیانی کتبات ملے ہیں، یہ کتبات ایک حد تک اور شمال کی جانب میں ہیں، برٹن (ارض مدین ج ۲ ص ۱۵۸) نے اسی خط کے چند کتبات مدین میں پائے ہیں، اور راقم ہذا نے اس کی کچھ تعداد تبوک کے شمال مغرب میں قریہ کے معدنی مقام میں دریافت کئے، کتبات کی کثیر تعداد (تنہا یوٹنگ نے ۹۲ کتبات جمع کئے ہیں) کے مقابلہ میں واقعات کا بہت کم پتہ لگتا ہے، اور ان کے زمانہ کی تعیین یقین کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔"

اس محقق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو اس خط کو لحیانی کہا جا سکتا ہے، اور نہ اس خط کو ثمودی سمجھنا خلاف قیاس ہے۔

اہل عرب نے ان قوموں کی زبان کا نام مسند رکھا ہے، معجم یاقوت میں ہے:

فاهل المسند عاد و ثمود و العماليق و جرهم و عبد بن الضخم و طسم و جديس و اميم فهم اول من تكلم بالعربية بعد البلبلة و لسانهم المسند و كتابهم المسند (لفظ عرب)	مسند زبان والے عاد، ثمود، عمالیق، جرہم، عبد بن ضخم، طسم، جدیس، امیم ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جو سب سے پہلے عربی بولے، ان کی زبان مسند اور ان کا خط مسند ہے۔

اس بیان سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ ان قوموں کی زبان خاص قسم کی عربی تھی، لیکن اس کو مسند کہنا خلاف تحقیق ہے، محققین عرب کے نزدیک مسند زبان کا نہیں، خط کا نام[1] ہے، جو اہل یمن کے استعمال میں تھا، اس خط کے ہزاروں کتبے یمن میں موجود ہیں۔

[1] شمس العلوم ابن سعید حمیری، لفظ مسند موجودہ کتب خانہ بانکی پور و صفۃ جزیرۃ العرب، ہمدانی

شمالی اور جنوبی زبانیں بنو قحطان اور اسماعیل | طبقہ اول یعنی امم سامیہ اولیٰ کے بعد طبقہ دوم (بنو قحطان) اور طبقہ سوم (بنو اسماعیل) کی زبانوں پر ایک نظر ڈالنا ہے، اتفاقی طور سے ثابت ہے اور کئی بار اس کا اعادہ بھی ہو چکا ہے کہ عرب کی دو بڑی تقسیمیں ہیں، ان میں باہم متعدد امور میں باہم امتیاز اور تفریق ہے، اہل عرب اس کی قومی تقسیم کرتے ہیں یعنی بنو قحطان اور بنو اسماعیل اور علمائے یورپ نے اس کی جغرافی حد بندی کی ہے، یعنی جنوبی اور شمالی، بنو قحطان جنوبی عرب کے باشندے ہیں، اور بنو اسماعیل کا مسکن شمالی عرب ہے، عربی زبان بھی ان دو شاخوں میں منقسم نظر آتی ہے، شمالی (اسماعیلی) اور جنوبی (قحطانی) عربی زبانوں میں متعدد حیثیتوں سے اختلاف ہے، پھر یہ دو شاخیں بھی چند اور چھوٹے چھوٹے شعبوں میں منقسم ہیں۔

اہل عرب کا بیان ہے کہ عربی زبان کی مختلف قوموں میں اس طرح منقسم تھی:

قوم	زبان	قوم	زبان
قحطان	عربی	جرہم	زبور
یقطن بن عامر	زقزقہ	مدین بن ابراہیم	حویل
یافش بن ابراہیم	رشق	اسماعیل بن ابراہیم	مبین

لیکن خود صاحب[1] کتاب نے ان زبانوں کی نسبت درست کی ہے اور وہ ایک حد تک صحیح ہے:

قوم	زبان	قوم	زبان
حمیر	مسند	اہل جند	رشق
حضرموت	زبور	اہل عدن	رشق
اہل مہرۃ	حویل	اشعر	زقزقہ
معد	مبین		

آج کل کتبات کی مدد سے ان زبانوں کے متعلق کسی قدر مزید تحقیق ہوئی ہے، اس کے بیان کے لئے سب سے پہلے عربی زبانوں کی دونوں جلی تقسیموں کو الگ الگ کر دینا چاہئے۔

جنوبی یا قحطانی زبانیں | جنوبی عربی کی حسب ذیل قسمیں ہیں، سبائی، حمیری، حضرموتی، مہری، حبشی، سبائی، قوم سبا کی، حمیری اصحاب الاخدود کی، حبشی اصحاب الفیل کی زبان تھی، سبائی زبان تو بہت

[1] معجم یاقوت لفظ عرب

پہلے مردہ ہو چکی تھی، بقیہ زبانیں ظہور اسلام تک بولی جاتی تھیں، قرآن مجید کے اثر نے گو بعد کو تمام عرب میں صرف اپنی زبان رائج کردی تاہم ان صوبوں میں اپنی اصلی زبانوں کا اثر ہمدانی کے زمانہ تک موجود تھا، اور موجودہ سیاح بیان کرتے ہیں کہ اب بھی ہے، حبشی تغیر زمانہ کے بعد ایک مستقل زبان بن گئی۔ سبائی اور حمیری میں بہت کم فرق ہے، جنوبی اور شمالی زبانوں میں موٹے موٹے فرق حسب ذیل ہیں:

۱۔ الفاظ کا فرق: بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو جنوبی زبانوں میں مستعمل ہیں وہ شمالی میں نہیں مثلاً المقہ، چاند، عرم، بند، مزندن، لوح

۲۔ معانی کا فرق: لفظ ایک ہے لیکن معنی میں تخصیص، تعمیم، یا کسی اور قسم کا فرق ہے، مثلاً

لفظ	جنوبی	شمالی
ذو	بادشاہ	والا (جیسے روپے والا)
بیت	قلعہ	گھر
حَضر	شہر	مستقل آبادی

۳۔ قواعد کا فرق: مثلاً شمالی عربی میں علامتِ جمع ''ن'' ہے، جنوبی میں ''م'' شمالی عربی میں حرف تعریف الف ہے، جنوبی میں ''میم'' فرق کے زیادہ واضح کرنے کے لئے جنوبی عربی کا ایک کتبہ مع اصل زبان میں نقل کرتے ہیں:

وعم واخیھو بنو کلبت ھقینو المقہ ذمرن ذن

مرندن حجن وفیھمو بمسالنھو لوفیھو وسعدھمو نعمتم

شمالی عربی

ینعم واخوہ بنو کلبہ اقنو البقہ ذامران ذا

اللوح لانہ وقاھم بماسالوہ ووفاھم واسعدھم منہ

ان زبانوں میں سے ہر ایک کے قواعد صرف ونحو ولغت پر جرمن اور فرنچ میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن افسوس کہ ہماری وہاں تک رسائی نہیں، اہل عرب نے دو تین باتیں یاد رکھی ہیں مثلاً یہ کہ شمالی عرب کے ''س'' کو جنوبی عربی میں ''ت'' اور کاف کو ''ش'' کردیتے تھے، جیسے ''ناس'' کو ''نات'' اور

"علیک" کو "علیش"[۱] الف لام تعریف کی جگہ الف میم، طاب الھوا کے موقع پر طاب امھوا حرف کو کم کر دینا مثلاً ماشاء اللہ کو "مشاء اللہ"[۲] چنانچہ کتبہ بالا میں بماسالو دکی جگہ بمسالھو ہے۔

قرآن مجید میں سبائی حمیری زبان کا ایک لفظ "عــرم" سبا کے قصہ میں آیا ہے حبشی کے کئی لفظ جو عرب کے عیسائیوں میں اس سبب سے مستعمل تھے کہ جنوب عرب میں عیسائیت وہیں سے آئی تھی اس لئے قرآن مجید کی مذہبی زبان میں بھی وہی الفاظ چلے آئے مثلاً

نفاق، صحف، برهان، جبت، مرج، مائده، مشكوة، سورة، حواری، تبع، استبرق، ورق،

ابن الحائک الہمدانی جو چوتھی صدی کے اوائل میں یمن میں موجود تھا، اور حمیری زبان کا عالم تھا وہ اپنے زمانہ کے قبائل کی زبان کی حالت حسب ذیل لکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ گو عرب میں قرآن مجید کی اشاعت کو ساڑھے تین سو برس گذر چکے تھے تاہم جنوبی عربی زبان بے نشان نہیں ہو گئی تھی، کہتا ہے:

> شجر اور اسعار کے باشندے فصیح اللسان نہیں ہیں۔ مہرہ کے باشندوں میں عجمیت ہے۔ اہل حضرموت بھی اچھی زبان نہیں بولتے، کبھی کبھی کوئی زبان دان ان میں نکل آتا ہے، ان میں نسبتہً زیادہ زباندان کندہ، ہمدان اور کسی قدر صرف کے لوگ ہیں، مذحج، مارب، بیحان، اور قریب والے فصیح اللسان ہیں، غیر فصیح آدمی ان میں کم ہیں حمیر اور جعدہ زباندان نہیں ان کے کلام میں کسی قدر حمیریت ہے، بعض حرفوں کو کھینچتے ہیں بعض کو حذف کر کے بولتے ہیں مثلاً یا ابن العم کو یا بن معم، اسمع کو سمع لج، ابین اور شبنہ کی زبان اچھی ہے، عدن کی زبان نہایت خراب ہے۔ مجید، الفقہ اور اشعر کی زبان قابل اعتراض نہیں، معافر کے نشیب کی زبان خراب اور فراز کی زبان اچھی ہے۔
>
> کلاع کی زبان خاصی ہے، گو حمیریت کی آمیزش ہے، کلاں، جیشان، زاخ، حضرت حیب، اور بدر کی زبان حمیر کے قریب قریب ہے، قتاب سے لے کر ذمار تک خالص غیر مفہوم حمیری بولی جاتی ہے مذحج کے بلند و پست مقامات کی زبان شفاہ نہ بہت اچھی اور نہ بہت خراب ہے، ان میں تھوڑی سی حمیریت، یا دہ ت

۱؎ مزید ہیوٹی صفحہ ۱۰۹ امعہ ۲؎ مزید ہیوٹی صفحہ ۱۱۰ امعہ

خصوصاً حضری قبائل میں شعرا، ملیک اور حکم بن سند جو تہامہ میں ہیں ان کی زبان قابل اعتراض نہیں لیکن ہاں جو دیساتوں میں آباد ہیں، ہمدان کی ۔۔۔ زبان عربی اور حمیری ملی ہے، خیوان فصیح اللسان ہیں، لیکن ان میں حمیریت بہت ہے، سفیان بن ارجب فصیح ہیں، لیکن لام کو میم بولتے ہیں، مثلاً الرجل کے بجائے امرجل زبر کو الف بولتے ہیں مثلاً قید بعیرک کو قید بعیراک اسائے ستہ کو حالت نصب میں واؤ کے ساتھ بولتے ہیں مثلاً رائیت اخاک کی جگہ رائت اخواک اشعر علک اہل تہامہ میں حکم اور ہمدان، مضرقہ نہم، مرہبہ، زہیان، اور بلحارث جو رحبہ میں رہتے ہیں فصیح ہیں ۔۔۔ بنو حرب الماکر تے ہیں، بنو سعد کی زبان نہایت عمدہ واہل صنعاء میں خالص عربیت کسی قدر حمیریت کی آمیزش کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ یہاں ہر قسم کی زبانیں اور بولیاں ہیں، ہر کرے میں نئی بولی ہے، شام، ہمدانع، اور تخلی میں خالص حمیری زبان ہے۔

فصاحت اور زبان کی خوبی، مقامی ترتیب کے ساتھ ان قبائل میں ہے:

وادعہ، جنب، یام، زبیہ، بنی الحارث، نجران کا وہ حصہ جو بنی شاکر کے مسکن سے متصل ہے، یام کی سرزمین تک پھر سخان، پھر نہد اور بنی اسامہ، پھر عنز، خثعم، ہلال، عامر بن ربیعہ، حجر کا نشیبی علاقہ دوس، غامد، یشکر، فہم، ثقیف، بجیلہ، بنو علی۔

عروض کے صوبہ میں گاؤں کے علاوہ اور مقامات میں فصاحت ہے،

حجاز اور نجد زیریں سے شام اور دیار مضر و دیار ربیعہ (عراق) تک ایک حال ہے[1]۔

اس تفصیل سے لغوی شہادت کے ذریعہ سے نہایت عمدگی کے ساتھ یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے، جس کی ہم نے اس کتاب میں بار بار تکرار کی ہے کہ عرب کا ملک جنوبی اور شمالی دو حصوں میں منقسم ہے، اور یہ نہ صرف جغرافی بلکہ نسلی اور قومی تقسیم بھی ہے، جو قبائل حقیقت میں قحطانی النسل ہیں، یمن چھوڑنے کے بعد بھی ان میں حمیریت کا شائبہ موجود ہے، اس نکتہ کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ہمدانی حمیری اور عربی کا دو حریف زبانوں کی حیثیت سے نام لیتا ہے۔

شمالی یا اسماعیلی زبانیں شمالی زبانوں نے حدود تدمر (شام کے قریب) اور حیرہ (عراق) کے قریب سے شروع ہوتے ہیں، ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں، تدمری نبطی، حجازی، ان میں بھی الفاظ حروف، معانی اور قواعد کا باہم فرق ہے، دو پہلی زبانوں میں آرامی کا اثر زیادہ نمایاں ہے، تدمری قرآن

[1] صفۃ جزیرۃ العرب صفحہ ۱۳۵-۱۳۶، لیڈن

قرآن کی عربی زبان سے الفاظ میں بہت مغائر ہے، بلکہ عبرانی سے قریب قریب ہے، چنانچہ حسب ذیل تدمری کتبہ سے یہ فرق نمایاں ہوگا:

صلمت	صفطيما	بت	ربای	نهيرنا	وزدقتا
		بنت			صديقه
ملكتا	سقطيموا	زبدا	رب	حيلا	ربا
ملكته			ربّ		

وزبای	رب حيلادی	تدمور	قرططر	اقيم
لمرتهون	بيرح	اب	ربی	شنه ۵۸۲
				سنة

نبطی جو اصحاب الحجر کی زبان تھی وہ قرآن کی عربی سے بہت قریب ہے، نبطی خط بھی قدیم عربی خط بلکہ کوفی خط سے مشابہ ہے، زبان یہ ہے۔

تی نفس مرالقیس برعمرو ملك العرب مذحجوز واسر التاج وملك الاسدين ونزر وملوكهم وعرب مذحجو علدی وجاء يزجونی حبج نجران مدينة شمر وملك معد ونزل بنيه الشعوب ووكله لفرس ولروم فلم يبلغ ملك مبلغه ،عكدی هلك سنه ۲۲۳ بلسلول بلسعه ذوولده

عربی زبان

تی نفس امرء القیس بن عمرو ملك العرب مذحج الذی لبس التاج وملك الاسدين ونزار وملوكهم وعرب مذحج حتی اليوم، وجاء يزجونی سوز نجران مدينة شمر وملك معداً ونزل بنيه الشعوب روكلهم للفرس وللروم قد يبلغ ملك مبلغه اليوم هلك سنه ۲۲۳ اسعد الذی ولده

شمالی عرب کے مختلف قبائل میں لہجہ، تلفظ، اور الفاظ کی حرکات میں اختلاف تھا، چنانچہ اوائل عہد اسلام تک یہ اختلافات موجود تھے، اس وقت بھی شعرائے عرب کے وہ قصائد اور اشعار موجود ہیں جو اسلام سے پہلے سو برس کے اندر لکھے گئے، قرآن کی زبان میں جو قرآن میں مستعمل ہوئی ہے نیز اس عہد کے شعراء کے کلام میں مستعمل ہے اور اگلے قدیم شعرائے جاہلیت کی زبان میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ہم قرآن کے ایک ایک لفظ کا ترجمہ بلا پس و پیش کر سکتے ہیں، شعرائے جاہلیت کے کلام کے حل کرنے کے لئے قدم قدم پر لغت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

عربی لغات میں لاکھوں الفاظ ہیں ۱۳۰۰ برس سے کبھی استعمال میں نہیں آئے اور نہ قرآن و حدیث میں مستعمل ہوئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف قبائل کی زبانوں کے الفاظ کا ایک مخلوط مجموعہ ہے جو قرآن کی عربی کے ماوراء ہے۔

افسوس ہے کہ اہل لغت اور مصنفین صرف ونحو نے ان اختلافات کو بہت کم محفوظ رکھا، کتاب سیبویہ، خصائص ابن جنی، اوضح المسالک، مزہر سیوطی میں مختلف استثنائی قواعد اور شعراء کے اشعار خلاف قواعد مشہورہ لکھے ہیں، وہ درحقیقت قرآن کی عربی کے قواعد کے خلاف ہوں تو ہوں، لیکن اپنی اصل عربی زبان کے وہ خلاف نہ ہوں گے، عام نحو کی کتابوں میں صرف ذو کے متعلق یہ بیان باقی رہ گیا ہے کہ وہ لغت طی میں الذی کے معنی میں ہے، چنانچہ ارامی زبان میں ''ذو'' اسی معنی میں شائع تھا، اس کے علاوہ بعض اور باتیں بھی محفوظ رہ گئی ہیں، مثلاً یہ کہ:

۱۔ بنو تمیم ہمزہ ابتدا کو عین کر دیتے تھے، جیسے ''اسلم'' کو ''عسلم''

۲۔ بنو ہذیل ح کو عین کر دیتے تھے جیسے ''جرب'' کو ''عرب''

۳۔ بنو قضاعہ ی کو ج کر دیتے تھے جیسے ''تمیمی'' کو ''تمیج''

۴۔ بنو سعد ''ع'' کو ''ن'' کہتے تھے جیسے ''اعطی'' کو ''انطی''

۵۔ عام عربی میں حرف گ نہیں، بنو تمیم گ بولتے تھے۔

۶۔ قریش و اسد کی زبان میں یائے مضارع کو فتحہ یا ضمہ ہوتا ہے، ان کے علاوہ دیگر قبائل کسرہ دیتے تھے، ''یفعل'' کو ''یِفعل'' کہتے تھے۔

۷۔ ربیعہ اور مضر مونث میں کاف خطاب کے بعد ش بڑھا دیتے تھے جیسے ''علیک'' کی جگہ ''علیکش''

۸۔ ج کو گ، بولتے تھے جیسے جعہ کو گبعہ

ان اختلافات کے علاوہ شاذ، منکر، منفرد لغات جو عربی فلسفہ لغت کی کتابوں میں لکھے گئے ہیں، وہ بھی ان ہی زبانوں کے بقایا ہیں، ان ہی وجوہ سے لغویتین عرب کا قول ہے:

ان لغة العرب لم تنته الينا بكليتها و ان الذى جاء نا عن العرب قليل عن كثير و ان كثيرا من الكلام ذهب بذهاب اهله (مزہر سیوطی ص ۳۴ مصر)	عربوں کی تمام زبان بتمامہ ہم تک نہیں پہنچی، جو عربی الفاظ ہمارے پاس محفوظ ہیں وہ غیر محفوظ کے مقابلہ میں کم ہیں، بہت سے الفاظ ان کے بولنے والوں کے مرجانے سے مر گئے۔

یہ زبان تمام شمالی عرب میں یعنی حدود یمن سے لے کر شام و عراق تک بولی جاتی تھی لیکن حجاز اور نجد کی زبان سب سے بہتر تھی اور ان میں بھی قبیلہ سعد اور قریش کی زبان۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان دو قبیلوں کے انتساب پر فخر کیا ہے، آپ قریش میں پیدا ہوئے تھے اور بنوسعد میں پرورش پائی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا	(یوسف:۲)	ہم نے اتارا اس کو عربی زبان میں
أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا	(رعد:۳۷)	ہم نے اتارا اس کو عربی حکم
أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا	(طٰہٰ:۱۱۳)	ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن
قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ	(زمر:۲۸)	عربی قرآن، نیڑھا نہیں
كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا	(رعد:۳۷)	کتاب جس کی آیتیں مفصل ہیں، عربی قرآن
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا	(شوریٰ:۷)	عربی قرآن کو تیری طرف وحی کیا
إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا	(زخرف ۳)	ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن
وَهَٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا	(احقاف:۱۲)	یہ کتاب ہے جو تصدیق کرتی ہے عربی زبان میں

دو موقع پر لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ کہا گیا ہے:

وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ	(النحل:۱۰۳)	یہ عربی مبین زبان ہے
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ	(الشعراء:۱۹۵)	یہ عربی مبین زبان میں ہے

مبین کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنے والا، واضح کرنے والا، کھولنے والا، اکثر مفسرین نے ان آیتوں میں ''مبین'' کے یہی لغوی معنی مراد لئے ہیں، یعنی قرآن ایسی زبان میں اتارا گیا جو نہایت

فصیح ہے، مطالب کھل جاتے ہیں، معانی واضح ہو جاتے ہیں سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی، ارض القرآن جلد اول کے اثنائے تحریر میں خیال آیا کہ مبین سے یہاں مراد اس کے لغوی معنی نہیں بلکہ یہ لفظ بطور علم کے ہے، اوپر گذر چکا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت بھی عربی مختلف بولیوں اور لہجوں میں منقسم تھی، ان میں جو فصیح ترین اور شیرین ترین زبان تھی اس کا نام لسان عربی مبین تھا، مثلاً اردو زبان کا اطلاق لاہور، دہلی، لکھنو، بنارس، پٹنہ، کلکتہ، ڈھاکہ، حیدرآباد، بمبئی، اور مدراس کی تمام اردو زبانوں پر ہوتا ہے حالانکہ مختلف اسباب سے ان زبانوں میں ذخیرہ الفاظ، لب ولہجہ، تذکیر وتانیث اور بیسیوں قواعد کا اختلاف ہے، تاہم ان سب پر اردو ہی زبان کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن ان میں سے بہترین اور فصیح ترین زبان کو ہم ''اردوئے معلی'' کہتے ہیں جو قلعہ دہلی میں بولی جاتی تھی، یا جواب ہمارے قلم اور شاعری کی زبان ہے، اسی طریقہ سے باوجود اختلافات کے عربی زبان میں ایک خاص مستند اور ٹکسالی زبان تھی جس میں مختلف قبائل کے شعراء اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرتے اور باہم قبائل ایک دوسرے سے گفتگو کرتے تھے اور یہی لسان مبین تھی۔

یہ خیال ایک نظریہ کے طور پر میرے ذہن میں آیا تھا لیکن اثنائے مطالعہ میں ایسے شواہد بہم پہنچے جن سے معلوم ہوا کہ بعض اور علمائے کبار بھی یہی سمجھتے تھے:

روی الحاکم فی المستدرک وصححہ والبیہقی فی شعب الایمان عن بریدۃ رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالی بلسان عربی مبین قال بلسان جرھم (مزھر ص ۱۸)	محدث حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے کہ حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ لسان عربی مبین سے مراد لسان جرہم ہے۔

جرہم قریش کے ننہالی مورث اول کا نام ہے جس کے خاندان میں حضرت اسماعیل نے شادی کی تھی، یہ روایت اگر صحیح نہ بھی ہو تو بھی اپنے زمانہ کے رواۃ کے خیال کی مترجم ہے، یاقوت نے معجم میں (تحت لفظ عرب) ہشام کلبی کی روایت سے لکھا ہے:

واللسان السادس ممن انطقہ اللہ فی عربۃ بلسان لم یکن قبلھم اسمعیل بن ابراھیم نطقوا بالمبین وھو السادس ممن تکلم بالعربیۃ ھو وبنوہ ولسانھم المبین وکتابھم المبین وھو الغالب علی العرب الیوم	چھٹی زبان جو عرب میں اللہ تعالیٰ نے بلوائی اور جو ان سے پہلے نہ تھی وہ اسمٰعیل کو بلوائی، بنو اسمٰعیل مبین زبان بولے اور یہ چھٹے بزرگ ہیں جو (اس چھٹی) عربی میں بولے، ان کی زبان اور تحریر مبین ہے اور یہی زبان آج تمام عرب کی زبان پر غالب ہے۔

پھر کہتا ہے المبین لمعد بن عدنان ''مبین معد بن عدنان کی زبان ہے'' احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں جب قرآن کی نقلیں کرائیں تو کاتبوں کو حکم دیا کہ جس لغت کے تلفظ اور قرات میں تمھارے درمیان اختلاف ہو اس کو قریش کے لغت میں لکھو نزل بلغۃ قریش کہ قرآن، قریش کی زبان میں اترا ہے۔

قریش کی زبان کی خوبی اور فصاحت کے دو سبب ائمہ لغت نے بیان کئے ہیں جو بالکل صحیح ہیں، عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو قوم دوسری قوموں سے الگ تھلگ رہتی ہے اور ملتی جلتی نہیں اس کی زبان خالص اور بے میل رہتی ہے، یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے، لیکن ایک دوسری نظر سے یہ نظریہ بہت کچھ قابل ترمیم ہے، عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو قومیں دوسروں سے الگ اور محفوظ ہیں، ان کی زبان محدود اور مفلس ہوتی ہے یہی سبب ہے کہ وحشی قوموں کی زبانیں ہمیشہ عمدہ اور وسیع خیال کے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہیں، دیہات کی زبان اسی اصول کی بنا پر عدم اختلاط کے باعث دوسری زبانوں کی اثر پذیری سے گو محفوظ رہتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ لطیف و نازک جذبات اور بلند و عالی خیالات کی تعبیر سے قاصر رہتی ہے، اسلام کے سو دو برس پہلے سے تمام قبائل عرب میں صرف قریش کا قبیلہ اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ اس کا گذر تجارتی ذرائع سے نہ صرف عرب کے گوشہ گوشہ میں بلکہ آس پاس کے ممالک میں بھی ہوتا تھا، اس بنا پر اس کی زبان میں دوسری زبانوں کے اعتبار سے زیادہ وسعت اور زیادہ ہمہ گیری پیدا ہوگئی ہوگی، مذہبی خیالات کے ادا کرنے کے لئے جن کا عربی زبان میں اس وقت وجود نہ تھا، ایک ایسی ہی زبان کی ضرورت تھی، جس میں ان خیالات کے ادا کرنے کے لئے الفاظ ہوں، اور دیگر قدیم المذاہب زبانوں سے اس کا رابطہ اور ارتباط ہو، جس کی بنا پر ان سے الفاظ عاریۃً حاصل کئے جاسکیں، تمام عرب میں ایسی زبان صرف قریش کی ہوسکتی تھی۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ گو تمام عرب میں مقامی بت خانے تھے، جہاں مراسم حج ادا ہوتے تھے، مقامی میلے بھی لگتے تھے، لیکن تمام ملک کا سالانہ مجمع صرف مکہ ہی کی سرزمین میں اکٹھا ہوتا تھا، ملک کے ہر گوشہ سے لوگ یہاں یکجا ہوتے تھے، عکاظ کا میلہ عرب کی اکاڈیمی تھی، اس بنا پر شہر مکہ کی زبان ایک ایسی زبان ہوگی جو عرب کی تمام زبانوں کا خلاصہ اور عطر ہوگی، شعرائے عرب بھی اس موقع پر جب کہ عرب کے تمام گوشوں سے لوگ سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہوجاتے تھے، اپنی شاعری کے لئے ایسی زبان اختیار کرتے ہوں گے جو عرب کی عام اور مشترک زبان ہوگی اور جس کو عرب کا بچہ بچہ سمجھ سکتا

ہوگا، اور وہ تقریباً مکہ ہی کی زبان ہوسکتی ہے، یہی سبب ہے کہ شعرائے عرب کے قصائد کی زبانوں میں اختلافات کے باوجود ایک قسم کی ہم رنگی اور ہمواری پائی جاتی ہے، تمام عرب کو مخاطب کرنے کے لئے وحی الٰہی کو اسی قسم کی زبان درکار تھی۔

ادیان العرب قبل الاسلام

یعنی

اسلام سے پہلے عرب کے مذاہب

مغرور انسان کی اندرونی حالت یہ ہے کہ وہ قدم قدم پر اپنے عجز اور بیچارگی کے اعتراف پر مجبور ہے۔ اور اس کا یہی اعتراف ایسی طاقتوں کی تلاش پر آمادہ کرتا ہے جو اس کے عجز و بیچارگی کی تلافی کر سکے انسان آغاز تخلیق میں اپنے سوا ہر شے سے جھجکتا تھا اور ڈرتا تھا اور اس لئے ہر شے سے وہ اپنی مدد کا طالب تھا، گھنا درخت، اونچا پہاڑ، پرشور دریا، خوفناک جانور، ان میں سے ہر چیز اس کا خدا تھی۔

وہ ایک مدت کے بعد جب ان سے آشنا ہوا، اور ان قوتوں کو اچھی طرح آزما چکا تو زمین سے اوپر آسمان کی طرف اس کی نظر اٹھی، یہاں ہر ستارہ اس کو اپنا معبود نظر آیا، سب سے بڑے ان میں سات سیارے دکھائی دئے یہ ساتوں آسمان و زمین کے تمام مہمات کے کارکن سمجھے گئے۔ انسان کی مختلف ضرورتوں کا ایک ایک قادر علی الاطلاق مانا گیا، کوئی حسن کی دیوی تھی، کوئی لڑائی کا دیوتا تھا، کوئی زندگی اور موت کا خزینہ دار تھا، کوئی علم و کمال کا خدا تھا، آفتاب کا جاہ وجلال اور چاند کا حسن و جمال خداوندا عظم ہونے کا بہترین استحقاق تھا، یہ سورج، چاند اور مختلف الاشکال ستاروں کے جھرمٹ اس کی نگاہوں سے اتنی دور تھے کہ انسان ان کو پیار نہیں کرسکتا تھا، اور نہ ان کی خدمت گذاری کا فرض ادا کرسکتا تھا، اس لئے ان کی خیالی مورتیں بنا کر اپنے بتخانوں کی اس نے بنیاد ڈالی۔

ان ستاروں کی کمزوری کا راز بھی جب افشا ہوا تو غیر محسوس روحوں کا تسلط شروع ہوا اور چونکہ وہ بھی آنکھوں سے اوجھل تھے، متخیلہ نے جن اشکال میں چاہا ان کی تصویر کھینچ کر سامنے رکھی، ان کی عظمت واقتدار کے لحاظ سے مٹی، پتھر، چاندی، سونے اور جواہرات کے ان کے مجسمے تیار کئے، ان کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ان پر خون کے چھینٹے دئے گئے، ان کو خوش رکھنے کے لئے ان کو بیش قیمت

نذرانے پیش کئے گئے۔

اس اثنا میں انسان کی مختلف آبادیوں میں، اس کے مرتبہ فہم اور درجہ ترقی کے مناسب تعلیمات لے کر انبیاء، اللہ تعالی کی طرف سے دنیا میں آتے رہے۔

حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اپنے اپنے وقت میں فرزندان سام میں مبعوث ہوتے رہے، کچھ لوگوں نے ان کو مانا اور ان کی الگ الگ امتیں بنیں، کچھ ایسے مغرور انسان بھی ہمیشہ رہے ہیں جو اپنے زعم باطل میں اپنی ہستی سے بڑی کوئی دوسری چیز نہیں مانتے، یہ ملحد اور دہریہ ہیں۔

عرب کی سرزمین عجب سرزمین تھی، یہاں انسان کے مذہبی ارتقاء کے ہر درجہ کی مجسم تاریخ موجود تھی، اجسام پرست، ستارہ پرست، بت پرست، ارواح پرست، نیز ابراہیمی، موسوی، عیسوی، اور ملحد و دہریہ فرقہ کے لوگ موجود تھے، لیکن استقصاء سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کا عام قومی مذہب ستاروں اور روحوں کے خیالی مجسموں کی پرستش تھی۔

ہم نے عرب کی تمام قوموں کو مخصوص اور واضح باہمی امتیازات کی بنا پر تین طبقوں پر منقسم کیا ہے امم سامیہ اولیٰ، یا عرب بائدہ، امم قحطانیہ یا عرب عربا، اور بنو ابراہیم یا عرب مستعربہ، من جملہ اور امتیازات اور تفریقوں کے ان تینوں طبقوں میں ایک مذہبی امتیاز اور تفریق بھی ہے۔

امم سامیہ اولیٰ کا مذہب امم سامیہ اولیٰ میں عاد، ثمود، جرہم وغیرہ قبائل داخل ہیں، ان کی آبادی بتائی جا چکی ہے کہ عرب سے لے کر عراق و شام و مصر تک پھیلی ہوئی تھی، اس بنا پر ان قوموں کا مذہب وہی ہو سکتا ہے جو ان ممالک کے اندر اس عہد میں رائج تھا، عربی تاریخوں سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ یہ قومیں بت پرست تھیں، لیکن کن بتوں کی پرستش کرتی تھیں اور ان کی بت پرستی کے اصول اور مراسم کیا تھے؟ اس کی تفصیل نہیں ملتی، صرف قبیلہ جدیس کی نسبت معلوم ہے کہ وہ "کثریٰ" نامی ایک بت کو پوجتا تھا[1]، قرآن مجید نے عاد اور ثمود کے ذکر میں حضرت ہودؑ اور صالحؑ کی زبانی صرف اس قدر کہا ہے کہ وہ خدائے برحق کو چھوڑ کر اور بہت سے خداؤں کو پوجتے تھے، اور ان کے الگ الگ نام رکھ لیتے تھے حضرت ہودؑ اپنی قوم عاد کو سمجھاتے ہیں۔

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ (اعراف ۔ ۷)

کیا تم مجھ سے ان ناموں میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے اسلاف نے رکھ لیا اور خدا نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔

---

[1] یعقوبی جلد اول: ادیان العرب، قاموس فیروز آبادی (لفظ کثریٰ)

ان کی قوم کہتی ہے:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

کیا تم اس لئے میرے پاس آئے ہو کہ ایک خدا کو پوجیں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو چھوڑ دیں۔

اس سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد خدا کے ساتھ ساتھ اور خداؤں کو بھی پوجتے تھے، ثمود کا بھی یہی حال تھا، وہ اپنے پیغمبر کو کہتے ہیں:

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

اے صالح تم سے تو پہلے بڑی توقعات تھیں کیا تم اس سے روکتے ہو کہ جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو ہم بھی پوجیں۔

حضرت صالحؑ فرماتے ہیں:

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

اب ہم کو یہ پتہ لگانا چاہئے کہ اگر عرب میں نہیں تو دوسرے ملکوں میں ان کے مذاہب کے متعلق کوئی تفصیل مذکور ہے؟ عرب سے باہر بابل، شام، اور مصر میں جو مذہبی مراسم ان قوموں کے جاری تھے ان ہی پر ان کی عرب آبادی کو بھی قیاس کرنا چاہئے، ممالک مذکور کے متعلق قدیم کتبات اور تحریروں کی چھان بین سے یہ نظر آتا ہے کہ اس زمانے میں قاعدہ یہ تھا کہ قومیں مختلف آبادیوں پر منقسم ہوتی تھیں، ہر آبادی میں دو بڑی عمارتیں ہوتی تھیں، ایک بیت الحکومہ اور ایک ہیکل، آبادی کا حاکم بیت الحکومۃ میں رہتا تھا، اور ہیکل آبادی کے کاہن کا مسکن ہوتا تھا، اور ان ہی دونوں کی شرکت سے آبادی پر دنیاوی اور مذہبی حکمرانی کی جاتی تھی، اور جس طرح ہر آبادی کا الگ شیخ یا حاکم ہوتا تھا، اسی طرح ہر ہیکل میں ایک نیابت جو اس گاؤں کا محافظ خیال کیا جاتا تھا، جب دو آبادیوں کے رہنے والوں میں جنگ ہوتی، تو گویا ان دونوں آبادیوں کے دیوتاؤں میں جنگ ہوتی، فاتح، مفتوح کے دیوتا اٹھا لیجاتا، مفتوح اس وقت تک دم نہیں لیتے تھے، جب تک لڑ کر یا منت سماجت کر کے اپنا دیوتا واپس نہیں لیتے تھے، چنانچہ ان قوموں کے قدیم کتبات میں اس قسم کے یادگاری پتھر بکثرت ملتے ہیں۔

ہم نے آغاز باب میں لکھا ہے کہ جب انسانوں میں کسی قدر تہذیب و تمدن پیدا ہوا تو مخلوقات ارضی سے ہٹ کر دیکھا تو آسمانوں کے بلند اور روشن ستارے ان کو خداوندی کے بہترین مستحق نظر آئے چنانچہ ان کی پرستش شروع ہوئی، مشہور عرب مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ

ستارے نکلتے اور ڈوبتے رہتے تھے، اس لئے ان کی متخیل شبیہیں بنا بنا کر لوگوں نے ان کو پوجنا شروع کیا، اور اس طرح بت پرستی کی ابتدا ہوئی، یہ نظریہ بظاہر غلط نہیں معلوم ہوتا، اس لئے لائق قبول ہے۔

ہماری کتاب کے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ ستارہ شناسی کا آغاز ان ہی بدوی سامیوں سے ہوا ہے، آب و ہوا اور جغرافی خصوصیات کی بنا پر ان مقامات کی فضائے آسمانی ابر اور گرد و غبار سے عموماً صاف رہتی ہے، بدوی سامی راتوں کو اپنے بھیڑ بکری اور مویشی کے گلوں کو لے کر آسمانی خیموں کے سایہ میں رات بسر کرتے تھے، جب کبھی آنکھ کھلتی سامنے صحیفۂ آسمانی کھلا نظر آتا۔

پہلی جلد میں یہ تفصیل دکھایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں بابل اور مصر پر بھی قدیم سامی قومیں حکمراں تھیں جن کو ہم عاد و ثمود کہتے ہیں، حضرت ابراہیمؑ کی خدا شناسی کا جو تدریجی تخیل قرآن نے بیان کیا ہے اس کو ہمارے بیان کردہ نظریہ سے کلی تطابق ہے، پہلے ان آیتوں کو پڑھئے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرٰكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِي إِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

(انعام: ۷۵-۸۰)

ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ بتوں کو آپ خدا ٹھہراتے ہیں، آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں، ہم اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے کہ وہ ایمان والوں میں ہو، جب رات نے اس پر پردہ ڈالا، ستارہ دیکھا بولا یہ میرا خدا ہے، جب وہ چھپ گیا تو اس نے کہا کہ میں چھپ جانے والے کو نہیں پیار کرتا، جب چاند کو دیکھا، کہا یہ میرا خدا ہے جب وہ بھی ڈوب گیا بولا اگر میرا پروردگار ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہوں میں ہوتا، جب آفتاب پر نظر پڑی بول اٹھا یہی میرا پروردگار ہے، یہ سب سے بڑا ہے، جب وہ بھی ڈوب گیا کہا اے بھائیو! میں اس سے برأت کرتا ہوں جس کو تم خدا کا شریک کہتے ہو، میں اپنا منہ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں مشرکوں میں سے نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے ان ستاروں میں سے جو ان کی قوم کے دیوتا تھے، ہر ایک حالت پر غور

کیا ان میں سے کوئی ان کو خدائی کا مستحق نظر نہ آیا، اور آخر اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ان کے آگے نہیں بلکہ ان کے پیدا کرنے والے کے آگے سر جھکاتا ہوں، دوسری دفعہ جب ان کو ایک مذہبی تہوار میں اپنے دیوتاؤں کے حضور آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اس وقت بھی قرآن کہتا ہے:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ — ایک نظر پھر کر ستاروں کو دیکھا اور کہا میں بیمار ہوں۔

مفسرین سے اس امر میں مضطرب البیان ہیں کہ یہ ستاروں کے دیکھنے کا کون سا موقع تھا؟ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس لئے تھا کہ ان کے رشتہ داروں اور ہموطنوں کو یہ نظر آئے کہ ان کے دیوتاؤں سے مشورہ لے رہے ہیں، اور وہ ان کو کسی قابل سمجھتے ہیں، ایک اور نکتہ یہ ہے کہ جب انسان کے سامنے کچھ چیزیں پیش ہوتی ہیں اور وہ متردد ہوتا ہے کہ ان میں سے کس کو قبول کرے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنے فیصلہ سے پہلے ان چیزوں پر ایک آخری نگاہ ڈال لیتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نے آخری فیصلہ سے پہلے ان ستاروں کی حقیقت[1] پر ایک نظر اور ڈال لی، یہ آخری فیصلہ کا موقع اس لئے تھا کہ اس عظیم الشان تہوار میں عدم شرکت گویا ان کا اپنی قوم کو اعلان جنگ دینا تھا، قرآن مجید کہتا ہے کہ ستارہ پرستی کے ساتھ بت پرستی بھی اس قوم کا شیوہ تھا، حضرت ابراہیمؑ کی زبانی مذکور ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً — جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ آپ بتوں کو اپنا خدا بناتے ہیں،

سورہ انبیاء میں ہے:

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝ — جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا یہ کیا مورتیں ہیں جن کو آپ گھیرے رہے ہیں۔

سورہ عنکبوت میں ہے:

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا — خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو، جھوٹ گھڑ کر۔

حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے حضرت یوسفؑ عاد کی اس جماعت کو جو مصر پر حکمراں تھی، خطاب فرماتے ہیں:

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ — یاران زندان! یہ جدا جدا معبود اچھے یا ایک زبردست خدا، تم چند (بے معنی) ناموں کی پرستش کرتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے گھڑ لیا۔

---

[1] عربی نظر فیہ کے معنی بغور دیکھنے کے ہیں، مطلق دیکھنے کے نہیں ہیں۔

اصول مذکورہ کے مطابق یہ بت ان ہی کواکب کی شبیہ ہوں گے۔

مجموعہ تورات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوم بت پرست تھی، سفر یوشع میں ہے:

تمہارے باپ دادے، تارح، ابراہیم کا باپ اور ناحور (ابراہیم کے دادا) قدیم زمانے میں نہر (فرات) کے پار رہتے تھے اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے۔ (۲۰-۲۴)

حضرت یعقوبؑ (حضرت ابراہیم کے پوتے) کنعان سے حران اپنے خاندان میں ماموں کی لڑکی سے شادی کرنے گئے تھے، صاحبزادی جب باپ سے رخصت ہونے لگیں تو باپ کے قیمتی بت چرالائیں (تکوین ۳۱-۳۲) باپ کو معلوم ہوا تو بیٹی سے اپنے بت واپس لینے کے لئے پیچھے کہار لے کر دوڑے (تکوین ۳۵-۲) حضرت ابراہیم جب شام گئے ہیں تو یروشلیم کا مذہبی کاہن ان کے استقبال کو نکلا ہے، اس کاہن کا نام ابی مالک تھا۔ (تکوین)

اس زمانہ کے سامیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام دنیا ارواح سے بھری ہوئی ہے، جن میں زیادہ تر ارواح خبیثہ اور کچھ ارواح طیبہ ہیں، ان کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا کہ ارواح خبیثہ کو نذر و نیاز، قربانی اور چڑھاوے سے خوش رکھنا اور ارواح طیبہ کی مدح و ثنا گا کر ان کے مقابلہ کے لئے تیار کرنا۔ ان میں سے ہر روح کا مسکن ایک ستارہ ہے، بابل کے کھنڈروں میں جو تختیاں اور ہیکلوں کے جو کتبات پڑھے گئے ہیں ان میں بیسیوں معبودوں کے نام ملے ہیں، ذیل میں شہروں کے نام کے ساتھ ان کے کچھ دیوتاؤں کے نام لکھے جاتے ہیں، ان کا ماخذ لیرڈ Layard کی کتابیں ہیں[۱]:

شہر کا نام	معبود کا نام	معنی
اریدو	ای (یا ایا)	پانی کا دیوتا
اور	سن	چاند
لارسہ	شمش	آفتاب
اوردخ (عراق؟)	آنو	تاریکی اور آسمان کا اور ستاروں کا دیوتا
	اشتار	ستارہ زہرہ (محبت اور حسن کی دیوی)
لاغش	ننگرسو	

[۱] اس مصنف کی دو کتابیں ہیں، نینوی اینڈ انس ریمینس (نینوی اور اس کے آثار باقیہ) مطبوعہ ۱۸۴۹ء، دوسری ڈسکوریز ان دی ریمینس آف نینوی اینڈ بیلونیا (نینوی اور بابل کے کھنڈروں کے اکتشافات) مطبوعہ ۱۸۵۳ء)

شہر کا نام	معبود کا نام	معنی
نپور	انلیل	زمین کا دیوتا
ایسن	بیلت ایسن	قوت کی دیوی
کشن	زمامہ	
کوتو (کوتی)	زغل (یا زگال)	ستارہ مریخ (لڑائی اور قہر کا دیوتا)
بابیلو (بابل)	مردوک	ستارہ مشتری (روشنی کا دیوتا)
بارسپ	ینو	ستارہ عطارد (علم کا دیوتا)
سپتور	شمش	آفتاب
اکاد	انیتو	چاند (خوش حالی کا دیوتا)
اکاد	اشتار	زہرہ
اشور	اشور	لڑائی کا دیوتا
نینوئی	اشتار	ستارہ زہرہ
اربابل (اربل)	اشتار	ستارہ زہرہ (محبت اور حسن کی دیوی)
حران	سن	چاند

مشترک خداؤں میں سے بعل جو دوسری سامی زبانوں میں بعل ہے، اس کے معنی قوت اور تسلط کے ہیں بعل کے دوسرے معنی قوی سلطان اور مالک کے ہیں، عربی میں اسی سے ''بعل'' کے معنی شوہر کے ہیں، یہ بابل کا حال ہے، مصر میں بھی سامیہ اولیٰ کے زمانہ میں اسی قسم کی ستارہ پرستی جاری تھی، سب سے بڑا دیوتا '' آفتاب'' تھا جس کو وہ اپنی زبان میں رع کہتے تھے، ان کے دارالحکومت کا نام مدینۃ الشمس تھا، جس کو مصری ''ان'' کہتے تھے، یہیں آفتاب دیوتا کا مندر تھا، بادشاہ آفتاب دیوتا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس کا لقب رعمسیس ہوتا تھا یعنی ''ابن شمس'' یہی سبب ہے کہ سلاطین مصر کو دعوائے خدائی تھا، قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط، ابراہیم، مدین اور فرعون مصر کی تباہی کا حال بیان کر کے قرآن کہتا ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ○ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

یہ ان آبادیوں کے حالات ہیں جو تم سے بیان کرتے ہیں، ان میں کچھ تو اب تک باقی ہیں کچھ برباد ہو گئے ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، اپنے پر آپ انہوں نے ظلم کیا۔ ان کے دیوتاؤں نے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔

توراۃ سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم مصر تشریف لے گئے تھے[1] اور اس وقت وہاں قوم عاد کی حکومت تھی[2]، قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا ایک بادشاہ سے مناظرہ کا حال مذکور ہے، جو خدائی کا مدعی تھا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ (بقرہ:۲۵۸)	تم نے اس کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے خدا کے بارے میں حجت کی اس لئے کہ خدا نے اس کو بادشاہی دی تھی، جب ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا خدا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا میرا خدا آفتاب مشرق سے نکالتا ہے تم مغرب سے نکالو اس دلیل کو سن کر وہ کافر کچھ جواب نہ دے سکا۔

حضرت ابراہیم نے اپنی اس دلیل میں بادشاہ کی بیچارگی و عاجزی کے ثابت کرنے کے علاوہ آفتاب دیوتا کی بندگی اور غلامی بھی ثابت کی ہے کہ اس کو کوئی اور ادھر سے ادھر چلانے والا ہے، حضرت موسیٰ کے سامنے بھی شاہ مصر نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۟ۖ (نازعات:۲۴)	میں تمہارا بڑا دیوتا ہوں۔
لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ (شعراء:۲۹)	اگر میرے سوا کسی اور کو تم نے خدا بنایا تو تم کو قیدیوں میں کر دوں گا۔
يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ ۚ	اے درباریو! اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا میں نہیں جانتا

گو یہ زمانہ سامیوں کا نہ تھا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب جو مصری مذہب تھا، اس وقت بھی باقی تھا، رع یعنی آفتاب کے علاوہ مصر میں اور بہت سے دیوتا اور دیویاں تھیں، ہر شہر کا ایک خاص الگ دیوتا تھا، پھر شہر کے ہر گھر کا اور گھر کے ہر آدمی کا الگ الگ دیوتا تھا، کل ملک میں ۱۹ دیوتا اور ۱۱ دیویاں بڑی تھیں[3]، ان کے نام طوالت کے خوف سے ہم قلم انداز کرتے ہیں۔

امم سامیہ اولیٰ میں ہماری تحقیق کے مطابق تین پیغمبر مبعوث ہوئے، حضرت ابراہیم ان قبائل سامیہ میں مبعوث ہوئے جو بابل، شام اور مصر میں آباد تھے، اور سفر تکوین کی رو سے آپ کی ان تین ملکوں میں آمد و رفت اور سفر و اقامت ثابت ہے، حضرت ہود ان قبائل میں پیدا ہوئے جو جنوبی

---

[1] تکوین ۱۳ [2] ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۵۰ [3] مصر کے قدیم مذاہب کی تفصیل عربی کی مستند کتاب سواء السبیل فی مکان وادی النیل مصنفہ پروفیسر ولسن ج ۳ مطبوعہ ۱۸۸۸ء سے ماخوذ ہے۔

عرب میں سکونت پذیر تھے اور حضرت صالحؑ شمالی عرب کے سامیوں کے پیغمبر تھے، الغرض ان دھندھلے بیانات سے کسی قدر یہ روشن ہوتا ہے کہ امم سامیہ اولیٰ یعنی عاد وثمود وغیرہ کا مذہبی تخیل کیا تھا، اور خدا کے یہ تین فرستادہ پیغمبران کو کن باطل پرستیوں سے روکتے تھے۔

اہل معین جنوبی عرب کی ایک قدیم سامی قوم اہل معین کے حالات پہلی جلد میں گذر چکے ہیں، یہ قوم بھی ستارہ پرست تھی، بابل کے دیوتا یہاں بھی پوجتے تھے، ان کے علاوہ کچھ خاص عرب کے دیوتا بھی ان کے معبودوں کی فہرست میں شامل تھے جن میں سے کتبات میں حسب ذیل بتوں کے نام ملے ہیں[۱]:

عشتار	یہ وہی دیوی ہے جو بابل میں اشتار تھا، یعنی ستارہ زہرہ
ودّ	محبت کا دیوتا (عربی لفظ ودّ: محبت)
نکرہ	نفرت وعداوت کا دیوتا (عربی لفظ کرہ ناپسندیدگی)
شمس	آفتاب، یہی لفظ بابل میں شمش تھا

ان میں سے عشتار بڑا دیوتا تھا، شمالی عرب میں معین کا جو کتبہ ملا ہے اس میں کتبہ نگار اپنے آقا کی بخیریت جنگ سے واپسی پر عشتار دیوتا کا شکریہ ادا کرتا ہے[۲]۔

بنو قحطان یا جنوبی عرب جنوبی عرب یعنی یمن وحضر موت میں جو عاد وغیرہ قبائل کا اصل مسکن تھا اور بابل کے ملک میں جہاں وہ کسی زمانہ میں حکمراں تھے، بابلی تعلقات کے متعدد دلائل جلد اول میں گذر چکے ہیں، ان میں سے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ ان دونوں ملکوں کے مذہبی تخیل میں نہایت شدید تشابہ ہے، اس اجمال کی تفصیل کا اب موقع ہاتھ آیا ہے۔

بنو قحطان، جو امم سامیہ اولیٰ کے بعد جنوبی عرب میں برسر اقتدار ہوگئے تھے، واقعات تاریخی اور آثار عتیقہ دونوں کی بنا پر ستارہ پرست تھے، مختلف قبائل میں مختلف ستاروں کی پرستش ہوتی تھی، ان ستاروں کے نام سے ہیکل قائم تھے، اور وہاں ان کی خیالی مورتیں بنا کر رکھی گئی تھیں، ہیکلوں کے پاسبان اور عبدہ دار جن کو کاہن کہتے ہیں متعین تھے، ان ہیکلوں میں لوبان اور خوشبودار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔

بنو قحطان میں سب سے پہلے ہماری ملاقات قوم سبا سے ہوتی ہے! اس قوم میں زیادہ تر آفتاب کی پوجا ہوتی تھی، قرآن مجید، ہدہد کی زبان سے ملکہ سبا کے تذکرہ میں کہتا ہے:

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج اص ۳۷۹ و برٹانیکا طبع ۱۱ ج ۲۳ ص ۹۵۷ [۲] اصول الانسانیت (ہیومن اوریجن) مصنف سموال لے ائمگ فصل عرب

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ — میں نے سبا کی ملکہ اور اس کی قوم کو پایا کہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔ (نمل: ۲۴)

یہودیوں کی بنیم میں جہاں سبا کا ذکر ہے، ان کی آفتاب پرستی کا تذکرہ نہیں، لیکن ترگوم میں یہ تفصیل موجود ہے، چنانچہ ہدہد کے قصہ میں ہے کہ:

''جب کہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جارہی تھی۔'' (جوئش انسائیکلو پیڈیا ج ۱۱ ص ۲۳۶)

یونانی مورخ تھیوفرسٹینس جو حضرت عیسیٰ سے ۳۱۲ برس پہلے اور اسلام سے تقریباً ۹۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا، بخورات کے ذکر میں لکھتا ہے:

''یہ ملک سبا سے متعلق ہے جو بخورات کی بڑی حفاظت کرتے ہیں، ان بخورات کا ڈھیر آفتاب کے ہیکل میں لایا جاتا ہے جو اس ملک میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے[1]''

عرب کے علمائے انساب متفقاً بیان کرتے ہیں کہ قوم سبا کے مورث اعلیٰ کا نام عبد شمس تھا، جس کے معنی ''پرستار آفتاب'' کے ہیں، علمائے اسلام نے دوسری یا تیسری صدی میں یمن کے ایک کتبہ میں یہ فقرہ پڑھا تھا:

هذا ما بنى شمر يرعش لسيدة الشمس[2] شمر یرعش بادشاہ نے یہ سورج دیبی کے لئے بنایا،

آج کل یمن کے آثار قدیمہ کی جو تحقیقات ہوئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آفتاب کے علاوہ اور ستاروں کی بھی یہاں پرستش ہوتی تھی، کتبوں میں جابجا ان معبودوں کے نام ہیں اور ان کے نام سے برکت اور اعانت کی درخواست کی گئی ہے، یا ان کا شکریہ ادا کیا گیا ہے، ڈیوڈ ہنرخ مولر (D.H. Muler) جس نے برٹانیکا طبع یازدہم میں قوم سبا (Sabaians) پر مضمون لکھا ہے، بیان کرتا ہے:

''اجرام سماویہ کی پرستش یمن میں نہایت شائع تھی، اس کی شہادت عربوں کی تحریروں سے بھی ملتی ہے، آفتاب پرستی، سبا کی قوم میں اور ہمدانیوں[3] میں مخصوص طور سے ہوتی ہے، (یونانی مورخ) پلینی کے بیان میں سبوتا کا ساق اگر درحقیقت سورج دیوی شمس تھا، تو اس کی تشریح سبائی اثر و اقتدار سے کی جاسکتی ہے، (یعنی سبا والوں کے اثر سے وہاں آفتاب پرستی پھیلی) قوم سبا کی شمس دیوی تھی[4]، حالانکہ اہل معین کا خاص دیوتا عشتار مذکر تھا جس کی مختلف ناموں سے پوجا کی جاتی تھی سب سے عام نام عشتار شرقی اور عشتار ذوقبض ہے، وادا اور نکرہ محبت اور نفرت کے دیوتا بھی ممکن ہے کہ اسی عشتار کی دوسری شکلیں ہوں۔''

---

[1] ہیرن کی ہسٹاریکل ریسرچ، ج ۱ ص ۳۵۱ [2] حمزہ اصفہانی صفحہ ۱۱۰ کلکتہ [3] یمن کا ایک قبیلہ

[4] عربی زبان میں شمس کا لفظ مؤنث ہے۔

''اہل سبا بھی عشتار کو مانتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ایک اور دیوتا المقہ بھی ان کے یہاں ہے، المقہ ہمدانی کے بیان کے مطابق ستارہ زہرہ کا نام ہے، اس بنا پر المقہ اور عشتار کو باہم ایک سمجھا جاتا ہے، چاند دیوتا (جو بابل میں) سن تھا شبوہ (واقع حضر موت) کے ایک کتبہ میں نظر آتا ہے، لیکن ہمدانی[۱] کا بیان ہے کہ ''ہوبس'' (ستارہ) قوم سبا کا چاند دیوتا تھا شبوہ کے کتبہ میں عشتار سن (چاند) کا باپ بتایا گیا ہے، یہ قابل توجہ ہے کہ یہ دونوں دیوتا بابل کے افسانہ میں بھی باہم قریبی رشتہ دار ظاہر کئے گئے ہیں، یہ افسانہ ''اشتار'' کی اولاد بادی کا ہے، جس میں اشتار (زہرہ) کو سن یعنی چاند کی بیٹی کہا گیا ہے، ایک اور کتبہ میں عشتار کی ماں آفتاب کو کہا گیا ہے............

''کتبہ کے تین بتوں کے نام قرآن میں بھی ہیں، یعنی ود، یغوث، اور نسر تغلب، ایک دیوتا کا نام ہونا درخت پرستی کو ان میں ظاہر کرتا ہے، چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کے نام چھوڑ دینا چاہئے، لیکن (اہل سبا کے) کے حرم ریام کا ذکر ضروری ہے، جہاں چاند اور سورج کی مورتیں رہتی تھیں،...... ''قدیم سامی[۲] رواج کے مطابق مختلف موسموں میں مختلف دیوتاؤں کے جاترے کو لوگ جاتے تھے، سبا والوں کے جاترے کے مہینہ کا نام ذوحجتان تھا، جو شمالی عرب میں ذوالحجہ ہے، اس وقت بھی اس قسم کے ہیکلوں کے خاکے اور آثار باقی ہیں، قابل لحاظ یہ امر ہے کہ مارب صرواح اور قصر نقب الحجر کے ہیکل، بیضاوی شکل کے ہیں اور ان کے دروازے اتر دکھن رخ کے ہیں۔''

''دیوتاؤں کے آگے قربانیاں اور بخورات چڑھائے جاتے تھے، قربان گاہ کا نام مذبح اور قربانی کا نام ذبح مشترک سامی لفظ ہیں، چنانچہ عبری[۳] میں بھی ہیں، ایک قسم کا مسالہ جو ملک کی پیداوار تھی، ان قربانگاہوں پر ان کے نام لئے جاتے تھے، دیوتاؤں کو تجارت اور زراعت کی آمدنی کا دسواں حصہ نذر کیا جاتا تھا، خواہ وہ چیز دے دی جاتی تھی یا اس قیمت کی چاندی کے ڈلے یا سونے کی..... مورتیں، یہ آمدنیاں بخوشی تمام ہیکلوں کی تعمیر اور مرمت پر صرف ہوتی تھیں، ہیکل اور شہر کی فصلیں اکثر ساتھ ہوتیں طلائی مورتیں منت مانے ہوئے نذرانے ہوتے تھے، اس طریقہ سے کہ میاں بیوی مل کر اپنی چار اولادوں کی سلامتی کے لئے چار طلائی مورتیں چڑھا دیتے تھے، کوئی شخص ذوسماء (آسمان کے آقا) کے نام مورتیں بنا کر چڑھاتا تھا کہ وہ خود اور اس کے اونٹ تندرست اور جوڑوں کی بیماریوں سے محفوظ ہیں۔''

---

۱ اس عرب مصنف کا حال ارض القرآن جلد اصفحہ ۷۱ میں پڑھو۔ ۲ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کے حج کی شکل بگاڑی گئی تھی۔ ۳ اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہئے کہ یہ قربانی کی رسم طریقہ ابراہیمی ہے جو اس زمانے میں غیر خدا کے لئے مستعمل ہوگئی۔

ملک عرب کے آثار و کتبات میں جنوبی عرب کے مختلف قبائل کے دیوتاؤں کے حسب ذیل نام ملتے ہیں:

اہل معین، عشتار، (زہرہ) ود، (محبت) نکروہ (عداوت) شمس (سورج)

حضرت موت عشتار، سین (چاند) حول (قوت) شمس

اہل قتاب عشتار، (زہرہ) عم، (چاند) انبائی (عطارد) شمس

سبا عشتار (زہرہ) ہوبس (چاند) المقہ، شمس

مشترک اور عام دیوتا ان میں دو نظر آتے ہیں عشتار یعنی زہرہ، اور شمس سورج، ان کے علاوہ اور جو دیوتاؤں کے نام ہیں وہ درحقیقت مختلف ستاروں سے عبارت ہیں، اور ان میں سے اکثر کسی نہ کسی طرح بابلی الاصل ہیں عشتار، وہی ہے جو بابل میں اشتار تھا، شمس بابلی فہرست میں شمس نظر آتا ہے، سین یعنی چاند بابل کا سن ہے، نکروہ (نفرت کا دیوتا، اور جس سے مراد زحل یا مرّیخ ہے) بابل میں نکرو ہے، انبائی بابل کا نبو ہے، یعنی ستارہ عطارد (علم اطلاع کا ستارہ[1]) قتاب کی زبان میں عم اور سبا کے محاورہ میں ہوبس چاند کو کہتے ہیں، جس کو حضر موت میں سین، اور بابل میں سن کہا جاتا ہے، اور ہادس بھی کہتے تھے، المقہ کے لفظی معنی ''اس کے لکھے ہوئے نشانات کے ہیں،، جن سے مراد ''ستارے'' ہیں، آفتاب کا نام سبا کے ہاں ذات نشق بھی ہے جس کے معنی ''نشق کے ہیکل کی مالکہ'' ہیں[2] آفتاب کو یہ لوگ دیبی سمجھتے تھے، یعنی عورت اسی لئے عربی میں ''شمس'' بطور مونث کے استعمال ہوتا ہے اور چاند دیوتا یعنی ''قمر'' عربی میں مذکر ہے۔

ایف ہومل Houml جو ایک مشہور مستشرق ہے، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مضمون ''عرب'' میں لکھتا ہے:

> ''ان کے علاوہ ایک بڑی ماتا دیوی تھی جو چاند دیوتا کی ماں یا جوڑی تھی، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ منزل قمری کی مفروضہ شخصی صورت تھی، معین والے اس کو 'اثیرات' (اشرا، اشرتو) کہتے تھے، اور سبا والوں میں اس کا نام حریمو تھا، اور زیادہ اغلبیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسی کا نام عام طور سے 'ایلات' تھا، مثلاً جس کی مخفف شکل 'لات' بہت سے عربی ناموں کا جز تھی۔ ہم مختلف عشتار (زہرہ) دیوتاؤں کے نام بیان کر

---

[1] 'نبا' عربی میں خبر کو کہتے ہیں اسی سے سامی زبانوں میں 'نبی' بمعنی خبر دینے والا۔ [2] تمام تفصیل انسائیکلو پیڈیا آف اسلام سے ماخوذ ہے ج ۱ ص ۳۰۹

سکتے ہیں، جن کو بعد کو یہ سمجھا گیا ہے کہ یہ زہرہ کے نام بحیثیت صبح اور شام کے تارے کے ہیں، مغربی سبا والوں میں "تغلاب" کنان کا ایک خدا تھا جس کو ذوسماوی (آقائے آسمان) کا لقب بھی حاصل تھا، سبا کے ذوسماوی کا مقابلہ کو عمان اور ارم کے "بعل شامیم" (آسمان کا آقا) سے کرنا چاہئے، اس کے نام پر خاص طور پر اونٹ جس کو عربی میں "ابل" کہتے ہیں، مقدس سمجھے جاتے تھے، اسی وجہ سے مدین میں بلکہ جنوبی عرب میں بھی ہبل یا ہُبَل وغیرہ ہے۔

ہومل چاند کو اصل دیوتا مان کر چھوٹے دیوتاؤں کے جو بالمقابل نام ملے ہیں، ان کو چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی دو متضاد شکلوں سے عبارت سمجھتا ہے، گویا وہ توام دیوتا ہیں، مختلف مقامات میں مقامی خصوصیات کی بنا پر کہیں بڑھنے والی اور کہیں گھٹنے والی شکل کی پرستش کی جاتی تھی، از روئے قیاس ان کی مختلف صورتیں قائم کی جاسکتی ہیں، مثلاً:

بڑھنے والے چاند کا نام	گھٹنے والے چاند کا نام	کیفیت
۱-ود (پیار یعنی باپ)	عم (چچا)	
۲-وَدّ (محبت کا دیوتا)	نکرہ (نفرت اور برائی)	نکرہ اصل میں زحل یا مریخ کو کہتے ہیں
۳-عزیز لات (لات کا دوست)	رضوت لات (لات کا دشمن)	"رضوت لات" ہیرو ڈنس مورخ یونان کے حوالے سے ہے۔
۴-عبری بابل (اونٹ اور بھیڑ بکری) کا گلہ، اس کا مقابلہ عربی ہبل سے کرو۔	عبری قین (پیشہ ور) کا سبا کے دیوتا قینان سے کرو	گویا بدوی اور متمدن زندگی کا مقابلہ۔
۵-دنخ	حرمتو (روکنے اور محروم رکھنے والا)	یہ نام یمن کے کتابوں کے کتبے میں ہیں۔

میرے خیال میں ان میں سے اکثر قیاسات علمی فرض و وہم سے آگے نہیں بڑھتے ہومل اس کے بعد ایک اور مسئلہ کی طرف توجہ دلاتا ہے، جو ہمارے اس دعوی کی قطعی شہادت ہے کہ یمن اور بابل میں نہایت قدیم زمانہ سے تعلقات تھے، جیسا کہ پہلی جلد میں عاد کی حکومت بابل کے ذکر میں دکھایا گیا ہے، ہومل لکھتا ہے:

ہمارے لئے یہ قابل توجہ ہے کہ تمام مغربی[1] سامی ناموں کا انتظام و ترکیب جو قریباً دو ہزار

[1] یعنی بابل کے جو سامی ممالک کی جانب مغرب ہے۔

برس قبل مسیح کے ہیں، اور جو معینی[1] خط کے کتبات میں ہم تک شخصی ناموں کی حیثیت سے پہونچے ہیں، وہ پہلی بار جنوبی عرب ہی کے دیوتاؤں کے ناموں کی صحیح ترجمانی سے سمجھ میں آئے ہیں، مثلاً وہاں کے شخصی ناموں کا جزو ابی (میراباپ) عمی (میرا چچا) ہوتا ہے، جو بڑھنے والے اور گھٹنے والے چاند سے عبارت ہے، گویا اس شخص کا جس کا یہ نام ہوتا تھا، محافظ دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ (۲۸۰)

بنو قحطان کے آخری مقتدر قبائل جن کا زمانہ اسلام سے قریب ہے، حمیر، اور ہمدان ہیں، ان کے مختلف قبائل میں مورخین عرب کی تشریح کے مطابق حسب ذیل بتوں یا دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی:

حمیر	شمس (آفتاب)
اہل جرش (واقع یمن)	یغوث (فریاد کو پہنچتا ہے۔)
خیوان (قبیلہ ہمدان)	یعوق (دفع کرتا ہے یا روکتا ہے)
ذوالکلاع (حمیر)	نسر (گدھ، ایک ستارے کا نام ہے۔)
خولان (یمن کا قبیلہ)	عمیانس یا اُم انس (انسان کا چچا[2] یا محافظ[3])
عبدالمدان (یمن کا قبیلہ)	مدان
اہل صنعاء (واقع یمن)	کعیت اور اس کی بیوی (یہ دونوں بت صنعاء کے کلیسا میں تھے)
حضرموت وکندہ	جلسد
اہل نجیر (واقع حضرموت)	ذریح[4]
اہل نجران	ایک درخت کو پوجتے تھے[5]، اس کو سالانہ تیوہار میں کپڑے اور زیور پہناتے تھے۔

ان دیوتاؤں کے لئے چھوٹے چھوٹے ہیکل یوں تو ہر جگہ ہوں گے، لیکن ان میں چند نہایت مشہور اور ممتاز ہیکل تھے، مثلاً غمدان، ریام، ذوالخلصہ، قلیس،

غمدان صنعاء میں ایک مشہور عمارت تھی، شہرستانی کا بیان ہے کہ وہ ستارہ زہرہ کا ہیکل تھا، یہ

---

۱ معینی یا سبائی
۲ اوپر ہومل کی رائے پڑھو، یاقوت نے عمیانس لکھا ہے اور ابن ہشام نے عم انس
۳ یہ فہرست سیرت ابن ہشام کی فصل اصنام العرب سے ماخوذ ہے، صحیح بخاری تفسیر سورہ نوح میں اس قسم کی روایت ہے۔
۴ ان پانچ بتوں کا ذکر معجم یاقوت میں ان ناموں کے تحت میں ہے۔ کعیت کا ذکر "قلیس" میں ہے۔
۵ طبری صفحہ ۶۲۲ یورپ طبقات الامم ابن صاعد اندلسی صفحہ ۴۳ بیروت

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عشتار، کے نام سے یمن میں زہرہ کی پرستش عام طور سے ہوتی تھی، یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ ''اس عمارت کا بانی الیشرح بن یحصب تھا، اس میں تو برتو سات منزلیں تھیں اور ایک منزل میں ایک شیر کا مجسمہ تھا، حضرت عثمانؓ نے اس عمارت کو منہدم کرا دیا۔

غمدان کی سات منزلیں ممکن ہے کہ سات آسمانوں کا تخیل ہو، یا ہفتہ کے سات دن کی مناسبت سے ہوں، شیر کا مجسمہ ہونا تو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ شاید اسد کی صورت کواکب سے اس کو تعلق ہو، مارگولیوتھ نے لائف آف محمد میں ایک کتبہ شائع کیا ہے جس میں کتبہ کے پہلو میں ایک شیر کی شکل ہے۔

ریام کا ہیکل بھی یمن میں واقع تھا، اس سے پہلے مورخ کی شہادت گذر چکی ہے کہ ''ریام کے ہیکل میں چاند اور سورج کی مورتیں تھی، ہمدانی نے اس کو عرب کی قدیم مذہبی عمارتوں میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ قبیلہ ہمدان کی آبادی میں واقع تھا[1] ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اہل یمن اس ہیکل کی بڑی عزت کرتے تھے، اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے، دوسری صدی ہجری تک اس عمارت پر قربانی کے خون کے نشانات موجود تھے[2]، یہ نہیں معلوم کہ یہ کس بت کا مسکن تھا، لیکن اکثر ائمہ لغت نے اسے ''رام'' سے مشتق کیا ہے، جس کے معنی ''شفقت اور مہربانی'' کے ہیں، اس لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ودّ کا مرادف ہو۔

ذوالخلصہ، یہ ہیکل مکہ سے سات منزل یمن کی جانب واقع تھا، اس کی وقعت اہل عرب میں اتنی تھی کہ اس کو یمن کا کعبہ کہتے تھے، اس میں سپید مرمر کا ایک بت استادہ تھا، اس کے سر پر پھول بوٹے کاٹ کر ایک تاج بنا تھا، اس کے گلے میں ہار ڈالے جاتے تھے، شتر مرغ کے انڈے لٹکائے جاتے تھے، چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، دوس، خثعم بجیلہ اور ازد السراۃ کے قبائل اس کے پجاری تھے[3]، فتح مکہ کے بعد ۱۰ھ میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نے آں حضرت ﷺ کے حکم سے اس کو جلا کر خاک کر دیا[4]، آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب یہ قبائل مرتد ہوئے تو انھوں نے ذوالخلصہ کو پھر زندہ کرنا چاہا، لیکن حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے اس کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا[5]۔

قلیس کلیسا کا معرب ہے، یہ کلیسا اہل حبش نے جو عیسائی تھے، صنعاء میں بنوایا تھا، کہتے ہیں اس میں دو بت نصب تھے، جو میاں بیوی کہلاتے تھے، مرد کا نام کعیت تھا، یہ ساٹھ ہاتھ لمبا لکڑی کا ایک

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب صفحہ ۱۲۷ [2] یاقوت لفظ ''ریام'' [3] یاقوت لفظ ''خلصہ''
[4] صحیح بخاری سریہ ذی الخلصہ [5] طبری

ایک بت تھا، دوسری صدی ہجری میں خلیفہ سفاح کے زمانے میں یہ ہیکل برباد ہوا[1]۔

ان بتخانوں کی آبادی اور مصارف کے لئے لوگ اپنی پیداوار اور کمائی کا مخصوص حصہ نذر کیا کرتے تھے، ہمارے مفسرین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ حضرموت والے اس اصول کے بشدت پابند[2] تھے، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت ان ہی کے متعلق ہے:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا (انعام:۱۳۶)	خدا نے جو کھیتی اور جانور پیدا کئے ہیں یہ کافر خدا کا ایک حصہ خدا کے لئے کرتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا ہے اور یہ ہمارے دیوتاؤں کا ہے

معلوم ہوتا ہے کہ حضرموت میں یہ رسم بہت قدیم زمانہ سے جاری تھی پلینی جو ۷۹ء میں تھا، بیان کرتا ہے:

> "سبا کے ایک حصہ کا نام حضرموت ہے، جس کا خاص شہر سباتما ہے،
> اس شہر میں ساٹھ ہیکل ہیں، یہاں سے بخورات جمع کر کے سباتما لائے جاتے ہیں،
> اور اس وقت تک یہ خرید نہیں کئے جا سکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جا سکتا ہے،
> جب تک کاہن سباتما کے دیوتاؤں کے لئے دسواں حصہ نکال نہیں لیتا[3]۔"

یہ جا بجا بیان کیا جا چکا ہے کہ فارس اور روم کی باہمی معرکہ آرائیوں میں عرب ایک متوسط کی حیثیت رکھتا تھا، شمالی عرب کے سرحدی عرب عیسائیت قبول کر کے رومیوں کے بے حد کام آئے تھے، چنانچہ رومیوں نے خود بھی اور ان کے اشارہ سے عیسائی حبشیوں نے بھی عرب میں تبلیغ مسیحیت کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ ان کو نجران میں کامیابی ہوئی، اندرون ملک میں یہود آباد تھے، خدا جانے کیا اسباب پیش آئے کہ یمن کے اکثر قبائل اور سلاطین نے یہودی مذہب اختیار کر لیا، صرف عبد کلال حمیر میں عیسائی بادشاہ تھا، کتبات میں بھی بجائے دیوتاؤں کے ناموں کے "رحمٰن" کا نام اب ملتا ہے، جو قبل اسلام عرب یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے مخصوص تھا، اہل حبشہ نے جو عیسائی تھے ۵۲۵ء میں یمن فتح کیا اور صنعاء میں ایک کلیسا تعمیر کیا جس کو عرب "قلیس" کہتے ہیں، تاہم وہاں عیسائیت نے قبولیت عام حاصل نہیں کی، ۵۵۷ء میں اہل فارس نے حبشیوں کو یمن سے نکال دیا اور ایک ایرانی حکومت وہاں قائم کر لی، اہل یمن کی مذہبی سطح اس سیاسی جنبش سے بھی متاثر نہ ہوئی اور اب وہ زمانہ آیا جب کہ خورشید اسلام نے یمن میں طلوع کیا[4]۔

---

[1] یاقوت لفظ "قلیس" [2] سیرۃ اسحاق ذکر عرب قبل اسلام [3] ارض القرآن جلد اول صفحہ ۲۲۳

[4] یہ واقعات بہ تفصیل ارض القرآن جلد اول میں گزر چکے ہیں۔

بنو ابراہیم یا شمالی عرب جس طرح جنوبی عرب اور بابل و عراق کے مذہبی خیالات میں اتحاد نظر آتا ہے، اسی طرح شمالی عرب (حجاز، مدین، نجد) اور شام و فلسطین میں ایک متحد مذہبی تخیل قائم تھا، اور چونکہ نسلاً بھی ان میں اتحاد تھا اس لئے مذہبی تخیل کا ان میں اتحاد کچھ عجیب نہیں، سلسلہ ابراہیمی کی عرب میں متعدد شاخیں آباد تھیں جن کے حالات اسی جلد میں تم اوپر تفصیل کے ساتھ پڑھ آئے ہو، یہ ذہن نشین رہے کہ یہ اس ابراہیم بت شکن کی اولاد تھی جس نے بابل کی ستارہ پستی کا طلسم توڑ ڈالا تھا، اور آخر اس کفرستان سے ہجرت کر کے شام اور عرب کی سرزمین کو اپنے لئے منتخب کیا، ان کی اولاد یہیں پھیلی اور بڑھی، اور بڑی بڑی قوم بن گئی اس بنا پر یہودیوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں تینوں کے نزدیک یہ مسلم ہونا چاہئے کہ بنو ابراہیم ابتداً موحد اور اپنے باپ کے دین پر تھے، اسی لئے قرآن مجید نے حضرت یعقوبؑ کی زبانی کہا ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (بقرہ:۱۳۳)	کیا تم موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آئی اور جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کو پوجو گے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم آپ کے آباء و اجداد ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے خدا کو پوجیں گے، ایک خدا کو اور ہم اسی کے فرماں بردار ہوں گے۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ اثر کم ہوتا گیا، چنانچہ بنو اسرائیل مصر جا کر اپنا آبائی مذہب بھول گئے حضرت موسیٰ نے مبعوث ہو کر ان کو پھر ان کا بھولا ہوا خواب یاد دلایا، لیکن ان کی مذہبی حالت اس درجہ مسخ ہو گئی تھی کہ بار بار کی تنبیہ پر بھی جب ذرا غفلت پاتے، بتوں اور دیوتاؤں کے آگے سر جھکا دیتے چنانچہ توراۃ، اور صحیفہ تاریخ یہود ان بیانات سے لبریز ہے، نسل ابراہیمی کے جو خانوادے عرب سے آ کر بسے تھے، ان کا بھی یہی حال ہوا۔

توراۃ نیم اور یہود کی دوسری مقدس کتابوں میں اسرائیل کی گنہگار اولادوں کی اور ان کی ہمسایہ قوموں[۱] کی جس باطل پرستی کا ذکر بار بار آیا ہے، اس سے ان قوموں کے ان مذہبی عقائد اور خیالات کا پتہ چلتا ہے جو مرور زمانہ سے ان نبی زادوں میں پیدا ہو گئے تھے، تمام مجموعہ توراۃ کے پڑھنے سے یہ نظر آتا ہے کہ یہ قومیں تمام تر ستارہ پرست تھیں[۲]، بڑے بڑے اونچے اونچے ستون[۳] یا ہیکل[۴] بنائے

۱؎ تثنیہ ۱۲-۲ ۲؎ تثنیہ ۴-۱۹ ملوک دوم ۲۱-۳ ملوک دوم ۲۳-۵ تاریخ دوم ۳۳-۳
۳؎ تاریخ دوم ۱۴-۳-۴، ۳، ۲۳-۴ ملوک دوم ۱۴-۳ ۴؎ ریمیاہ ۱۹-۵، ۳۲-۱۰۵

جاتے تھے یا پہاڑوں پر[1] بت خانے اور مذبح تیار ہوتے تھے اور ان میں قربانیاں جلائی جاتی تھیں[2]، سونے چاندی[3] پتھر اور لکڑی[4] کی مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے، اپنی بچوں کی اور مویشی کی صحت و سلامتی کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں[5]، اولاد کو بعل دیوتا کے نام پر ذبح کرتے تھے[6]، مولک ایک دیوتا کا نام تھا اس پرستی کو اور اولاد کو ذبح کرکے چڑھاتے تھے۔

بتوں پر سونا اور چاندی چڑھائی جاتی تھی[8]، توراۃ میں جن دیوتاؤں کے نام آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ بعل[9] دیوتا کا تذکرہ ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سامی قبائل میں اس کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل تھی، اس کے بعد عسیروت[10]، مولک[11]، شمس اور قمر اور منازل[12] کواکب کے درجے تھے، آفتاب کے متعلق خیال تھا کہ یہ دیوتا ایک گاڑی پر سوار ہے اور روحانی گھوڑے اس کو شب و روز کھینچتے رہتے ہیں، اس بنا پر آفتاب کے نام سے جو ہیکل بنتا تھا اس میں گاڑی اور گھوڑے بھی بنا کر کھڑے کئے جاتے تھے[13]، چنانچہ اس قسم کی ایک سنگی مورت بابل میں آج کل کھود کر نکالی گئی ہے، ہیکلوں کی چھتوں پر لوبان سلگائی جاتی تھی تاکہ دیوتاؤں کی رضامندی کی خوشبو تمام آبادی میں پھیل جائے[14]۔

اب ہم سلسلہ ابراہیمی کے ایک خاندان کو، جس کا ملک عرب میں آباد ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے، بیان کرتے ہیں۔

مدین سلسلہ ابراہیمی میں، سب سے پہلے ہم نے مدین کو لیا ہے، قرآن مجید میں ان کے متعلق صرف اس قدر ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر اور معبودوں کی پرستش کرتے تھے، حضرت شعیب ان سے کہتے ہیں:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ	(عنکبوت ۳۶)	میرے بھائیو! خدا کو پوجو۔
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ	(اعراف ۸۵)	میرے بھائیو! اللہ کو پوجو، اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ	(ہود: ۵۰)	میرے بھائیو! اللہ کو پوجو، اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔

1. ملوک دوم ۲۱-۳ 2. بحوالہائے سابق 3. تورات کے مختلف صفحات میں دیکھو 4. تثنیہ ۲۸-۳۶
5. خروج ۲۰-۲۲ 6. تثنیہ ۱۲-۳۱ ملوک ۲۱-۳، یرمیاہ ۱۹-۵ 7. تثنیہ ۱۲-۲۱ یرمیاہ ۳۲-۳۵
8. تثنیہ ۷-۲۵ و قضاۃ ۹-۴ 9. عدد ۲۲-۴۱، ۲۵-۲، ملوک دوم ۲۱-۳، ۲۳-۲ تاریخ دوم ۲۳-۳ قضاۃ ۲-۱۳
10. ملوک دوم ۲-۷، ۲۳-۶ 11. ملوک اول ۱۱-۷ 12. ملوک دوم ۲۳-۲، تاریخ دوم ۱۴-۵
13. ملوک دوم ۲۳-۱۱ 14. ملوک دوم ۲۳-۵-۱۸

مدین جواب دیتے ہیں:

يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا (ہود۔۸۷)

اے شعیبؑ! کیا یہ تمہاری نماز تم کو یہ کہتی ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دیں جس کو ہمارے اسلاف پوجتے آئے ہیں

توراۃ بتاتی ہے کہ مدین بعل دیوتا کو پوجتے تھے[1] اس دیوتا کا ذکر حضرت الیاسؑ کے تعلق سے قرآن میں بھی آیا ہے:

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (صٰفّٰت: ۱۲۵-۱۲۶)

کیا بعل کو پکارتے ہو اور اس سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو، اللہ تمہارا اور تمہارے گزشتہ باپ داداؤں کا "رب" ہے۔

ہمارے مفسرین نے عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ "بعل" یمن کی زبان میں "آقا" اور "مالک" کو کہتے ہیں، اور یہ حضرت الیاسؑ کی قوم کا بت تھا[2] اور اسی لئے عربی میں شوہر کو بعل کہتے ہیں[3]۔ ہمارے مفسرین اور اہل لغت کا بیان بالکل صحیح ہے، لیکن صرف اس تخصیص سے انکار ہے کہ "یہ صرف یمن کی زبان کا لفظ ہے" صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ تمام سامی زبانوں میں پایا جاتا ہے، یہ بھی اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بعل صرف قوم الیاس میں نہیں بلکہ اکثر مشرقی سامی قوموں میں پوجا جاتا تھا۔ بعلبک ملک شام کا ایک قدیم شہر ہے جو اسی بعل دیوتا کی طرف منسوب ہے روایتوں میں ہے کہ یہ دیوتا سونے کا تھا[4]، چودہ ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار منھ تھے[5] توراۃ میں اس کے تین طریقہ سے نام آئے ہیں "بعل[6] ..... بعل فغور[7] بعل بریت[8]"

بعل کے لئے مذبح قربانگاہ اور ہیکل بنتے تھے[9] لوبان اور دیگر بخورات ان میں جلائے جاتے تھے[10] اولاد کو اس کی خاطر آگ میں ڈال دیا جاتا تھا، اور یہ بہترین قربانی سمجھی جاتی تھی[11] بعل کی پوجا کے لئے خاص قسم کے برتن اور ظروف ہوتے تھے[12] سامی قوموں میں اور مدین کے ہمسایوں میں بعل کی پوجا کے یہی سب رسوم تھے، غالباً مدین میں بھی یہی جاری ہوں گے۔

مستشرقین یورپ کی تحقیق کے مطابق بعل ستارہ زحل کا نام تھا، جس کی دوسری مانوس عربی

---

[1] سفر العدد ۲۲-۴۱، ۲۵-۳، ۵-۱۶۷ [2] طبری و بغوی تفسیر آیت مذکورہ [3] لسان العرب لفظ بعل
[4] لسان العرب ج ۱۳-ص ۱۲ [5] معالم التنزیل بغوی تفسیر آیت مذکورہ [6] بعل کے متعدد حوالے اوپر گزر چکے ہیں [7] عدد ۲۵-۲ [8] قضاۃ ۸-۳۳، ۹-۴ [9] یرمیاہ ۱۹-۵ ملوک دوم ۲۱-۳ [10] ملوک دوم ۲۳-۵ [11] یرمیاہ ۱۹-۵ [12] ملوک دوم ۲۳-۴

شکل ہبل ہے، اس کی مدین میں پرستش ہوتی تھی اور اونٹ (ابل) کی قربانی اس کے لئے سب سے بہتر سمجھی جاتی تھی[1] ہے

حضرت شعیبؑ اس قوم میں مبعوث ہوئے اور ان کی دعوت سے ایک فرقہ نے خدا پرستی اختیار کی، تفصیل مدین میں گذر چکی۔

دوان یا اصحاب الایکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ دوان یا اصحاب الایکہ مدین ہی کے ہم قوم اور ہم نسب تھے، قرآن مجید نے بھی ان دونوں کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کیا ہے، ان دونوں کے لئے ایک ہی پیغمبر حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے، دوسرے طرف ان کی ہموطنی لوطؑ کی آبادی سے تھی (ارض القرآن جلد۲ صفحہ ۲۶) حضرت لوطؑ کے دو بیٹے مواب اور عمون تھے، (تکوین ۱۹۔۳۶) قرآن مجید اور نیز توراۃ نے دوان کی مذہبی حالت کی تفصیل نہیں کی ہے، اس لئے ہر شخص یہی قیاس کرے گا کہ ان کے مذہبی عقائد مدین مواب اور عمون سے ملتے جلتے ہوں گے، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدین بعل کی پرستش کرتے تھے، مواب کا دیوتا کموش تھا[2] عمون مولک کو پوجتے تھے[3] مولک اور بعل تو قطعاً ایک ہیں، عبری کا مولک، عربی کا مالک اور بعل کا ہم معنی ہے، بعل اور مولک دونوں کے لئے رسوم بھی ایک ہی قسم کے تھے، دونوں پر لوگ اپنی اولاد کی قربانی کرتے تھے۔

بنو ادوم یعنی حضرت ایوبؑ کی امت عرب کا تیسرا ابراہیمی قبیلہ ادوم ہے، اسی قبیلہ میں حضرت ایوبؑ مبعوث ہوئے تھے، قبیلہ ادوم کی مذہبی حالت سے قرآن نے کچھ تعرض نہیں کیا ہے، لیکن اس میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا ہی اس بات کی شہادت ہے کہ کم از کم قبیلہ کے کچھ افراد راہ راست پر نہ تھے، سفر ایوبؑ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ میں سورج اور چاند کی پوجا ہوتی تھی، عبادت کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ سورج اور چاند کی طرف دیکھ کر اپنے ہاتھ چوم لیتے تھے[4]، یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ خود ان کے بوسہ دیتے۔

بنو اسماعیل ہمارے ارباب روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ان کی اولاد، دین ابراہیمی پر قائم تھی، ان میں رفتہ رفتہ بت پرستی کا شیوع اس طرح ہوا کہ خانہ کعبہ جو پتھروں سے بنا تھا، ان

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۳۰۷۹ اور ہسٹری آف دی مورش امپائر ان یورپ مصنفہ ایس. پی. اسکاٹ حوالہ زوزنی، دیباچہ [2] عدد ۲۱-۲۹ قضاۃ ۱۱-۲۴ ملوک اول ۱۱-۷ [3] ملوک اول ۱۱-۷، ۲۳ ملوک دوم ۲۳-۱۳

[4] سفر ایوب ۳۱-۲۶-۲۷

کے نزدیک مقدس تھا، جب وہاں سے کسی اور مقام پر چلنے لگتے تو اس کا ایک پتھر بتر کا اٹھا لیتے، بعد کو خانہ کعبہ کا امتیاز بھی اٹھ گیا جو پتھر اچھا سا چکنا پڑا مل جاتا اسی کو اٹھا لیتے اور اس کو اپنے گھر کا دیوتا بنا لیتے[1]۔

قدیم تحریری شہادتوں کے سب سے پہلے بابل کے کتبات میں ہم کو ۶۴۵ ق م میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو قیدار اور انباط اشتار یعنی زہرہ کو پوجتے تھے، اشور بنی پال شاہ نینوی، شاہان عرب شمالی کی مفتوحی کی داستان میں کہتا ہے:

"خادیہ ملکہ عرب، عم العدی، شاہ قیدار میں مفتوح ہوئے اور گرفتار کر کے نینوی لائے گئے اور ایک دوسرے شہزادہ یوتع بن بیروا (؟) کے بے شمار جنگجو لوگ تباہ و برباد کئے گئے اور ان کے خیمے جلائے گئے اور ایک تیسرا سردار ابی یاتی کو مع اس کے ساتھیوں کے یعنی یوتع بن حزائیل ناتان شاہ انباط اور اشتار کے پوجنے والوں کے شکست دی گئی[2]۔

ہیروڈوٹس ۴۵۰ ق م میں شہادت دیتا ہے کہ عرب دو دیوتاؤں کو پوجتے ہیں، جن کے نام "الیلات" اور "اورتل" ہیں، الیلات تو صاف اللات ہے اور وتل نہیں معلوم کیا شے ہے۔

اصحاب الرس و اصحاب الحجر اسماعیلی قبائل کے بارہ سلسلوں میں صرف تین کی نسبت ہم کو کچھ حالات معلوم ہیں، قیدنا (اصحاب الرس) بنایوط (اصحاب الحجر) اور قیدار، اصحاب الرس کی مذہبی حالت کی قرآن نے کوئی تفصیل نہیں کی، صرف مجرم قوموں کی فہرست میں ان کا نام لیا ہے، تاریخ کے دوسرے ذرائع بھی اس ظلمت کدہ کو روشن نہیں کرتے، انباط یعنی اصحاب الحجر کی نسبت قرآن کہتا ہے:

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الحجر: ۸۰) ۔ حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

پہلی صدی عیسوی کے اوائل کا مورخ اسٹرابو جو اس قوم کا معاصر تھا شہادت دیتا ہے کہ:

"مذہباً یہ سبا والوں کے دیوتا آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اور اس دیوتا کا ہیکل یا قربان گاہ مکانات کی چھتوں پر بناتے ہیں، اور اس پر شراب چڑھاتے ہیں، اور اندر ہر روز بخور جلاتے ہیں[3]۔"

اسٹرابو نے جو طریقہ پرستش بتایا ہے وہ دیگر طریقہ پرستش کے مطابق ہے، جس کی تفصیل توراۃ کی شہادتوں کے ساتھ ابھی اوپر گذر چکی ہے۔

حجر کے نبطی کتبوں میں جو عموماً قبروں کی لوحیں ہیں، ان کے دیوتاؤں کے نام بھی ملتے ہیں،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ذکر اصنام العرب [2] ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ (تاریخ مورخین عالم) ج ۸ ص ۱۰۳ ۱۹۰۷ء [3] گولڈ مائنس آف مدین ص ۲۲۸

مثلاً ذو الشریٰ، لات، منوت، ہبل، قیش، ثمی مد، خریش، ان آخری دو ناموں کے علاوہ بقیہ اور دیوتا زمانہ اسلام تک عرب کے شمالی قبائل میں پوجے جاتے تھے، ذوالشریٰ اوس کا دیوتا تھا، لات ثقیف میں پجتا تھا، اور منوت یعنی منات اوس وخزرج کا معبود تھا قیش جو عربی میں قیس ہے، گو اس نام کے بت کی تصریح ہم کو نہیں ملی، لیکن عرب ناموں میں عبد القیس (قیس کا بندہ یا غلام) اور امراء القیس (قیس کا آدمی) ہم کو ملتا ہے، اور چونکہ عرب اپنے نام دیوتاؤں کی نسبت سے رکھا کرتے تھے، اس لئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ عبد القیس کا قبیلہ جو گو عدنانی لیکن ایک مدت سے بحرین میں آباد تھا، وہ قیس کے پرستاروں میں ہوا، امراء القیس کا نام عرب کے مختلف قبائل میں نظر آتا ہے، حیرہ کے عدنانی النسل سلاطین میں ایک امراء القیس تھا، کندہ کے آخری شاہزادہ اور عرب کے نامور شاعر امراء القیس کا نام کون نہیں جانتا، مصر کے ایک ہمہ دان عیسائی مصنف کا بیان ہے کہ عربوں میں امراء القیس کا نام، رومیوں کے مرقس کا معرب[۱] ہے، لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ سامان آرائش وتمدن کے علاوہ عرب میں ناموں کا بھی قحط تھا، بناتی کتبات میں ان دیوتاؤں کے علاوہ اللہ کا نام بھی بحیثیت ایک معبود کے جز کے نظر آتا ہے[۲]۔

اصحاب الحجر کے کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کے ہاں باقاعدہ کاہن ہوتا تھا جو لوگوں پر مذہبی جرمانہ کرسکتا تھا، قبرستان کا صحن، حرم کا حکم رکھتا تھا، دو کتبوں کے ضروری فقروں کا ترجمہ یہ ہے:

۱۔ ”یہ قبرستان کمکم بنت وائلہ بنت حرم اور اس کی لڑکی کلیبہ نے اپنی اور اپنی اولاد کے لئے طیبہ کے مہینہ میں حارث شاہ انباط محب قوم کے نویں سال جلوس میں۔ ذوالشریٰ اور خریش اور لات، اور عمند اور قیس اس پر لعنت کریں گے جو اس قبرستان کو بیچے گا، یا خریدے گا، یا رہن رکھے گا، یا اس میں کسی کی لاش نکالے گا یا اس میں کمکم اور اس کی بیٹی اور اس کی اولاد کے علاوہ کوئی اور دفن ہوگا۔ جو اس وصیت کی مخالفت کرے۔ ذوالشریٰ ہبل اور منوت اس پر پانچ لعنتیں بھیجیں، اور کاہن اس پر جرمانہ کرے جس کی مقدار ایک ہزار درہم حارثی ہو　وہب اللات بن عبادہ نے اس کو بتایا۔“

۱۔ العرب قبل اسلام جرجی زیدان ص ۱۶۶

۲۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس (اخلاق اور مذاہب کی انسائیکلوپیڈیا) ج ۲ ص ۶۶۴

۲۔ اس مقبرہ کو مانو بن کہیل نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بنایا..... ذوالشریٰ منوت اور قیس اس پر لعنت کریں جو اس کو فروخت کرے یا خریدے یا رہن رکھے یا دے دے، یا کرایہ پر دے یا اس پر کچھ اور نقش کرائے یا مذکورہ بالا اشخاص کے علاوہ یہاں کسی اور کو دفن کرے، مقبرہ اور اس کی چاروں طرف کی زمین انباط کے اصول کے مطابق حرم مقدس ہے۔[1]

ہیول اسلام کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ اہل یمن کی طرح انباط میں بھی چاند گھٹنے اور بڑھنے کی حالت میں دو توام دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

موخر الذکر (انباط) میں بھی ہم چاند کو دو توام دیوتاؤں میں منقسم پاتے ہیں، یعنی ذوالشریٰ (پہاڑ کا دیوتا، شریٰ ادوم کے پہاڑی کا مقام نام تھا) اور اس کو جوڑ اخریش (خیریس عبرانی میں آفتاب کو کہتے ہیں) ذوالشریٰ خصوصاً پٹرا میں پوجا جاتا تھا، ہبل اور اس کا جوڑ امنوت تھا۔ اس کے بعد ماتا دیبی ایلات (خصوصاً مذ دیبی) اور ایک دیوتا اعر (عربی میں اغر؟ چمکتی پیشانی والا) یہ اخیر لفظ غالباً ذوالشریٰ کی ایک صفت کے طور پر ہے۔ (لفظ عرب)

اوس وخزرج اور ان کے ہم نسب قبائل

ہم نے مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کو جن کا اسلام میں نام انصار ہے انہی انباط کی شاخ قرار دیا ہے، اس دعویٰ کا ایک مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ ان دونوں کے بتوں اور دیوتاؤں کے نام ایک ہی ہیں، یا یہ کہو کہ ایک ہی دیوتاؤں کو دونوں پوجتے تھے۔ ان میں سے ان کی مخصوص دیبی مناۃ تھی، جس کو انباط منوت کہتے تھے، اس دیبی کی مورت مشلل میں قدید کے پاس ساحل بحر احمر کے قریب نصب تھی حج میں احرام اتارنے کی رسم اوس وخزرج یہیں ادا کیا کرتے تھے۔[2] یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ "مناۃ ایک پتھر کی چٹان تھی، شاہان غسان اس کے نام سے نذرانے بھیجتے تھے، اور ازد کے رؤسا اس کے پجاری تھے، اور اس کا اہتمام وانتظام ان ہی کے ہاتھ میں تھا، اس کو قربانیاں دی جاتی تھیں، اوس وخزرج میں امراء القیس (قیس کا آدمی) کا نام متعدد دفعہ ملتا ہے[3] کیا اس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ قیس بھی ان کے معبودوں میں داخل تھا؟ عبداللہ اور اوس اللہ بھی ان کی زبان سے سنتے ہیں۔[4]

---

[1] ان دونوں کتبوں کا ترجمہ میں نے نہیں کیا ہے، بلکہ ... Cook کی کتاب Nool Society Inscription Oxford P 903 سے ...ا سے نقل کیا ہے۔ [2] صحیح بخاری، طواف صفا و مروہ، ... وابن سعد، ... مناۃ ... مقدمہ [3] سیرۃ ابن ہشام ... [4] ... ابن ہشام ...

لوگوں کے گھروں میں دیوتاؤں کی مورتیں رہتی تھیں، مناۃ کی مورت لکڑی کی ترشی ہوئی، اتنی بڑی یثرب کے ایک گھر میں تھی کہ چند آدمی مل کر اس کو اٹھاتے تھے۔ (ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ) ایک شخص ان دیوتاؤں کے اہتمام وانتظام پر مقرر ہوتا تھا، ظہور اسلام کے وقت جو شخص اس عہدہ پر مامور تھا اس کا نام عمرو بن قیس تھا۔[1]

اوس وخزرج، روایات عرب اور دیگر قیاسات عقلی کی بنا پر ازد اور غسان کی شاخ تھے، اس بنا پر مذہبی حیثیت سے بھی ان میں اتحاد پایا جاتا ہے، چنانچہ مناۃ دیگر قبائل ازد اور غسان کا معبود بھی تھا، اس کے علاوہ ان قبائل اور ان کی شاخوں میں اور بھی چند دیوتا تھے:

نام	مقام	پرستار
۱-اقیصر	حدود شام میں	قضاعہ، لخم، جذام، عاملہ، غطفان
۲-عائم		ازد السراۃ
۳-فلس	حبس	طی
۴-ذوالشریٰ		دوس، ازد
۵-ذوالکفین		دوس
۶-باجر[2]		ازد
۷-ود		کلب بن دبرہ (شاخ قضاعہ)
۸-یغوث		انعم (شاخ طی)

ان قبائل میں ستارہ پرستی تھی، لخم، اور جذام ستارہ مشتری کو پوجتے تھے، اور طی سہیل کے پرستار تھے[3] اس لئے ممکن ہے کہ فلس کا ہیکل سہیل ہی کے نام سے بنایا گیا ہو، اور اقیصر مشتری سے عبارت ہو۔

بنو قیدار یعنی عدنانی قبائل | بنو قیدار کے قدیم مذہبی تخیلات کی نسبت مجملاً اشارہ اوپر گذر چکا، اس قدر مسلم ہے کہ ابتداً یہ اپنے باپ دادا حضرت اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ کے مذہب پر تھے، خانہ کعبہ کا رسم

---

[1] سیرۃ ابن ہشام: ذکر منافقین مدینہ [2] ۱-۲-۴ کے لئے دیکھو معجم البلدان یاقوت زیر الفاظ اقیصر، عائم، ذوالشریٰ ۳ اور ۵ کا حال صحیح بخاری کتاب المغازی اور ابن سعد سریہ: فلس، ذوالکفین پڑھو۔ ۶ قاموس میں یہ لفظ دیکھو ۷ و ۸ سیرت ابن ہشام مقدمہ [3] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی صفحہ ۴۳ بیروت

ابراہیمی کے مطابق حج کیا کرتے تھے، رفتہ رفتہ مسئلہ حج کی غلط فہمی سے ان میں سنگ پرستی کا آغاز ہوا۔[1] صحیح روایات سے ثابت ہے کہ مکہ اور حجاز میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمر بن لحی ہے[2] اس کے ملک شام سے تعلقات تھے اور وہیں سے بت لا لا کر اس نے خانہ کعبہ اور اطراف مکہ میں پھیلا دیئے تھے۔[3] اس روایت کی موجودہ تحقیقات سے بھی تائید ہوتی ہے، ہوٹل اسلام کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے:

"شمالی مغربی عرب میں مکہ سے پترا، (رقیم) بلکہ اس سے آگے صحرائے شام (تدمر) اور حوران) تک ایک ہی تخیل کسی قدر پرانے اور بعض نئے ناموں کے ساتھ پھیلا تھا۔" (ج ا ص ۲۸۰)

عدنانی قبائل کا سب سے بڑا بت یا دیوتا ہبل تھا، جو خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا، لات کا ہیکل شہر طائف میں تھا، مکہ سے چند میل دور مقام نخلہ عزیٰ نام ایک دیوی کا مسکن تھا، عدنانی قبائل کے یہ تین سب سے بڑے دیوتا تھے، ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، قربانیاں ہوتی تھیں، ان کی نذریں مانی جاتی تھیں، لوگ ان کے جاترے کو آتے تھے، ان کے علاوہ مختلف قبائل کے کچھ مقامی دیوتا تھے جن کے نام یہ ہیں:

نام	مقام	پرستار
سواع	دومۃ الجندل	قبیلہ ہذیل
سعد	ساحل جدہ	بنی ملکان بن خزیمہ بن مضر
أساف	مکہ	
نائلہ	مکہ	
رضاء		بنی ربیعہ بن کعب
ذوالکعبات	سنداد (حدود عراق)	قبیلہ ایاد
جہار		ہوازن
مناف		قریش
اوال		بکر و تغلب
نخرق		بکر و ربیعہ

۱؎ اخبار مکہ ازرقی و سیرۃ ابن ہشام مقدمہ ۲؎ صحیح بخاری ابن ہشام ۳؎ ابن ہشام

پرستار	مقام	نام
ثقیف	طائف	یالیل
خثعم وبجیلہ	تبالہ	ذوالخلصہ
عنزہ		سعیر
سعدالعشیرہ		فراص

بعض قبائل ستارہ پرست تھے، قیس جو عدنانی قبائل میں بہت بڑا قبیلہ تھا، شعریٰ پوجتا تھا، قبیلہ کنانہ چاند کا پرستار تھا، اسد کا قبیلہ عطارد کی پرستش کرتا تھا، تمیم، ستارہ دبران[۱] پوجتے تھے، قریش اور ان کے دیگر ہم نسب قبائل جس ہبل کو پوجتے تھے، ہمارے قدیم علمائے لغت تو کچھ نہیں بتاتے، مگر حسب تحقیقات موجودہ درحقیقت ستارہ زحل تھا۔

چند اور بتوں کے نام لغت کی کتابوں میں متعدد ایسے بتوں کے نام ملتے ہیں جن کی نسبت یہ تفصیل نہیں معلوم کہ یہ کس قبیلہ کے معبود تھے، اور عرب کے کس بت خانہ میں ان کی پرستش ہوتی تھی، مثلاً کسعہ، جبہہ، جریش، شارق، عوف، بجہ، یہ نام علامہ فیروز آبادی کی قاموس سے التقاط کئے گئے ہیں، عرب میں ایک اور بت تھا جس کو دوار کہتے تھے، عورتیں اور نوجوان لڑکیاں اس کے چاروں طرف طواف کرتی تھیں، چنانچہ امراء القیس کہتا ہے:

فعن لنا سرب کان نعاجـــہ　　　عذاریٰ دوار فی ملاء مذیل

ہمارے سامنے ہرنوں کا گلہ آیا جس کی ہرنیاں "دوار" کی نا کتخدا لڑکیاں معلوم ہوتی تھیں،

جو بڑے بڑے دامن کی چادریں اوڑھے ہوں۔

گذشتہ صفحات میں جن بتوں اور دیوتاؤں کے نام لکھے گئے ہیں، گو وہ بہت تفحص اور تلاش سے جمع کئے گئے ہیں، تاہم ان کی اصلی تعداد کا احاطہ نہیں ہوسکتا، بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آں حضرت ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے ہیں، تو اس وقت خلیل بت شکن کا معبد ۳۶۰ بتوں کا مسکن تھا،[۲] یہ خانہ کعبہ کے اندر کے بتوں کی تعداد ہے، اس کے علاوہ ملک کے گوشہ گوشہ میں جو بت تخ رب تھے، ان کی کثرت کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے، قاعدہ کے مطابق خاص بنائے ہوئے بتوں کے علاوہ عربوں کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ راستہ چلتے چلتے جو اچھا

---

[۱] ابن صاعد اندلسی صفحہ ۴۳ بیروت　　[۲] صحیح بخاری فتح مکہ

سا پتھر بھی ان کو مل جاتا اس کو دیوتا بنا لیتے تھے، اگر کبھی اس سے اچھا پتھر مل گیا تو پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیتے تھے، اگر بد قسمتی سے کوئی پتھر ہاتھ نہ آتا تو مٹی کا گول پنڈ ابنا کر بکری کا دودھ اس پر ڈالتے تھے اور پھر وہ دیوتا بن جاتا تھا[1]، عرب میں ایک قبیلہ تھا، جس نے آٹے کی مورت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی[2]۔

ان پتھر اور مٹی کی مورتوں کے علاوہ بھوت پریت پر بھی ان کا اعتقاد تھا، ان کو خدا سمجھ کر یا خدا کا مقرب سمجھ کر پوجتے تھے[3]، عرب میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ایک خدائے اعظم کے قائل تھے، لیکن اس کے ساتھ وہ جنوں کو اور فرشتوں کو بھی اس لئے پوجتے تھے کہ ان کو وہ خدا کا مقرب اور اپنا سفارشی سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے، یہ کل پتھر کی مورتیں نہ تھیں، اتنی تعداد تو کعبہ کی وسعت میں سما بھی نہیں سکتی تھی، بلکہ ان میں ایک خاصی تعداد رنگین تصاویر کی تھی، دیواروں پر بزرگوں اور دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ کعبہ تمام عرب کا مرکز تھا اس لئے ہر فرقہ کے معبود اور بزرگان دین کا اس گھر میں مجمع تھا، چنانچہ بتوں کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کی دیواروں پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت مسیحؑ، اور حضرت مریمؑ کی تصویریں تھیں اس سے کعبہ کے یہودیوں، اسماعیلی عربوں اور عیسائیوں کے لئے بھی مرجع القلوب بننے کا دعویٰ سمجھا جا سکتا ہے، بعض ارباب فکر نے کعبہ کے ۳۶۰ بتوں کی تشریح یہ کی ہے کہ سال کے ہر دن کے لئے ایک نیا بت تھا، سال کے ۳۶۰ دنوں کی تقسیم مدت کے لئے ۳۶۰ بت تھے لیکن ہمارے نزدیک یہ تشریح اس لئے صحیح نہیں کہ تمام اصنام ایک قوم یا قبیلہ کے معبود نہ تھے، بلکہ جدا جدا قوموں اور جدا جدا قبیلوں کے تھے، اور وہ ایک کعبہ میں اس لئے جمع کر دئے گئے تھے کہ تمام عرب کی مرجعیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

عرب میں دیگر مذاہب کا وجود بت پرستی کے علاوہ عرب میں بعض اور مذاہب بھی موجود تھے بلکہ ان میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو ملحد اور بے دین تھے، عربوں میں قیامت اور دوبارہ زندگی کے انکار کا خیال عام طور سے پایا جاتا ہے، عام مذاہب میں سے یہ مذہبوں کا وجود عرب میں غیر مشکوک طریقہ سے تھا، صابئیت، مجوسیت، یہودیت، اور عیسائیت، صابئیت یعنی ستارہ پرستی زیادہ تر اہل یمن میں نظر آتی ہے، اور کسی قدر شمالی عرب میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے، اور یہ نہایت قدیم زمانہ سے

---

[1] صحیح بخاری وفد بنی حنیفہ [2] سیرۃ ابن ہشام مقدمہ [3] صحیح مسلم کتاب التفسیر

عرب میں موجود معلوم ہوتا ہے، مجوسیت نے عرب پر بہت کم اثر ڈالا تھا، حالانکہ سیاسی حیثیت سے آخر زمانہ میں اہل ایران، یمن، عمان اور دیگر ساحلی مقامات پر قابض تھے، کیقباد کے عہد میں امراء القیس کے باپ حجر آکل المرار شاہ کندہ نے مجوسیت اس لئے اختیار کرلی تھی کہ شاہ ایران کا وہ ملک عرب میں نائب بن سکے، اس کے علاوہ اور بھی خال خال مجوسی تھے، قبیلہ تمیم میں زرارہ بن عدس اور اس کا بیٹا حاجب اور اقرع بن حابس اور اسود بھی اسی مذہب کے پیرو تھے۔

عیسائیت شام کا شاہی مذہب تھا، اسی لئے شمالی عرب کے وہ قبائل جو حدود شام میں جا کر آباد ہو گئے تھے، انھوں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا، چنانچہ لخم، جذام، عاملہ، مذحج، بہرا، سلیح وغیرہ قبائل میں عیسائیت عام تھی، حدود شام کے عرب رؤسا جن کو غسان کہتے ہیں عیسائی تھے، حدود شام سے بڑھ کر عیسائیت کی تبلیغ حدود عراق تک پہنچ چکی تھی، تغلب اور تنوخ کے قبیلے جو عراق کی سمت میں پھیلے تھے عیسائی تھے، حیرہ کے عرب بادشاہوں نے گو مستقل طور سے عیسائیت قبول نہیں کی تاہم اس بنا پر کہ ان کے حرم میں عیسائی عورتیں تھیں، ان میں متعدد بادشاہ عیسائی ہو گئے تھے حیرہ میں ان ہی عورتوں نے دیر اور کلیسے بنوائے تھے، یہاں راہب لوگ رہتے تھے، اور ان کے ذریعہ سے یہاں نوشت و خواند کا کسی قدر رواج تھا، چنانچہ سلاطین حیرہ کے حالات ان ہی دیروں میں مورخین اسلام نے قلم بند پائے تھے۔

اندرون عرب میں بھی عیسائیت کے نشانات ملتے ہیں، طے کا قبیلہ جو نجد کے قریب آباد تھا، عیسائی تھا، قبیلہ قریش کے خاندان بنی اسد میں چند آدمی عیسائی ہو گئے تھے، جن میں ورقہ بن نوفل کا نام تو احادیث صحاح میں مذکور ہے، عثمان بن حویرث بھی اسی خاندان کے ایک عیسائی تھے، اوس و خزرج میں بھی ایک دو آدمی عیسائی تھے جنوبی عرب میں نجران ایک مقام ہے، وہاں تمام تر لوگ عیسائی تھے، وہاں کلیسا بھی تھا، جس میں راہب رہا کرتے تھے، خاص یمن کے اندر باوجود اس کے کہ عیسائی حبشیوں نے ۴۰۔۵۰ برس حکومت کی، عیسائیت فروغ نہ پا سکی، تمام سلاطین یمن میں عبد کلال نام ایک بادشاہ صرف عیسائی تھا۔

لیکن بجائے اس کے یہودیت نے یہاں بڑا برگ و بار پیدا کیا، حمیر یہودی تھے، کنانہ بنی الحارث بن کعب اور کندہ میں بھی یہودیت تھی، یثرب سے شام تک عرب کے اکثر سبز مقامات یہودیوں کے قبضہ میں تھے، بنو قریظہ، بنو قینقاع، اہل خیبر، تمام کے تمام یہودی تھے (۱) یثرب یعنی مدینہ منورہ میں

(۱) یہ تمام بیانات مذکورہ معارف ابن قتیبہ اور یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۸ سے ماخوذ ہیں۔

یہودیوں کی آبادی تھی، یہاں ان کا ایک بیت المدراس تھا، جہاں علمائے یہود اپنی مذہبی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کر کے سامعین کو سنایا کرتے تھے[۲]، یثرب میں یہودیوں کے مذہبی تقدس کا اتنا اثر تھا کہ اوس وخزرج کے قبیلوں میں لوگ نذر مانتے تھے کہ بچہ اگر زندہ رہا تو اس کو یہودی بنائیں گے[۳]۔

پروفیسر ڈوزی جو عربی کا بہت بڑا عالم جرمنی میں گذرا ہے، اس نے ''مکہ میں بنی اسرائیل'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل شام سے بھاگ کر حجاز کے شہر میں آکر آباد ہو گئے تھے، اور کعبہ ان ہی کا بنایا ہوا معبد ہے جس کو انھوں نے ہبعل (بعل) دیوتا کے نام سے جس کو وہ اکثر گمراہی کے زمانہ میں پوجا کرتے تھے، تعمیر کیا تھا، عربوں میں اس دیوتا کا نام ہبل مشہور تھا، اور جو محمد ﷺ کے زمانہ تک خانہ کعبہ میں نصب تھا[۴]۔

پروفیسر موصوف کے اس نظریہ نے گو جرمنی کے اکثر یہودی علماء میں برافروختگی پیدا کر دی، لیکن ہم مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے، اس رائے میں صرف اتنی ترمیم چاہتے ہیں مکہ میں بنی اسرائیل نہیں بلکہ اسرائیل کے عمزاد بھائی بنی اسماعیل آکر آباد ہوئے تھے اس گھر کو بنی اسرائیل نے نہیں بلکہ ان کے دادا ابراہیم نے تعمیر کیا تھا، وہ ''ہبل'' کے نام سے نہیں بلکہ ''خدائے عزوجل'' کے نام سے بنایا گیا تھا۔

[۱] یہ تمام بیانات مذکورہ معارف ابن قتیبہ اور یعقوبی جلد اول صفحہ ۲۹۸ سے ماخوذ ہیں۔ [۲] صحیح بخاری
[۳] ابوداؤد [۴] ڈوزی کی تاریخ مسلمانان اسپین کا مقدمہ ترجمہ انگریزی

قرآن مجید
اور
مذاہب عرب قبل اسلام

گذشتہ صفحات میں عرب کے مذاہب کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ اسلام کو آغاز بعثت میں کسی ایک سے نہیں، بلکہ سیکڑوں مذاہب اور مختلف الاصول عقائد سے برسر پیکار ہونا پڑا، یہ پڑھ چکے ہو کہ عرب، اختلاف عقائد اور کثرت مذاہب کی بنا پر گویا کائنات مذہبی کا عالم اصغر تھا، اور تعجب نہیں کہ قرآن کے نزول کے لئے عرب کی سرزمین کا انتخاب منجملہ اور وجوہ کے اس بنا پر بھی ہو کہ یہاں بحث ومناظرہ کے لئے اس کو ہر قسم کے مخاطب اور ہر مذہب کے وکیل مل جائیں گے۔

ا۔ مذہب کی ابتدائی تاریخ کا مظہر یعنی "اعاظم پرستی"[1] عرب میں موجود تھی صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ "عرب کے مشہور بت لات، ود، یغوث، وغیرہ پہلے زمانہ کے بزرگوں کے نام ہیں، بعد میں اہل عرب ان کی مورتیں بنا کر پوجنے لگے"، قرآن مجید کی ذیل کی آیت پاک میں اسی مذہب کی تردید کرتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ (اعراف:۱۹۴)	خدا کے سوا اور جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح "مخلوق" ہیں۔
إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا (مریم:۱۰۶)	آسمانوں وزمین میں جو بھی ہے وہ خدا کے سامنے "غلام" بن کر آنے والی ہے۔

قرآن مجید نے جابجا کائنات کی ہستیوں کو خدا کی مخلوق بیان کیا ہے، اس سے مقصود یہی

[1] یعنی ہر اس شے کی پرستش جو انسان کی نظر میں بڑی معلوم ہو۔

ہے کہ یہ چیزیں لائق پرستش نہیں ہیں، اوپر گذر چکا ہے کہ انسان پہلے گھنے درخت، اونچے پہاڑ، مہیب جانور، روشن چاند، اور چمکنے والے سورج اور ستاروں کی پرستش کرتا تھا، کیوں کہ یہ چیزیں اس کو بڑی اور اپنی ہستی ان کے آگے حقیر نظر آتی تھی، قرآن نے اس کی تردید کی:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ (حج:۱۰۷)	کیا نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین میں جو بھی ہے اور چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور جانور سب خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں۔

۲۔اس کے بعد ''قوی پرستی'' کا درجہ ہے، قرآن مجید میں بیسیوں مقام پر قوائے فطریہ کو خدا کا مخلوق اور اس کے حکم سے انسان کا تابع فرمان بیان کیا ہے، اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں خود انسانوں کے لئے بنائی گئی ہیں، انسان کا ان کو اپنا معبود ٹھہرانا انتہائی حماقت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ (حج:۶۵)	کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے خشکی میں جو کچھ ہے اور کشتیاں جو تری میں چلتی ہیں ان کو تمہارے تابع فرمان کر دیا ہے، وہی آسمانوں کو روکے ہے کہ زمین پر نہ آ پڑیں لیکن اس کے حکم سے۔
وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ (نحل:۱۴)	اور اسی نے سمندر کو مسخر کیا۔
اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ (جاثیہ:۱۲-۱۳)	وہ اللہ جس نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا تا کہ اس میں اس کے حکم سے جہاز چلیں اور خدا کی روزی ڈھونڈو اور شکر کرو اور جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے اس نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔
هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ؕ	وہی ہے جو خوف اور امید کی حالت میں تم کو بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور (پانی سے) بوجھل بادلوں کو ابھارتا ہے اور وہی ہے جس کی حمد و تسبیح بادلوں کی گرج اور فرشتے اس کے خوف سے کرتے ہیں اور وہی بجلیوں کی کڑک بھیجتا ہے اور جس پر چاہتا ہے اس کو گرا دیتا ہے، کیا یہ کافر خدا کی بابت جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ وہ بڑی قوت والا ہے۔

اس کے ہم معنی قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ملیں گی۔

۳۔ تیسرا درجہ "ستارہ پرستی" کا ہے، جس میں چاند اور سورج کو اپنی عظمت کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے، حضرت ابراہیم کے قصہ میں ستارہ پرستی کی نہایت روشن دلائل کے ساتھ تردید کی گئی ہے، اس کی مزید تفصیل صابئیت کے ذکر میں آئے گی۔

مخصوص ستاروں کی پرستش کے متعلق اوپر گذر چکا ہے کہ مشہور قبیلہ قیس ستارہ شعریٰ کا پرستار تھا، قرآن نے کہا:

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝	(النجم:۴۹)	اور وہی خدا شعریٰ کا مالک ہے۔

قبیلہ کنانہ چاند کو اور حمیر آفتاب کو پوجتے تھے، قرآن مجید ان کو خطاب کر کے کہتا ہے:

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ	(حم سجدہ:۳۷)	آفتاب و ماہتاب کو سجدہ نہ کرو۔

قوم سبا کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ وہ آفتاب کو پوجتی تھی، قرآن ایک بے زبان لیکن گویا پرندہ کی زبانی ان کو الزام دیتا ہے:

يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	(نمل:۲۴)	خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔

عرب کے مستند مذاہب قرآن مجید کے نزول کے وقت عرب میں جو مستند مذاہب رائج تھے، وہ حسب ذیل تھے، یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابئیت، حنفیت، کے علاوہ اور مذاہب کو متعدد موقعوں قرآن نے یکجا بیان کیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ	(بقرہ:۶۲)	جو ایمان لائے ہیں (مسلمان) جو یہودی بنے ہیں اور نصاریٰ اور صابی
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى	(مائدہ:۶۹)	جو ایمان لائے ہیں جو یہودی بنے ہیں اور صابئی اور نصاریٰ
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا	(حج:۱۷)	جو ایمان لائے ہیں جو یہودی بنے ہیں اور صابئی اور نصاریٰ اور مجوس اور جو مشرک ہیں۔

اب ہم بہ ترتیب ایک ایک مذہب کو لے کر بیان کرتے ہیں۔

یہودیت یہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہودیت عرب کے کن قبائل میں تھی؟ یہاں یہ سوال ہے کہ کیا عرب کے یہودی دوسرے ملکوں کے یہودیوں سے کچھ الگ اعتقاد رکھتے تھے؟ قرآن مجید نے عرب کے یہودیوں کے ذمائم اخلاق کو تو کھول کھول کر بیان کیا ہے، لیکن ان کے اعتقاد پر کوئی خاص

حملہ نہیں کیا، صرف ایک موقع پر یہ آیت ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ (توبہ:۳۶) یہود نے کہا عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔

عزیر سے مراد عزرا کاہن ہیں، جنھوں نے توراۃ کو اپنے اعجاز سے دوبارہ زندہ کیا۔

معترضین اسلام کا بیان ہے کہ یہودیوں میں عزیر کی ابنیت کا کوئی عقیدہ نہیں ہے اس لئے قرآن کا یہ دعویٰ سراسر خلاف واقع ہے، اس اعتراض کا سرسری جواب تو جیسا بیضاوی نے لکھا ہے یہ ہے کہ قرآن نے اپنی یہ آواز مدینہ میں یہودیوں کے مجمع اندر بلند کی، اور کہیں سے ان کی تکذیب اور خلاف واقعیت کی صدا نہ اٹھی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ عرب کے یہودیوں میں اعتقاد تھا، ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں اس اعتقاد کے چند لوگ موجود تھے، ابن حزم نے ملل میں لکھا ہے کہ یہودیوں کا صدوقی فرقہ جو یمن میں تھا اسی کا یہ عقیدہ تھا[1]۔

میرے نزدیک اصل یہ ہے کہ یہودیوں میں ابنیت کا تخیل نہایت قدیم ہے، تکوین کے چھٹے باب میں ہے کہ:

"خدا کے بیٹوں نے دیکھا کہ انسان کی بیٹیاں خوبصورت ہیں۔"

ابن اللہ کے معنی عبرانیوں کے محاورہ میں خدا کے محبوب اور پیارے کے تھے، اسی لئے مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں کا دعویٰ تھا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ:۱۸) ہم خدا کے فرزند ہیں اور اس کے چہیتے ہیں۔

ایسی حالت میں یہود عرب اگر عیسائیوں کے مقابلہ میں ان کا غرور توڑنے کے لئے حضرت عزیرؑ کو حضرت عیسیٰؑ کا مماثل اور ہمسر قرار دیتے ہوں تو کیا عجب ہے، قرآن نے بھی اسی موقع پر یہودیوں کے اس قول کو نقل کیا ہے، چنانچہ پوری آیت یہ ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (توبہ:۳۰)

یہود نے کہا عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح خدا کا بیٹا ہے، یہ ان کا صرف زبانی دعویٰ ہے۔ یہ اگلے کافروں کی بات کی نقل اتارتے ہیں۔

آیت بالا کے اخیر کے مطلب بیان کرنے میں ہمارے مفسر مضطرب البیان ہیں کہ ابنیت کے مسئلہ میں یہ کس اگلی قوم کے عقیدہ کی نقل اتارتے ہیں، درحقیقت یہ تخیل تمام بت پرست قوموں کی

[1] الملل والنحل جز اول ص ۹۹

میتھالوجی کا جز رہا ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں نے جس قوم سے اس عقیدہ کو حاصل کیا وہ اہل مصر ہیں اور یہودی فرقہ نے عیسائیوں کی دیکھا دیکھی یہ کلمہ منہ سے نکالا۔

عیسائیت عرب میں عیسائیوں کا کون سا فرقہ آباد تھا، خود عرب میں تو عیسائی حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے سے ناپید ہیں۔ اسی لئے عیسائیوں کا ہر فرقہ مدعی ہے کہ وہ ہمارے ہم مذہب تھے؟ ابوالفرج ملطی جو چھٹی صدی میں ایک یعقوبی العقیدہ عرب عیسائی مورخ تھا، بوثوق تمام کہتا ہے کہ "عرب تمام تر یعقوبی (جاکوبائیٹ) تھے" اس کی تاریخ کا عیسائی محشی جو بیروت کا ایک مشہور کیتھولک فاضل ہے دعویٰ کرتا ہے کہ "نہیں وہ کیتھولک تھے" کیوں کہ کیتھولک رومیوں کے ساتھ ان کے تعلقات تھے[1] ڈریپر کا منشا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسطوری تھے[2]، ہم کو حافظ کا فیصلہ پسند ہے:

بیا کاین داور یہارا — بہ پیش داور اندازیم

خدا کی کتاب یعنی قرآن مجید میں عیسائیوں کے عقیدوں کی چار مقام پر تردید کی گئی ہے۔

يَٰأَهْلَ الْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا۟ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلْقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۖ وَلَا تَقُولُوا۟ ثَلَٰثَةٌ ۚ انتَهُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ سُبْحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٌ

اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھو اور خدا کی نسبت حق بات کے سوا کچھ اور منہ سے نہ نکالو، مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح صرف خدا کے رسول تھے اور اس کے حکم جو مریم تک پہنچا دیا گیا اور اس کی طرف سے ایک (بھیجی ہوئی) روح تھے، پس خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین (خدا) نہ کہو اس سے باز آؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے، خدا تو ایک ہی خدا ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی لڑکا ہو۔

دوسری آیت:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ

(مائدہ: ۱۷)

وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ یہی مسیح ابن مریم خدا ہیں۔

تیسری آیت:

لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّآ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۚ

(مائدہ: ۷۳)

وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔

(۱) تاریخ مختصر الدول ملطی مطبوعہ بیروت، ص ۱۴۸۔ (۲) معرکہ مذہب و سائنس

چوتھی آیت:

یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (مائدہ:۱۱۶)

اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا کہ خدا کے سوا مجھ کو اور میری ماں کو بھی دو خدا مانو۔

ہمارے ملک کے عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے ہم عیسائیوں کی طرف مختلف قسم کے عقائد منسوب کیے ہیں، جو ہمارے نہیں مثلاً حضرت مریم کو خدا سمجھنا اور صرف حضرت عیسیٰ کو خدائے واحد ماننا، ان میں سے کوئی چیز ہمارے اعتقادات میں داخل نہیں لیکن شاید ان بے خبروں کو معلوم نہیں کہ پندرھویں صدی عیسوی کا پیدا شدہ پروٹسٹنٹ فرقہ چھٹی صدی کے عرب میں موجود نہ تھا، عرب نسطوری، یعقوبی، مارونی، اور ملکانی فرقے کے عیسائی آباد تھے، جن کے عقائد یورپ کے نئے فرقوں سے الگ تھے۔

پہلی آیت عیسائیت کے ان تثلیث پرست فرقوں سے متعلق ہے، جو باپ بیٹے اور روح القدس تینوں کی مستقل الوہیت کے قائل ہیں، اس آیت میں ان کے عقیدہ کلمۃ اللہ (ورڈ آف گاڈ یالوگس) کے صحیح معنی بھی بیان کیے گئے، جسکی صحیح تعبیر میں عیسائی فرقے باہم ایک دوسرے سے ایک مدت سے معرکۃ الآرا تھے، دوسری آیت جس میں یہ بیان ہے کہ مسیح ہی خدا ہے، یہ یعقوبی فرقہ (جاکوبائیٹ) کی تردید ہے، اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح کی ایک ہی ذات خود خدا ہے، اس میں شائبہ انسانیت (ناسوتیت) نہیں وہ خدا ہی تھا جو مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا، تیسری آیت نسطوری (نسطورین) اور ملکانی (کیتھولک) فرقہ کی تردید میں ہے، جو اس بات کے مدعی ہیں کہ باپ الٰہ کامل ہے، بیٹا لاہوتی، و ناسوتی دونوں سے مرکب ہے، روح القدس الوہیت کا تیسرا عنصر (اقنوم) ہے۔

جس آیت میں مریم کی خدائی کا ذکر ہے وہ عیسائیوں کے ان فرقوں کی تردید میں ہے جو اقانیم ثلثہ کے ساتھ مریم کو خدا کی ماں کی حیثیت سے لائق پرستش جانتے تھے، نسطوری فرقہ خاص اسی مسئلہ کے سبب سے رومن کیتھولک سے الگ ہے، کیوں کہ نسطوری مریم کو لائق پرستش نہیں سمجھتا تھا اور اسی لئے اس کو قسطنطنیہ سے جلاوطن ہونا پڑا، مارونی یا مریمی فرقہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے باپ بیٹے اور روح القدس کی جگہ باپ اور بیٹے کی ماں کو مانا[1]، عرب میں عورتوں کا ایک فرقہ تھا جو مریم کو خدا سمجھ کر پوجتا تھا[2]، علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ ان میں بربرانی فرقہ تھا جو مسیح اور مریم دونوں کو خدا سمجھتا تھا[3]۔

---

[1] ڈریپر معرکۂ مذہب وسائنس و قرآن سیل، مقدمہ ص ۲۷ [2] برٹانیکا طبع ۱۱، لفظ مریم [3] فصل فی الملل والنحل ج ۱ ص ۴۸

روح القدس کو عیسائیت کے اکثر فرقے حضرت عیسٰیؑ کے ساتھ الوہیت کا تیسرا اقنوم سمجھتے ہیں، مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق روح القدس فرشتہ کا نام ہے، اسی لئے قرآن نے کہا:

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿آل عمران: ۸۰﴾
اور خدا یہ حکم تم کو نہیں دیتا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بناؤ کیا اسلام لے آنے کے بعد تم کو کفر کا حکم دے گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ملک عرب میں کن کن فرقوں کے عیسائی آباد تھے، خدا جانے کن اسباب سے عربوں کو حضرت عیسٰیؑ سے محبت نہ تھی، اور اسی لئے وہ اسلام سے بگڑ کتے تھے، وہ کہتے تھے کہ عیسائیوں کے خدا کا بیٹا ہمارے دیوتاؤں سے کس بات میں اچھا ہے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ وَقَالُوٓا ءَأٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ (زخرف: ۵۸)
جب ابن مریم کا حال بیان کیا جاتا ہے تو تیری قوم اس سے ہنستی ہے، کہتے ہیں ہمارے دیوتا اچھے ہیں یا وہ۔

اس آیت سے عیسائیوں کے اس دعوے کی بنیاد کھوکھلی ہو جاتی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں عیسائیت کو بڑا فروغ اور قبول عام حاصل تھا۔

مجوسیت مجوسیت ایران کا قدیم مذہب ہے جس کا بانی زرتشت بتایا جاتا ہے، زرتشتی خود اپنے کو مجوس نہیں کہتے، عربی میں مجوس کا لفظ یونانی سے آیا ہے، یونانی ان کو 'مجوس' کہتے ہیں، اصل فارسی لفظ مغ ہے، مجوس، یزداں، اور ہرمن دو خداؤں کے قائل تھے، ایک فاعل خیر (یزداں) اور دوسرا فاعل شر (اہرمن) یزداں کو نور اور اہرمن کو ظلمت سے بھی تعبیر کرتے تھے قرآن نے عرب کے مجوسی اعتقاد کا ابطال بھی ضروری سمجھا، چنانچہ کہتا ہے:

قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوٓا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النحل: ۵۱)
خدا نے فرمایا کہ دو خدا نہ بناؤ، خدا تو ایک ہی ہے۔

میری رائے میں قرآن مجید کی یہ آیتیں:

اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (نور: ۳۵)
خدا آسمان و زمین کی روشنی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّورَ (انعام: ۱)
حمد ہو اس اللہ کی جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور تاریکی اور روشنی کو بنایا۔

ان ہی مجوس کے رد میں ہیں۔ مجوس کا نام ایک ہی دفعہ قرآن میں آیا ہے، سورۂ حج میں۔

صابئیت قرآن مجید میں صابئین کا نام جیسا کہ اوپر کی آیتوں میں گذر چکا ہے، تین دفعہ آیا ہے، لیکن نام کے علاوہ کچھ اور حقیقت واضح نہیں کی ہے، اس لئے اس کی تحقیق کہ اس مذہب کے اصول کیا تھے،

اس کا مولد کہاں تھا، اس کا بانی کون تھا؟ کس کے نام سے یہ فرقہ قائم تھا، بہت کم کی جا سکی ہے، حالانکہ دین حنیف جس کی جانشینی کا مذہب اسلام مدعی ہے، اس کی حقیقت کا انکشاف بہت کچھ صابی مذہب کے فہم وتشریح پر منحصر ہے، مفسرین، شراح حدیث، ارباب لغت، اور مورخین بھی صابیت کی تعیین حقیقت میں نہایت مختلف الرائے ہیں، ان مختلف اسباب سے ہم اس داستان کو ذرا پھیلا کر لکھنا چاہتے ہیں۔

مختصر حال صابئین کا اصل مولد بابل تھا، آغاز باب میں بتایا جا چکا ہے کہ اس ملک میں ستارہ پرستی کا رواج مدت سے تھا، اسی کے ساتھ ان میں ارواح پرستی بھی تھی، ستاروں کے ہیکل ان کے معبد تھے، عربی اور انگریزی دونوں شہادتوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ عراق کا نہایت قدیم مذہب تھا، رفتہ رفتہ سیاسی انقلابات کے ساتھ ساتھ ان پر جو مذہب غالب آتا گیا، ان کے کچھ اجزاء اس میں شامل ہوتے گئے ان میں بنی اسرائیل کی یہودیت، ایرانیوں کی مجوسیت، یونانیوں کا فلسفہ، رومیوں کی عیسائیت، ہر چیز میں سرایت کر گئی تھی، خدائے واحد پر ان کا اعتقاد تھا، لیکن ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے، تین وقت ستاروں کی پوجا کرتے تھے، صبح کو تا طلوع آفتاب، دوپہر کو عین زوال کے وقت، شام کو آفتاب[1] ڈوبنے تک، ان کا اعتقاد تھا کہ تمام ستاروں کا مرکز قطب شمالی ہے، تمام ستارے آغاز عالم سے ہر وقت اپنی جگہ ہٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں، لیکن قطب کا تارہ ہمیشہ ایک حال پر اپنی جگہ قائم رہتا ہے، اس لئے وہ قبلہ ہے، اسی طرف منہ کر کے وہ اپنی دعا اور مناجات پڑھا کرتے ہیں، دن میں تین دفعہ ہر نماز کے لئے ان کو غسل کرنا پڑتا ہے۔

مسلمانوں کے بیانات اس تفصیل کے بعد اس مذہب کے متعلق مفسرین کے الفاظ سننے چاہئیں حافظ ابن کثیر نے سورہ بقرہ کی آیت والصابئین کی تفسیر میں تمام اقوال نقل کر دئے ہیں:

مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، سفیان ثوری	صابی یہود و نصاریٰ اور مجوس کے بین میں ایک قوم ہے جس کا کوئی خاص مذہب نہیں۔
ابو العالیہ، ربیع بن انس، سدی، جابر بن زید اسحٰق بن راہویہ	صابی اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتا ہے۔
حسن بصری	یہ مجوس کے مشابہ ہیں، فرشتوں کو پوجتے ہیں۔
ابو جعفر رازی، قتادہ	صابی فرشتہ پرست ہیں، زبور پڑھتے ہیں اور قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے ہیں۔

[1] اسی لئے ان تین اوقات میں اسلام میں نماز ناجائز ہے کہ تشابہ نہ ہو۔

ابوالزناد	صابی ایک قوم ہے جو عراق کے قریب کوثی میں رہتی ہے ،تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتی ہے، ہر سال تیس روزے رکھتی ہے، پانچ وقت یمن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتی ہے۔
وہب ابن منبہ	صابی وہ مذہب ہے جو خدا کی توحید کا قائل ہو لیکن اس کے پاس کوئی شریعت نہ ہو۔
عبدالرحمٰن بن زید	صابی موصل میں ایک قوم ہے جو توحید کی قائل ہے لیکن عبادات، کتاب الٰہی اور پیغمبر سے محروم ہے۔
خلیل	صابی مذہب عیسائیوں سے ملتا جلتا ہے، ان کا قبلہ بادجنوب کے بہنے کا رخ ہے ،وہ سمجھتے ہیں کہ ہم حضرت نوحؑ کی شریعت پر ہیں۔
مجاہد،حسن بصری، ابن ابی نجیح (بروایت قرطبی)	یہ ایک قوم ہے،جس کا مذہب یہود اور مجوس سے مرکب ہے۔
بعض علمائے متاخرین	حاصل یہ ہے کہ موحد ہیں لیکن تاثیر کواکب کے قائل ہیں۔
امام رازی	صابی ستارہ پرست قوم جو ستارہ کو اس اعتقاد سے پوجتی ہے کہ خدا نے اس کو قبلہ بنایا ہے اور تدبیر عالم اس کے سپرد کیا ہے۔
حافظ ابن کثیر	مجاہد اور ان کے پیروؤں اور وہب بن منبہ کا قول درست معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ یہود، نہ عیسائی ،نہ مجوس اور نہ مشرکین کے مذہب میں ہیں، بلکہ سادہ خلقت پر قائم ہیں، کسی خاص مذہب کے متبع نہیں۔

ابن ندیم نے فہرست کے ایک طویل باب میں صابئین کا ذکر کیا ہے، اور ان کے تمام اعمال وعقاید لکھے ہیں کہ یہ اپنے کو حضرت ابراہیمؑ کے پہلے کے پیغمبر حضرت نوحؑ اور شیثؑ کا پیرو کہتے ہیں، ایک صحیفۂ شیث بھی ان کے پاس ہے، جس میں اخلاقی باتیں درج ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے صابئین کی تحقیق پر ''الرد علی المنطقیین'' میں جو کچھ لکھا ہے، وہ محققانہ ہے، ہم اس کا یہاں لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں:

"ان صائبین کا خاص مرکز حران تھا، حضرت ابراہیمؑ یہیں پیدا ہوئے تھے، یا عراق سے یہاں آئے تھے، دونوں قول ہیں یہاں علت اولیٰ عقل اول نفس کلیہ کے ہیکل تھے، نیز زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر کے ہیکل تھے، عیسائیت سے پہلے ان کا یہی مذہب تھا، عیسائیت کے بعد ان مشرک صائبین کے بقا کے ساتھ ساتھ ان میں عیسائیت پھیلی، یہاں تک کہ اسلام آیا اور وہاں یہ صابئین اور فلاسفہ حکومت اسلامی میں آخر وقت تک موجود رہے، ان ہی میں سے وہ صابئین تھے جو بغداد وغیرہ میں طبیب یا منشی تھے، ان میں سے بعض اسلام نہ لائے چوتھی صدی میں فارابی جب حران گیا ہے، تو انہی سے فلسفہ سیکھا...... اہل دمشق وغیرہ کا مذہب بھی عیسائیت سے پہلے یہی تھا، ان کی نماز کا قبلہ قطب شمالی تھا، اسی لئے دمشق میں بہت سی کہنہ مسجدیں ہیں جن کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف بھی ہے[1]، دمشق کی جامع مسجد کے نیچے ایک بہت بڑا معبد ہے، جس کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف ہے، یہ ان ہی لوگوں کا معبد ہے۔"

علامہ موصوف نے اس کے بعد صائبین کی دو قسمیں کی ہیں، ایک موحدین، یہ وہ ہیں، جنھوں نے حضرت ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی کی، دوسری جماعت وہ تھی جو مشرک تھی، قرآن شریف نے دو حیثیتوں سے صابئین کا ذکر کیا ہے، ایک میں اول کا ذکر ہے اور دوسرے میں دوم کا۔

علامہ ابن حزم ظاہری نے ملل میں لکھا ہے کہ صائبیت دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے، شہرستانی نے اپنی ملل میں صابئیہ اور حنفیہ کا باہم دو متقابل مذہبوں کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، اور ان کے اختلافات و مناظرات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ صائبین خدا کے قائل ہیں، رسالت کے قطعاً منکر ہیں، خدا اور بندوں کے درمیان یہ ستارے جو ذی روح ہیں، متوسط ہیں، اور اس لئے ان کے خوش رکھنے کی ضرورت ہے، اور اسی بنا پر ان کی پرستش کی جاتی ہے، حنفیہ رسالت کے قائل ہیں اور صاحب رسالت ہی کو خدا اور بندہ کے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں۔

قدیم عیسائی بیان چھٹی صدی کا ایک عیسائی مورخ اپنی تحقیق کی بنا پر نہایت وثوق کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ صابئین کا مذہب قدیم کلدانیوں کا مذہب ہے، قطب شمالی ان کا قبلہ ہے، تین وقت کی نماز یہ پڑھتے ہیں، اول طلوع آفتاب کے آدھ گھنٹہ پہلے سے طلوع آفتاب تک ۸ رکعتیں دوسرے عین زوال آفتاب اور تیسرے عین غروب کے وقت پانچ پانچ رکعتیں، ہر رکعت میں تین سجدے۔ روزے بہت ہیں اول تین روزے ایک ساتھ، ۸ آذر (مارچ) سے نوروزے ایک دفعہ ۹ کانون اول

[1] گویا .... ہونے کے بعد ہی ہیکل مسجد بن گئی۔

(دسمبر) پھر سات دن کے روزے ۸ شباط (فروری) سے ستاروں کی یہ پرستش کرتے ہیں، قربانیاں کثرت سے کرتے ہیں، لیکن کھاتے نہیں۔ بلکہ جلا دیتے ہیں، ان کی باتیں حکماء سے مشابہ ہوتی ہیں، توحید کے مسائل ان کے ہاں نہایت مضبوط ہیں، لہسن، لوبیا، کرم کلا، اور مسور نہیں کھاتے، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ گنہگار ۹ ہزار دورہ میں عذاب اٹھا کر آخر رحمت الٰہی کے سایہ میں داخل ہو جائے گا۔

علمائے یورپ کا بیان اہل یورپ کو اس فرقہ کا حال ابتداً ایک یورپین سیاح کی زبان معلوم ہوا، جو عراق کی سیاحت کر کے یورپ واپس گیا تھا، عراق میں صابئیوں کی اب تک تھوڑی سی آبادی ہے، یہ دیکھ کر کہ یہ حضرت یحییٰؑ (جان) کی بڑی عزت کرتے ہیں، اس نے اپنے اہل وطن کو یہ پیغام بشارت سنایا تھا کہ وہ حضرت یحییٰؑ کے عیسائیوں؟ کا پتہ لگا کر آیا ہے، اس کے بعد مسلمان مصنفین کی کتابوں میں ان کے حالات یورپ کو ہاتھ آئے، بعد ازیں ایک عیسائی مشنری نے عراق آ کر ان میں کام شروع کیا، ایک دو نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اپنے قدیم مذہبی عقائد کا طلسم خود اپنی زبان سے کھولا۔

صابئین اپنے آپ کو ماندیین کہتے ہیں، ساحل فرات پر بصرہ اور خوزستان کے پاس ان کی مختصر آبادی ہے (ماند) کے لفظی معنی ان کی زبان میں (علم) کے ہیں، ان کی بول چال کی زبان فارسی اور عربی ہے، لیکن مذہبی زبان ایک قسم کی آرامی ہے، خط، قدیم تدمری (پالمائرن) خط کے مشابہ ہے، اسی خط اور زبان میں ایک مذہبی صحیفہ ان کے ہاتھ میں ہے، جس کے بعض حصے قدیم ہیں اور کسی پرانے لٹریچر سے ماخوذ ہیں، ان میں سب سے طویل اور اہم ٹکڑے کا نام سدرب[1] یعنی بڑی کتاب ہے اور اسی کا دوسرا نام "گنزا (گنج یا کنز) یعنی خزانہ ہے، اس کے دو چھوٹے بڑے حصے ہیں، بڑے کو "یامین" (یمین) داہنا ہاتھ، اور چھوٹے کو شمال (شمال) بایاں ہاتھ کہتے ہیں، پہلا حصہ زندگی کے لئے ہے، اور دوسرے میں مذہبی عہدہ داروں کی تجہیز و تکفین کی دعائیں ہیں، یامین کا آخری باب کتاب الملوک ہے، جس میں ایرانی اور عرب بادشاہوں کے تذکرے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ ساتویں اور نویں صدی عیسوی (یا پہلی اور تیسری صدی ہجری[2]) کے درمیان کا ہے، رسوم مذہبی کچھ زیادہ پرانے یعنی ساسانیوں کے عہد کے معلوم ہوتے ہیں۔

ان کے عقائد اور اصول مذہب پر ایک مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلدان کے قدیم مذہب ستارہ پرستی، یونان کے فرقہ ناسٹک، اور ایران کے مسئلہ نور و ظلمت کا ایک مخلوط مجموعہ ہے،

[1] سامی زبانوں میں رب کے معنی بڑے کے ہیں [2] حاشیہ نمبر ۲ اگلے صفحہ پر دیکھیں

تمام اشیا کی اصل ایک تاریک غار ہے، اس کے ساتھ دو چیزیں ہیں، جو قوائے ازلیہ ہیں، ایک، ایارم زیور رب، (فضائے منور اعظم) اور دوسری ماں رب، (روح اعظم جلال) جس کو وہ ملک النور بھی کہتے ہیں، ماں رب نے برترین قوائے ازلیہ حی قدیمائی (حیاۃ قدیمہ) یعنی حیاۃ اولیٰ یا علت اولیٰ کو پیدا کیا، اس کے بعد خود پردہ راز میں چھپ گیا، اور صرف نیک صائبیوں کو موت کے بعد نظر آئے گا، اب بھی حیاۃ قدیمہ اولیٰ عملاً اس فرقہ کا خدا ہے، تمام مناجاتوں اور دعاؤں میں اسی کی حمد وثنا ہوتی ہے ملک النور جاہ وجلال کے ساتھ سمت شمال میں سکونت گزیں ہے، نور اول کے پانچ مظاہر ہیں، نور خاص وبلند، بارنسیم، لطف صوت، قوائے ازلیہ کی آواز اور ان کا حسن خلقت، ان سے مل کر پھر ۳۶۰ روحانی قوتیں (ملائکہ) پیدا ہوئیں، ان میں سے اکثر کی نام بنام پوجا ہوتی ہے۔

حیاۃ اولیٰ سے پھر حی تانی (حیاۃ ثانیہ یا علت ثانیہ) پیدا ہوئی، اس کا دوسرا نام ویشومن بھی ہے، اس کے بعد اس کا دوسرا مظہر رسول حیاۃ یعنی ماند ہے، جس کی نسبت سے اس فرقہ کا 'ماندمین' نام پڑا ہے اور جس کو وہ اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں، ماند ماں ربا کا فرزند اول فرزند عزیز، رسول برتر، اور کلمہ حیاۃ ہے۔

حیاۃ نے اس عالم ظاہری میں اپنے تین مددگار پیدا کئے ہبل شیتل، اور آنوس یہ تینوں محافظ ارواح ہیں، آنوش کا دوسرا نام حی تلیہای (حیاۃ ثالثہ) ہے، عتیق یعنی قدیم بھی اس کو کہتے ہیں اور یہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں عالم نور کی آخری سرحد پر رہتا ہے، اس دنیا سے اس دنیا میں جو جاتا ہے یہ اپنی ترازو میں اس کے اعمال پہلے تول لیتا ہے اس کے نیچے ایک تاریک غار میں میلا پانی تھا، جس میں اس کا عکس پڑا تو ایک صورت پتاہل نام مجسم ہوگئی یہ پتاہل فرزند حیاۃ ثالثہ اس عالم مادی کا خالق ہے، اسی نے آدم وحوا کو پیدا کیا، لیکن یہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے اس لئے حیاۃ اولیٰ ہبل شیتل اور انوس کو بھیجا، انھوں نے ان کے اندر روح پھونکی اور ان کو خدا کے حکم سے تعلیم کیا کہ عالم نور کیا چیز ہے اور یہ کہ ان کا اصلی خالق پتاہل نہیں بلکہ خدائے برتر ہے، پتاہل کے تین اور سلسلہ مخلوقات ہیں، ایک ستارگان سیارہ، دوسرے منازل برج تیسرا سلسلہ اب تک غیر معین ہے۔

۱؎ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں یعنی خلیفہ معتضد کے زمانہ میں ثابت بن قرہ صابی نے صابی مذہب کے فرائض وسنن وتجہیز وتکفین میت وقواعد نجاست وطہارت وحیوانات قربانی واوقات نماز پر ایک کتاب لکھی تھی، ابوالفرج ملطی صفحہ ۲۶۵ کیا وہ بھی حصہ ہے؟ (پچھلے صفحے کا حاشیہ)

ستارگان سیارہ یہ ہیں، لیستر (اشتار) یعنی زہرہ روح قدس بھی اس کا نام ہے، انبار (نینو) یعنی عطارد سن یعنی چاند کیوان یعنی زحل بیل یعنی مشتری نریگل (نرگال) یعنی مریخ ال یا ال[۱] آل آفتاب، جس کا دوسرا نام قادوش یعنی قدوس ادونائے[۲] ہے، یہ تمام ستاروں کی ارواح کا مالک ہے اور اسی لئے اس کی جگہ ان کے وسط میں ہے، آسمان خالص پانی کا ایک سمندر ہے جس میں یہ ستارے تیر رہے ہیں، شمالی قطب ستارہ، ستاروں کا مرکزی آفتاب ہے، جس کے اردگرد تمام اجرام ساویہ حرکت کر رہے ہیں، وہ تاج زرنگار پہنے عالم نور کے دروازہ پر بیٹھا ہے، منادیین عبادت کرتے وقت اسی طرف رخ کرتے ہیں، زمانہ کے مختلف اجزاء کر کے ہر زمانہ کی حکومت ایک خالص ستارے کے سپرد ہوتی ہے۔

ان کے ہاں روزوں کے دن بھی مقرر ہیں، لیکن روزہ کے دن کے معنی صرف آرام کے دن کے ہیں، کیوں کہ فاقہ ان کے ہاں سخت ممنوع ہے[۳] حکم ہے کہ ان دنوں میں مرد وزن سب سپید کپڑے پہنیں اور تین وقت نہائیں کسی جانور کو ان دنوں نہ ماریں اور نہ گوشت کھائیں، سہ شنبہ ان کا مقدس دن ہے۔

مذہبی عقاید کو غیروں سے چھپانا ان کا اولین اصول ہے، سب سے تعجب انگیز بات یہ ہے کہ ان کے مذہبی عقاید بنی اسرائیل کے عقاید اور اصول کے بالکل ضد قایم کئے گئے ہیں، توراۃ کے تمام بزرگوں کو حضرت ابراہیم سے لے کر آخر تک سب کو کاذب اور مفتری پیغمبر سمجھتے ہیں، حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں فرعون کی طرفداری کرتے ہیں، فرعون کو اپنا رہنما اور پیشوا جانتے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا صحیح مذہب اسی کے زمانہ میں مصر میں قائم تھا، جو مصری فرعون کے ساتھ ڈوبنے سے بچ گئے، وہ قطب شمالی کی چھوٹی جنت میں آرام کر رہے ہیں، اور منادی جب کم ہو جاتے ہیں تو وہ آکر ان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں، ابراہیم جو (نوح) کے چھ ہزار برس کے بعد آفتاب کے عہد حکومت میں ہوئے تھے جھوٹے پیغمبر تھے اسی طرح حضرت موسیٰ، سلیمان، داؤد، اور عیسیٰ بھی، صرف یحییٰ بن زکریا سچے پیغمبر تھے جن کو یہودیوں نے قتل کر دیا، اور اسی کی پاداش میں وہ زمین میں پراگندہ کر دئے گئے اور (حضرت ابراہیم کی جائے ولادت) دوزخ کا نام ہے، یہوا جو بنی اسرائیل کے خدا کا نام ہے وہ یہو شمن کی صورت میں دوسرے درجہ کے خداؤں میں شامل ہے۔ (یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۷ اص ۵۵۵ سے ماخوذ ہے)

تبصرہ | ان صفحات کے پڑھ لینے کے بعد یہ بآسانی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ قدیم مسلمان مصنفین کی

---

[۱] ایل سامی زبانوں میں خدا کو کہتے ہیں۔
[۲] اس عبری لفظ کے معنی ہمارے خداوند کے ہیں، یہود اسے لزاما اس کو خدا کے لئے استعمال کرتے ہیں
[۳] پارسی مذہب میں بھی منع ہے۔

تحقیقات اور جدید انکشافات تقریباً ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں، خصوصاً قدماء میں سے مجاہد قتادہ حسن بصری، اور ابن ندیم کا اور متاخرین میں علامہ ابن تیمیہ کا بیان نہایت محققانہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ صابئین کا اصلی مذہب کلدانی تھا، جس میں بابلی الاسماء ستاروں کی پرستش اصل بنیاد ہے، ایران کی ترقی و حکومت کے عہد میں مجوسی مذہب کے مسئلہ نور و ظلمت اور استیلائے ارواح نے ان پر سایہ ڈالا، اس کے بعد یونانی فلسفیوں کا دور آیا، انھوں نے ایران کو ہٹا کر اس کی جگہ خود لی، اس وقت ناسٹک فلسفہ نے ان پر اپنا اثر ڈالا، چنانچہ خلق عالم اور نظم کائنات کے اکثر مباحث اسی فلسفہ کے اوراق ہیں، اثبات و انکار کی حیثیت سے اسرائیلی پیغمبروں کے نام یہودیت کے آثار میں خصوصاً حضرت آدمؑ، حواؑ، نوحؑ، شیثؑ، کا ان میں مقبول ہونا دعویٰ کی کافی شہادت ہے، اور اسی سبب سے ہمارے مورخین نے ان کو حضرت شیثؑ کی امت بتایا ہے بپتسمہ، روح القدس اور کلمہ کا ان میں تخیل عیسائی تصور ہے۔

سب سے زیادہ تعجب انگیز اور حیرت زا اس مذہب کا وہ پہلو ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی نسل کے دیگر پیغمبروں کی شدید مخالفت بلکہ عداوت پنہاں ہے، یہ حیرت زائی اور تعجب انگیزی ایک اہم نکتہ کی طرف ہماری رہبری کرتی ہے، یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا مولد بابل کا شہر اُر اور دفشا شہر حران ہے، یہ وہ مقامات ہیں جو صابئیت کے مرکز اور درس گاہیں ہیں، اس بنا پر ہمارے مفسرین اور خصوصاً علامہ ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ قابل قبول ہونا چاہئے کہ یہی وہ بدبخت قوم ہے جس میں **خلیل بت شکن** نے ظہور پایا تھا، اور ان کے بتوں اور مورتوں کو توڑ کر ستارہ پرستی سے روکا تھا، لیکن شومیٔ قسمت نے ان کی دعوت قبول کرنے کے بجائے ان کا دشمن بنا دیا، اور وہی دشمنی و عداوت کا خمیر اب تک اس فرقہ کا عنصر بطور وراثت موجود ہے، اور خدا جانے کتنے قدیم زمانہ سے اس نے عقیدہ کی صورت اختیار کر لی ہے، غالباً یہی سبب ہے کہ نسل ابراہیمؑ کی ایک بڑی شاخ (عرب) میں صابی کا لفظ مرتد، بے دین اور بدمذہب کے معنی میں مستعمل ہے، چنانچہ آغاز اسلام میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کو یہی خطاب ملا تھا[1]، اس موقع پر پہنچ کر قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر عملاً ہماری آنکھوں کے سامنے نمایاں ہو جاتی ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ
إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ
وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ (ممتحنہ: ۴)

ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں تمہارے لئے بہترین نمونہ اقتداء ہے جب انہوں نے اپنی قوم (بابل) سے کہا، ہم تم سے اور جن کو خدا کے علاوہ تم پوجتے ہو، ان

[1] صحیح بخاری باب غزوۃ العسیرۃ باب اسلام ثمامہ وغیرہ

سے الگ ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے
تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور دشمنی پیدا
ہوگئی، یہاں تک کہ تم ایک خدا پر ایمان لاؤ۔

لغوی تشریح لفظ صابئ، کی لغوی تشریح بھی کسی قدر تفصیل طلب ہے، کہتے ہیں کہ صبا، عبری لفظ صبع، کا آرمی تلفظ ہے، صبع عربی لفظ صبغ کے ہم معنی ہے جس سے عربی میں دوسرا لفظ اصطباغ بنا ہے، اس کے اصلی معنی نہانے اور دھونے کے ہیں، اور اصطلاحاً بپتسمہ کے معنی میں بولا جاتا ہے، چونکہ یہ فرقہ مذہباً دن میں کئی دفعہ غسل کرتا ہے اس لئے ان کا آرامی نام صابی پڑا اور اسی سے عربی میں آیا لیکن ہمارے سامنے ایک اور لغوی تشریح اس سے زیادہ سہل اور بامعنی موجود ہے، اصل یہ ہے کہ سامی زبانوں میں صبا کا لفظ ستاروں کے مفہوم میں عام طور سے مستعمل ہے، عبرانی میں اس کے معنی جماعت ستارگان کے ہیں[1] عربی میں صبا کے معنی ستارے کے طلوع ہونے اور نکلنے کے ہیں[2]، چنانچہ قاضی بیضاوی نے صابئ کا اشتقاق اسی لفظ سے کیا ہے۔

تنبیہ اہم منادیین کے لئے صابئین کا لفظ سب سے پہلے ان کے دشمنوں نے استعمال کیا لیکن آپ تعجب سے سنیں گے کہ خلافت عباسیہ نے جب ان کے وطن عراق میں اپنا سیاسی مرکز قائم کیا تو انھوں نے نہایت فخر کے ساتھ خلیفہ مامون کے عہد میں اس لقب[3] کو اختیار کیا اور چونکہ یہ یونانی زبان اور فلسفہ سے واقف تھے، اس لئے خلافت کے علمی صیغوں میں انھوں نے بڑے بڑے درجے حاصل کئے اور بعد کو ان میں عربی زبان کے اچھے اچھے ادیب بھی پیدا ہوئے، اور اس کوشش میں کہ وہ حقیقت میں اہل کتاب ہیں انھوں نے اپنے مذہب کی ایسی تجدید و اصلاح کی کہ وہ اپنے کو اسلام کے قریب تر ثابت کر سکے۔ یہی سبب ہے کہ بعض علمائے اسلام نے ان کے عقائد و طرز عبادات کو اسلام سے قریب تر بیان کیا، اور اس سے عیسائیوں کو یہ دھوکا ہوا کہ وہ سمجھے کہ اسلام کے بعض رسوم و عبادات ان ہی صابئین سے ماخوذ ہیں[4]، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے، اور خوشی کی بات ہے کہ اب ان حملہ آوروں کو بھی اپنے راستہ کی غلطی معلوم ہو رہی ہے[5]۔

---

[1] صحیح بخاری باب غزوۃ العسیرۃ و باب اسلام ثمامہ وغیرہ [1] سیل کے ترجمہ قرآن کا مقدمہ و چیمبرس ٹو شتھ سنچری ڈکشنری لفظ سبینس [2] لسان العرب لفظ صبا [3] مفاتیح العلوم خوارزمی طبع یورپ صفحہ ۳۶ و کتاب الفہرست ابن ندیم [4] سورس آف القرآن مسر ولیم میور [5] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لفظ "صابئین" دی لٹریری ہسٹری آف پرشیا مصنفہ براؤن ج ۱ ص ۳۸۴

مذہب صابئی اور قرآن مجید | قرآن مجید میں صابئی مذہب کا نام بقرہ، مائدہ اور حج تین سورتوں میں آیا ہے، اس کے علاوہ ان کے مذہب کا کوئی اور ذکر مذکور نہیں، چونکہ ہم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا اصل ابتدائی مذہب بعد کی آمیزشوں سے پہلے، خدا کے اقرار کے ساتھ ساتھ ستاروں روحوں اور ان کے مجسموں کی پرستش ہے تو بآسانی یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ان عقاید کی تردید و ابطال میں قرآن مجید نے جو کچھ کہا ہے اس کا اصلی تخاطب ان ہی سے ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ صابئی قوم کی ہدایت و اصلاح کے لے سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ مامور ہوئے توراۃ میں تصریح ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو عراق کے شہر اور اُور حران[۱] سے تعلق تھا اور ان کا خاندان غیر خداؤں کو سجدہ کرتا تھا[۲] قرآن مجید، حضرت ابراہیمؑ کی زبانی ان ہی صابئی مجسمہ پرستوں کو خطاب کر کے کہتا ہے:

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً	(انعام:۷۵)	کیا بتوں کو خدا ٹھہراتے ہو۔
مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝	(انبیاء:۵۲)	یہ کیا مورتیں ہیں جن کو تم گھیرے رہتے ہو۔
اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝	(صفّت:۹۵-۹۶)	جن کو تم اپنے ہاتھوں سے گڑھتے ہو ان ہی کو پوجتے ہو حالانکہ تم کو اور تم جو بناتے ہو سب کو خدا نے پیدا کیا ہے۔
اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا	(عنکبوت:۱۷)	خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو جھوٹ گھڑ کر
يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝	(مریم:۴۴)	میرے باپ شیطان کو نہ پوج، وہ خدا کا نافرمان ہے۔

ستارہ پرستی کی تردید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ سب سے روشن دلیل ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (انعام:۷۵-۸۰)	جب اس پر رات نے پردہ ڈالا، ستارہ کو دیکھا، بولا یہ میرا خدا ہے، جب وہ چھپ گیا تو اس نے کہا میں چھپ جانے والے کو پیار نہیں کرتا، جب چاند کو دیکھا، کہا یہ میرا خدا ہے جب وہ بھی ڈوب گیا بولا اگر میرا پروردگار ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہوں میں ہوتا، جب آفتاب پر نظر پڑی بول اٹھا یہی میرا پروردگار ہے، یہ سب سے بڑا ہے، جب وہ بھی

[۱] تکوین [۲] یوشع ۲۴-۲

ڈوب گیا کہا اے بھائیو! میں اس سے برأت کرتا
ہوں جس کو تم خدا کا شریک کہتے ہو، میں اپنا منہ
اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین
کو پیدا کیا، میں مشرکوں میں سے نہیں۔

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوتا ہے کہ صابی خدا کے منکر نہیں تھے بلکہ خدائی میں اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے تھے، بابلی مذہب کی تفصیل کرتے وقت ہم نے بتایا ہے کہ یہ آیت:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ (صفٰت:۸۸) ایک نظر بھر کر ستاروں کو دیکھا۔

بھی اسی ستارہ پرستی کی طرف اشارہ ہے۔

عدنانی عربوں کی مذہبی حالت جہاں بیان ہوئی ہے بتایا گیا ہے کہ نزول قرآن کے وقت کس قبیلہ میں کون ستارہ پوجا جاتا تھا، عربوں نے دنیا کے تمام طبعی کاروبار کو انہی ستاروں کے طلوع و غروب کی طرف منسوب[1] کر رکھا تھا، ان کا خیال تھا کہ منازل قمر کے ۲۸ ستاروں میں سے ایک جب غروب ہوتا ہے تو دوسرا اس کے مقابل طلوع ہوتا ہے، وہ جب تک ڈوب نہ جائے اس کا عمل قائم رہتا ہے[2]، اس کو اپنی اصطلاح میں نوء (نکھتر) کہتے تھے، انواء اسی کی جمع ہے صحیح بخاری میں ہے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ارشاد الٰہی ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ "فلاں نوء کے سبب سے ہم پانی برسائے گئے"، وہ میرا منکر ہے اور ستارہ پر اس کا ایمان ہے[3]، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ یہ آیت اسی عقیدہ کی تردید میں ہے:

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ (واقعہ:۱۵) ستاروں کے جائے غروب کی قسم۔

محقق مفسروں نے لکھا ہے کہ ان چیزوں کی خدا نے جو قسم کھائی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کی ہستی، قدرت، اور کمال صنعت اور اپنی محکومی، بندگی، اور غلامی کی خود گواہ اور شاہد ہیں، اس بنا پر ذیل کی آیت پاک سے اسی ستارہ پرستی کے بطلان کی طرف اشارہ سمجھئے:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا ۝ (شمس:۱-۲) قسم ہے آفتاب اور اس کے دن چڑھنے کی اور چاند کی جب اس کے پیچھے چلے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ (طارق:۱-۳) قسم ہے آسمان کی اور رات کے مہمان کی اور رات کا مہمان کیا ہے، چمکنے والا ستارہ۔

---

[1] کتاب الازمنہ والامکنہ امام مرزوقی، طبع حیدر آباد ج اول ص ۱۷۸ [2] فتح الباری ج اول ص ۲۳۴ بحوالہ کتاب الانوار ابن قتیبہ [3] صحیح بخاری صلوۃ الاستسقاء

اہل تفسیر کہتے ہیں کہ چمکنے والے ستارہ سے مراد زحل ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ (نجم:۱) قسم ہے اس ستارے کی جب وہ گرے۔

النجم عرب میں خاص ثریا کو کہتے ہیں، اس کے گرنے سے مراد افق رویت کے نیچے چلا جانا ہے اور یہ اہل عرب کے نزدیک آغاز موسم کی علامت ہے:

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝ (انشقاق:۱۸) قسم ہے چاند کی جب وہ کامل ہو جائے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ قسم ہے ہٹنے والے، چلنے والے اور چھپنے والے (تکوین:۱۵-۱۶) ستاروں کی۔

اکثر ارباب تفسیر متفق ہیں کہ اس سے مراد سبع سیارہ ہیں۔

عام ستارہ پرستوں اور صابیوں میں فرق یہ ہے کہ وہ ان ستاروں کو درحقیقت خدا سمجھتے ہیں، اور صابئ خدا کے اقرار کے ساتھ ان ستاروں کو خدا کا مظہر سمجھ کر ان کی عبادت و تعظیم کرتے ہیں، اس لئے قرآن نے صابیوں پر خدا کے اقرار کے ساتھ ستارہ پرستی کا الزام قائم کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ (حج:۱۸) کیا نہیں دیکھتے کہ "خدا" ہی کو سجدہ کرتا ہے آسمان اور زمین میں جو بھی ہے اور سورج اور چاند اور کل ستارے

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ (حم سجدہ:۳۷) رات دن، سورج اور چاند سب خدا کی نشانیوں میں سے ہیں، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس خدا کو کرو جس نے ان کو پیدا کیا، اگر تم درحقیقت خدا ہی کو پوجتے ہو۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ (لقمان:۲۹-۳۰) اور چاند اور سورج کو اس نے مسخر کیا، ہر ایک اپنی مقررہ حد تک چل رہا ہے اور خدا تمہارے کاموں سے باخبر ہے، یہ اس لئے کہ "حق" وہی ہے اور اس کے سوا جس کو پکارتے ہو وہ باطل ہے۔ تم چاند اور سورج کو اس لئے پوجتے ہو کہ وہ بلند اور بڑے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہی اللہ بلند اور بڑا ہے۔

بلندی اور بڑائی کے علاوہ سورج اور چاند کی عظمت کی تیسری دلیل "روشنی" ہے، اس لئے سورۂ یونس میں فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا (یونس:۵) اسی نے آفتاب کو روشن اور چاند کو منور کیا۔

سورہ نوح میں ارشاد ہوا:

وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۝ (نوح:۱۶) اس نے آفتاب کو (خانۂ کائنات کا) چراغ بنایا۔

آفتاب و ماہتاب کے مسخر الٰہی ہونے کی آیتیں قرآن میں بکثرت ہیں، سورہ رعد، ملائکہ، زمر، عنکبوت، اور ابراہیم میں بالخصوص ہیں، اس بار بار کی تکرار سے ظاہر ہوتا ہے کہ آفتاب و ماہتاب پرستی کا رواج عرب میں کس قدر زیادہ تھا، صابئین میں ارواح و ملائکہ پرستی کا رواج تھا، اسی لئے قرآن نے کہا:

يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ۝ قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُونَ۝ (سبا:۴۰-۴۱)

جس دن ان کو قبروں سے اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا تم ہی کو یہ پوجتے تھے، کہیں گے، تو شرکت سے پاک اور ہمارا آقا ہے، بلکہ یہ جنوں کو پوجتے تھے اور اکثر لوگ ان ہی پر ایمان رکھتے تھے۔

اس مطلب کی بعض اور آیتیں شرک کے بیان میں آئیں گی۔

حنفیت صابئیت کے انکشاف حقیقت کے بعد حنفیت یا ملت حنیف کے معنی بالکل روشن ہو جاتے ہیں، ہمارے مفسرین کو اس باب میں اس لئے تزلزل رائے ہے کہ لفظ ''حنیف'' کی لغوی تحقیق میں انھوں نے قرآن مجید سے اعانت نہیں لی ''حنیف'' حنف سے مشتق ہے، حنف کے معنی ہٹنے اور ٹیڑھے ہونے کے ہیں، حالانکہ یہ مذہب حق ہے، اس کے معنی سیدھے ہونے کے ہونے چاہئیں، یورپین مصنف ہم کو بتاتے ہیں کہ سریانی میں اس کے معنی کافر کے اور عبرانی میں منافق کے ہیں[1] اور طعنہ دیتے ہیں کہ مقدس پیروان محمدؐ نے اس کی لفظی تحقیق کی پروا نہیں کی[2]......اور مشورہ دیتے ہیں کہ قبیلہ بنو حنیفہ کے جھوٹے پیغمبر مسیلمہ کے نام کو اس لفظ کا ماخذ بنائیں، یعنی یہ کہ مسیلمہ سے ''مسلم'' اور حنیفہ سے ''حنیف'' کا لفظ لیا گیا ہے[3] یورپ کے مشرقی تبحر کا ظرف باایں ہمہ ادعائے وسعت بہر حال تنگ ہے، اس لئے اس کی ہم کو شکایت نہیں کہ مایہ ناز فرنگ نہ صرف آغاز تاریخ اسلام سے ناآشنا، بلکہ آئین زبان عرب سے بھی آگاہ نہیں[4]، دنیا میں کس نے اپنا امتیازی لقب دشمن کے نام و خاندان پر رکھا ہے، اصل یہ ہے کہ نری عربی دانی اور بات ہے اور اسلامی واقفیت اور چیز ہے:

عشق بازان دیگر اند و عشق سازان دیگر اند آنچہ در فرہاد می بینم در پرویز نیست

اہل عرب کے نزدیک حنیف حضرت ابراہیمؑ کا لقب تھا، اس لئے ان کے مذہب کا نام

---

[1] لائف آف محمد ﷺ مارگولیوتھ صفحہ ۱۱۶ [2] بحوالہ سابق [3] حنیف کا لقب اسلام سے پہلے عرب میں موجود تھا مسیلمہ نے آنحضرت ﷺ کے آخر عمر میں دعوی نبوت کیا تھا۔ [4] کسی عربی قاعدہ کے مطابق بنو حنیفہ سے حنیف اور مسیلمہ سے مسلم مشتق نہیں ہو سکتا

ملت حنیف انھوں نے رکھا تھا، عرب کے بعض نیک دل لوگ جو عرب کے تمام موجودہ مذاہب بت پرستی، یہودیت، اور عیسائیت کے مفاسد سے گھبرا کر تلاش مذہب میں نکلتے تھے وہ آخر اسی آستانہ دین حنیف پر آکر تسلی اور اطمینان پاتے تھے۔

لغوی تحقیق حنیف، حنف سے مشتق ہے، عربی میں اس کے معنی مڑنے اور جھکنے کے ہیں، اس لئے حنیف وہ شخص ہے جو ایک طرف سے جھک کر اور مڑ کر دوسری طرف جائے، یہ لفظ اچھے اور برے دونوں معنوں میں مستعمل[1] ہوسکتا ہے، اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس نے اچھی بات کو چھوڑ کر بری بات اختیار کی ہے تو حنیف کے وہ معنی ہوسکتے ہیں جس میں عبرانی و سریانی میں وہ مستعمل ہے یعنی کافر و منافق اور اگر یہ سمجھا جائے کہ برے کام کو ترک کر کے اس نے کوئی اچھا کام پسند کیا ہے تو اس کا وہ مفہوم ہوگا جس میں اہل عرب اس کو بولتے ہیں، یعنی دین دار اور خدا پرست، اس بنا پر اس لفظ کے اچھے یا برے مفہوم کی تعیین، موقع استعمال اور حرف صلہ سے ہوگی اصل میں اس کا ابتدائی استعمال للہ یا للدین کی تخصیص کے ساتھ ہوتا تھا یعنی الحنیف للہ خدا کی طرف جھکنے والا الحنیف للدین سچے مذہب کی طرف جھکنے والا، کثرت استعمال اور زبان زدگی عام سے اس قید کی ضرورت نہ رہی اور مطلق حنیف (جھکنے والا) کے معنی بھی حنیف للہ (خدا کی طرف جھکنے والا) یا حنیف الدین (سچے مذہب کی طرف جھکنے والا) ہی کے سمجھے جانے لگے، چنانچہ قرآن مجید میں اس لفظ کا دونوں طرح استعمال ہوا ہے، سورہ حج میں ہے حنفاء للہ (خدا کی طرف مڑنے والے بن کر) لیکن سورہ بینہ میں بغیر صلہ کے آیا ہے مخلصین له الدین حنفاء (اپنے اعتقاد کو خدا کے لئے خالص کر کے مڑنے والے بن کر) یہاں حنفاء کے معنی حنفاء للہ سمجھے جائیں۔

ہر زبان میں کثرت سے اس قسم کی مثالیں ملیں گی، بلکہ اصطلاحات عموماً اسی طرح بنتی ہیں، مثال کے لئے حنیف کے ہم معنی لفظ "مسلم" کو لیجئے، مسلم کے اصلی معنی سونپنے والے ہیں، کوئی شخص اپنے دوست کو کسی دشمن کے حوالہ کردے تو عربی میں اس کو مسلم کہیں گے، اور یہ مذموم معنی ہوں گے اس کا ابتدائی استعمال مسلم للہ اپنے کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دینے والا تھا، جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

---

[1] لسان العرب

بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ (بقرہ:۱۱۲) ہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کیا۔

لیکن کثرت استعمال سے صرف مسلم رہ گیا اور معنی وہ ہی مسلم کے سمجھے جانے لگے اور اب کسی کو خطور بھی نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی بڑا مفہوم بھی ہے۔

اصل یہ ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم کی بعثت صابئ قوم کے اندر ہوئی تھی، حضرت ابراہیم نے دلائل اور عمل دونوں طریقوں سے ان کے مذہب کی تردید کی، باطل پرستیوں سے سخت تنفر ظاہر کیا، اور خدائے برحق پر ایمان لائے، اسی بنا پر انھوں نے خود یا بعد کو ان کے پیروؤں نے اپنا لقب ''حنیف'' اختیار کیا، یعنی ستارہ پرستی وغیرہ سے مڑ کر خدا پرستی کی طرف آنے والا۔ اس قول کی صحت قرآن مجید کے موقع استعمال سے ثابت ہوتی ہے، ستارہ پرستی کی تردید میں ایک ایک ستارہ کو لے کر حضرت ابراہیم کا اس کی ربوبیت سے انکار کرنا جہاں قرآن میں مذکور ہے اس کے آخر میں ہے:

قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۞ اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ (انعام:۷۹-۸۰)

(بالآخر) ابراہیم نے کہا! لوگو میں ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، میں اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر کر اس ذات پاک کی طرف جھکتا ہوں جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا حنیف بن کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم کا یہ اعلان گویا دین ابراہیمی کی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے، اس اعلان کی یہ عبارت کہ ''میں ہر طرف سے منہ پھیر کر خالق ارض وسما کی طرف منہ کرتا ہوں،، اور اس کے بعد یہ کہنا کہ حنیف بن کر اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض اور حنیفا کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی کہ جو ستارہ وغیرہ باطل پرستیوں سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرے قرآن مجید کی دو آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حنیف کے معنی اول یہی ہیں:

وَاَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا (یونس:۱۰۵) سچے مذہب کی طرف اپنا منہ کرو (باطل پرستیوں سے) منہ موڑ کر۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (روم:۳۰) پھر اپنا منہ سچے مذہب کی طرف سیدھا کرو (باطل پرستوں سے) منہ موڑ کر، خدا کی یہ بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر ان لوگوں کو پیدا کیا۔

بعد کو بڑھتے بڑھتے اس لفظ کے معنی زاہد و عابد و دیندار کے ہو گئے۔

جاہلی شاعر جران العود کا شعر ہے:

وادركن اعجازاً من الليل بعدما | اقام الصلوة العابد المتحنف

سواریوں نے رات کے آخری حصہ کو پالیا | جب کہ عابد دیندار اپنی نماز ادا کر چکا

جاہلیت کا مشہور شاعر ابو ذویب ہذلی کہتا ہے:

اقامت به لمقام الحنيف | شهرى جمادىٰ وشهرى صفر

اس نے وہاں قیام کیا جس طرح دیندار (حنیف) جمادی کے دو مہینے اور صفر کے دو مہینے قیام کرتا ہے۔

یہ دونوں شعر لسان العرب میں ہیں۔

یہاں پہنچ کر ہم کو ایک دقیق نکتہ کی طرف توجہ دلاتا ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ ''صابی'' کے معنی عبری میں پاک اور طاہر کے ہیں، لیکن عربی میں کافر کو کہتے ہیں، حنیف کا حال اس کے بالکل ضد ہے، عبرانی و آرامی میں کافر و منافق کے ہم معنی، اور عربی میں دیندار و موحد کے مرادف ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ مقابل کے فرقوں کے نام ہیں، اور ان کے اچھے اور برے مفہوم صرف مذہبی اتحاد و مخالفت پر مبنی ہیں، یہی سبب ہے کہ مسلمان خود اپنے کو حنفاء کہتے تھے، لیکن کفار ان کو تعصب سے صباۃ (صابی کی جمع) کا لقب دیتے تھے۔

قرآن مجید کی آیتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حنیف کا مقابل مشرک ہے اسی بنا پر قرآن مجید میں جہاں جہاں حنیف کا لفظ آیا ہے اس کے ساتھ ساتھ شرک کی نفی بھی کی گئی ہے:

حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام:۷۹) موحد بن کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔

حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ (حج:۳۱) خدا کے موحد بن کر نہ مشرک۔

أَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (یونس:۱۰۵) اپنا منہ سچے مذہب کی طرف کر موحد بن کر اور مشرکین میں سے نہ بنو۔

بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (بقرہ ۱۳۵) بلکہ ابراہیم موحد کا مذہب، وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ	(آل عمران:۹۵)	ابراہیمؑ موحد کے مذہب کی پیروی کرو، وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔
وَلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ	آل عمران:۶۷)	بلکہ ابراہیم موحد مسلم تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔
دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ	(نعام:۱۶۱)	پکا مذہب ابراہیم موحد کا اور وہ مشرکوں میں نہ تھا۔
اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ	(نحل:۱۲۰)	ابراہیمؑ پیشوا تھا، متواضع اور خدا کا موحد اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔
اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ	(نحل:۱۲۳)	ابراہیمؑ موحد کے مذہب کی پیروی کر اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ان آیتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مذہب دراصل حضرت ابراہیمؑ کا تھا اور ان ہی کی یادگار کے طور پر ان کی نیک دل اولاد میں اس کا کسی قدر حصہ باقی رہ گیا، یہود اور نصاریٰ مسلمانوں کو کہتے تھے، مذہب حق تو یہودیت یا عیسائیت ہے، یہ تیرا کون سا مذہب ہے؟ قرآن نے جواب دیا کہ یہ دونوں تو بعد کی شاخیں ہیں، اصل مذہب وہ ہے جس کی دعوت ''قوموں کے باپ'' ابراہیم نے دنیا کو دی[1]:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ	(بقرہ:۱۳۵)	انہوں نے کہا کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو راہِ راست پاؤ، کہو کہ نہیں بلکہ ابراہیمؑ موحد کا مذہب اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

فرماتا ہے:

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ	(بقرہ:۱۴۰)	تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰق اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوب یہودی یا عیسائی تھے، کہو کہ تم زیادہ جانتے ہو یا خدا اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا سے اپنی شہادت چھپاتا ہو۔

یعنی ظاہر ہے کہ یہودیت اور عیسائیت ان پیغمبروں سے بہت بعد کی چیزیں ہیں، اس لئے اسلام اس اصلی اور سچے مذہب کا داعی ہے جو ان پچھلی آمیزشوں سے پاک ہے:

[1] توراۃ میں ہے کہ ابراہیم کے لفظی معنی قوموں کے باپ کے ہیں۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (بقرہ:۱۳۰) — بیوقوف کے سوا اور کون مذہب ابراہیمؑ سے پھرے گا۔

کیونکہ:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ (آل عمران:۶۷) — ابراہیمؑ نہ یہودی تھا، نہ عیسائی بلکہ موحد مسلم تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اور اے اسمٰعیلی عربو! یہی:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (حج:۷۸) — مذہب تمہارے باپ ابراہیمؑ کا ہے۔

باپ کی یہ وراثت بیٹوں میں موجود تھی، اس مذہب کے قبول کی رسمی علامتوں میں سے سب سے بڑی علامت ختنہ ہے جو اولاد ابراہیمؑ کے ساتھ مخصوص ہے، عربوں میں یہ رسم ہمیشہ سے موجود تھی، عبادت کی چیزوں میں بیت الرحیم یعنی بیت اللہ کا طواف، دین ابراہیمی کی سب سے پرانی یادگار ہے، عرب نے اپنے باپ کی اس پرانی یادگار کو بھی ہمیشہ باقی رکھا، باقی توحید وغیرہ کے اصلی عقائد وہ اکثر سینوں سے مٹ کر محو ہو گئے تھے، اسی بنا پر عرب میں حنیف کے معنی صرف یہ رہ گئے تھے کہ ''جو مختون ہو اور جس نے حج کیا ہو''[1]۔

اسلام سے کچھ پہلے جب یہودی اور عیسائی مذہب عربوں میں فروغ پانے کے لئے ہر طرح سے کوشاں تھے، پرانے مذہب کو جس کا صرف ڈھانچہ رہ گیا تھا، بعض نیک دل اور نکتہ فہم عربوں نے نئے سرے سے زندہ کرنا چاہا، لیکن اس کی صورت اس قدر مسخ ہوگئی تھی کہ خود صناع عالم کی کارفرمائی کے بغیر انسانی مسیحائی اس کو حیات ثانی نہیں بخش سکتی تھی۔

آغاز اسلام میں جن چند نیک لوگوں کے نام حنفاء کے لقب سے لئے جاتے ہیں، وہ خود اپنے مذہب سے آگاہ نہ تھے، اور حق کے متلاشی تھے، قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث، امیہ بن صلت، زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن نشبہ، عبداللہ بن جحش وغیرہ بت پرستی سے بیزار ہو کر حق کی راہ ڈھونڈتے یا عیسائی ہو گئے (مثلاً قس اور ورقہ) یا اصل حنفی مذہب کی تلاش میں سر ٹکرا کر مر گئے (مثلاً زید اور امیہ) اور یا اسلام کی روشنی جب چمکی تو حق کو دیکھا اور دین حنیف کا سراغ پایا اور قبول کیا (مثلاً عثمان اور عبداللہ بن جحش اور قیس بن نشبہ وغیرہ)۔

---

[1] لسان العرب لفظ ''حنیف''

زمانہ جاہلیت میں ایسے متعدد شعراء گذرے ہیں جن کے کلام میں حق کی باتیں الفاظ کی تاریکی میں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں، مثلاً لبید (قبل اسلام) زہیر، امیہ بن الصلت، خلاف بن شہاب التمیمی، قس بن ساعدہ الایادی، وغیرہ شعراء کے کلام میں توحید، حشر، ونشر اور محاسن اخلاق کی تعلیم ملتی ہے، آج کل کے بعض عرب عیسائی مصنفوں نے اس قسم کے عرب شاعروں کو عیسائی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے اپنی کوشش کی بنیاد ریت پر قائم کی، اور ایک دلیل بھی وہ دعوی کی استواری میں پیش نہ کرسکے، میرے خیال میں یہ شعراء حنفی العقاید تھے، چنانچہ ان میں سے بعض کے کلام میں اس کی تصریح بھی ملتی ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بعد کو بعض سادہ لوح مسلمانوں یا شریر لوگوں نے بہت سے جھوٹے شعر بنا بنا کر ان لوگوں کی طرف منسوب کردئے ہیں، قرآن کی آیتوں لے کر ان کو موزوں کر کے ان کے نام سے شعر کہہ دئے ہیں۔ آج کل کے عربی داں عیسائی ان اشعار کو بڑی چالاکی سے اس ثبوت میں پیش کرتے ہیں، کہ دیکھو محمدؐ نے شعرائے جاہلیت کے کلام کو الٹ پلٹ کر قرآن بنادیا ہے، ان اشعار میں صحیح اور غلط اور سچے اور جھوٹے کی تمیز صرف عربی کی زبان کے باریک بیں اور نکتہ شناس ادیب ہی کرسکتے ہیں، جو جاہلیین اور مولدین کے کلام کو بیک نظر دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ان میں موتی اور پوت کون ہے؟

شرک عرب کا سب سے وسیع الاثر مذہب شرک تھا، شرک کے یہ معنی ہیں کہ ایک خدا کو مان کر اس کی اعانت و امداد کے لئے اس کے اعوان و انصار کا یقین رکھا جائے۔

عرب میں زیادہ تر اسی عقیدے کے لوگ تھے، وہ گو ہر قسم کے دیوتاؤں اور دیبیوں کے قائل تھے، بتوں کو سجدہ کرتے تھے، جنات اور فرشتوں کو نذر چڑھاتے تھے، تاہم ایک قوت اعظم کے وجود سے وہ بے خبر نہ تھے، ان صدہا معبودوں کے جھرمٹ میں ان کو وہ جلوۂ اقدس بھی نظر آتا تھا، جس کو وہ اللہ کہتے تھے، آسمان وزمین کی پیدایش اور اس کارخانہ فطرت کے اور بڑے بڑے کام اسی کے دست قدرت کا نتیجہ سمجھتے تھے، یہی سبب ہے کہ شعرائے جاہلیت کے کلام میں زیادہ تر اللہ ہی کا نام آتا ہے، اور اسی کی طرف تمام افعال کی نسبت ہوتی ہے گو اس کے ساتھ بتوں اور دیوتاؤں کے نام بھی جابجا ان کے اشعار میں ملتے ہیں، لیکن ان بتوں اور دیوتاؤں اور فرشتوں کو اللہ کے عزیز و اقارب یا اس کی بارگاہ کے مقرب درباری جانتے تھے، اور ان کی عبادت اور پرستش اس لئے کرتے تھے تاکہ وہ خوش ہو کر اللہ

تعالیٰ کو ہم سے راضی رکھیں، قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر کفار عرب کو ٹوکا ہے کہ جب اصلی قوت اللہ کے ہاتھ میں ہے تو اوروں کو کیوں پوجتے ہو؟ اور جب تم یہ مانتے ہو کہ آسمان زمین چاند ستارے سب اسی کے بنائے ہیں تو ان کو خدا کیوں کہتے ہو؟

قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ۝ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ ۚ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝

(مؤمنون: ۸۴-۹۱)

اگر تم کو علم ہے تو بتاؤ تو زمین اور زمین میں جو کچھ ہے یہ سب کس کا ہے؟ وہ کہیں گے خدا کا، کہو کہ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے، ان سے پوچھو کہ سات آسمانوں کا اور عظیم الشان عرش کا مالک کون ہے؟ یہی کہیں گے کہ سب اللہ کا ہے، کہو کہ پھر اس سے ڈرتے نہیں، اگر جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے، جس کے ہاتھ میں ہر شئے کی حکومت ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، جواب دیں گے یہ قدرت تو اللہ کی ہے۔ ان سے کہو کہ پھر تم کیوں بے عقل ہو گئے ہو، حق یہ ہے کہ سچی بات ہم نے ان کو پہنچا دی اور وہ جھوٹے ہیں نہ تو خدا نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر خدا اپنی مخلوقات کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر غالب آ جاتا، یہ مشرکین جو باتیں بیان کرتے ہیں خدا ان سے پاک ہے۔

ان آیات میں مشرکین کے عقائد کا بہ تفصیل ذکر ہے ولدیت کی اس میں جو تردید ہے وہ عیسائیوں سے متعلق نہیں، بلکہ مشرکین کے متعلق ہے، وہ فرشتوں کو خدا کے فرزند سمجھتے تھے، دوسری آیتوں میں اس کی توضیح آئے گی، آیات ماسبق کے ہم معنی یہ آیتیں بھی ہیں:

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝

(یونس: ۳۱)

پوچھو تم کو آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے، کون تمہارے حاسۂ سمع اور حاسۂ ابصارت پر قدرت رکھتا ہے کون ذی حیات چیز سے مردہ (جامد) شئے اور مردہ (جامد شئے) سے ذی حیات چیز پیدا کرتا ہے اور کون دنیا کا انتظام چلاتا ہے، جواب دیں گے اللہ، کہو کہ پھر اس سے ڈرتے نہیں؟

مشرکین کو اس بات کی چڑھ تھی کہ محمد ﷺ تنہا اللہ کا نام کیوں لیتے ہیں، اس کے ساتھ

دیوتاؤں کو کیوں شریک نہیں کرتے:

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (اسرائیل:۴۶)	جب تو اپنے پروردگار کا نام تنہا قرآن میں لیتا ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں۔
وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (زمر:۴۵)	جب تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل جن کو آخرت کا یقین نہیں کڑھنے لگتے ہیں اور جب ان کے سوا اوروں کا نام لیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں
اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا (مومن:۱۲)	جب تنہا خدا کا نام پکارا جاتا ہے تو تم انکار کر بیٹھتے ہو اور اگر اس کا کسی کو شریک کیا جائے تو مانتے ہو۔

سورہ نمل میں نہایت بلیغانہ انداز میں قرآن نے خدا کی مختلف قدرتوں اور صفتوں کو گنایا ہے اور ہر فقرے کے بعد پوچھا ہے، ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے۔؟ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائے برحق کے قائل تھے، اب ذیل کی آیتوں سے ثابت ہوگا کہ وہ دیگر معبودوں کا کیا رتبہ سمجھتے تھے، ان کو کس نظر سے پوجتے تھے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس:۱۸)	خدا کے سوا وہ اس کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچاتا ہے نہ فائدہ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبود اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

سورہ زمر میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (۳)	اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اوروں کو مددگار بنایا اور جو کہتے ہیں کہ ہم تو ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ خدا سے ہم کو قریب کر دیں۔

فرشتوں کے متعلق ان کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اسی لئے ان کو عورت فرض کرتے تھے۔ قرآن نے کہا:

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ	کیا تمہارے بیٹا ہو اور اللہ کے بیٹی ہو، یہ تو نامنصفانہ تقسیم[1] ہے یہ فقط چند نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لیا اور خدا نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری

[1] اہل عرب لڑکی سے ناراض ہوتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہو گویا لڑکی کو برا سمجھتے تھے اور لڑکے کو پسند کرتے تھے لیکن خدا کے بارے میں ان کا اعتقاد الٹا تھا، یہ اس کی تردید ہے۔

پھر آگے چل کر خدا فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی (نجم:۲۷)

جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا نام عورت کا نام رکھتے ہیں

سورہ طور میں ہے:

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ (طور:۳۹)

کیا اس کے لڑکیاں ہوں اور تمہارے لڑکے ہوں۔

سورہ انبیاء کی آیت:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء:۲۶)

یہ مشرک کہتے ہیں کہ خدا نے لڑکا بنایا ہے نہیں بلکہ وہ معزز بندے ہیں۔ (یعنی فرشتے)

مشرکین بھوت پریت اور جنات کے بھی قائل تھے، ان کو خدا یا خدا کے ہم پایہ سمجھتے تھے، ان کی دہائی مانگتے تھے، اور ان کے غضب سے ڈرتے تھے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ (انعام:۱۰۱)

اور جہالت سے جنوں کو خدا کا شریک بنایا حالانکہ خدا ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور خدا کے لئے بیٹے بیٹیاں جھوٹ گھڑی ہیں۔

صحیح مسلم کی کتاب التفسیر میں ہے کہ ذیل کی آیت ان عربوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو جنات کی پرستش کرتے تھے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (بنی اسرائیل:۵۷)

وہ جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں ان میں سے (ان کے خیال میں) جو زیادہ مقرب ہیں اپنے پروردگار کی طرف قربت کا ذریعہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خوف زدہ ہیں۔

سورہ جن میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کا مقولہ نقل فرمایا ہے:

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (جن:۱۵۲)

اور بات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض جنوں کی دہائی مانگا کرتے تھے اور انہوں نے ان جنوں کو اور مغرور بنا دیا

خدا اور جنات میں رشتہ ناتا کرتے تھے:

وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (صفت:۱۴۸)

خدا اور جنات میں رشتہ قائم کیا ہے۔

مشرکین عرب کو سب سے زیادہ دو باتوں کی تسلیم سے سخت انکار تھا، ایک حشر و نشر کے اعتقاد اور دوسرے رسالت و نبوت کے دعوے سے چنانچہ رہ رہ کر ان کو تعجب ہوتا تھا کہ ”کیا مر کر بھی کوئی جی سکتا ہے،، اور آدمی ہو کر بھی کوئی خدا کا فرستادہ بن سکتا ہے، قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں ان کے تعجب اور اچنبھے پن کو نقل کیا ہے:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝

(مومنون: ۳۳-۳۷)

یہ تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہے جو تم کھاتے ہو وہ وہ کھاتا ہے جو تم پیتے ہو وہ وہ پیتا ہے، اگر اپنی ہی طرح کے ایک آدمی کی تم نے پیروی کی تو تم اس وقت گھاٹے میں رہو گے۔ کیا تم سے یہ شخص کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاؤ گے تو پھر (قبروں سے) نکالے جاؤ گے، تم سے جو کہا جاتا ہے وہ ناممکن ہے، یہ تو اسی دنیا کی زندگی ہے مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جانے والے ہیں۔

اسی سورہ میں آگے بڑھ کر ہے:

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

(مومنون ۸۲-۸۳)

وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو پھر اٹھائے جائیں گے، یہ بات تو ہم سے اور ہمارے بزرگوں سے بھی پہلے کہی گئی ہے، یہ صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

یہی آیت تھوڑے تغیر کے ساتھ سورہ صافات اور سورہ واقعہ میں ہے۔ سورہ مطففین میں ہے:

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝

(مطففین ۴)

کہ ان کو یہ گمان نہیں کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

سورہ ق میں ہے:

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝

(ق: ۲-۳)

بلکہ ان کو تعجب ہے کہ ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس آیا۔ کافر کہتے ہیں یہ تو تعجب کی بات ہے کیا ہم جب مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے، یہ واپسی تو مشکل ہے۔

قرآن مجید میں مشرکین کے ان اعتقادات کی تردید و ابطال کی اس قدر آیتیں ہیں کہ ان کا استقصا کرنا گویا قرآن کو ایک صفحہ میں جمع کرنا ہے، تاہم ان سیکڑوں آیتوں میں جو اصولی باتیں مذکور ہوئی ہیں وہ یہی ہیں:

دہریت | قرآن مجید کی ان آیتوں سے:

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ:۲۴)	اور کہتے ہیں کہ نہیں ہے لیکن یہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو نہیں مارتا ہے لیکن زمانہ
إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (مؤمنون:۳۷)	یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے اور بس مرتے ہیں اور جیتے ہیں (یہی سلسلہ ہے) ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے نہیں۔

بعض صاحبوں نے استدلال کیا ہے کہ عرب کچھ دہریہ بھی تھے

بت پرستی | گذشتہ صفحات میں تفصیل گذر چکی ہے کہ عرب میں بت پرستی کا شیوع تھا، مٹی، پتھر، اور لکڑی کی مورتیں بنائی جاتی تھیں، ان کی پوجا ہوتی تھی، قرآن میں ان بتوں کے لئے چار الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، اصنام، اوثان، انصاب، نصب، تماثیل، خاص اہل عرب کے بتوں کے لئے ایک دفعہ صرف دوسرا اور دو دفعہ تیسرا لفظ آیا ہے:

عرب میں بت مٹی کے بنتے تھے۔

أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ (انبیاء:۲۱)	کیا یہ کافر مٹی سے بنا کر (پتلا) اٹھاتے ہیں اس کو خدا بناتے ہیں۔

لکڑی وغیرہ اور چیزوں سے بھی یہ بت تیار ہوتے تھے:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ (نحل ۲۰-۲۱)	خدا کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں وہ تو کچھ نہیں بنا سکتے البتہ وہ خود بنائے جاتے ہیں، بے جان ہیں ذی روح نہیں۔
إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ (حج ۷۳)	خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اس کام میں سب مل جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس کو چھڑا نہیں سکتے۔

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ۝ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا

(الاعراف:۱۹۱-۱۹۵)

خدا کا شریک اس کو بتاتے ہیں جو کچھ نہیں بنا سکتا ہے اور وہ خود بنائے جاتے ہیں، نہ اپنے پرستاروں کی وہ مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں۔ اگر ان کو رہنمائی کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں۔ ان کے لئے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا چپ رہو، خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح بندے ہیں، ان کو پکار دیکھو وہ جواب تو دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چل سکیں، ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکیں، آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں یا ان کے کان ہیں جن سے سن سکیں۔

اہل عرب اپنے ان ہی گونگے بہرے لولے اور لنگڑے خداؤں کو پوجتے تھے، انکے لئے قربانی کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، ان کے آگے فال کے پانسے ڈالتے تھے، قرآن نے ان کو حرام کیا:

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ

(مائدہ:۱۹۱-۱۹۵)

جو جانور بتوں پر ذبح کیا گیا حرام ہے اور یہ بھی کہ پانسوں کے ذریعہ سے حصہ بانٹو۔

وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ

(مائدہ:۱۹۱-۱۹۵)

یہ بت اور پانسے ناپاک ہیں، شیطان کے کاموں میں سے۔

قرآن میں اصنام کا ذکر

عرب کے جن اصنام کا ذکر اوپر کے صفحات میں کہیں گذرا ہے، ان میں سے چند قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں، جن میں سے لات، عزیٰ، اور مناۃ کا ذکر سورہ نجم میں آیا ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝

(النجم:۲۰-۱۹)

کیا تم نے لات، عزیٰ اور تیسرے بت مناۃ کو دیکھا۔

سورہ صافات میں بعل کا نام ہے:

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۝

(صٰفٰت:۱۲۵)

بعل کو پکارتے ہو اور اس سب سے اچھے پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو۔

سورہ نوح میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے نام آئے ہیں:

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝

ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو مت چھوڑو۔

ان کے پرستار قبائل لات اورعزیٰ قریش کے دیوتا تھے، قاعدہ تھا کہ سونے سے پہلے قریش ان کا پوجاپاٹ کر لیتے تھے تب سوتے[1] قریش ان ہی کی قسم کھایا کرتے تھے[2] مناۃ کو اوس وخزرج سے خصوصیت تھی، وہ حج میں اسی کا طواف کرتے تھے[3] حج میں ان تینوں کی جے پکاری جاتی تھی، قریش طواف کے وقت کہتے:

اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ — لات اورعزیٰ اور تیسرے مناۃ بزرگ لوگ

تلك الغرانیق العلیٰ وان شفاعتهن[4] لترجیٰ — ہیں، ان کی سفارش کی امید ہے۔

سورہ نوح کے بتوں کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عرب کے مختلف قبائل میں ان کی پرستش ہوتی تھی، ودقبیلہ کلب کا بت تھا سواع کی ہذیل پرستش کرتے تھے، یغوث مراد اور بنی غطیف کے قبیلوں کا دیوتا تھا، یعوق ہمدان میں پجتا تھا نسر حمیر کے خاندان ذی الکلاع کا معبود تھا[5] بعل کی پرستش شام میں ہوتی تھی[6]۔

ان ناموں کی لغوی ومعنوی تحقیق ان الفاظ کی ابتدائی صورتیں اوران کے اصلی ماخذ اس قدر فراموش ہوگئے ہیں، کہ بمشکل ان کی حقیقت کی تہہ تک پہنچا جا سکتا ہے، عربی زبان کے ائمہ لغت نے ان کی لغوی تحقیق ایک حد تک کی ہے اور آج کل کے مستشرقین بھی اس بنا پر اس کی دریافت کے مدعی ہیں کہ انھوں نے عرب اور دیگر سامی ممالک کے قدیم کتبات کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور عرب کی معاصر اور ہمسایہ قوموں کی زبان وتاریخ سے بھی واقفیت پیدا کی ہے، ذیل میں قدیم وجدید معلومات کے موازنہ کے ساتھ ایک ایک نام کی تحقیق کی کوشش کی جاتی ہے۔

۱۔ اللات حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر راویوں سے مروی ہے کہ لات لت سے مشتق ہے، جس کے معنی گھولنے کے ہیں (اردو میں اسی سے لتنا یا لت کرنا بنا ہے) عرب میں ایک شخص تھا جو زمانہ حج میں ایک چٹان پر بیٹھ کر ستو گھول گھول کر حاجیوں کو پلایا کرتا تھا، اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اسی چٹان کو پوجنا شروع کر دیا اور اس کا نام لات یعنی گھولنے والا رکھا[7] لیکن اس بیان سے علاوہ اس کے کہ یہ ایک غیر معقول توجیہ ہے یہ لازم آتا ہے کہ لات (بالتخفیف) کے بجائے لاتّ (تشدید کے

---

[1] مسند امام حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۲۲ [2] صحیح بخاری تفسیر سورہ نجم [3] صحیح بخاری تفسیر سورہ نجم
[4] معجم یاقوت لفظ عزیٰ [5] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکورہ [6] تفسیر بیضاوی تفسیر صافات
[7] صحیح بخاری تفسیر سورہ نجم مع فتح الباری

ساتھ) ہو۔ اور یہ قراءۃ متواترہ کے خلاف ہے، یاقوت نے معجم میں اس کو لیت سے مشتق کیا ہے، جس کے معنی پھیرنے کے ہیں لات یعنی مصیبتوں کا پھیرنے والا لیکن اس اصول پر اس کو لائت ہونا چاہئے اور ان دونوں نظریوں پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ اس حالت میں تائے اصلی ہو اور تائے تانیث نہ ہو حالانکہ یہ مونث ہے۔

مستشرقین یورپ نے بکمال لیاقت ہم کو یہ بتانا چاہا ہے کہ اللہ اور اللات ایک ہی لفظ کی دو صورتیں ہیں، اللہ مذکر دیوتا کے لئے قریش میں مستعمل ہوتا تھا اور اللات یعنی دیبی اس لفظ اللہ کی قریش نے تانیث بنائی تھی[1]۔ ان عقلمندوں سے پوچھنا چاہئے کہ اللہ کی تانیث عربی قواعد کے موافق اللات کیونکر ہوسکتی ہے؟ اس کی تانیث اگر ممکن ہے تو اللّٰھۃ چاہئے یا الالہۃ اللہ کی ہائے اصلی کیوں کر تانیث سے ساقط ہوگئی، اگر ہمارا مشورہ مستحق قبول ہو تو اس زنانہ لفظ کی پیدائش کے لئے عرب کی خشک سرزمین کے بجائے ملک شام کا سرسبز علاقہ مناسب ہوگا کیوں کہ عرب کے اکثر دیوتا ملک شام ہی کے باشندے تھے[2]، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہیرودوٹس مورخ نے مسیح سے چار سو برس پہلے عرب کے ایک دیوتا کا نام الیلات بتایا ہے حالانکہ اس وقت قریش کا وجود بھی نہ تھا، اس لئے ان کی زبان کا لفظ بھی اس وقت موجود نہیں ہوسکتا۔

قدیم سامی زبانوں میں خدائی کے لئے ال یا ایل کا لفظ عام طور سے موجود تھا، تائے تانیث لگنے سے ایلوت ہوگیا، جس کے معنی دیبی کے ہوں گے عربوں نے جب اس لفظ کو اختیار کیا تو اپنا الف لام تعریفی اس پر اضافہ کیا، اور پہلے الف کو اپنے قاعدہ کے مطابق جیسا کہ اللہ میں ہوا ہے، گرا کر اللوات بنالیا اور اس سے اللات ہوگیا، کیا اس "فیلالوجی" کو ہمارے یورپین محققین پسند کرتے ہیں؟ لات کا نام نبطی کتبات میں ایلات کی صورت میں ملا ہے۔

۲۔ لفظ اللہ کے متعلق مارگولیتھ صاحب کی تحقیق کہ یہ اصل میں قریش کے خاندانی دیوتا کا نام تھا اس لئے محمد کی توحید پرستی کے یہ معنی ہیں کہ انھوں نے دوسرے قبائل کے دیوتاؤں کو مٹا کر اپنے خاندانی[3] دیوتا کو منوایا "یورپ کے مشرقی تبحر علمی" کی شرمناک مثال ہے سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ اس عظیم الشان عربی زبان میں "حقیقی خدا" کے مفہوم کے لئے کوئی لفظ موجود نہ تھا، تم کہتے ہو کہ محمدؐ سے پہلے عرب میں موحدین موجود تھے، بہتر ہے، لیکن کیا وہ اپنے خدا کے لئے اللہ کے سوا کوئی اور لفظ

[1] یہ جارج سیل مترجم قرآن ولہوسن مترجم واقدی اور مارگولیتھ مصنف محمدﷺ کی تحقیق ہے، دیکھو سیل کا مقدمہ اور مارگولیتھ محمدﷺ صفحہ ۱۹ [2] ابن ہشام اصنام العرب، بخاری شریف فتح مکہ و مناقب قریش [3] محمدﷺ صفحہ ۱۹

29

پیش کرتے تھے؟ موجودہ عیسائی ادبائے عرب کے بیان کے مطابق عرب میں عیسائی شعرا بکثرت پیدا ہوئے ہیں، بات سچ ہے، عرب میں عیسائی شعراء ہوئے ہیں لیکن کیاان کی زبان سے لفظ اللہ تم نے نہیں سنا؟ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی صفات خود مشرکین کے اقرار کے مطابق جو بیان کئے ہیں، وہ کیا کسی دیوتا پر صادق آسکتے ہیں؟ سب سے آخر یہ کہ اللہ کی اصل تو الالہ ہے الہ تو صرف عربی میں نہیں بلکہ تمام سامی زبانوں میں خدا تعالیٰ ہی کے لئے مستعمل ہے، کم از کم الوہ اور الوہیم سے تو ناواقفیت نہ ہوگی، قریش اپنے دیوتاؤں کے مجسمے بنا کر پوجا کرتے تھے، کیا اس سب بڑے قریشی دیوتا کا بھی کہیں کوئی مجسمہ تھا؟

۳۔ العزیٰ اس کے متعلق تو یہ ظاہر ہے کہ یہ (عز) سے مشتق ہے جس کے معنی غلبہ کے ہیں، عز، کا اسم تفضیل مونث عزیٰ ہے، یعنی بہت غالب آنے والی دیبی۔ عجب نہیں کہ یہ قریش اور ان کے ہم نسب قبائل کی لڑائی کی دیبی ہو، اور غالباً یہی سبب ہے کہ جنگ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور وہ کوہ احد پر چڑھ گئے تو ابوسفیان نے دامن کوہ میں کھڑے ہوکر مسلمانوں کو خطاب کر کے عزیٰ کی جے پکاری تھی کہ لنا العزی ولا عزی لکم ہماری طرف عزیٰ ہے تمہاری کوئی عزیٰ نہیں، آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم اللہ ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں[1]۔

۴۔ مناۃ اس لفظ کا اشتقاق چند ماخذوں سے ہوسکتا ہے، سب سے کمزور پہلو یہ ہے کہ وہ منی، سے مشتق ہو، جس کے معنی بہانے کے ہیں، اسی سے مکہ کے مقام منیٰ کا نام ماخوذ ہے یعنی خون بہانے کی جگہ، مناۃ شاید قربانی کا دیوتا تھا، جس کے نام سے خون بہایا جاتا ہوگا۔ لیکن بجز قیاس کے اس اشتقاق کی صحت کی اور کوئی دلیل نہیں۔ یاقوت نے اس کے مختلف اشتقاقات بتائے ہیں، ہمارے نزدیک ان میں سے سب سے صحیح یہ ہے کہ وہ منا سے مشتق ہے اس کے معنی تقدیر کے ہیں، اور اس کے معنی ثانی موت کے ہیں، صاحب لسان العرب نے بتایا ہے کہ اس میں ۃ فقط علامت تانیث کے لئے ہے، گویا ''مناۃ'' تقدیر اور موت کی دیبی تھی، نبطی کتبات میں یہی منات منوت کی صورت میں ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا املا منوۃ ہے۔

۵۔ ود کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ود سے ہے جس کے محبت کے ہیں، اور اس کے مقابل دوسری دیبی نکرہ تھی، جس کے ناپسندیدگی اور عدوات کے معنی ہیں، یہ بت بھی کتبات میں مذکور

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ احد

ہے، ایک خیال یہ بھی ہے کہ ود کی اصل اد ہے بابلی میں آفتاب کو کہتے ہیں۔

۶۔ سواع اس لفظ کا مشتق منہ کلام عرب میں نہیں ملتا ممکن ہے کہ سوع سے مشتق ہو جس کے معنی زمانہ کے ہیں۔

۷۔ یعوق عوق سے (روکنا) مضارع کا صیغہ ہے، اہل یمن میں یہ بت پوجا جاتا تھا ان کے ہاں صیغہ مضارع کو بطور علم استعمال کرنے کا خاص دستور تھا، چنانچہ یعرب، یشجب، یکرب، یعفر، یھرعش، یوھیمن، وغیرہ اصلی نام کے ساتھ صفت کے طور پر مستعمل[۱] ہوئے ہیں، یعوق کے معنی روکنا ہے یعنی مصیبتوں کو روکتا ہے،

۸۔ یغوث بھی یعوق کے قاعدہ سے علم ہے، غوث (فریاد کو پہنچنا) اس کا مصدر ہے، یغوث کے معنی فریادرسی کرتا ہے یغوث دیوتا کا نام کتبہ میں بھی ملتا ہے۔

۹۔ نسر کے لغوی معنی گدھ کے ہیں، اسی شکل کا ایک مجموعہ کواکب آسمان میں ہے جس کو نسر کہتے ہیں، نسر دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں بہت مدت سے پوجا جاتا تھا، اہل بابل کے دیوتاؤں میں ایک نسر وک[۲] تھا، اب بابل میں اس دیوتا کا مجسمہ بھی نکلا ہے۔

۱۰۔ بعل کی نسبت بہ تحقیق گذر چکا ہے کہ یہ دیوتا شام کا معبود تھا، قرآن نے بھی اسی ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے، بعل کے لغوی معنی قوت کے ہیں، اسی سے مجازاً آقا کے معنی اور اس کے بعد شوہر کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوا، چنانچہ دوسرے معنی میں یہ لفظ قرآن میں بکثرت آیا ہے، عرب کا مشہور دیوتا ہبل جو قریش کا خدائے اعظم تھا، اسی بعل کی تحریف ہے، عبرانی میں ھ کلمہ تعریف ہے بعل کو ہبعل کہتے تھے، عمرو بن لحی شام کے دیوتاؤں کو جب عرب لے کر چلا تو مکہ پہنچتے پہنچتے ہبعل کی صورت ہبل سے بدل گئی۔

ایک غیر مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت گذشتہ بزرگوں کے مجسمے تھے، جن کو اہل عرب نے بعد میں پوجنا شروع کر دیا[۳] تھا ممکن ہے کہ ان میں بعض ایسے بھی ہوں لیکن زیادہ صحیح خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ مختلف ستاروں کی خیالی صورتیں تھیں، نسر کے متعلق تو بہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک آسمانی شکل کا نام ہے، اسی پر دوسرے بتوں کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔ بعد میں مرور زمانہ سے ان کی اصلیتیں ذہنوں سے اتر گئیں اور وہ صرف پتھر اور مٹی کا ڈھیر بن کر رہ گئے چنانچہ لات، عزیٰ اور مناۃ کی یہی صورت تھی۔

---

۱ دیکھو ارض القرآن جلد اول میں شاہان سبا اور حمیر کے نام ۲ سفر ۳ صحیح بخاری تفسیر سورہ نجم و سورہ نوح

نام	صورت
لات	گول سفید پتھر اور اس پر ایک عمارت بنی تھی۔
عزیٰ	ایک درخت تھا، اس کے نیچے ایک بت تھا، چاروں طرف چہار دیواری تھی۔
مناۃ	پتھر کی ایک چٹان تھی

دوسرے بتوں کی مختلف صورتیں تھیں۔

وددراز قد مرد کی مورت ایک تہد کمر میں لپیٹے، ایک چادر اوڑھے گلے میں تلوار حمائل، کمان لٹکی ہوئی، ایک طرف ترکش پڑا ہوا، سامنے نیزہ، اس میں جھنڈا بندھا ہوا، ستارہ جبار کی تقریباً یہی شکل ہے، سواع کی شکل عورت کی تھی، آسمان میں مرۃ سلسلہ ذات الکرسی وغیرہ عورت کی شکلیں ہیں، یغوث (فریادرس) کی شکل شیر کی تھی، ستارہ اسد ہوگا ایک فریادرس اور مددگار کی مورت شیر سے بہتر کیا خیال کی جاسکتی ہے، یعوق (مصیبتوں کو روکنے والا) کی صورت گھوڑے کی تھی، ستاروں کی ایک شکل فرس بھی ہے، عربوں کے نزدیک تو فرس حقیقۃً ان کے مصائب کا چارہ گر ہے، نسر ایک پرندہ کی شکل پر تھا، نسر طائر اور واقع ستاروں کی دو مشہور شکلیں ہیں، بابل میں نسروک کی جو سنگی مورت ملی ہے وہ بالکل گدھ کی شکل ہے۔

ہبل قریش کا معبود اعظم تھا، اس کی انسان کی مورت تھی، عقیق سرخ سے بنایا گیا تھا، اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا تھا، قریش کو اسی حالت میں ملا تھا، انھوں نے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگایا تھا، یہودیوں کے بعل کی شکل بھی یہی تھی، فرق یہ ہے کہ یہ تمام تر سونے کا تھا ہبل خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا، فال کے پانسے[1] اسی کے آگے ڈالے جاتے تھے۔

اہل عرب دیوتاؤں کے نام زیادہ مونث رکھتے تھے، کیوں کہ ان کو مونث سمجھتے تھے، مثلاً لات، عزیٰ، مناۃ وغیرہ سب مونث ہیں، فرشتوں کو بھی بیٹیاں سمجھتے تھے غرض خدائی کا کارخانہ زیادہ تر عورتوں ہی کے ہاتھ میں دے رکھا تھا اسی لئے قرآن مجید نے کہا:

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا

خدا کو چھوڑ کر یہ عورتوں (بیبیوں) کو پکارتے ہیں۔

(نساء، ۱۱۷)

[1] بتوں کی یہ شکلیں فتح الباری تفسیر سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ وداور ہبل کی تفصیلی شکل یاقوت نے معجم میں بیان کی ہے بعل کی شکل معالم التنزیل بغوی کے حوالے سے ہے۔

عرب کے بت یورپ کے ممالک میں عجیب بات ہے توحید پرست عرب نے سب سے پہلے یورپ کے ملکوں میں روشنی پھیلائی، اسی طرح عرب کا تاریک زمانہ بھی یورپ کے بت پرستانہ عہد کا معلم ہے، عرب تاجروں کے ذریعہ سے یونان میں، اور یونان سے یورپ کے دوسرے ملکوں میں عرب کے دیوتا سیاحت کرتے پھرتے تھے، اور ان جاہل ممالک کے باشندے ان کے آگے سجدے میں گرے پڑتے تھے کہتے ہیں کہ یونان کا دیوتا لیٹو عرب کے لات کی تحریف ہے، اسی طرح ہرمنس حریمان کی اور ڈوسینوس ذوالشریٰ کی مسخ شدہ صورتیں ہیں، یورپ کے بعض اساتذۂ مشرقیات نے اس بحث پر پرزور رسائل لکھے ہیں[1]۔

لفظ رحمان خدا کے لئے رحمٰن کا لفظ اسلام سے پہلے عام طور سے عربوں میں مستعمل نہ تھا، اصل میں یہ عبرانی لفظ ہے اور صرف یہود ونصاریٰ اور بعض دیگر ارباب مذہب اس کو بولتے تھے، چنانچہ یمن کے آخری[2] کتبات میں رحمٰن ہی کا نام ملتا ہے، سدعرم کے عیسائی کتبہ کا آغاز بنعمة الرحمن الرحیم سے ہوتا ہے اسی لئے اسلام نے جب ابتداً رحمٰن کا نام لیا تو قریش کو اچنبھا ہوا کہ یہ کون نیا نام ہے[3]، صلح حدیبیہ میں جب حضرت علیؓ نے عہد نامہ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو قریش نے ماننے سے انکار کیا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے[4]۔

قرآن مجید میں قریش کے اس انکار کی تصریح مذکور ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا (فرقان:۶۰)	جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے، کیا تو جس کو کہے گا اس کو ہم سجدہ کریں گے، اس سے ان کی نفرت میں اور ترقی ہوتی ہے۔
وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ (انبیاء:۳۶)	رحمٰن کی یاد سے وہ منکر ہیں۔

قرآن نے ان کو بتایا کہ خدا کے لئے تمام اچھے نام بولے جاسکتے ہیں۔ اللہ اور رحمٰن ایک ہی ذات کے مختلف نام ہیں:

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ا ص ۳۸۰
[2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مضمون سبا طبع یازدہم
[3] سیرۃ ابن ہشام
[4] صحیح بخاری

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى کہہ دو کہ خدا کہہ کے پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو اس کے لئے سب اچھے نام ہیں۔ (بنی اسرائیل . ۱۱۰)

قرآن کے ہر سورہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے، ہمارے مفسرین نے رحمٰن اور رحیم دو ہم معنی صفتوں کی یکجائی کی متعدد تاویلیں کی ہیں، اور ان دونوں الفاظ کے معانی کے درمیان نہایت نازک اور دقیق فرق نکالے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک سب کوہ کاوی وموشگافی ہے، قرآن کے استعمال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے رحمٰن کا استعمال بطور صفت کے نہیں بلکہ بطور علم کے کیا ہے، چنانچہ تمام قرآن میں ۵۳ دفعہ یہ نام خدا کے لئے آیا ہے۔ اس بنا پر اس کو صفت قرار دینا صحیح نہیں ہے سورہ اسرائیل کی اوپر والی آیت سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ رحمان خدا کی صفت نہیں بلکہ علم ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ عرب میں دو متضاد جماعتیں تھیں جن میں سے ایک اپنے معبود کو اللہ اور دوسری رحمٰن کہتی تھی، اسلام ان دونوں کو یکجا کرتا ہے کہ تم جس کو اللہ کہتے ہو، اور وہ جس کو رحمٰن کہتے ہیں، درحقیقت ایک ہی ذات کی دو تعبیریں ہیں، اور یہ باہمی اختلاف محض نزاع لفظی ہے، اس بنا پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں ''ہم اپنا کام اس خدا کے نام سے شروع کرتے ہیں، جس کا دوسرا نام رحمٰن ہے اور جو رحمت والا ہے۔''

بسم اللہ اولاً و اخراً

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

مطابق

۱۲ جولائی ۱۹۱۸ء